U102009, Date- 29-12-09

Title - MUKAMMAL DASTAN AMEER HAMZAH

Creator - Ameer Hamzah.

Publisher - Garg and co. (Delhi).

Date - N.A.

Pages - 400

Subject - Dastan.

مکمل

داستان امیر حمزہ

پبلشرز
گرگ اینڈ کو تھوک کتبخانہ کھاری باؤلی دہلی

داستان امیر حمزہ

واضح ہو کہ اس داستان کی بُنیاد سلطان محمود بادشاہ کے زمانہ سے ہے اور اس زمانہ میں جہاں تک راویان تھے انہوں نے آپس میں مل کر واسطے سُنانے منصوبے لڑائیوں، قلعہ اور مُلک گیری کے واسطے امیر حمزہ صاحب کی داستان تصنیف کی تھی۔ اب اس قصہ کو آسان اُردو میں لکھا گیا ہے تاکہ ہر شخص آسانی سے پڑھ سکے۔

ابتدائی دفتر نوشیروان

آغاز داستان امیر حمزہ اس طرح سے ہے کہ بیچ سرزمین ایران کے ملک مدائن میں ایک بادشاہ قباد کامران نامی جو بڑا بہادر شجاع و عادل و رعیت پرور تھا۔ کہ اس کے عہد میں ہر ایک غریب فقیر اپنے گھر میں غنی تھا۔ ظلم اور جور کا اس کے شہر میں کہیں نام و نشان نہ تھا۔ مگر عدل اور انصاف ایسا تھا کہ اس کے دور میں تمام خلقت آسودہ اور بے خطر تھی کسی کو کسی بات کا غم نہ تھا۔ اس کے عدل میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔ اس بادشاہ کے چالیس وزیر تھے کہ جن کی شمیم عقل اس گلشن سلطنت کو ہمیشہ خوشبودار رکھتی تھی۔ ان وزیروں کے سوا سات سو حکیم اور رمال سات سو منجم صاحب کمال چار سو پہلوان کرسی نشین، تین سو بادشاہ باجگزار ایرانی۔ [illegible] ہزار غلام زرین کمر و زرین کلاہ معرق بہ جواہر اس بادشاہ کی خدمت میں روز و شب حاضر رہتے تھے۔ سب وزیروں میں ایک القش نامی تھا کہ جو کہ پیشتر بادشاہ کے لئے امور سلطنت میں مشورہ دیتا تھا۔ اسی شہر میں ایک حکیم از نسل دانیال پیغمبر کے تخت جمال نامی رہتا تھا اس کو علم رمل میں اس قدر معلومات تھی کہ القش وزیر کی اکثر اس سے رمل سیکھنے لگا۔ کئی دن میں باہم یہ دوستی ہو گئی کہ ایک روز بھی دیکھے بغیر نہ ہوتا۔ تھوڑے دنوں کے بعد ایک روز تخت جمال بطور القش وزیر کے پاس آیا اور کہا کہ آج میں نے آپ کی خاطر قرعہ ڈالا تھا اس میں صورت خوف و خطر کی

نظر آئی ہے کہ وہ خوف چالیس دن تک رہیگا۔ پس لازم ہے کہ اتنے دن گھر سے باہر پاؤں نہ رکھے کہ خطرہ جان کا ہے اور اعتبار کسی کا نہ کرے۔ بندہ بھی روزوں کے بعد آ ملکر قدمبوس ہوگا۔ یہ کہکر اپنے گھر کی راہ لی اور گھر کے دروازے کو بند کرکے ایک کونے میں بیٹھکر دنوں کو گننے لگا حتیٰ کہ انتالیس دن بخیر و خوبی گذر گئے۔ چالیسویں دن صبح اٹھکر غسل کیا اور اُجلے کپڑے پہن کر عصا کو ہاتھ میں لیا۔ کہ آج آپ جا کر الفش وزیر سے ملاقات کیجیے کہ اپنے تئیں اس شہر میں سوائے اس کے اور کسی سے واسطہ نہیں ہے۔ یہ کہکر گھر سے باہر نکلا۔ وزیر کے گھر کی طرف چلا شہر چھوڑ کر دریا کی طرف جدھر سے وزیر آتا تھا روانہ ہوا۔ آدھی راہ طے کی تھی کہ دھوپ کی گرمی کے باعث ایک درخت کے تلے آن کر کھڑا ہوا دیکھا تو وہاں کسی آدمی کا اپنے سوا نام تک نہیں ازبسکہ وہاں کسی وقت میں عمارت تھی ٹوٹی پھوٹی حویلیوں کے کچھ نشان باقی رہ گئے تھے۔ اس میدان میں ٹھنڈی ہوا جو اس کو خوش آئی درخت کے نیچے ٹہلنے لگا اور جی میں کہا کہ یہ مکان کئی ایک سال سے ویران پڑا ہے اور تابع ملک الفش کے ہے۔ اس نے بھی آباد نہ کیا۔ اگر یہ ہے تو اس سے بہتر مکان اور لب دریا نہ نکلے۔ یہ تصور کرکے ایک بارہ دری کا ٹوٹا سا مکان اینٹوں سے چنا ہے۔ بخت جمال نے عصا کی نوک سے اینٹوں کو گرا کر جی میں کہا کہ ان کے اندر جا کر دیکھیے کہ کیا ہے۔ اس کوٹھری میں اندر جا کر دیکھا تو ایک کونے میں چھوٹی سی کھڑکی اور اسمیں قفل لگا ہوا ہے پر زنگ نے اس کو کھایا ہے کہ لوہے میں کچھ باقی نہیں ہے۔ ہاتھ سے زور کرکے قفل کو توڑا اور دروازہ کھول کر دیکھا تو کچھ سیڑھیاں نظر آئیں۔ نیچے ایک تہ خانہ تھا ان سیڑھیوں سے اُتر کر اندر گیا اور دیکھا کہ سات گنج مال کے شداد نے کئی زمانے سے یہاں دفن کیے تھے۔ جی میں کہا۔ یہ دولت خدا نے تجھ کو دی ہے لیکن تو مرد غریب ہے، کب ہضم کر سکیگا۔ بہتر یہ ہے کہ الفش سے کہیئے وہ اپنا دوست ہے یہ کہکر پھر آیا اور الفش کی ڈیوڑھی پر گیا۔ جونہی اُس کو خبر ہوئی گھر سے باہر آیا اور بخت جمال کو استقبال کرکے لے گیا۔ اپنی مسند کے پاس بٹھا کر کہا۔ ایام بد جلد گزر گئے خدا عالم ہے بندے کو رات دن آپ کا خیال تھا۔ آپ نے کیوں تصدیع فرمایا۔ آج میں خود حاضر ہوتا رات سے خیال تھا کہ کل چالیسواں دن ہے چل کر حضرت کا آستانہ بوس ہو جیئے۔ بخت جمال نے کہا۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔ اپنے تئیں آپکی ذات سے زیادہ توقع ہے۔ لیکن جہاں پایۂ دوستی زیادہ ہے وہاں کب دل کو اتنا صبر ہوتا ہے کہ دوست کے آنے کا انتظار کیجیے۔ اگر میں آیا تو کچھ مضائقہ نہیں ہوا آپکی خاطر ایک خوشی میں لایا ہوں جھک کر آہستہ سے کان میں کہا کہ میں نے راہ میں فلاں مکان میں سات گنج مال دیکھے ہیں سو مجھ میں اتنا حوصلہ کہاں کہ اسے صرف کروں صاحب کو مبارک ہو جو اس فقیر کو اپنے ہاتھ سے دیجیے گا وہی تھوڑا بہت ہے۔ الفش نے دو گھوڑوں کو منگوا کر ایک پر آپ اور ایک پر بخت جمال کو سوار کرکے لوگوں کو کہا۔ کہ اس وقت کوئی ساتھ نہ آوے۔ تنہا دونوں یہاں آئے جہاں وہ مکان تھا اُس کے اندر جا کر گھوڑوں سے اُتر کر ان کو درخت کے ساتھ باندھا اور دالان کے اندر تہ خانہ میں اُترے ازبسکہ جواہرات کی کثرت سے چاروں طرف عمدہ ایک مکان تھا اور ہر ایک ڈھیر کی طرح بطرح کی

جواہرات کی روشنی سے اُس مکان میں اُجالا تھا۔ الفش مال کو دیکھکر باغ باغ ہوا۔ اور جی میں کہنے لگا کہ خدا نے تجھکو یہ دولت دی ہے لیکن یہ حکیم اِس راز سے واقف ہے ایسا نہ ہو کہ کل تجھکو فاش کرے تو موجب بدنامی کا ہے تمام عالم کہیگا کہ وزیر نے یہ مال پایا اور اُس کو بادشاہ سے چھپایا تو اب خوف یہی ہے کہ اِس کو مار کر اِس کو مار کر اِس مکان میں ڈال دیجئے تاکہ دوسرا کوئی واقف نہ ہو۔ یہ کہکر گردن اُس بیچارے کی اپنی طرف کھینچی اور پچھاڑ کر اِس مرد کی چھاتی پر بیٹھا اور خنجر کمر سے نکال کر چاہا کہ سر کو اُس کے جدا کر دے لیکن اُس کو جرأت کا مقام تھا کہ میں نے سوائے نیکی کے کچھ بدی نہیں کی۔ بے اختیار ہو کر کہنے لگا کہ میں سخت حیران ہوں کہ ایسا گناہ تو کچھ نہیں کیا لیکن اِس وقت مصلحت یہی ہے۔ بخت جمال نے کہا کہ تمکو یہ خیال ہے کہ میں کسی سے کہونگا تم مجھ سے قسم لے لو۔ الفش نے کہا آدمی جان بچانے کی خاطر بہت سی قسمیں کھاتا ہے لیکن میں کب مانتا ہوں۔ اِس بیچارے مرد نے ہر چند منت وزاری کی پر اُس بیرحم کے ہاتھ سے صورت بچنے کی نہ دیکھی۔ کہا اے الفش! آخر تو ہلاک کریگا لیکن میں ایک وصیت کرتا ہوں کہ اگر میرے مرنے کے بعد تجھ سے ہو سکے تو عین احسان ہے کہ میرے گھر میں سوائے آج کے کل کا خرچ نہیں ہے۔ خرچ کیواسطے کچھ دینا اور میرے مرنے کا پتہ نہ دینا دوسرے میرے گھر میں اُمید حمل ہے سو اتنا کہدینا کہ اگر بیٹی ہو تو مختار ہے جو چاہو نام رکھنا۔ اگر بیٹا ہو۔ تو بزرجمہر نام اُس کا رکھنا۔ یہ کہکر آنکھیں بند کیں اور کلمہ پڑھا۔ اُس قاتل نے بے دریغ سر اُس کا قلم کیا اور اُس کا گھوڑا بھی مار کر اِس تہ خانہ میں ڈال دیا اور دریا کے کنارے گیا اور خنجر و ہاتھ سے لہو کو صاف کر کے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اِس طرف آیا اور کہا کہ اِس مکان میں ہمارے واسطے ایک باغ تیار ہو اور جہاں وہ مال تھا اُس کے گرد چار دیواری سنگ مرمر کی ہو اور اُس پاٹ کر ایک بنگلہ واسطے نشست کے موتیوں کا بنے۔ غرض اِس حکم کے ساتھ معمار جہانتک کہ تھے حاضر ہوئے اور راج معمار مزدور، سنگتراش، بڑھئی، بیلدار بلائے اور عمارت لگائی کہ جلد باغ تیار ہو۔ یہ حکم کر کے بموجب وصیت خواجہ ایک دوسرے سے روپے لیکر بخت جمال کے گھر گیا اور جو وصیت کی تھی تمام کہی اور کہا کہ یہ روپیہ خرچ کرو میں نے تجارت کی خاطر اُسے چین میں بھیجا ہے۔ یہ کہکر اپنے گھر گیا اور باغ کا نام بیداد رکھا

بزرجمہر کا پیدا ہونا اور جاماسپ سے اپنے باپ کے مارے جانے کا احوال دریافت کرنا

راوی شیریں زبان اِس داستان کو یوں بیان کرتا ہے کہ بخت جمال کے گھر میں جو حاملہ تھی بعد گذشت سپیدہ روز جمعہ کے وقت آفتاب کی ساعت میں ایک فرزند خوبصورت مثل خورشید برج حمل سے اُس کے طالع ہوا جو کہ

نگاہ اُس عورت کی اپنے فرزند پر پڑی تو جی خوش ہوا حالت میں تنہائی کے اُس کے باپ کو یاد کر کے خوب روئی
لیکن صورت اُس لڑکے کی دیکھکر خدا کا شکر بہ ادا کیا اور نام اُس کا بزرجمہر رکھکر پرورش کرنے لگی۔ جبکہ
پانچ سال کا ہوا بخت جمال کے شاگردوں میں ایک اخوند تھا۔ تمام محلّے کے لڑکے اُس کے پڑھتے تھے۔ یہ بھی بزرجمہر
کو اُس کے پاس لیگئی کہ حق جمال بخت کا تم پر بہت ہے اور یہ لڑکا اُس کا ہے۔ اگر صحبت بد میں آوارہ ہوگیا تو تمہارے
واسطے باعث سُبکی کا ہے۔ اس کو پڑھاؤ تاکہ تمہارا نام ہووے۔ اُس معلم نے سُن کر یہ دل و جان سے قبول کیا
اور بزرجمہر کو چھاتی سے لگا کر بٹھایا اور پڑھانا شروع کیا۔ ازبسکہ طفلگی سے اُس کا ذہن رسا تھا۔ کئی سال میں فارغ
التحصیل ہوا۔ کوئی علم اُس سے باقی نہ رہا۔ تمام دن اخوند کے پاس بیٹھا رہتا۔ جس وقت چار گھڑی دن رہتا تھا اُس
وقت رخصت لیکر اپنے گھر کو جاتا۔ اسکی ماں محنت مزدوری کرکے کھانا پکا رکھتی تھی۔ اتفاقاً ایک روز کچھ میسر نہ ہوا جبکہ
دو گھڑی دن باقی رہا اُس وقت بیتاب ہوکر ماں سے کہا کہ مارے بھوک کے بُرا حال ہے کچھ کھانے کو دو یا کوئی ایسی
چیز دو کہ جس کو بازار میں جاکر فروخت کرکے کھانے کی فکر کروں۔

یہ سُنکر اُس ماں نے کہا۔ کہ کوئی چیز گھر میں ایسی نہیں ہمیشہ تیرا باپ بیچ بیچ کر کھاتا رہا۔ مگر تیرے نانا کے وقت
کی ایک کتاب طاق پر دھری ہے کہ اُس کا دمالاسنامہ نام ہے بارہا تیرے باپ نے چاہا کہ اُس کو بیچکر کھائے۔
مگر جب اُس کے لینے کو گیا طاق سے ایک کالا ناگ پھنکارتا ہوا اُس پر نکل کر دوڑا اُسکی دہشت سے وہ کتاب رہ گئی۔ اگر
تیرا جی چاہے تو اسے فروخت کرکے کام لے سوا اُس کے اور کوئی چیز نہیں۔ بزرجمہر نے اُس کتاب کو فروخت کرنے کے
واسطے اُتارا کہ معلوم کیجئے کہ یہ کیسی کتاب ہے۔ جونہی دو صفحے پڑھے تو زار زار مانند ابر بہار کے خوب رویا اور دو تین ورق
پڑھتے ہی چہرے پر خوشی معلوم ہوئی۔ بے اختیار کھل کھلا کر ایسا ہنسا کہ تمام دیکھنے والے حیران ہوئے۔ جونہی اُسکی
ماں نے یہ حرکت دیکھی تو خیال کیا کہ اس کو سودا ہوا لگی ہے۔ لوگوں سے کہتی ارے خدا کیواسطے فصاد بلاؤ کہ اُس کا
فصد کرے۔ یہ سُن کر بزرجمہر نے کہا کہ مجھے سودا نہیں رونے اور ہنسنے کا سبب یہ ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے سے
تمام حال باطن کا معلوم ہوتا ہے۔ اوّل میں جو رویا یہ پتہ چلا کہ میرے باپ کو قتل کرکے فلاں جگہ ڈالا ہے۔ ابتک
لاش اُس کی جنگل پڑی ہے اور ہنسا اس لیے ہوں کہ اُس سے اپنے باپ کا خون لونگا۔ بادشاہ مجھکو اپنا وزیر کریگا۔
اب تم فکر کھانے کی نہ کرو میں ایک حکمت کرتا ہوں۔ یہ کہکر اپنے ساتھ ایک لونڈی کو لیا اور ایک بنئے کی دوکان پر
آیا اور اُس سے کہا کہ اس عورت کو آٹا میدہ گھی اور قند دیا کرو کہ جب تک میں خون اپنے باپ کا لوں۔ اُس نے کہا
قیمت کب ملے گی۔ کہا تو مجھ سے قیمت طلب کرتا ہے اور جو تو نے فلاں دہقان کے کئی ہزار من گیہوں مول لئے تھے
اُس کو اور اُس کے چار فرزند کو زہر دیکر مار ڈالا۔ اگر یہ بات عدالت میں بادشاہ کے پہنچے تو تیرے حق میں کیا
ہو۔ یہ بات سنکر ہراساں ہوا اور کہا جس وقت آپکو درکار ہو منگوا لیا کرو پر اُس بات کو دوسری جگہ نہ کہیں۔

بزرجمہر نے لونڈی کو اس کے روبرو کیا اور وہاں سے قصاب کی دوکان پر آکر اس سے کہا کہ ایک من تبریزی گوشت اس کنیز میری کو ہر روز دیا کرو اگر منظور نہ ہوئے تو نے طوس گلہ بان سے کئی ہزار بکریاں مول لیں تو جب وہ مانگنے آیا تو تو نے دغا سے مار کر اپنی کوٹھڑی میں گاڑ دیا۔ کہے تو وہ کہہ دوں۔ قصاب اس کو سن کر کانپ گیا اور کہنے لگا خدا کے واسطے یہ حروف زبان پر مت لاؤ جتنا گوشت چاہو دیدیا کروں گا۔ اسی طرح ایک صراف کو بتلا کر کئی دینار اس سے مقرر کئے اور اپنے گھر میں جاکر آرام سے زندگی گزارنے لگا۔

یہاں سے دو کلمہ داستان ملک القش کے ملاحظہ فرمائیے۔ جبکہ وہ باغ تیار ہوا

حکایت

:- ایک دن بادشاہ کے حضور میں عرض کی کہ غلام نے ایک باغ جناب کی دولت سے بنایا ہے سو امیدوار ہے ظل شاہی اگر تشریف فرما ہوں تو ایک چمچہ آش کا نوش جان فرمائیں تو خانہ زاد کیلئے باعث عزت ہے۔ یہ سن بادشاہ نے فرمایا کیا مضائقہ ہے کہ جا کر تیاری کرو ہم کبھی آتے ہیں۔ القش ایک تخت پر سوار ہو کر تمام وزیر امیر ہمراہ لیکر باغ بیداد کی طرف رونق افروز ہوا جبکہ سواری قریب باغ کے آئی ملک القش نے ایک تخت واسطے بادشاہ کے ایسا روانہ کیا کہ ارد گرد جس کے گل اور بوٹے الماس کے تھے اور چاروں کونوں پر طاؤس زمرد کے بنے ہوئے تھے کہ جن کے پیٹ میں لخلخے خوشبو کے رہتے تھے۔ واسطے شان تخت کے طاؤس کے پہلو میں دونوں طرف ایک نرگس دان رکھا تھا کہ جن کے کٹورے مرصع مثل زمرد کے سرسبز تھے اور کئی قسم کے پھول جنہوں کی رنگت پکھراج کی سی تھی اس کو مع ہودجوں چالیس ناقیوں کے جن پر جھولیں زربفت کی پڑی ہوئی اور عماریاں کہ تمام زری کا جوہر نگار ان کی پٹیوں پر کسی ہوئی اور دو گھوڑے عربی عراقی تازی مع جواہر مرصع اور کئی اونٹ لیدادی دو کوہانی کہ جن کے کجاؤوں پر کارچوبی زربفت کی چادریں کسی ہوئیں اور کتنے حصے اور کشتیاں ملاح کی اور جواہرات کی اور پارچات سوتی و ریشمی اپنے ساتھ لئے اور باہر کے خلوت خانہ تک استقبال کر کے بادشاہ کو یہ تمام نذر گزارنا اور تخت کا پایہ پکڑ کر لو ہے دیا اور ہمراہ جبکہ بادشاہ اندر باغ گیا دیکھا کہ واقعی عجیب گلزار ہے کہ شاید اور کہیں ایسا نہ ہو۔ اس کی چار دیواری سنگ مرمر کی جس میں تمام فیروزہ کی تحریر طرح طرح گلکاریاں ہے اور تلے اُن کے دیواروں کی طرف سنہری چونکی دار لپٹ بنی ہوئی کہ اُس میں درخت زمرد کے اور خوشے موتیوں کے لگے ہیں۔ اور وہ صاف روشنی سبزہ کا عالم سرد ہوا پھولوں کی خوشبو ہر دم جس سے دماغ کو قوت ہوتی تھی کیاریاں انسام کی گلزار ہر قسم کے پھول جس میں مثل گل لالہ نافرمان جعفری۔ یاسمن، گیندا، جوہی، سوسن، چنبیلی، موتیا، موگرا، گلاب، سوتی گلشن گل مہندی اور گل داؤدی ہر ایک طرح بہار تھی دونوں طرف روشنی کے دو بڑے بڑے پیڑ چمپہ اور مولسری بہت خوبصورت پھولے ہوئے جنکی ٹہنیاں اور شاخوں پر غار یا دل کی چڑھی ہوئی وہ مہندی اور ناگر بیل کی ٹہنیوں کی نال اور چوبر کی نہر مثل لوح الماس لبالب پانی سے ہر چار طرف گئی کہ جس کے فواروں پر ہزاری کے جانور طوطے، بلبل،

فاختہ، مور جواہرات کے بنے تھے جن کے پر و بال سے ہزار فوارہ جاتا ہوا ایک لطف دیتا تھا اور سفید سفید عالم عمارت کا جس میں سنہری روپہری الماس تراش استادوں پر تمام کے سائبان کھچے ہوئے جن میں سراسر قمقموں کی جان تھی اور سونے کی نیائے چلومیں مینے سے رنگی ہوئیں جوئے در دسبز گلاب کی دریوں سے زربفت کے پردوں کے ساتھ بندھی ہوئیں۔ غرض بادشاہ اس باغ کو دیکھکر اپنے بغداد کو بھول گیا اور ایک بارہ دری تھی۔ کہ اسمیں پکھراج کا کام تھا اس کے اندر بادشاہ ایک تخت پر بیٹھا اور الفش کو شاہ نے خلعت جمشیدی عطا کیا بعدہ جہانتک بادشاہ کے کرسیاں پر جواہرات کے بیٹھے تھے بادشاہ نے خاصہ تناول فرمایا اور وزیر پر بہت سی سرفرازی فرمائی اور صحبت عیش و نشاط کی گرم ہوئی جہاں تک معشوقان ماہرو اس شہر میں تھے حاضر ہوئے اور ان کا مجرا ہوا۔ ساقیان گلفام مے ارغوانی کا جام ہاتھوں میں لیکر گردش میں لائے اور لگے ساتھ بحفگی کے ہر طرف دینے لگے آواز نوش نوش بادہ کی بلند ہوئی غرض بادشاہ نے اکیس دن وہاں جشن کیا بعدہ پھر وزیر کو خلعت دیا اور سوار ہو کر اپنے دولت سرا کی طرف روانہ ہوا۔

بیان خواجہ بزرجمہر کا

یہاں سے وہ کلمہ داستان خواجہ بزرجمہر کے بیان کر دوں کہ اپنے گھر میں گوشۂ عافیت میں رہتا تھا۔ ایکدن ماں نے کہا ان دنوں میں اکثر میتھی کا ساگ کھانے کو دل کرتا ہے کہیں سے منگواؤ۔ بزرجمہر نے کہا میں لاتا ہوں کچھ نقدی لیکر بغداد کے دروازے پر آیا اور باغبان کو آواز دی وہ سن کر دروازے پر آیا۔ دروازہ اس وقت بند تھا چاہا کہ قفل کو کھولے۔ بزرجمہر نے کہا خبردار قفل کو مت ہاتھ لگاؤ۔ کل جو تو نے سانپ مارا تھا اس کا جوڑا تیرے کاٹنے کو بیٹھا ہے۔ برابر آکر دیکھا تو واقعی ایک پتلی سنک سی کالی ناگن قفل کے چھید میں منہ لگائے بیٹھی ہے اسے مار لیا اور لڑکے کا بڑا معتقد ہوا کہ بڑا صاحب کمال ہے۔ پوچھا کہ یہ سانپ کا حال تو نے کس طرح جانا۔ فرمایا تم کو اس سے کیا۔ اگر تیرے باغ میں میتھی کا ساگ ہو تو دے۔ اس نے بزرجمہر کو ایک جا بیٹھلایا اور آپ ساگ توڑنے کو گیا۔ ناگہاں اسی باغ میں کسی کی بکری جدھر زعفران کا ایک تختہ زرشل رنگ عشاق کے چہرہ کے کھلا تھا جا پڑی اور کھانے لگی۔ باغبان نے دیکھکر ایک ڈھیلا اس بکری کی پیٹھ پر مارا کہ تڑپ کر مر گئی۔ بزرجمہر نے کہا کہ اے نادان تو نے تین خون کئے۔ اس نے ہنس کر کہا اے لڑکے تمہیں سودا ہوا ہے کہ ایک خون کو تین بتلاتا ہے۔ کہا ایک یہ اور دو بچے اس رنگ کے پیٹ میں ہیں۔ جس وقت یہ ان دونوں میں باتیں ہوئی تھیں الفش بھی بالاخانہ سے دیکھتا تھا۔

اُن کو بلا کر احوال دریافت کیا کہ یہ گفتگو کیا ہے؟ بکری کا پیٹ پھاڑ کر دیکھا تو اُسی رنگ کے دو بچے ہیں۔ الفش نے باغبان کو رخصت کیا اور بزرجمہر کو اپنے پاس بٹھلایا اور پوچھا تو کون ہے؟ اور یہ غیب دانی کیونکر دریافت کی کہا کہ میں بیٹا بختہ جمال کا اور حکیم ہاماس کا نواسا ہوں۔ میرے باپ کو اس شہر میں کسی نے مار ڈالا ہے خون لینے کی فکر میں ہوں۔ الفش نے کہا۔ تو اپنے باپ کے خونی کو کس طرح پائے گا کیا خدا کے نزدیک دور نہیں وقت پر موقوف ہے۔ الفش نے کہا بتلا تو کہ میرے دل میں کیا تھا اُسے کہا کسی جگہ تو نے مال پایا ہے اور اپنی جورو سے کہنا چاہتا تھا مگر نہ کہا۔ الفش اس کی صورت دیکھ کر بھاگ گیا اور دل میں کہا یہ لڑکا بڑا روشن ضمیر ہے اور اکثر سنا ہے کہ روشن ضمیر کے دل اور جگر کے کباب کھانے سے آدمی روشن ضمیر ہو جاتا ہے۔ اس کا غلام حبشی بختیار تھا اُس کو بلا کر چپکے سے کہا کہ میں تجھے تیری مراد کو پہنچاؤں گا تو اس لڑکے کو کہیں لیجا کر ذبح کر اُس کے دل و جگر کے کباب بنا کر میرے پاس لا۔ غلام نے نیچے ایک اندھیری کوٹھری میں بزرجمہر کی چھاتی پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور چاہا کہ حلال کر دے۔ بزرجمہر نے بے اختیار ہو کر قہقہہ مار کر کہا تو مجھے اس کے کہنے پر قتل کرتا ہے اپنی مراد کو نہ پاوے گا وہ مراد تیری میرے ہاتھ سے بر آئیگی۔ اُس نے کہا کہ وہ مراد میری کیا ہے کہا تو الفش کی بیٹی پر عاشق ہے اور اُس نے تجھے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ نہ پاویگا۔ مجھ کو چھپا کر رکھ۔ آج سے کچھ روز بعد بادشاہ ایک خواب دیکھ کر بھول جاویگا اُس وقت مجھ کو تجھ سے مانگے گا۔ جبتک تین طمانچے اُس کے ہاتھ سے نہ کھانا میرا پتہ نہ بتانا۔ غلام نے کہا اس نے تمہارے دل اور جگر کے کباب طلب کئے ہیں۔ اگر کسی جانور کو ذبح کر کے اُس کے دل و جگر کے کباب لیجاؤں تو وہ کھاتے ہی معلوم کر لے گا یہ گوشت آدمی کا نہیں ہے۔ بزرجمہر نے کہا شہر کے دروازے پر ایک بڑھیا بکری کا بچہ بیچتی ہے جو کہ آدمی کے دودھ سے پلا ہے اُسے مول لیکر حلال کر اور اس کے دل و جگر کے کباب بنا کر اس کو کھلا اُس میں بھی انسان کی بُو آتی ہے۔ اُس غلام نے بزرجمہر کو رخصت کیا اور بکری کا بچہ لا کر اس کے دل و جگر کے کباب بنا کر الفش کو دیئے۔ وہ کھا کر بہت خوش ہوا کہ اب میں صاحب کمال ہوا اور بزرجمہر اپنے گھر آرام کرنے لگا۔ اس بات کو کئی روز گزر گئے کہ بادشاہ نے ایک خواب دیکھ کر فراموش ہوا۔ صبح کے وقت جب دربار لگا اور تمام امرا وزرا حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے فرمایا رات کو میں ایک خواب دیکھ کر بھول گیا ہوں۔ تم سب سے سوال کرتا ہوں کہ وہ خواب کیا تھا اور اس کی تعبیر کیا ہے۔ جو ندیم اور حکیم تھے یہ سنکر حیران ہوئے اور عرض کی کہ اگر خواب معلوم ہو تو اس کی تعبیر کہی جاوے اور خواب کا حال کیونکر کہا جائے۔ آپ نے یہ سنکر فرمایا کہ سکندر کے وقت میں اکثر ایسے حکیم تھے کہ سکندر خواب دیکھ کر بھول جاتا تھا تو خواب مع تعبیر کہتے تھے۔ میں تمکو اس قدر مال دیتا ہوں اور کام کچھ نہیں لیتا۔ اگر تم میرے اس خواب کو مع تعبیر نہ کہو گے تو ایک ایک کو زندہ قبر میں گڑوا دوں گا۔ اس کام کی خاطر تم سب کو چالیس دن کی مہلت دیتا ہوں تاکہ اس کی فکر کرو۔ الفش سب سے زیادہ دانا تھا۔ اس کو بہت ناامیدی تھی لیکن سب حیران تھے کہ جواب کیا دیں۔

چالیس دن کے بعد بادشاہ نے پوچھا کہ ہمارے خواب کو دریافت کیا؟ یہ سن اور تو سب خاموش رہے لیکن القش نے کہا کہ غلام نے بموجب نجوم کے معلوم کیا آپ نے یہ خواب دیکھا تھا۔ کہ آسمان سے مرغ آیا اور اس نے آپ کو اٹھا کر آگ کے دریا میں ڈال دیا آپ اس دہشت سے جاگ اٹھے اور خواب بھول گئے۔ بادشاہ نہایت خفا ہوا اور فرمایا اے مردک اسی عقل پر وزارت کرتا ہے کہ میں حکیم ہوں اور یہ خواب میں نے ہرگز نہیں دیکھا۔ قسم ہے آتشکدہ مردکی۔ دو دن کی مہلت اور دیتا ہوں اگر اس درمیان میں نہ کہو گے تو تیسرے دن تم سب کو مار ڈالوں گا تب تو جو اس باختہ ہو گئے۔ القش اپنے گھر کو گیا۔ اور غلام سے پوچھا میں نے جو اس لڑکے کو ذبح کرنے کو کہا تھا. وہ بڑا مکار لڑکا تھا شاید تیرے ہاتھ سے بچ گیا ہو تو اب اس سے ایسا ہی کام ہے جہاں ہو وہاں سے لے آؤ۔

یہ سن کر اس نے کہا میں نے آپ کے کہنے سے اس کو ذبح کیا اور اس کے دل اور جگر کے کباب بنا کر آپ کو کھلا دیئے۔ اس کی ہڈیاں بھی گل کر مٹی ہو گئیں اب وہ کہاں؟ القش نے کھسیانہ ہو کر تین طمانچے اس کے گالوں پر مارے اور وہ بیتاب ہو کر گرا اور کہنے لگا غلام کو مت ماریئے لاتا ہوں۔ القش حیران تھا اور کہنے لگا اے نادان تو نے پہلے کیوں نہیں کہا چپیڑ کھائی۔ غلام نے کہا کہ یہ اس لئے کہا تھا کہ القش کے ہاتھ سے مجھکو تین طمانچے لکھے ہیں۔ القش نے غلام کو چھاتی سے لگایا اور کہا کہ جا لے آ۔

اس نے بزرجمہر کے دروازے پر جا کر دستک دی۔ بزرجمہر سن کر باہر آیا اور اس غلام سے پوچھا خیر تو ہے اس نے سلام کر کے کہا۔ صاحب جو تم نے کہا تھا وہ تمام سچ ہی ہوا۔ اب القش نے بلوایا ہے بزرجمہر خاموش ہو کر اس کے ہمراہ القش کے گھر گیا اس نے اس کی بہت تعظیم کی اور عزت سے اپنے پاس بٹھلایا۔ اور گذشتہ کا عذر بھی کیا۔ اور کہا کہ بادشاہ نے ایک خواب دیکھ کر فراموش کیا ہے سو ہم سب پر عذاب ہے۔ اگر آپ کہہ دیں تو نہایت احسان ہے

بزرجمہر نے کہا۔ اب جو صبح کو دربار جائیں تو بادشاہ سے کہیے کہ ان تمام وزیروں کی عقل پہنچاتا تھا وہ بندے کا ایک شاگرد ہے۔ فرمایئے تو ابھی آ کر کہہ دے۔ حضور سے یہ کہہ کر کسی کو بھیج دینا۔ میں آ کر کہہ دوں گا۔ یہ کہہ کر رخصت ہوا۔ اور اپنے گھر میں گیا۔ باقی داستان فردا شب۔

پہلی داستان

بزرجمہر کا القش پر سوار ہو کر دربار میں جا کر اپنے باپ کے خون لینے میں کامیاب ہونا

راویان اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب القش فجر کو بادشاہ کے دربار میں گیا تو عرض کی غلام
کا ایک شاگرد ہے جو اس خواب کو کہنا چاہتا ہے اور غلام نے کبھی کا کہا ہونا پر تمام حکیموں کا بیٹا تھا۔
بادشاہ نے نہایت خوش ہو کر جواب دیا کہ اس کو بلاؤ۔ بموجب حکم کے چوبدار گئے اور جا کر بزرجمہر سے کہا
کہ بادشاہ کے حضور میں تمکو جلد بلایا ہے۔ کہا کہ اچھا چلو پر سواری کیا ہے؟ چوبداروں نے کہا کہ سواری تو کچھ
نہیں کہا۔ اس نے کہا اچھا جاؤ لے آؤ۔ چوبداروں نے جا کر عرض کیا۔ فرمایا گھوڑا لیجاؤ۔ گھوڑا دیکھ کر کہا خاک کو باد سے
کیا نسبت کہ باہم دشمن ہیں اس پر سوار نہیں ہونگا کچھ اور میرے لائق ہو لاؤ کہ اس پر سوار ہو کر بادشاہ کے دربار میں جاؤں
چوبداروں نے یہ عرض کی بادشاہ نے کہا اور جو جو سواریاں ہیں وہ تمام لیجاؤ وہ جس پر چاہے سوار ہو کر آئے۔ جس
وقت تمام سواریاں بزرجمہر کے پاس لائے دیکھ کر کہا۔ ان میں کوئی بھی میری سواری کے لائق نہیں کہ ہاتھی بادشاہ کے
تخت سے اونچا ہے جس پر سوار ہونا ادب کے خلاف ہے۔ اور اونٹ پر سوار کیوں ہوں کہ یہ فرشتہ ہے۔ خچر حرامزادہ
ہے۔ حلال زادہ اس پر سوار نہ ہوگا۔ اور جو بیل لائے ہیں اس پر بنئے اور دھوبی سوار ہوتے ہیں۔ اور گدھے
پر وہ سوار ہو جس نے گناہ کیا ہو۔ میں بے گناہ ہوں۔ ان سب کو لیجاؤ اور دربار میں عرض کرو۔ لاچار تمام
سواریاں لے گئے اور بادشاہ سے یہ تمام احوال کہا۔ پھر وزیر نے کہا کہ اس سے پوچھو کیا سواری بھیجوں؟
چوبداروں نے جا کر پوچھا۔ فرمایا اگر بادشاہ کو خواب سننا منظور ہے تو القش کی پیٹھ پر زین
کسوا کر بھیج دیں کیونکہ سوائے اس کے میرے لائق کوئی سواری نہیں ہے کہ جس پر سوار ہو کر بادشاہ کے دربار میں
آؤں۔ وہ بھی القش اور میں بھی الشان۔ دوسرے آخر وہ حکیم ہے اس پر چڑھنا عیب نہیں۔ جس وقت بادشاہ
کو یہ خبر پہنچی نہایت اچنبا ہوا اور کہا معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ سے اس کو کیا ایذا پہنچی ہے۔ فرمایا القش کی پیٹھ پر زین
باندھو اور بزرجمہر کے دروازے پر لیجاؤ۔ ہر چند اس نے منت کی ذرا اثر نہ ہوا۔ آخر اس کی پیٹھ پر زین باندھ
کر لے گئے اور کہا صاحب سوار ہو بیٹھئے۔ بادشاہ نے تمہاری خاطر کی ہے۔
بزرجمہر ملک القش کی پیٹھ پر سوار ہوا اور کہا کہ آج میں نے اپنے باپ کے خون کا
[illegible] بادشاہوں کی [illegible] لیکن [illegible] تماشائی چلی اور لڑکوں کو ایک تماشا ہاتھ آیا۔

غرض بزرجمہر اسی طرح دربار میں آیا اور القش سے اُتر کر بادشاہ کو سلام کیا اور دُعا دی۔ بادشاہ اس کی بہت عزت کی اور بیٹھنے کیواسطے حکم دیا۔ بزرجمہر آداب بجا لایا۔ بعد ایک ساعت کے بادشاہ نے کہا اے عزیز میرے خواب سے پہلے یہ بیان کر کہ القش نے تجھ سے کیا بُرائی کی ہے جو تو نے یہ حرکت کی۔ کہا کہ اُس نے سات گنج مال کے پاکر آپ سے چھپائے ہیں۔ اور دوسرے میرے باپ کو بیگناہ قتل کیا ہے۔ سو حضور میں اُس سے جان کے عوض جان چاہتا ہوں۔

بادشاہ نے غضب کی نگاہ سے القش کو دیکھا اور کہا یہ کیا کہتا ہے۔ القش نے کہا مجھ پر بہتان کرتا ہے۔ بزرجمہر نے کہا عیاں را چہ بیاں لوگ بندہ کے ساتھ آویں ثابت کروں گا اور آپ بھی۔ بزرجمہر تمام سرداروں کو ساتھ لیکر باغ بیداد میں آیا اور اُس کو کھدوا کر دیکھا تو واقعی سات گنج مال کے دھرے ہیں اور ایک ڈھانچہ مُردہ انسان کا سوکھا پڑا ہے۔ بادشاہ نے وہ مال خزانے میں بھجوایا اور بزرجمہر کو کہا۔ اپنے باپ کی لاش کو اوّل منزل میں پہنچا دو۔ بزرجمہر نے بادشاہ کی دولت سے لاش کو گڑوا کر مقبرہ بنوا کر روشنی کی اور کھانا پکوا کر فاتحہ دی اور غرباء و مساکین کو کھلایا۔ بعد چالیس دن کے حضور میں آیا اور عرض کی کہ اگر ارشاد ہو تو بندہ وہ خواب بیان کرے۔ فرمایا بہت بہتر۔ بزرجمہر نے کہا۔ آپ نے دیکھا آپ کے روبرو دستر خوان پر چالیس رکاب کھانے کے رکھے ہیں۔ آپ نے ایک حلوے کی رکابی سے نوالہ بنا کر چاہا کہ تناول کریں۔ تو ایک سیاہ کتا آیا اور آپ کے ہاتھ سے چھین کر کھا گیا۔ آپ اُس دہشت سے چونک اُٹھے اور خواب بھول گئے۔ فرمایا قسم ہے آتشکدہ کی یہی خواب میں نے دیکھا۔ اب اسکی تعبیر کہو۔ کہا کہ غلام کو محل میں لے چلیے اور جتنی عورتیں ہیں مع چالیس لونڈیوں کے ایک محل میں سب جمع ہوں وہاں عرض کروں گا۔ پس بادشاہ بزرجمہر کو اندر لے گیا اور سب معشوقوں کو بلوایا۔ پوچھا تم سب حاضر ہو۔ ان کے علاوہ ایک معشوق اپنے ہمراہ کنیز ایک صورت خواصیں لئے ہوئے آئیں۔ اُس کے ساتھ ایک حبشی بھی تھی۔ بزرجمہر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بادشاہ سے کہا وہ سگ سیاہ یہی ہے اور لقمہ خاص یہ بادشہزادی ہے۔ بادشاہ نے حیران ہو کر دریافت کیا تو مرد تھا بادشاہ نے جلادوں کو بلوا کر فرمایا کہ اس حبشی کو سرکاری کتوں کے آگے ڈال دو تاکہ پھاڑ ڈالیں اور اُس بدبخت کو سر راہ مینار میں چنوا دو۔ بعدہ بزرجمہر پر بہت سرفرازی فرمائی اور القش کو اسی روز آدھا زمین میں گاڑ کر تیر اندازی کروا دیا۔ اور جو اُس کا مال تھا مع نقد و جنس اور زن و فرزند تمام بزرجمہر کو عنایت فرمایا۔ بزرجمہر نے اُٹھ کر بعد سرفرازی کی گذارش بعد رخصت ہو کر بہت سا غلام لیے ہمراہ القش کے محل میں آیا اور اسکی بیوی کو بلا کر کہا مجکو تمہارے مال و دولت سے کچھ کام نہیں تم ہی کو مبارک ہو۔ میں نے پہلے ہی سے نذر مانی تھی کہ بعد اپنے باپ کے خون لینے کے القش کی بیٹی کو کہ میں بیاہ دوں گا۔ سو اس وقت تم سے شرط کرتا ہوں کہ اگر ان کا بیٹا تولد ہوگا تو آپ اس کو پڑھا لکھا کر لائق کر دوں گا القش کی جگہ بادشاہ سے خلعت پہنا کر دلا دوں گا۔

القش کی بیوی نے قبول کیا اور اپنی بیٹی کی شادی بخوشی اس سے کی۔ بزرجمہر نے مع تمام القش

کامال تھا سب کو معاف کر دیا۔ یہ بات سن کر بادشاہ کو حیرت ہوئی کہ یہ دولت اس کے خیال میں کچھ نہ آئی جو سب کو چھوڑ دیا۔ اس کے کئی دن بعد بادشاہ نے ایک دن جبکہ امرا، وزرا، حکیم، ندیم، پہلوان، شہریار بارگاہ جمشیدی میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے فرمایا تم سب سے سوال کرتا ہوں کہ بزرجمہر اپنی قوم میں بزرگ ہے، اشرف ہے۔ اور جاماسپ حکیم کا نواسہ ہے اور آجکل علم و فضل میں کوئی اس کا ثانی نہیں ہے۔ پیشتر جتنے وزیر تھے تمام بے عقل تھے اب میں چاہتا ہوں کہ اس کو اپنا وزیر کر لوں۔

یہ سن کر سب نے کہا۔ اے بادشاہ جو مرضی حضور کی وہی مرضی ہماری ہے۔ بادشاہ نے قابل وزارت کے سمجھ کر خلعت وزارت بزرجمہر کو پہنایا اور کرسی الماس پر بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ بزرجمہر دیوان کے برخاست کے وقت ایک مخمل سے سوار ہو کر اپنے گھر جا کر اپنی ماں کو خوش کیا اور واسطے عمارت کے حکم فرمایا

حکایت قباد ہیزم فروش کی

بادشاہ نے جس دن سے شہزادی کو ہمراہ اس حبشی کے بعد تعبیر خواب مارا تھا اس دن سے تمام عورتوں کا اعتبار بادشاہ کے دل سے اٹھ گیا تھا۔ یہاں تک کہ ان کی صورت دیکھنی موقوف کی۔ اور کہا کہ اب ان کا منہ کبھی نہ دیکھوں گا لیکن ایک عورت دلارام نام تھی جو چنگ کے بجانے میں کمال رکھتی تھی اور بادشاہ کو اس کی مصاحبت بہت بھاتی تھی صرف اسی کو صحبت میں یاد فرماتے اور جہاں تشریف لیجاتے اس کو اپنے ہمراہ سے جدا نہ کرتے تھے۔ کئی دن کے بعد بادشاہ شکار کے واسطے ایک صحرا میں ناگاہ جا نکلے دلارام خواجہ بزرجمہر کئی ایک سردار بھی ہمراہ تھے۔ پہاڑ کی ترائی میں ایک میدان ایسا تھا کہ سبز گھاس کوسوں تک مخمل زمرد معلوم ہوتا تھا اور دو رنگ پہاڑ کا جس میں چادریں پانی کی چھوٹتی ہوئی ایک لطف دیتی تھیں۔ رنگ برنگ کی کشتیاں اور بجرے اور لوٹ پھیل پڑتی گھڑ چڑھی گھوڑ دوڑ کشتیاں بشوار سے پانی میں سب یہ ایک عجیب طرح کا عالم تھا۔ سواری اس جگہ جا کھڑی ہوئی بادشاہ دریا کا تماشہ دیکھنے لگا۔ قضارا جنگل کی طرف سے ایک لکڑ ہارا لکڑیوں کا گٹھا سر پر لئے جاتا تھا لیکن ایسا ضعیف اور ناتواں کہ لٹھ وقت بوجھ کے گر گرا اور بیکار اٹھ نہ سکا۔ بادشاہ کو اس پر رحم آیا اور فرمایا دریافت کرو کہ اس کا نام کیا ہے

لوگوں نے اس سے پوچھا اس نے کہا میرا نام قباد ہے۔ بادشاہ یہ نام سن کر حیران ہو گیا اور بزرجمہر سے پوچھا کہ ہمارا طالع کیا ہے۔ اس نے عرض کی کہ ایک جوڑا اور اس کا جوڑا ایک ہے۔ فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ میں اور وہ طالع ہمنام ہوں۔ میں بادشاہ ہفت اقلیم اور وہ ایسا محتاج۔ بزرجمہر نے گذارش کی

کہ آپ کی پیدائش کے وقت آفتاب اور مہتاب مشرق میں تھے۔ اس کے تولد کے وقت مغرب میں۔ فرمایا یہی ہوگا۔
لیکن دلارام بولی کہ میری رائے میں اسکی مفلسی کا یہ سبب ہے کہ شاید اس کے گھر میں عورت نہیں۔ اگر ہے تو بدسلیقہ ہے۔
اس وجہ سے آسودہ نہیں ہوتا۔ بادشاہ کے دل میں عورتوں کی طرف سے اور بھی خلش تھی۔ فرمایا بس یہ ہماری
دولت تیری وجہ سے ہے۔ چل میں نے تجھکو اس کے حوالے کیا۔ دیکھوں تو اس کو کس طرح میرے برابر کرتی ہے؟
یہ کہکر فرمایا کہ اس کا زیور اور لباس تمام اتار لیا اور ایک پرانی سوت کی چادر اڑھا کر بیابان جنگل میں چھوڑ دو۔ جب
دلارام نے دیکھا کہ غضب سلطانی میں گرفتار ہوں اور بادشاہ متغیر ہوکر چھوڑ گیا ہے لاچار ہوکر اس پیرمرد کے پاس
آئی اور کہا اے بابا میں نے تجھکو اپنا دین کا باپ کہا ہے۔ مجھکو اپنے گھر لے چل۔ ہمیشہ تیری خدمت کیا کرونگی۔ اس
لکڑہارے کو اسکی چاند سی صورت دیکھکر جھجکا جو تھری آگئی کہنے لگا۔ میں تجھکو فرزندی میں کر کے لے تو جاؤں مگر میرے
یہاں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔

دلارام نے ہنس کر کہا میں تجھ سے کھانا نہیں مانگتی ہوں۔ اس بات سے خاطر جمع رکھ۔ یہ
کہکر اس کے ہمراہ ہوئی۔ جو ہی گھر گئی، اور اس کی بیوی نے دیکھا کہ جوان عورت اس کے ساتھ آئی ہے۔ وہیں
چڑیل کی طرح دوڑی۔ اور کہنے لگی آخری ایسی تیسی تجھکو کیا بڑھاپے میں لگی جو تجھ پر سوکن لایا ہے۔ یہ کہکر دو ہتڑ
اس بیچارے کی پیٹھ پر کس زور سے ماری کہ وہ لوٹ گیا۔ اور کہنے لگا کہ بی بی میں یہ کہتا ہوں کہ آخر تو لے جو بار
بھی کھلائی۔ اے تیری جہاں جی چاہے وہاں جا۔ دلارام آگے بڑھی اور عورت کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی تم خفا کیوں
ہوتی ہو؟ میں نے ان کو اپنے دین کا باپ کہا ہے اور تم میری ماں ہو۔ مجھے بھی اپنی فرزندی میں لو۔ کھانے پینے
کی کچھ بھی تکلیف تم کو نہ دوں گی۔ غرض ایسی باتیں میٹھی میٹھی اس کے ساتھ کیں کہ اس کو دلارام پر رحم آگیا اور اپنی اس
حرکت پر شرمندہ ہوئی اور دلارام کو بٹھلایا۔

وہ بوڑھا بازار میں گیا لکڑیاں بیچکر اس کے پیسوں کی روٹیاں مول لایا۔ لڑکے روٹیوں
پہ پہنچے اور آدھی آدھی روٹی حصہ میں آئی اور کسی کا پیٹ نہ بھرا بھوکے سو رہے۔ دوسرے دن جب وہ
بوڑھا پھر لکڑیاں کاٹنے چلا۔ تو دلارام نے کہا اے بابا آج جو لکڑیاں بکیں ان کی قیمت کی روٹیاں نہ لانا۔
گیہوں لیتے آنا۔ بوڑھا اس کے کہنے سے گیہوں لایا۔ پڑوس کے گھر میں ایک چکی تھی۔ دلارام نے جا کر آٹا پیسا اور
اپنے ہاتھ سے روٹیاں تیار کر کے سب کو کھلائیں اور اس آٹے کو تین روز تک کام دیا۔ سب نے پیٹ بھر کر
کھایا اور اس کو دعا دی۔ پھر وہ تین دن کے پیسے جمع کئے تو دلارام نے کہا بابا بازار سے ان کی پشم منگوا کر لا دیجئے
ریشم کی ڈوریاں بٹیں۔ سو اسو ڈوری تیار کر کے اس بوڑھے کو دی کہ ان کی قیمت پر بازار میں جا کر فروخت
کر دو۔ بوڑھے نے ان کو فروخت کر کے ان کے روپے دلارام کو لا کر دیئے۔

اسی طرح کچھ روپیہ اکٹھا ہونے کے بعد اُس بوڑھے کیواسطے ایک گدھا مول لے دیا کہ تم لکڑیاں اس پر لاد کر لایا کرو۔ لکڑیاں بھی زیادہ آئیں گی اور تم کو بھی آرام ملے گا۔ غرض یہ کہ اس طرح ایک سال میں دلارام نے پانچ غلام اور کئی گدھے لے دیئے، گھر کی صورت نئی معلوم ہونے لگی۔ کچھ اسباب بھی ہو گیا۔ اُن دنوں گرمی کا موسم تھا دلارام نے بوڑھے کو کہا ان دنوں تم کو یہ محنت بڑی معلوم ہوگی۔ تم یہ کام کرو کہ پہاڑ کے تلے کہیں بڑا گڑھا تلاش کر کے اُس میں لکڑیوں کو جمع کرو کہ جاڑے میں بہت قدر ہوگی۔ بوڑھے نے سوچا کہ سچ کہتی ہے۔ خدا کے فضل سے گھر میں کھانے کو ہے۔ پہاڑ کے دامن میں ایک غار تلاش کر کے اُسمیں لکڑیاں جمع کیں۔ اس کے بعد اپنے گھر میں آکر آرام سے رہنے لگا۔

کچھ دنوں بعد جب سردی کا موسم آیا تو اتفاقاً بادشاہ اُس پہاڑ کے نیچے شکار کھیلنے کو آیا اور وہاں اترا۔ اُس روز رات کو ایسی برف پڑی کہ تمام لشکر مارے سردی کے مر جاتا۔ لوگوں نے جا کر اُن لکڑیوں کے ڈھیر پر سے پتھر دور کئے اور لکڑیوں میں آگ لگا دی۔ اور تمام رات سارے لشکر نے آگ سے تاپنا تاپ کر اپنی جانیں بچائیں۔ صبح کو بادشاہ وہاں سے کوچ کر کے اپنے قلعہ میں داخل ہوا۔ جب وہ لکڑہارا دو تین روز کے بعد اُس غار پر آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ تمام لکڑیاں جل کر راکھ ہو گئیں۔ تب بیٹھ کر خوب رویا۔ لیکن اُس جگہ پر سونے کی کان تھی۔ آگ کی گرمی سے تانبا گل کر سلیں پتھر کی صورت بن کر رہ گئیں۔ اس بوڑھے نے دلارام کو دکھلانے کیواسطے بہت سے کنکر لیے اور ان میں ایک پتھر کی سل رکھی کہ بچوں کے ساتھ بیچنے کو خوب ہے اور لیجا کر دلارام کو دکھلائے اور سل دی۔ دلارام کی آنکھوں میں اس پتھر کے اوپر کچھ نقش تھے جو نظر آئے اور کئی جگہ داغ تھے چھری کی نوک سے کھرچ دیئے اور دیکھے تو سونا ہے۔ بہت خوش ہوئی۔ خدا کا شکر ادا کیا اور بوڑھے سے پوچھا کہ ایسے پتھر وہاں اور بھی ہیں۔ کہا وہاں بہت پڑے ہیں۔ دلارام نے کہا وہ تمام اٹھا کر لاؤ۔ یہ سن کر بوڑھا گدھے لے کر گیا اور وہ تمام سلیں اٹھا کر لایا اور دلارام نے گھر کے صحن میں بڑے بڑے گڑھے کھدوا کر وہ تمام پتھر گڑوا دیئے اور ایک خط تیار کر کے اس بوڑھے کو دیا اور کہا یہ خط اور دس گدھے سونے کی سلوں کے بھر کر بصرہ میں لیجاؤ۔ وہاں فلاں نامی ایک زرگر ہے کہ میں نے اُس کو اپنا بھائی کہا ہے۔ اس کے پاس جا کر کہو کہ میں دلارام کا نوکر ہوں۔ وہ تم کو ان تمام کا سکہ دے گا تو لے آنا۔ وہ راضی ہوا۔ دلارام نے ایک غلام معتبر بھیج کر معمار کو بلوایا اور اُس سے کہا کہ میں کئی برس سے بادشاہ کی خفگی میں ہوں پر اب ملنا چاہتی ہوں تو وہ خفگی جاتی ہے۔ لیکن تم کو اس خاطر بلوایا ہے کہ میں چاہتی ہوں کہ اس بیابان میں شاہ کے محل کی سی عمارات بنواؤں اور کارخانہ اس کا تو ہی رہیگا۔ ایک کروڑ روپیہ مجھ سے قرض لے اور معماروں کو بلا کر بنیاد لگا دے کہ جلد تیار ہو۔ اس کو دلارام کا بہت اعتبار تھا کہ بادشاہ کی خاص حرم ہے

اور روپیہ نہ مارے جائیں گے۔ کہا بندہ حاضر ہے جو فرمائیگا۔ کہا کہ بس اتنی کرو۔

یہ سُن کر اس نے معمار اور کاریگر بلوائے۔ مکان بنوانا شروع کئے۔ جو مکانات تیار ہو گئے دلارام نے مصوروں کو بلا کر کئی تصاویر اُس وقت کی بنوائیں کہ جس وقت بادشاہ نے دلارام کو اُس لکڑہارے کے حوالے کر دیا تھا۔ اُن تصویروں کو اُس کے ہر ایک دروازے پر لگوا دیا۔ جہاں تک اسباب ضروری تھا منگوایا اور کچھ نوکر بھی رکھے۔ اُس دوران میں قباد سوداگر سونے کی اشرفیاں بنوا کر بصرہ سے لایا اور دلارام کو دیں۔ اس نے حمام میں واسطے غسل کے بھیجا۔ جب لوگ اُس کے کپڑے اُتارنے لگے وہاں کی گرمی دیکھ کر وہ شور کرنے لگا۔ کہ میں نے کیا تقصیر کی ہے جو میرا بدن جلاتے ہو۔ جس وقت لنگی باندھنے کو دی۔ سر پر باندھنے لگا غرض اسی طرح سے بہزار خرابی نہا کر کپڑے پہنے۔ دلارام نے وہ پوشاک پہنا دی کہ سوائے ذات بادشاہ کے اور کسی کو میسر نہیں ہوئی۔ اور لوگوں سے کہا کہ آج کے دن سوائے قباد بازرگان کے جو لکڑہارا کہے گا وہ ہلاک ہوگا۔ اُس کے چار پانچ دن بعد دلارام نے بہت سا تحفہ اُس کے خواجہ بزرجمہر کی ملاقات کے واسطے بھیجا۔ بزرجمہر بغلگیر ہوا اور بہت سی عزت کی۔ جب دو دن ملاقات کو ہو چکے، تو دلارام نے کہا کہ تم بزرجمہر سے بادشاہ کی ملاقات کی درخواست کرو۔ دیکھو وہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ قباد نے جا کر خواجہ سے کہا کہ میں بادشاہ کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہوں۔ کہا کل اچھا وقت ہے۔ اوّل وقت تشریف لاویں میں ہمراہ چلوں گا۔ ملازمت بھی ہو جائے گی۔

قباد رخصت ہو کر اپنے گھر گیا اور دلارام سے کہا اس نے اُسی دن زنانہ کی تیاری کر رکھی دوسرے دن انہیں سے دریافت کیا کہ بادشاہ کے بدن پر کیسی پوشاک ہے۔ کیونکر بادشاہ کے خدمتگاروں سے اُس کو لائے تھی ویسی خلعت قباد سوداگر کو بھی پہنا دی اور بھیج دیا۔ جس وقت بزرجمہر کے پاس آیا وہ منتظر تھے۔ خواجہ نے قباد سوداگر کو ہمراہ لیا اور حضور کی ڈیوڑھی پر آ کر کہا۔ کہ تم ذرا ٹھہرو۔ میں اوّل جا کر تقریب کر لوں۔ جس وقت حضور سے تمہاری طلب ہوگی تو آنا۔ یہ کہہ کر اندر گیا اور بعد مجرے کے عرض کی کہ ایک سوداگر بھی قباد نامی اُمیدوار ہے کہ حضرت کے قدم بوس ہو۔ فرمایا بلاؤ۔ جس وقت اُسکی یاد ہوئی کہ قباد سوداگر جس کا نام پہلے حضور میں یاد ہوئی ہے۔ اُس نے سُن کر قصد اندر جانے کا کیا لیکن یہ بیچارہ تمام عمر لکڑیاں کاٹا کرتا تھا۔ بادشاہ کے آداب اور آئین سلطنت سے کیا کام تھا؟ جس وقت دلارام نے سے بھی اُس وقت کہا تھا کہ جب بادشاہ کے دربار میں جاؤ پہلے داہنا پیر آگے بڑھانا۔ وہ بات یاد آئی لیکن داہنے پیر کو بھول گیا کہ کونسا ہے، بہتیرا قصد کیا کہ یاد آئے ہرگز میسر نہ ہوا۔ دل میں کہا کہ دونوں پاؤں ملا کر کود کے اندر چلے کہ داہنا پیر پیچھے نہ رہ جائے۔ یہ خیال کر کے دونوں پیر برابر ملا کر جست کی جونہی چوکھٹ کے اندر گیا وہاں سنگ مرمر کا فرش تھا اُس پر دونوں پاؤں بے اختیار پھسل گئے اور گر پڑا چوٹ بھی کھائی۔ جونہی آواز اُس کے گرنے کی ہوئی بادشاہ مع سرداروں کے دیکھنے کو آیا اور عجیب طرح کی ہنسی آئی۔ لیکن بزرجمہر کی تقریب سے آیا تھا کسی نے کچھ نہ کہا۔ بادشاہ

نے بلا کر نذر کی اور سرفراز کیا۔ بادشاہ کے ہاتھوں میں جو ہری کی ڈلی تھی۔ اس کو عنایت فرمائی۔ اس نے لیکر سلام کیا اور منہ میں ڈال لی اور کھا گیا۔ سب اس کو دیکھ کر حیران ہوئے اور کہا کہ نہایت بے ادب۔ بزرجمہر اپنے جی میں شرمندہ ہوئے لیکن جب دربار برخاست ہوا تو تمام سردار رخصت ہو کر اپنے گھر گئے۔ یہ بھی رخصت ہو کر اپنے گھر گیا اور دلارام سے تمام احوال کہا۔ وہ اپنے دل میں نادم ہوئی کہ بزرجمہر شرمندہ ہوئے ہوں گے۔ قباد کو کہا کہ کوئی بھی ایسا کام کرتا ہے کہ بادشاہ کی چیز اس کے روبرو کھا جاوے تو وہ قاعدے کے خلاف ہے۔ اس کو پگڑی میں رکھتے ہیں۔ بادشاہ اس کو دوسرے دن پھر بلایا۔ جب گیا تو اس وقت بادشاہ کے کھانا کھانے کا وقت تھا۔ اس کو دیکھ کر مہربانی سے قورمے کی طلائی رکابی عنایت فرمائی۔ یہ لیکر ادب بجا لا کر سر پر الٹ دی کہ اس کا شوربا ڈاڑھی اور لبوں سے بہہ کر گرنے لگا۔ بادشاہ نے تعجب کیا کہ یہ عجیب بیوقوف ہے جو حرکت کرتا ہے نئی سے نئی کرتا ہے لیکن اس کا لباس جو جو دیکھتا ہے وہ بادشاہ کے لباس سے کچھ کم نہیں۔ اس روز دلارام نے کہہ دیا تھا۔ جو خواجہ بزرجمہر کو شریک کر کے بادشاہ سے عرض کرنا کہ غلام کی دعوت قبول ہو۔ اسی طرح بادشاہ سے کہا، کہ بندہ امیدوار ہے کہ خداوند کی تمام سرداروں کے ضیافت کرے۔ بادشاہ نے قبول کیا۔ قباد آداب بجا لا کر رخصت ہوا۔

بادشاہ نے بزرجمہر سے کہا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پاس بہت سا مال ہے کہ میری ضیافت کا قصد کیا۔ عرض کی کہ ارشاد بجا ہے۔ جس وقت قباد سوداگر اپنے گھر گیا اور دلارام سے کہا کہ بادشاہ صبح آئے گا تو دلارام یہ سن کر بہت خوش ہوئی اور تمام تیاریاں کیں۔ پھر دوسرے دن بادشاہ بزرجمہر کئی سرداروں کے ساتھ قباد سوداگر کے مکان کی طرف روانہ ہوا۔ جس وقت کہ قباد سوداگر اپنے گھر گیا اور دلارام سے کہا تو اسی وقت تمام تیاریاں ہو گئی تھیں۔ تھوڑے دن چڑھے قباد سوداگر کو بادشاہ کے آنے کی خبر ہوئی۔ وہ انکے استقبال کی خاطر آگے گیا اور بادشاہ کو نذر دی اور اس کو مکان میں لے آیا، تو جس وقت قباد کا مراد اس مکان کے دروازے پر آیا دیکھا تو تصویر اپنی لگی ہوئی ہے یعنی وہ اس وقت کا عالم ہے جب بادشاہ نے دلارام کو اس لکڑہارے کے حوالے کر دیا تھا۔ یاد کر کے آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور تمام سرداروں کی اس خاطر گریاں ہوئے اور سب نے افسوس کیا۔ بادشاہ اس مکان کو دیکھ کر حیرت میں رہ گیا کہ تمام نقشے اپنے ہاں کے سے ہیں۔ بزرجمہر نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ جس نے عمارت بنوائی گویا وہ دوسرے مکان میں سو سال رہا ہے۔ کہ کہیں فرق نہیں جس طرف جاتے تھے اپنی اور دلارام کی تصویر نظر آیا کرتی تھی لیکن بارہ دری جو خاص بادشاہ کے بیٹھنے کی تھی اس میں جا کر مسند الماس نگار پر بٹھایا اور کھانا تناول فرمایا۔ اس وقت دلارام پوشاک نفیس پہن کر جواہرات میں ڈوبی ہوئی ایک پردے کی اوٹ میں کھڑی تھی۔ جونہی بادشاہ کی نظر اس پر پڑی کہ دلارام کی شباہت یاد آگئی۔ قباد سے پوچھا یہ عورت کون ہے۔ کہا اس غلام کی بیٹی ہے۔ آپ سے تو کچھ پردہ نہیں تشریف لے چلئے

بادشاہ قباد کا ہاتھ پکڑ کر اُس دالان کے اندر گیا۔ نزدیک دلارام کو پہنچاتا۔ اور ایک آہ سرد بھر کر پوچھا کہ اے دلارام ہے؟ دوڑ کر قدمبوس ہوئی اور کہا یہ عزیز جو آپ کے نزدیک کھڑا ہے یہ وہی لکڑہارا ہے جس کے سپرد اس لونڈی کو آپ نے کر دیا تھا۔ اس کو اس درجے تک پہنچایا۔ بادشاہ نے دلارام کو چھاتی سے لگایا اُس کے رخساروں پر بوسے دیئے۔ اس وقت سرداروں میں سے کوئی پاس نہ تھا۔ دلارام کا ہاتھ پکڑے ہوئے باہر تشریف لائے اور اُس کو مسند کے پاس بٹھا دیا۔ بادشاہ کے پہلو میں دلارام مسند کا ایک حاشیہ دبائے ہوئے بیٹھی تھی۔ جتنے سردار تھے دلارام کو دیکھکر خوش ہوئے۔ دلارام کا جسقدر مال و اسباب تھا معہ ان سونے کی سلوں کے دلارام کو معاف فرمایا اور خواجہ قباد کو خلعت فرمایا اور ملک التجار کا خطاب دیا اور دلارام کو سوار کر کے شہر کی طرف تشریف لے گئے۔ اس روز سے پھر بادشاہ کا عورتوں کیطرف خیال ہوا اور اپنے چچا کی بیٹی محرم بانو سے عقد کیا۔ دو سال کے بعد حمل قرار پایا۔ جب اُمید ظاہر ہوئی سب نے بادشاہ کو نذریں مبارکباد دیں اور اُس روز عجیب قسم کی خوشی رہی۔

دوسری داستان

نوشیرواں کا پیدا ہونا

جب نو مہینے گذر گئے تو ایک روز ایک گھڑی دن چڑھے محل میں سے ایک خواجہ سرا آیا اور بادشاہ کے کان میں کچھ آہستہ سے کہکر چلا گیا۔ تب بادشاہ نے اُسی وقت دربار برخاست کر کے خلوت کیا اور خواجہ بزرجمہر کو بلا کر کہا کہ تولد کی ساعت سادھو کہ ہمارے گھر میں لڑکا ہوا چاہتا ہے۔ تو بزرجمہر نے وقت دریافت کرنے کے لئے کئی گھڑیاں۔ زنگی، رومی، ہندی اپنے پاس رکھیں اور ستارے معلوم کرنے کیلئے ایک طرف اصطرلاب رکھدیئے اور تختہ اپنے روبرو رکھا اور قرعہ کو اپنے ہاتھ میں لیکر زینت کی۔ اور عین وقت ڈالا۔ اور زائچہ لکھکر طالع میں نظر کی تو تمام شکلوں کو خوب سا دھ دیکھکر بادشاہ کو مبارک دی اور کہا یہ بادشاہ زادہ ملک ایران میں سو سال بادشاہت کرے گا۔ بلکہ ہفت اقلیم سے اخراج لیگا۔ ایک مصاحب بد کے سبب سرگردانی بھی بہت سی اُٹھائے گا۔ یہ کہکر نام رکھنے کی فکر میں تھے کہ کیا نام رکھا جائے، وہیں عیار آئے اور بادشاہ کو خبر دی کہ وہ چشمہ نوش خاص کئی سال سے سوکھ گیا تھا آج اس میں بہت پانی آگیا ہے۔

بزرجمہر نے بموجب اس خوشخبری کے نوشیرواں نام رکھا۔ بعض راوی لکھتے ہیں کہ تولد کے وقت بادشاہ کے ہاتھ میں شراب کا جام تھا۔ بزرجمہر نے بادشاہ سے فارسی زبان میں کہا۔ کہ "اے قبلۂ عالم نوش رواں کُن" اور مطابق اس مژدہ کے نوشیرواں نام رکھا۔ بادشاہ نے خواجہ بزرجمہر کو خلعت عرض عطا فرمایا اور حکم دیا کہ نقار خانہ اور توپ خانہ اور تمام قلعہ میں خبر دو کہ شادیانے بجائے جائیں۔ جونہی یہ خبر ہوئی اور توپ خانہ میں مبارکباد کی سلامی ہونے لگی اور نقار خانے میں جہانتک نقارچی تھے انہوں نے زربفت کے تھانوں سے نوبجائے کو بڑھکر بسائیاں اور پردے بادے کو بلند کیے اور مقلات کی زرنگاری کرتیاں گلوں میں پہن کر ندی پیچ سروں پر باندھے ہوئے نقاروں کی جوڑیاں سب نے اپنے آگے رکھیں اور مرصع کار چوبیاں ہاتھ میں لیکر نقارے بجانے لگے۔

یہ آواز ہر ایک غنی اور فقیر نے سُنی جہاں تک امرا تھے سب نے مُبارکباد دی اور نذریں بادشاہ کو دیکر تہنیت دی۔ نذریں لیکر موافق مرتبے کے اُنہیں خلعت دئے گئے بعدہ صحبت جشن کو آراستہ ہوئی۔ جہاں تک دُعاگو تھے حاضر ہوئے اور بھانڈ بھگتی کشمیری قوال ڈھاڑی کلاونت سبھی تھے اور رنڈیوں کے طائفے بھی حاضر تھے۔ قانون، رباب، ستار، تنبورہ، چنگ، سارنگی، تال، کھٹیاں، پکھاوج، منڈول، ڈھولک، طبلہ بدہ، خنجری بجنے لگیں اور اُن کے سروں کے ساتھ جہانتک وہ خوش آواز تھے ٹپّہ، خیال، دھرپد، گیت، سنگیت، ترانہ، سرگم، ٹھمری وغیرہ گانے لگے۔ اور کنچنیاں، ڈومنیاں، مراسنیاں، جونبولیاں، جننیاں، تیلنیاں، آئیں۔ ہر ایک کا ایک طرف ناچ ہونے لگا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اس روز اتنا مال و زر انعام میں خرچ ہوا کہ ہر ایک فقیر اپنے اپنے گھر میں آسودہ ہوگیا۔ رعیت کو تمام مُلک کی تحصیل معاف فرمائی۔ نوشیرواں کے تولد سے گیارہویں روز عین جشن میں بادشاہ کو خبر ہوئی کہ القش کا نواسہ بختیار کی طرف سے پیدا ہوا ہے۔ بادشاہ نے یہ سُن کر بزرجمہر سے فرمایا کہ یہ لڑکا تیرے دُشمن کی اولاد میں سے ہے۔ اس کا نانا بھی تیرا دُشمن تھا۔ اگر یہ زندہ رہا تو ضرور تجھ سے دُشمنی رکھیگا اُس کو مار ڈال تاکہ فتنہ باقی نہ رہے۔ یہ اگر زندہ رہا تو بہت سے فساد برپا کریگا۔

بزرجمہر نے ہاتھ باندھکر عرض کی کہ حضور اختر دولت ہمیشہ بلند رہے جو ارشاد ہوا سو بجا ہے لیکن یہ بھی بیگناہ ہے۔ بزرجمہر اس کو بخشوا کے سوار ہوئے اور القش کے گھر جاکر اس لڑکے کا نام بختک رکھا اور پرورش کے واسطے تاکید کی۔ یہ دونوں لڑکے پلنے لگے۔ جب نوشیرواں چار سال کا ہوا تو قباد نے بزرجمہر کے حوالے کیا کہ علم و ادب سیکھنے بزرجمہر نے بختک سے بھی بادشاہ کو نذر دلوائی اور نوشیرواں کا مصاحب کیا

دونوں نے ایک ساتھ ہی پڑھنا شروع کیا چونکہ نوشیرواں ذہین تھا کئی سال اُس نے نجوم کے علم کی تحصیل میں صرف کیئے اور عالموں میں مشہور و معروف ہوا۔ اس نے ہیئت و ہندسہ و بیان و آداب کے متعلق معقول معلومات کی اور علم رمل و نجوم میں ایسی معلومات ہوئی آئینہ دل پر احوال ضمیر ہر شخص کا معلوم ہونے لگا اور گنج دفینے بھی ظاہر ہونے لگے خط مثل نستعلیق و نسخ و ثلث و ریحان خفی و جلی شکستہ و شگفتہ و شفیقہ و گلزار سب میں اور سپاہ گری کے امور میں کشتی لکڑی، بانک پٹہ، بنیٹھی، نیزہ، بازی، بندوق لگانا سب کو معلوم کیا۔

بارہویں سال میں ہر فن میں لاثانی ہوا کہ کوئی کسب اور ہنر اُس سے باقی نہ رہا۔ ایک دن چین سے کئی سوار آئے تھے۔ بادشاہ کو تحائف دیکر شہزادے کو نذر دی۔ نوشیرواں نے راہ و رسم چین کی پوچھی اور سوداگران نے خاقان اعظم بادشاہ چین کی بیٹی کی تعریف کی کہ نوشیرواں اس پر نادیدہ عاشق ہوا چند روز میں یہ حال ہوا کہ کھانا پینا بھی بند ہوگیا۔ بندہ کو کسی طرح کا تحمل نہیں۔ اگر دریافت ہو تو اس کا علاج کرے۔ فرمایا خواجہ تمکو میں اپنا بزرگ جانتا ہوں کہ میرے بادشاہ ہو تم سے کوئی بات چھپی نہیں ہے بادشاہ چین کی بیٹی انگیز پر عاشق ہوا ہوں۔ ہر چند چاہتا ہوں کہ دل کو قابو کروں پر نہیں ہو سکتا۔ اگر اس مراد کو نہ پاؤں گا تو زندہ رہنا دشوار ہے۔

بزرجمہر نے عرض کی کہ بادشاہ زادے شہزادیوں پر عاشق ہوتے ہیں۔ آپ خاطر جمع رکھئے گا میں اس بادشاہ زادی کو آپ جاکر لاؤں گا۔ نوشیرواں کی خاطر جمع کرکے بادشاہ کی خدمت میں عرض کی کہ بادشاہ زادے کے آزار کا باعث یہ ہے کہ بادشاہ چین کی بیٹی پر فریفتہ ہے مگر جو بزرجمہر نے اس قرینے سے گفتگو کی کہ بادشاہ نے بے اختیار ہو کر کہا کہ سوائے تمہارے اور کسی سے یہ کام نہ ہوگا۔ خزانوں اور کوٹھڑیوں کی کنجیاں لیکر جتنا اسباب نقد جنس درکار ہو لو۔ اور چین میں جاکر اُس کو لے آؤ۔

بزرجمہر نے جو چیز ضروری اور درکار تھی ساتھ لی اور پچاس ہزار پیادہ توپچی اپنے ہمراہ لیئے اور چین کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن بختک کا یہ عالم تھا کہ ہر روز اپنی ماں سے کہتا تھا کہ یہ حکیم بادشاہ کے نزدیک بڑا راسخ ہے۔ پر میں بھی جب موقع پاؤں گا اپنے نانا کا بدلہ لوں گا۔ اور ہر روز نوشیرواں سے بزرجمہر کی طرف سے بدی کے سوا کچھ نہ کہتا تھا۔ بارہا کتنی مرتبہ بادشاہ زادہ خفا بھی ہوا پر اُس نے اپنی عادت نہ چھوڑی۔

تیسری داستان

نوشیرواں عادل کی شادی شہزادی مہر انگیز کے ساتھ ہونا،

راویان اس داستان کو بیان کرتے ہیں کہ بزرجمہر جب چین کے نزدیک گئے اور خاقان اعظم کو یہ خبر دی کہ بادشاہ ہفت کشور کشاد کا وزیر آتا ہے تب اُس نے سردار اپنے چار بیٹوں کے ہمراہ کر کے استقبال کیلئے بھیجے اور شہر کو آئینہ کیطرح بند کیا تا کہ لطف دوچند معلوم ہو۔ بزرجمہر جب قریب دروازے کے پہنچے تھے کہ بادشاہ ختن اور سرداران چین پیشوائی کو آئے اور بزرجمہر کو لے گئے۔ خاقان اعظم کی بارگاہ میں عرض گذرانی اور اپنے دستور کے موافق نہایت آداب کے ساتھ مجرا کیا۔ بادشاہ آداب دلحاظ اس کا دیکھکر نہایت ہی خوش ہوا اور خواجہ کو خلعت عطا فرمایا۔ اس روز بادشاہ چین اور بزرجمہر کے باہم ایسا اختلاط ہوا۔ کہ بادشاہ نے جو سوال کیا اُس کا جواب نہایت باصواب پایا۔ کہتے ہیں اس روز خواجہ بزرجمہر کی حسن جوابی سے بادشاہ بہت خوش ہوئے اور گیارہ مرتبہ انکو سرفرازی کا خلعت دیا اور بزرجمہر کی ہر بات سے خوش ہوتا تھا۔ سامنے اس کے ایک بتخانہ تھا۔ بادشاہ چین عبادت کیواسطے وہیں گیا اور مع اپنے سرداروں کے سجدہ کیا۔ لیکن خواجہ ایک جگہ کھڑے ہوئے تماشہ دیکھتے تھے۔ بادشاہ جب اپنی عبادت سے فارغ ہوا تو بزرجمہر سے کہا۔ کہ تم نے عبادت کیوں نہیں کی؟ عرض کیا کہ یہ تمام بت کس وقت میں بنے ہیں فرمایا کہ بعض جمشید کے وقت میں۔ اور کتنے میرے وقت میں بنے ہیں۔ بزرجمہر نے کہا جو چیز آپ نے بنائی ہو کیسے سر اور سجدہ کے لائق ہے؟

بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ بزرجمہر سے پوچھا۔ کہ اس طرف تمہارے آنیکا کیا سبب ہے۔ عرض کیا کہ بادشاہ ہفت کشور کا لڑکا نوشیرواں کہ علم و فضل اور آئین سلطنت میں لاثانی ہے وہ شہزادہ نور اقبال شاہ چین ملکہ مہر انگیز پر عاشق ہے۔ یہ تحائف بادشہزادی کیواسطے بھیجے ہیں اور نوشیرواں کے لئے اسکی طلب ہے بادشاہوں کا بادشاہوں کے سوا دوسروں سے رشتہ نہیں ہوتا۔ بادشاہ چین نے یہ سن کر فرمایا کہ میری سعادت ہے کہ میرا داماد نوشیرواں ہو وہیں فرمایا۔ کہ مہر انگیز کے ہمراہ کر کے بطرف ایران بزرجمہر کے ساتھ روانہ کئے۔ کئی مہینے کے بعد جب وہ ایران کے نزدیک پہنچے تو بادشاہ کو خبر ہوئی کہ بزرجمہر مع مہر انگیز بانو کو لیکر آتے ہیں شہر سے پانچ کوس پر لشکر اترا ہے تب فرمایا کہ شہر کو آئینہ کی طرح سجایا جاوے اور تمام امرا سلطنت صبح جشن میں حاضر ہوں کہ باہم نوشیرواں کو لیکر سوار ہونگے صبح کو تمام شاہ اور شہریار جواہر پوش ہو کے خلوت خانہ میں حاضر ہوئے اور بادشاہ بھی ایک محمل پر سے سوار ہوا

نوشیروان بھی ایک مرصع تخت پر سوار ہو کر بادشاہ کے ساتھ روانہ ہوا شہزادے پر الماس کا چھتر پھرتا ہوا اور دونوں طرف زرد کے مورچھل ہوتے ہوئے اور بادشاہ کے پیچھے پیچھے چار سو تخت جواہر نگار شاہان ہفت اقلیم اور ہزاروں بھیڑیا پالکی چھپیان سکھپال کو لیکر تخت دونوں طرف برابر چلے جاتے تھے۔ اور وہ یار وغیرہ سوکھا تلماق زربفت کی پہنے ہوئے تاش کی پگڑی سر پر باندھے ہوئے موٹے موٹے جڑاؤ سونے کے کڑے سب کے ہاتھوں میں اور ان کے وہ سرخ و سفید چہرے اور سیاہ سیاہ زلفیں چھوٹی ہوئی کیا خوب معلوم ہوتی تھیں اور آگے تخت کے روشن چوکی والے نئی سر میں بھیروی کی تانیں لئے ہوئے اور ہزارے عبار زائل کا زمزمہ بجاتے ہوئے اور انکے دائرے میں دھیمی دھیمی ایک تال کی گت بجتی ہوئی ایک لطف دیتی تھی اور اس کے گھوڑوں پر تمام نقارچی آہستہ آہستہ نوبت بجاتے ہوئے چلے اور قریب بادشاہ کے آگے بڑھے ہوئے چوبدار اور نقیب مرصعے بردار عصا برداراں کا اہتمام اور نقیبوں کا یہ عالم کہ ان سنہری روپہلی ہودے اور عماریاں چمکتی ہوئی ایک لطف دیتی تھیں شہر کی تیاریاں اور فوج کا یہ عالم کہ دولہا کی رات کا ایک عالم معلوم ہوتا تھا۔ غرض اس شان و شوکت سے بادشاہ نوشیروان کو ہمراہ لیکر گیا۔ ادھر سے بزرجمہر آئے اور بادشاہ کے تخت کو بوسہ اور نذر گذار کر چین کے بادشاہزادوں کو ملاقات کرائی۔

بادشاہ بزرجمہر سے بہت خوش ہوئے اور شہزادوں کو خلعت شاہانہ عنایت فرمایا۔ مہرانگیز کے محافہ پر زر سرخ و سفید نثار کرتے ہوئے محل میں داخل ہوئے اور تمام وزرا اور امرا نے شہزادے کو اس خوشی میں نذریں دیں۔ بادشاہ نے اس شہزادی کی شادی نوشیرواں کے ساتھ کی اور ایک سال تک اس شادی کا جشن رہا۔ بعدہ ایک دن بادشاہ نے بزرجمہر کو بلوا کر فرمایا۔ کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی قید حیات میں تخت سلطنت پر بٹھاؤں سو اس امر کا مختار تم کو کیا۔ بزرجمہر نے کہا کہ اس دن کے بعد ان چالیس دن میں میں جو حرکت کروں مزاحم نہ ہو جئے۔ فرمایا ہم نے تمکو مختار کیا جو چاہو کرو۔

خواجہ بزرجمہر نے اسی روز نوشیرواں کو طوق و زنجیر کر کے زنداں میں ڈال دیا۔ بعد چالیس دن کے قید سے نجات دی آپ گھوڑے پر سوار ہو کر نوشیرواں کو پیدل ساتھ لیکر اپنے گھر آئے۔ دو تین کوڑے شہزادے کو لگائے کہ نشان پڑ گئے۔ اس کے تازیانہ ڈال دیا اور تلوار کھینچکر شہزادے کو دی اور اپنا سر جھکا کر کہا۔ اب غلام حاضر ہے۔ اس لئے کہ غلام نے واقعی بے ادبی کی ہے لیکن ان کا باعث یہ تھا کہ خدا نے آپکو بادشاہ کیا تاکہ ہر ایک کی قدر سمجھو اور کسی بے گناہ کو قید نہ کرو اور نہ مارو کہ اس کا مزہ معلوم رہے۔ اور جو لوگ سواری کے آگے دوڑیں انکی قدر کرو۔ نوشیرواں نے بزرجمہر سے ہنسکر کہا۔ کہ میں یہ خوب جانتا ہوں کہ جو کچھ تم کرو گے بغیر حکمت نہ کرو گے بزرجمہر نے نوروز کے دن نوشیرواں کو حمام میں غسل کرا کر خلعت شاہانہ پہنا کر سوار کیا اور تمام سرداروں کو ہمراہ لیکر رکاب سعادت بدرگاہ جمشیدی میں

داخل ہو کر تخت پر بٹھلایا۔ اور بزرجمہر نے بادشاہ سے سفارش کی بختک کی اور اُس کو خلعت وزارت کا دلوایا۔ بادشاہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر نوشیرواں کو نصیحت کر کے کہا۔ کہ بابا جان خبردار بزرجمہر کی رائے کے بغیر کوئی کام نہ کرنا اور کسی بات میں بختک کا کہنا ہرگز نہ ماننا۔ جہاں تک امیر و وزیر تھے شہزادے کو نذریں گزاریں اور ایک سال تک نوشیرواں جشن میں رہا۔

راوی لکھتا ہے کہ قباد کامران نامی بعد فراغ جشن اور نوشیرواں کو تخت پر بٹھلانے کے دو سال زندہ رہا۔ اس کے بعد جہان فانی سے انتقال کر گیا۔ نوشیرواں سیاہ پوش ہوا اپنے باپ کو تجہیز و تکفین کیا۔ کتنے دن تک قباد کے مرنے کا غم کیا۔ لیکن قباد کے مرنے کے بعد بختک کی مصاحبت سُن کر ظلم کرنا شروع کیا۔ کہ کسی بادشاہ کے وقت میں ایسا ظلم نہ ہوا تھا۔ ناگہاں ایک قزاق بادشاہ کے حضور میں پکڑا آیا کہ اس نے ایک قافلہ لوٹا ہے۔ حکم ہوا کہ اسکی گردن اُڑا دو۔ اُس نے کہا کہ مجھکو مختلف جانوروں کی بولی سمجھنے کا علم ہے۔ اگر مجھکو چالیس دن تک خوبصورت رنڈی اور شراب اور کباب دیجئے۔ تو پھر جس کو فرمایئں بتلا دوں۔ اُس کے بعد مار ڈالیئے گا۔

نوشیرواں نے اُسے بزرجمہر کے حوالے کیا۔ خواجہ بزرجمہر اس کو اپنے گھر لیجا کر چالیس دن تک اسی طرح رکھا۔ بعد چالیس روز کے خواجہ بزرجمہر نے اس کو بلایا اور پوچھا کہ وہ علم جانوروں کی زبان سے جو تم نے سیکھا ہے بتلاؤ۔ اس نے کہا۔ خاطر خواہ عیش کر لی ہے جو جی میں کسی بات کی آرزو نہیں رہی اب میں اپنی گردن کٹانے کیلئے تیار ہوں۔ بزرجمہر نے چوری سے توبہ کرا کر اسکی جان بخشی کروائی اور اپنے پاس سے خرچ دیکر نکال دیا۔ اُس کے کئی روز بعد بادشاہ شکار کیلئے گیا۔ اور تمام ساتھیوں سے الگ ہو گیا۔ اب اس کے ساتھ بزرجمہر اور بختک کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ یہ تینوں ایک درخت کے نیچے کھڑے تھے کہ ناگہاں ایک جوڑا اُلو کا اس درخت پر آن کر بیٹھا اور آپس میں کچھ بولنے لگا۔

بادشاہ نے بزرجمہر سے پوچھا تم نے جو جانوروں کی زبان سیکھی تھی معلوم ہے۔ اُس نے عرض کیا معلوم ہے۔ فرمایا کہ یہ جوڑا کیا کہتا ہے۔ بزر نے کہا۔ وہ جانور اپنے بیٹے کیواسطے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگتا ہے سو یہ کہتا ہے اگر نوشیرواں کی بادشاہی میں ہے تو یہ تین ویرانے اگر جہیز میں دے تو میں قبول کروں۔ وہ کہتا ہے اگر نوشیرواں کی بادشاہی رہی تو یہ تین کیا ایسے دس دوں گا۔ یہ سن کر بادشاہ نے کہا کہ شہرہ یہاں تک پہنچا ہے کہ جانور بھی ذکر کرتے ہیں۔ اُسی روز سے شہر مدائن میں آ کر عدالت کی زنجیر باندھی اور کہا کہ جو دادخواہ اس زنجیر کو ہلا دیگا اُسکی داد کو پہنچوں گا۔ پھر تو یہ عدالت کی کہ شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے اور ہر ایک اپنے گھر کا دروازہ کھول رکھتا اور کسی کو کسی کا غم نہ رہا۔ اور کتنے سال سلطنت کی کہ خواجہ بزرجمہر کے دو فرزند ہوئے خواجہ سیاوش اور خواجہ دریاول اور بادشاہ کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی شہزادوں کا نام ہرامز اور فرامز

اور بادشاہزادی کا نام مہرنگار رکھا۔ اور بختک کے گھر میں ایک بیٹا ہوا جس کا نام بختیار رکھا گیا۔ نوشیرواں نے ایک رات خواب دیکھا۔ کہ مشرق کی طرف سے ایک کوا آیا اور سر سے تاج اُتار کر لیگیا۔ پھر مغرب سے ایک باز آیا۔ اُس نے اُس زاغ کو مار کر وہ تاج پھر میرے سر پر رکھا۔ اُس خواب کو دیکھکر بادشاہ جاگ اُٹھا اور صبح کو بزرجمہر سے اسکی تعبیر پوچھی۔ کہا۔ کہ اسکی تعبیر یہ ہے کہ مشرق کی طرف خیبر نام ایک شہر ہے وہاں ایک بادشاہ ہشام بن علقمہ پیدا ہوگا۔ جو آکر بادشاہ کا تخت و تاج چھین لیگا اور مغرب کی طرف سے مکّہ سے ایک لڑکا آئیگا وہ ہشام کو مار کر تخت تاج حضور کو دلوائے گا۔

یہ سُن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور بزرجمہر کو خلعت دیکر مکّہ شریف کی طرف بھیجا کہ اگر وہ لڑکا پیدا ہوا ہو تو اسکی پرورش کرا کر ہمارا لڑکا مشہور کردو۔ بزرجمہر کے امر سے بہت سا اسباب اور تحفے رؤسا مکّہ کیلئے اپنے ہمراہ لیکر روانہ ہوا جب مکّہ کے نزدیک پہنچا تو ایک خط خواجہ عبدالمطلب کی خدمت میں بھیجا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا کہ بندہ بیت اللہ شریف کی زیارت کیلئے آیا تھا اور آپ کی خدمت سے بھی مشرف ہوا چاہتا ہے۔ خواجہ عبدالمطلب نے خط پڑھکر معلوم کیا اور مکّہ میں جہاں تک رئیس تھے سب کو ہمراہ لیکر خواجہ بزرجمہر کا استقبال کیا اور شہر میں لے آئے پہلے بزرجمہر خواجہ عبدالمطلب کے ہمراہ کعبۃ اللہ کا طواف کیا۔ پھر شہر میں سکونت اختیار کی اور وہاں کے جتنے بزرگ اور سردار تھے سب سے مُلاقات کی اور بادشاہ ہفت اقلیم نوشیرواں کی طرف سے سب کو بیحساب روپے اور اشرفیاں بخشیں اور فرمایا سُلطان تم سے بہت خوش ہے اور فرمایا کرتے ہیں کہ یہ اہل عرب ہمیشہ سے میرے دعاگو ہیں میں اُنکو اپنا دوست سمجھتا ہوں سو مجھکو اب اس واسطے بھیجا ہے کہ اس شہر میں جتنی حاملہ عورتیں ہیں اُن کے لڑکے آج کے دن سے جس گھر میں فرزند پیدا ہوا ہے ہمارے پاس لے آؤ کہ اُس کا نام بھی رکھیں اور ماہواری بھی جاری کریں۔ خواجہ بزرجمہر نے اپنا لشکر شہر کے باہر ہی رکھا تھا اور مکّہ کے لوگ اکثر وہیں تشریف لیجاتے اور خواجہ بزرجمہر کبھی کبھی خواجہ عبدالمطلب کے گھر جاتے۔ کوئی بیس دن کے بعد خواجہ بزرجمہر مُلاقات کیلئے خواجہ عبدالمطلب کے گھر گئے اور اسلام کہکر کہا، بندہ زاد پیدا ہوا ہے۔ بزرجمہر نے اسی وقت اُس لڑکے کو منگوایا اور اپنے ہاتھوں پر رکھا اور اُس کے طالع پر نظر کی تو کیا دیکھتا ہے کہ یہ وہی لڑکا ہے جو ہفت اقلیم سے خراج لیگا اور تمام جہان میں اپنا عمل کریگا اور مُلک مُلک کے پہلوانوں اور بادشاہوں کو زیر کرکے اُن کے کان میں حلقہ بندگی ڈالیگا۔ بزرجمہر نے اُس لڑکے کی پیشانی پر بوسہ دیا اور حمزہ نام رکھا اور خواجہ عبدالمطلب کو مبارکباد دی اور لڑکے کی سلامتی کے لئے فاتحہ پڑھکر سب نے کعبہ کی جانب دُعا مانگی اور بزرجمہر نے صندوق اشرفیوں اور روپوں کے امیر حمزہ کے لئے عبدالمطلب کو دیئے۔ بعدہ شربت تیار کرنیکا قصد کیا کہ سب کو پلایا جائے۔

بزرجمہر نے خواجہ عبدالمطلب سے کہا کہ دو ساعت اور تامل کیجئے کہیں دو اور اشخاص کا منتظر ہوں

کہ جن کے لڑکے امیر حمزہ کے ساتھ جانی یار ہوں گے۔ یہ باتیں کرتے ہی تھے۔ کہ خواجہ عبدالمطلب کا بشیر نامی غلام لڑکا لے آیا۔ اور کہا۔ غلام کا ہے جو آج پیدا ہوا ہے۔ بزرجمہر نے اُس لڑکے کا نام مقبل وفادار رکھا اور اُس کی پرورش کے لئے ہزار اشرفیوں کا ایک توڑا بشیر کو دیا اور کہا۔ کہ یہ لڑکا تیر اندازی کے فن میں بادشاہ ہوگا حمزہ کی ماں نے انتقال کیا اور مقبل کی ماں بھی مرگئی۔ تو یہ لڑکے اور ایک اور بھی ہے۔ ان تینوں کی پرورش ایک جا ہو تو بہتر ہے۔ لیکن جب اس لڑکے اور اشرفیوں کو لیکر بشیر جا رہا تھا، تو راستہ میں اُمیہ عیار یاں سے ملاقات ہوئی۔ عمیہ نے دیکھا کہ بشیر ایک توڑا لئے ہوئے شاد شاد جاتا ہے۔ سلام علیکم کہہ کر بشیر سے پوچھا کہ یہ توڑا کہاں سے ملا ہے۔ اُس نے تمام حال بیان کیا۔ کہ نوشیرواں کا وزیر آیا ہے کہ جس کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے وہ اس کو اسقدر مال دیتا ہے، ضمیری عمیہ بہت خوش ہوا اور اپنے گھر جا کر اپنی جورو سے کہا۔ کہ تو ہمیشہ کہا کرتی ہے کہ میں حمل سے ہوں جلد لڑکا پیدا کر۔ اس وقت روپے بھی ہاتھ آئیں گے۔

یہ سُن کر اُسکی عورت نے کہا۔ کہ تُو دیوانہ ہے ابھی مجھکو ساتواں مہینہ ہے جب نو ماہ پورے ہونگے تب کہیں لڑکا پیدا ہوگا عمیہ نے کہا۔ کہ اگر نو مہینے کے بعد پیدا ہوا تو پھر کیا فائدہ؟ میں ایسے لڑکے ہونے سے باز آیا میں ایسی باتیں نہیں مانتا۔ اس وقت خوب زور کر اور خوب کھانس کہ بچہ جلد نکل پڑے۔ بیوی نے یہ سُن کر اُسے گالیاں دیں تو اُس پر عمیہ ضمیری خفا ہوا۔ اور اُس کے پیٹ میں اس زور سے ایک لات ماری کہ بیچاری اُسی درد سے بلبلا کر لڑکا جن کر مرگئی۔ عمیہ ضمیری نے اُس لڑکے کو اپنے ہاتھوں میں اُٹھا لیا اور خواجہ بزرجمہر سے آکر کہا۔ کہ غلام کے گھر بھی لڑکا پیدا ہوا ہے۔ بزرجمہر کی نظر جونہی اُس پر پڑی تو بے اختیار ہنسنے لگا اور گود میں اس کو لیکر یا وار بلند فرمایا کہ یہ لڑکا وہ ہے جو تمام بادشاہت اقلیم بھی اخراج لیگا اور سب اس کے زیر رہیں گے اور اس کیواسطے ہمیشہ نذر بھیجا کریں گے اور اُس کی خنجر کی نوک کے تلے رہیں گے جو اُس کے خلاف ہوگا یہ اُسی کو خفت دیگا۔ جو قلعہ بادشاہان سلف سے فتح نہیں ہوا یہ اکیلا سر کریگا۔ اور امیر حمزہ کا محرم راز جان نثار رہیگا۔ اور تمام عیاران روئے زمین کا بادشاہ ہوگا۔ لیکن اس لڑکے نے بزرجمہر کی گود میں اس قدر رونا شروع کیا کہ بات کرنی مشکل ہوگئی اُسکی تشفی کیلئے بزرجمہر نے اپنی اُنگلی اُس کے مُنہ میں دی کہ چپ رہے۔ خواجہ کی اُنگلی میں ایک انگوٹھی تھی جس کو لڑکے نے مُنہ میں اُتار کر چپ ہو رہا۔

خواجہ نے اُس لڑکے کا نام عمر رکھا۔ اور فرمایا کہ اب سب کو شربت پلائیں۔ شربت پینے کے وقت جب بزرجمہر کی نظر اپنی اُنگلی پر پڑی تو اُسے انگوٹھی سے خالی پایا تب تکیوں کے نیچے اور جیب میں ادھر اُدھر ڈھونڈنے لگے جب نہ ملی تو ناچار خاموش ہو رہے اور انگوٹھی کا گم ہونا ظاہر نہ کیا تاکہ لوگ شرمندہ نہ ہوں آپ نے شربت پی کر چاہا کہ ایک قطرہ عمر کے مُنہ میں بھی ڈالیں۔ ایسا کرنے پر انگوٹھی عمر کے مُنہ سے نکلی۔ یہ دیکھکر

حیرت میں رہ گئے۔ بزرجمہر نے خواجہ عبدالمطلب کی طرف دیکھکر کہا۔ یہ اسکی پہلی چوری ہے ۔ عمرؔ کی پرورش کیواسطے ایک صندوق روپوں اور اشرفیوں کا عمیہ ضمیر کو دیکر کہا لے جا اور جاکر اس کی پرورش کر۔ عمیہ ضمیر نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ اس لڑکے کی ماں اس کو جن کر مر گئی۔ غلام سے اسکی پرورش کیونکر ہوسکیگی۔ بزرجمہر نے تامل سے خیال کیا اور عبدالمطلب سے فرمایا کہ امیر حمزہ کی ماں نے اور ان دو نوں کی ماؤں نے بھی انتقال کیا۔ تو اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں کہ آپ صبح کو شہر سے باہر جایئے۔ وہاں معدی کرب کی ماں عادیہ بانو امیر کو دودھ پلانے کے لئے آئی ہے۔ اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھیجا ہے اُس کی پیشوائی کر کے لے آئیے۔ سوائے اس کے امیر کو اور کوئی دودھ نہ دیگی۔ پس اُسکی دائیں چھاتی سے امیر اور بائیں چھاتی سے عمرؔ اور مقبل وفادار دودھ پیا کریں۔

خواجہ بزرجمہر کے کہنے کے مطابق عبدالمطلب باہر گئے اور عادیہ بانو کو لیکر آئے۔ اِن تینوں لڑکوں کو اِن کے حوالے کیا کہ اِن کو دودھ پلایا کرے۔ امیر کو تولد ہوئے چھ روز گذر گئے تھے کہ خواجہ بزرجمہر نے خواجہ عبدالمطلب سے فرمایا صبح کو امیر کا گہوارہ بالاخانہ پر رکھوا دیجئے۔ اور اس کے غائب ہونے سے کچھ اندیشہ نہ کرنا حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے کئی ایک عجائبات پیدا کئے ہیں۔ چنانچہ دنیا کے گرد بڑے بڑے دریا محیط ہیں جن کا پانی تمام دنیا میں احاطہ کر کے درمیان میں آیا ہے۔ اس کے پار عظیم الشان کوہ قاف نامی پہاڑ ہے وہاں اٹھارہ قسم کا عالم مثل دیو، پری وجن گول بشتر گاؤ سر گاؤ کے رہتا ہے۔ اس قوم کا بادشاہ نہایت عادل اور عبادت میں مشغول پری زاد نہایت خوبصورت شہپال بن شاہ رخ ہے پس امیر حمزہ کا گہوارہ اُس کے پاس جائیگا اور سات روز کے بعد واپس ہوگا۔ یہ فرمان سُن کر خواجہ عبدالمطلب رخصت ہوئے۔

داستان کوہ قاف

ملاحظہ فرمایئے کہ پردہ کوہ قاف میں ایک بادشاہ شہپال نام بن شاہ رُخ تھا۔ ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت سلیمانی پر بیٹھا تھا۔ کہ تمام اقلیم کے اٹھارہ بادشاہ تھے اور بادشاہ کے محل میں لڑکی تولد ہوئی۔ اور اس بادشاہ کا ایک وزیر عبدالرحمٰن نامی تھا جس نے سلیمان علیہ السلام کی بیعت کی تھی۔ اور تمام عالموں میں لاثانی تھا۔ بادشاہ نے اسکی طرف دیکھکر فرمایا کہ تم لڑکی کا طالع دیکھو۔ تب عبدالرحمٰن نے تختہ آگے رکھکر اس پر قرعہ ڈالا اور زائچہ لکھکر اور رمل کی بیاض کھول کر شکلوں کے احکام دیکھکر بادشاہ کو مبارکباد دیکر عرض کی کہ اس کے طالع ایسے نظر آتے ہیں جیسے آپ کے ہیں۔ یہ لڑکی اٹھارہ سال پردہ قاف میں بادشاہت کریگی اور جماعت دیوان، پریاں اُس کے زیر فرمان رہینگے اور اُس کی تمام عمر عیش و مزے سے

گزرے گی۔ مگر اٹھارہویں سال اُس کا طالع کچھ نقی ہوگا۔ اُس وقت کے تمام زبردست دیوان بادشاہ کے مخالف ہوں گے اور چاروں طرف سے اتفاق کر کے آئیں گے اور شہر گلستان ارم و شہر زرین سمین و شہر قاقم کو چھین لیں گے اور تمام مُلک بادشاہ کے ہاتھ سے نکل جائیں گے تب وہ دُنیا سے ایک آدم زاد آئیگا اسکی قوت سے پھر یہ مُلک ہاتھ آئیں گے۔ بادشاہ یہ سُن کر از حد خوش ہوا اور خواجہ عبدالرحمٰن سے دوسرے دن فرمایا کہ دیکھو وہ آدم زاد پیدا ہوا ہے یا نہیں اور کس مُلک میں ہے عبدالرحمان نے عرض کیا کہ دُنیا کے مُلک عرب میں ایک مکّہ نام کا شہر ہے وہاں ایک سردار عبدالمطلب کے گھر وہ لڑکا پیدا ہوا ہے سو آج اس نے اس لڑکے کا گہوارہ چھت پر رکھا ہے تب بادشاہ نے پریزادوں کو فرمایا کہ پردہ دُنیا میں جاکر اس لڑکے کو لاؤ۔ ادھر پریزاد اُڑ گئے ادھر اس لڑکی کا نام آسمان پری رکھا اور جشن کی تیاری کی اور قاف کے تمام بادشاہان جشن میں حاضر تھے۔ اور جشن کو عین کمال تھا۔ کہ پریزاد امیر حمزہ کو مع گہوارہ اُٹھا لائے اور قاف کے بادشاہوں کے روبرو آکر رکھ دیا جس وقت پریزادوں کی نظر اُس لڑکے کے حُسن و جمال پر پڑی وہ تصویر کی صورت حیرت میں رہ گئے۔

بادشاہ نے اس گہوارہ کو اپنے نزدیک منگوایا اور امیر کو اپنے ہاتھوں پر اُٹھا کر اُسکی پیشانی کو بوسہ دیا اور سرمہ سلیمانی منگوا کر اسکی آنکھوں میں لگایا اور دیو پری و جن و غول و شہر کا دودھ پلوا کر کہا کہ یہ عالم جوانی میں کسی سے نہ ڈرے۔ خواجہ عبدالرحمٰن نے عرض کیا کہ طالع قیافہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیاہ بھی آسمان پری کا اسی کے ساتھ ہوگا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور ایک گہوارہ اپنے یہاں سے منگوایا کہ اس کے چاروں پائے زمرد کے تھے اور پٹیاں اور کٹہرے یاقوت کے اور طرح طرح کے بیش قیمت جواہرات اُس میں سرا سر لگے ہوئے تھے اس میں امیر کو لٹایا اور کئی دانے لعل شب چراغ اور ریشم قنات پر لپیٹ کر اس گہوارہ میں لٹکا دیئے۔ ان پریزادوں کو کہا کہ اسی مکان میں رکھ آؤ۔ پریزاد جہاں سے امیر کا گہوارہ لائے وہیں رکھ آئے اور اپنے بادشاہ کو خبر دی۔

چوتھی داستان

بزرجمہر کا نوشیرواں کے پاس جانا اور رستم کا روانہ کرنا اور عمرو عیار کا استاد کے حق میں بدی کرنا

روایت ہے کہ وہاں خواجہ عبدالمطلب نے خواجہ بزرجمہر کے کہنے پر اپنے آدمیوں کو کہا کہ

چھت پر جاکر دیکھو کہ امیر حمزہ کا گہوارہ آیا ہے وہ کیا دیکھتے ہیں کہ کوئی اور گہوارہ ہے کہ جس کی جوت سے تمام چھت چمک رہی ہے خواجہ کو خبر دی کہ امیر کے گہوارے کو لے آئے ہیں۔ بزرجمہر نے خواجہ عبدالمطلب سے کہا کہ آپ ان تینوں کی پرورش میں تغافل نہ فرماویں اور ان کو بادشاہ ہفت اقلیم کے بیٹے کہا کیجیئے۔ اب بندہ رخصت ہوتا ہے کہ بادشاہ کے حضور میں میرے دشمن بھی ہیں اس واسطے جلد جاتا ہوں اور جو گذارش نامہ آپکی خدمت میں بندہ ارسال کیا کرے آپ مطالعہ فرماکر اس پر عمل کریں۔ خواجہ عبدالمطلب نے ایک عرضی اپنے احوال کی لکھکر بزرجمہر کو دی۔ کہ بادشاہ ہفت اقلیم کے حضور میں تابعدار کی طرف سے گذارش کریں۔ تب بزرجمہر رخصت ہوئے اور کئی روز میں راہ طے کیا اور مدائن میں پہنچے اور بادشاہ کو نذر گزرانی دی۔ بادشاہ میر منشی کی طرف واسطے پڑھنے کے ارشاد کیا۔ میر منشی نے خواجہ عبدالمطلب کی عرضی کو پڑھکر سنایا جس کا یہ مضمون تھا۔ کہ ہم ہمیشہ سے بادشاہ کے دعاگو ہیں اور جو ہم پر مہربانی فرمائی ہے امید یہی رکھتے ہیں۔ کہ اس جناب کی الطاف سے ہم دعاگوؤں میں کیسے خطا کریں گے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور بزرجمہر پر سرفرازی فرمائی۔ اس کے کئی ایک مہینے کے بعد ایک روز بادشاہ بارگاہ جمشیدی میں کیکاؤس کے تخت پر بیٹھا تھا۔ کہ چین کے اخبار گذر سے خفیہ نویس نے لکھا تھا کہ خاقان اعظم کا لڑکا بہرام گرد خاقان چین نام بجائے باپ کے تخت نشین ہوا۔ اسکی زوراوری کے برابر کوئی نہیں ہے۔ جب شکار کو جاتا تو گھوڑے کو ملا کر جس ہاتھی کی پشت پر گھونسا مارتا ہے اسے گرا دیتا ہے اور شیر مست کا کان پکڑ کر لے آتا ہے۔ سوائے چین کے اور ملک بھی اس نے اپنے قبضہ میں کئے ہیں اور سالیسان ترقی پر ہے اور چار سال سے آپ کو بھی خراج نہیں دیتا۔ اور کہتا ہے کہ میں شاہ ہفت کشور سے بزور شمشیر تعابندی لوں گا۔

یہ خبر سن کر بادشاہ فکر میں پڑگیا اور بزرجمہر سے پوچھا۔ کہ اس کا کیا علاج کریں؟ عرض کی لازم تو یوں ہے کہ اس نے ابھی واقعی زور نہیں پکڑا اور نہ ابھی قائم ہوا۔ اور جب خلق اس کے پاس جمع ہوگی اور وہ مسلط ہوگا۔ تو پھر اس کا اکھاڑنا مشکل ہوگا۔ کسی خانہ زاد کو اگر اجازت ہو کہ اس کو مشکیں بندے باندھکر حضور میں لائے۔ فرمایا تم مختار ہو جس کو مناسب جانو اسی کو روانہ کردو۔ بزرجمہر نے ایک سپہ سالار ستم بن اشک زرینہ کمر ساسانی کو بادشاہ سے خلعت دلاکر بارہ ہزار سوار ساسانی کی جمعیت سے بہرام گرد خاقان کے سپرد روانہ کیا۔ جنانک کہ چین پہنچیں۔

دوسری داستان امیر عمرو کے شیر خوارگی

جبکہ مکہ میں پرورش ہوتی تھی اور عادیہ بانو ان تینوں لڑکوں کو دودھ پلاتی تھی۔ کیا دیکھتی ہے کہ امیر کا بدن دبلا ہوتا جاتا ہے اور عمرو روز موٹا ہوتا جاتا ہے۔ کہ سب حیران تھے۔ کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ ایک

رات کو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ عمرو نے امیر اور مقبل کو پلنگ کے نیچے گرا دیا۔ اور دونوں چھاتیوں سے آپ دودھ پینے میں محو ہوا۔ صبح کو دائی نے کہا۔ کہ یہ لڑکا بڑا چور ہوگا۔ عمرو جب کچھ اور بڑا ہوا اور گھٹنوں کے بل چلنے لگا۔ رات کو چپکے سے جانا اور آزار بند۔ چھلا۔ انگوٹھی، نتھ۔ عورتوں کے گھر میں سے چرا کر لاتا اور عادیہ بالوں کے پائدان میں چھپا دیتا۔ صبح کو سب دھوم مچاتیں کہ چوری ہوئی۔ جب تلاش کرتیں تو وہ مال دائی کے پائدان سے نکلتا اور وہ بیچاری شرمندہ ہوتی۔ اس طرح کچھ دن کے بعد وہ لعل شب چراغ جو امیر کے گہوارے سے بندھے ہوئے تھے ان میں سے ایک غائب ہو گیا۔ یہ خبر خواجہ عبد المطلب کو ہوئی۔ انہوں نے بہت ڈھونڈا لیکن کہیں نہ ملا۔ ناچار ہو کر غلام اور لونڈیوں کو باندھا اور دائی کو بھی دھمکایا۔ کہ اس لعل کو پیدا کریں نہیں تو ایک ایک سے بری طرح سمجھوں گا۔ سب روتی تھیں کہ ہم نے کیا اور یوں آپ مالک ہیں جو چاہیں سو کریں۔ عمر کے گہوارے کے پاس آکر دیکھنے لگا۔ تو عمر کا گال سوجا ہوا معلوم ہوا۔ اس سبب سے وہ لعل تو بھول گئے۔ اور دائی سے پوچھنے لگے۔ کہ یہ اس کو کیا ہوا؟ اس نے کہا۔ کہ یہ رات کو اچھا سویا تھا۔ اس وقت خدا جانے اس کو کیا ہوا۔

خواجہ نے معلوم کرنے کی خاطر گال پر ہاتھ رکھ کر ذرا دبایا۔ تو عمر کے منہ سے وہ لعل نکل پڑا۔ خواجہ حیران ہوئے اور کہا۔ کہ خدا خیر کرے یہ لڑکا تو بڑا چور ہوگا۔ جن جن کو باندھا تھا۔ کھول دیا اور دائی سے معذرت کی غرض اس کے ہاتھ سے سب نالاں تھے۔ جب یہ لڑکے پانچ سال کے ہوئے۔ تو عبد المطلب نے جتنے اشراف مکہ تھے۔ سب کی ضیافت کی اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان لڑکوں کو اخوند کے پاس مکتب میں بٹھلاؤں۔ کہ ماں باپ کا یہ فرض ہوتا ہے۔ کہ ایک اخوند اس محلہ میں تھا۔ کہ تمام قوم بنی ہاشم اور بنی امیہ کے لڑکے اس کے پاس پڑھتے تھے۔ امیر مقبل۔ عمر کو اس کے پاس بہت سی شیرینی لیکر گئے اور پڑھنے کو بٹھلایا۔ اول روز بسم اللہ پڑھوائی دوسرے دن جو لڑکے سب پڑھنے لگے۔ اور اخوند پڑھانے لگا۔ اخوند، امیر اور مقبل کو جو کہتا وہ وہی پڑھتے تھے۔ لیکن جب عمر نے تکرار شروع کی تو اخوند حیران ہوا۔ کہ یہ عجیب طرح کا لڑکا پڑھنے کو آیا ہے یا پڑھانے کو آیا ہے۔ اخوند۔ کہیئے تو عمر کہیئے۔ برحق اخوند نے کہا۔ میں تجھ سے کیا کہتا ہوں اور تو کیا کہتا ہے آپ نے کہا الف اور میں نے کہا برحق یعنی (الف) واحد ہے ذات خدا تعالیٰ کی اور یہ ذات خدا برحق غرض اس طرح یہ ہزار خرابی دشواری اول پٹی پڑھی۔ جب دوسری تقطیع شروع ہوئی تو استاد نے عمر سے کہا کہ الف خالی ہے۔ ب کے نیچے ایک نقطہ ت کے اوپر دو نقطے ث اوپر تین نقطے۔ ج کے درمیان ایک نقطہ عمر نے جو سنا تو اخوند کی طرف دیکھ کر قاعدے کو بند کر دیا۔ امیر اور مقبل کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اور کہا کہ چلو ہم گھر چلیں ہم اس بے تمیز اخوند سے سبق نہیں پڑھیں گے۔ ہم کو آپ کے پاس پڑھنے کیلئے بھیجا ہے یا حساب سیکھنے کیلئے۔ یہ تو بڑا خائن ہے کسی پاس ایک۔ کسی پاس دو کسی پاس تین کسی کے درمیان ایک [illegible] ہم کو کیا ہو

اِسے یاد رکھیں۔ اخوند نے ناچار ہو کر عمر کو ختم تمائی کی مگر عمر شرارت سے کسی کو پڑھنے نہیں دیتا تھا۔ اخوند نے خواجہ عبدالمطلب کی خدمت میں جا کر کہا۔ کہ عمر تمیمہ ساربان کا بیٹا سخت شریر ہے اس کو کسی اور اخوند کے حوالے کیجئے۔ مجھکو بہت حیران کرتا ہے اور امیر حمزہ کو بھی پڑھنے نہیں دیتا۔

خواجہ نے اس کو رخصت کیا۔ اور چاہا کہ عمر کو امیر سے جدا کریں۔ امیر نے رونا شروع کیا اور کہا اگر عمر مجھ سے جدا ہوگا تو میں زندہ نہ رہوں گا۔ ناچار پھر اسی اخوند کے پاس بھیجا ہر روز پڑھتے تھے جتنے لڑکے پڑھتے اپنے اپنے گھروں سے ناشتے لیجاتے تھے اور دوپہر کو سو کر اٹھتے تب وہ کھانا کھاتے تو ایک روز عمر نے دیکھا کہ سب سو گئے ہیں تو چپکے سے اٹھکر سب کا ناشتہ اٹھا کر اخوند کے سرہانے تکیوں کے نیچے چھپا کر آپ سو رہا۔ جب تمام لڑکے جاگے تو دیکھا کہ ناشتہ نہیں ہے۔ تب اخوند پر ظاہر ہوا۔ اخوند نے کہا۔ کہ سوائے عمر کے کسی کا کام نہیں ہے۔ میں نے سنا ہے کہ جب دودھ پیتا تھا۔ تو امیر کے گہوارے سے جواہر چرایا تھا۔ عمر کو جگایا اور کہا کہ کھانا کدھر گیا۔ عمر نے کہا میں تو سوتا تھا مجھے کیا معلوم ہے۔ ڈھونڈو جس نے چرایا ہوگا معلوم ہو جائیگا ملاں نے کہا جا تلاش کر۔ عمر تلاش کرنے لگا۔ پہلے سب لڑکوں کو اٹھا کر جھاڑا۔ لیکن اخوند کا بچھونا نکال کر پیٹی میں تکیے کے نیچے سے وہ تمام نکال لا اور با آواز بلند کہنے لگا دیکھو صاحب آپ لڑکوں کا کھانا چراتے ہیں اور مجھکو دھمکاتے ہیں۔ اس وقت چار پانچ پہلے مالس اور بھی کھڑے تھے تو ملاں بیچارہ نہایت شرمندہ ہوا۔ اس وقت دو قمچیاں عمر کو ماریں لیکن امیر نے خطا معاف کرا دی۔

دوسرے روز لڑکے جو پڑھنے آئے اور دوپہر کے وقت سو گئے تو عمر نے اخوند کی رومالی کا شملہ چرا کر حلوائی کی دوکان پر پانچ روپے میں رکھکر مٹھائی لا کر رکھدی اور آپ سو رہا۔ جب سب جاگے اور دیکھا تو ٹوکرا شیرینی کا دھرا ہے اور عمر سوتا ہے۔ اخوند نے جگا کر پوچھا یہ شیرینی کیسی ہے۔ عمر نے کہا۔ بابا جان نذر لائی تھی۔ اور یہ شیرینی وہ لائے تھے۔ بڑی دیر تک وہ بیٹھے رہے جب آپ نہ جاگے اور ان کو ضروری کام تھا اس لئے مجھکو اٹھا کر کہہ گئے۔ کہ اس پر فاتحہ دلوا کر تقسیم کر دینا۔ آپ فاتحہ دیجئے۔ کہا کس کے نام کی دوں۔ عمر نے کہا۔ ایک فقیر بابا شملہ تھے۔ تب اخوند نے کہا۔ کہ یہ کیسا نام ہے۔ عمر نے کہا کہ فقیروں کے نام ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ اخوند نے فاتحہ پڑھکر اوپر سے بڑے بڑے پیڑے اٹھا کر کہ جن میں جمال گوٹہ ملا ہوا تھا۔ وہ کھا لئے۔ اور باقی مٹھائی عمر نے امیر اور مقبل کے آگے رکھی اور تمام لڑکوں کو شریک کرکے کھالی۔ دو ایک گھڑیاں گذریں تو ملاں کو دست آنے شروع ہو گئے تو عمر کو کہا۔ تم نے یہ کیا کھلایا؟ کہا مجھے بدنام نہ کیجئے سب نے یہی کھائی ہے آپکو تھوڑی بھوک تھی اور کھائی بہت اس لئے گرانی کی اور بدہضمی سے پیٹ چھوٹ گیا۔ جب چار گھڑی دن رہا۔ امیر نے عمر کی شرارت سے ملازم گھر کے دہی منگایا اخوند کو پلوایا جب ذرا آرام

ہوا۔ اخوند نے لڑکوں کو چھٹی دی اور اپنے کپڑے پہنے مگر شملہ کا کوئی پتہ نہ ملا لڑکے بھی جا چکے تھے۔ کس سے پوچھیں۔ ناچار دوپٹے سے سر کو لپیٹ کر ہاتھ میں عصا لیکر مسجد سے اپنے گھر چلے۔ جونہی حلوائی کی دوکان سے گذرے اس نے شمار دیا اور کہا کہ آپ نے پانچ روپے کی مٹھائی یہ شملہ بھیجکر کیوں منگائی۔ جب چاہو منگا لیا کرو شملہ بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ سنکر اخوند نے جانا کہ آج شیرینی جو عمر لایا تھا وہ یہی ہے۔ جو حلوائی بیان کرتا ہے۔ اپنے پاس سے اسکی قیمت دی اور شملہ لیکر گھر گیا۔ صبح کو عمر نے نماز کے وقت اٹھکر تمام لڑکوں سے پہلے مکتب میں آکر جھاڑو دی اور بستہ کھول کر قاعدہ پڑھنے لگا۔ اخوند نے آکر دیکھا تو عمر پہلے آیا ہے دل میں کہا کہ آج کچھ نہ کہو۔ اخوند بیٹھ گیا۔ اور لڑکے بھی آئے سب کو پڑھایا تو اس روز اخوند نے حمام جانے کا ارادہ کیا اور خضاب تیار کر عمر کو دیا۔ کہا فلاں حمام میں لیجا اور میں بھی آتا ہوں۔ یہ کہکر ملاں نماز پڑھنے گیا۔ عمر نے راہ میں اس خضاب کے اندر ایک تولہ ہڑتال باریک کرکے ملا دی اور حمام میں جاکر رکھدیا اور گھڑی کے بعد اخوند صاحب آئے اور کپڑے اتار کر خضاب ڈاڑھی اور مونچھوں میں لگایا اور ارنڈ کے پتوں سے باندھکر بیٹھے اور عمر نے اپنے گھر کی راہ لی۔ یہاں اخوند نے دو گھڑی کے بعد حمام میں گرم گرم پانی سے دھویا۔ جونہی پانی منہ پر ڈالا اور چاہا کہ ہاتھ سے ملے۔ پانی پڑتے ہی تمام بال چھوٹ رہے تھے۔ اخوند بیچارہ مارے شرم کے پانی پانی ہو گئے۔ میں جب باہر نکلوں گا تو لوگ کیا کہیں گے۔ کپڑے پہن کر خواجہ عبد المطلب کے پاس جاکر ان کے رو برو اپنا اعمال نامہ دے مارا اور اپنا حال دکھایا۔ کہ عمر نے میری یہ صورت کی ہے۔ آپ اس کو سزا دیں۔ خواجہ عبد المطلب نے اخوند کو رخصت کیا اور عمر کو بلا کر دونوں ہاتھ باندھکر لٹکایا اور خوب جوتیاں قمچیاں لگائیں۔ اور پھر امیر کو بلا کر منع کیا کہ تم دونوں الگ الگ بیٹھا کرو۔ اگر ایک دوسرے سے بات بھی کروگے تو ہم خفا ہوں گے۔ فرمایا کہ عمر کے ہاتھ کھول کر نکال دو۔ مگر امیر کی حالت عمر کے بغیر عجیب طرح کی ہو گئی۔ کہ اسکی جدائی کے قلق میں دو دن تک کھانا بھی نہ کھایا۔ ناچار خواجہ نے عمر کو بلوایا اور امیر کے حوالے کیا اور اخوند سے امیر نے خطا معاف کرائی اور اب عمر پھر پڑھنے لگا۔

ایک روز ایک لڑکے کے گھر سے اخوند کے پاس کھانا کھانے کو آیا۔ عمر سے کہا کہ یہ ہمارے گھر لیجاؤ۔ لیکن کھولنا مت کیونکہ اس میں مرغ ہے اور وہ اُڑ جائیگا۔ عمر نے کہا۔ مجھکو کھولنے سے کیا کام یونہی حوالے کر دوں گا۔ عمر اس خوان کو سر پر اٹھا کر اخوند کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ مکان کے نزدیک آیا تھا تو راستے سے الگ جگہ میں اس کو کھول کر دیکھا۔ کہ کہیں بھنے ہوئے میٹھے چاول پکے ہوئے ہیں اور یہ بھوکا بھی تھا۔ خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ اور باقی کتوں کے آگے ڈال دیئے۔ خالی رکابی خوان میں رکھکر اخوند کے گھر گیا۔ اور اسکی بیوی سے کہا۔ کہ اخوند صاحب نے کھانا بھیجا ہے۔ اور کہا کہ آج گھر میں پکانا نہیں۔ یہ کہکر وہ خوان

وہاں رکھا اور مکتب میں جاکر اخوند کو خبر دی۔ شام کو اخوند لڑکوں سمیت چھٹی کرکے گھر گیا۔ اپنی بیوی سے پوچھا کہ آج کیا پکا ہے۔ اس نے کہا آج آپ نے منع کر بھیجا تھا اس لئے کچھ نہیں۔ وہ خوان جو آپ نے بھیجا تھا وہ دھرا ہے۔ ملاں چپ رہا۔ اس نے خوان منگایا۔ دیکھا خالی ہے۔ رات بھر بھوکے رہے صبح کو ناشتہ کرکے مکتب میں گیا اور عمر سے پوچھا کہ کل کا ناشتہ کدھر گیا؟ عمر نے کہا۔ کھانے سے تو میں واقف نہیں لیکن وہ خوان جو میں لے گیا تھا راہ میں وہ مرغ کھتی پھاڑ کر اڑ گیا۔ اخوند نے کہا کہ عمر کو باندھ کر مارو۔ آخر امیر نے خطا معاف کرائی۔ پھر پوچھا کہ گھر میں پکانے کو کیوں منع کیا؟ کہا البتہ غلطی ہوئی چار یا پانچ قمچیاں لگائیں اور کہا۔ پھر ایسی حرکت نہ کرنا۔ ورنہ بہت ماروں گا۔ اس وقت امیر کے کہنے سے معاف کیا۔ لیکن عمر ظاہر تو یہ کرتا رہا۔ اور ہاتھ جوڑتا رہا، اور جی میں اخوند کا جانی دشمن ہو گیا۔ پھر اسی مکتب میں جہاں امیر اور عمر پڑھتے ابوجہل، ابوسفیان بھی پڑھتے اور تمام دن دوپہر کے وقت جب تمام لڑکے سو گئے تو عمر نے اٹھ کر انگوٹھی ابوجہل کے ہاتھ سے اتار کر اور اخوند کے گھر جا کر اس کی بیٹی کے پاندان میں رکھ دی اور اس لڑکی کے کان کی بالی ابوجہل کے ہاتھ میں پہنا دی اور سو رہا۔ جب تمام لڑکے جاگے اور منہ ہاتھ دھو کر پڑھنے لگے تو اخوند نے ابوجہل کی انگلی میں اپنی بیٹی کی بالی دیکھی اور ابوجہل سے پوچھا کہ یہ بالی کہاں سے پائی؟ اس نے دیکھا کہ انگوٹھی کے عوض کان کی بالی ہے۔ تو حیران ہوا کہ کیا جواب دوں۔ عمر نے کہا کہ دوپہر کو آپ جب سو جاتے ہیں اور یہ اٹھ کر آپ کے گھر جاتا ہے۔ آج میں اس کے پیچھے پیچھے گیا تھا۔ جب آپ کے دروازے پر پہنچا اور زنجیر کو زور سے ہلایا۔ اس کی آواز سے آپ کی بیٹی اندر سے آئی۔ اس سے کچھ باتیں ہوئیں بعد اس نے اپنے کان کی بالی اس کو دی اور اس نے اپنی انگوٹھی اس کو دی۔ اخوند کو ایسے غصے کے اندھیرا سا آگیا۔ اور ابوجہل سے وہ بالی تو لے لی اور اتنی مار دی کہ تمام بدن کی کھال اتر گئی اور اسی غصے میں اپنے گھر گیا اور بیٹی کا پاندان دیکھا۔ انگوٹھی اس میں دیکھتے ہی آگ لگ گئی۔ پکڑ کر دو چار ہاتھ ایسے مارے کہ وہ تلملا گئی۔ اس کی بیوی نے یہ حرکت دیکھی اور بے اختیار گالیاں دیتی ہوئی دوڑی اور ایک دو پتھر اس کی پیٹھ پر مارے اور لڑکی کو چھڑا لیا۔

اخوند اس عورت کی طرف متوجہ ہوا۔ غرض دونوں خوب لڑے اور دوسرے روز جمعہ کا دن تھا عمر وقت پا کر ایک بساطی کی دکان پر گیا اور آہستہ سے اس کے کان میں کہا کہ تم یہاں بیٹھے ہو اور گھر میں تمہاری بیوی کا برا حال ہے۔ اس بساطی کو جورو سے بڑا انس تھا۔ بیتاب ہو کر دوڑا۔ عمر بھی تھوڑی دور تک اس کے پیچھے گیا اور بعد کو جدا ہو کر پیچھے رہ گیا اور اس کی دوکان پر آکر اس کے شاگرد سے کہا۔ کہ تمام سوئیوں کا پڑا ایک شخص مول لے گا۔ وہ کہتا ہے استاد نے مانگا ہے۔ اس نے حوالے کیا۔ اور عمر اس کو لیکر اپنے گھر گیا۔

دوسرے روز مکتب میں آیا۔ سوئیاں رکھکر اُوپر سے چادر بچھا دی اور چلا گیا۔ جب تمام لڑکے آچکے تو عمر بھی آیا۔ اُسدن اخوند لڑکوں کے بیچ جونہی بستر پر پاؤں رکھا تو سوئیاں تلووں میں چبھ کر پار ہوئیں اور ایک آہ کہکر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی جو سوئیاں تھیں وہ بیچارے کے بدن میں گڑ گئیں اور ہر عضو سے خون بہنے لگا۔ اور درد سے مچھلی کی طرح لوٹنے لگا اور حالت مُردہ کی سی ہوگئی۔ تب تو سب لڑکے گھبرائے اور ہر طرف سے دوڑ کر اخوند کے پاس آئے اور سوئیاں نکالنے لگے۔

جب سُوئیاں نکال چکے تو ملاں کی حالت دوپہر تک غش میں رہی۔ اور تمام بدن سوج گیا۔ ہوش میں آکر کہا کہ لڑکو معلوم نہیں تم میں میرا ایسا دشمن کون ہے کہ جس نے یہ حرکت کی۔ عمر نے کہا۔ کہ اگر ہمیں وہ معلوم ہوا۔ تو اس سے بھی ایسا ہی سلوک کریں کہ اس کے بدن میں ان سوئیوں کو چبھیدوں۔ اخوند نے کہا۔ کہ تو جاکر میانہ لے آ۔ میں اس پر سوار ہوکر گھر جاؤں۔ عمر جاکر سواری لایا اور اخوند اس پر سوار ہوا۔ اور لڑکوں کو کہا۔ کہ تم بیٹھے پڑھو اور چار گھڑی دن رہے تو اپنے اپنے گھر کو جانا۔ عمر کو اپنے ساتھ لیکر چلا۔ جب میانہ بساطی کی دوکان کے آگے آیا جونہی اسکی نظر عمر پر پڑی بے اختیار دوکان سے دوڑا اور کہنے لگا۔ لڑکے تو بڑا شریر ہے کہ کل مجھکو بہانہ کرکے دُوکان سے اُٹھایا اور سوئیوں کا پُڑا لے گیا۔ اب کہاں جاتا ہے؟

اخوند نے سوئیوں کا نام سُن کر اسکی طرف دیکھا اور پوچھا کیا بات ہے؟ وہ اخوند سے بیان کرنے لگا۔ عمر نے سوچا اب تو مجھکو بچاکر بھاگا۔ اور مکتب میں آکر امیر اور مقبل سے کہا۔ اب ہمارا اس شہر میں ٹھکانا نہیں۔ امیر نے وجہ پوچھی تو کہا۔ مجھ میں بات کرنے کی طاقت نہیں ہے رخصت ہوتا ہوں۔ امیر نے کہا کہ تیری مفارقت مجھ سے کب ہو سکتی ہے میں بھی تیرے ساتھ ہوں۔ امیر اور مقبل عمر کے ساتھ ہو لئے۔ اور جن جن لڑکوں کو امیر کے ساتھ اُلفت تھی وہ بھی ہمراہ ہوئے اور شہر کے باہر جبل ابو قبیس نام ایک پہاڑ تھا اس کے درے میں سب کے سب جا چھپے۔ جب رات ہوئی اُسی درے میں ایک پتھر پر سو رہے۔ صبح اُٹھکر وہاں ایک چشمہ کے پانی سے وضو کیا اور سب نے نماز پڑھی۔ اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ جب چار گھڑی دن چڑھا۔ تو امیر نے عمر کی طرف دیکھکر کہا۔ بھائی ہمارا تو بھوک کے مارے بُرا حال ہے کچھ کھانے کی فکر کرو۔ عمر نے کہا سب یہاں ہی ٹھہرو یہ غلام کھانا لاتا ہے۔

یہ کہکر شہر کیطرف دوڑا اور شہر میں جاکر ایک قصاب کے ہاتھ سے دو ایک مُردہ ناقت کا لیکر ترسیدہ نامی بڑھیا کے گھر کے پیچھے لے گیا۔ اس بڑھیا کے گھر بہت سی مرغیاں تھیں یہ انکے انڈے اور بچے فروخت کیا کرتی تھی۔ اس نے اس مُردے کے سر سے پرگرہ دیکر ایک مرغی کے آگے ڈالدیا اور دوسرے سرے کو اپنے ہاتھ میں رکھا اور اس مرغی نے اس سرے کو نگل لیا۔ عمر نے دوسری طرف سے کھینچنا شروع کیا تو وہ آنت

پھول گئی اور وہ گرہ اس کے گلے میں اٹکی۔ مرغی تڑپنے لگی ۔ عمر نے چپکے سے پکڑ کر اور دبا کر ذبح کیا۔ اور صاف کر کے اپنے رومال میں باندھا اور اس بڑھیا کے چھپر پر پچھواڑے سے چار پانچ پتھر مارے ۔ وہ بیچاری شل مچاتی ہوئی۔ گھر سے باہر نکلی اور اس طرف آکر شور مچایا تو عمر نے دوسری طرف جاکر دہاں بانس دھرے تھے اٹھا کر اپنی راہ لی ۔ اور ایک کبابی کی دوکان پر جاکر کہا ۔ کہ ان انڈوں کا خاگینہ تل دے ۔ اور اس مرغی کے کباب ۔ اور پانچ روپیہ کی روٹیاں اور قلیے ایک خوان میں لگا اور ان پر کباب انڈے رکھدے میں اپنے سر پر لے جاؤں گا اور اپنا ایک آدمی میرے ساتھ کر دے اور اس کو خواجہ عبد المطلب سے اسکی قیمت دلوا دونگا۔ اس نے عمر کے کہنے پر سب کچھ تیار کر دیا۔ اور قیمت لانے کیلئے اپنا ایک آدمی عمر کے ساتھ کر دیا ۔ عمر نے تھوڑی دور جاکر اس آدمی سے کہا ۔ تم خواجہ عبد المطلب کے دیوان خانے میں جاکر بیٹھو مجھکو کچھ کام ہے ۔ میں اس طرف سے ہوکر آتا ہوں وہ اس طرف چلا اور عمر نے کوہ ابوقبیس کی راہ لی ۔ جو کچھ وہ لیگیا تھا امیر کے آگے رکھدیا اور امیر نے کہا دیکھیں تو کھانا معقول لایا ہے ۔ امیر نے سب لڑکوں کے ساتھ ملکر کھایا اور عمر کو شاباشی دی ۔ یہاں وہ کبابی کا آدمی قیمت کے لئے عمر کے ہمراہ گیا تھا ۔ خواجہ کے پاس گیا اور عمر کا حال کہا کہ اس طرح ہماری دوکان سے آپ کا نام لیکر سودا لیگیا ہے ۔ اخوند پہلے سے وہاں بیٹھا اپنا حال کہہ رہا تھا کہ اتنے میں وہ بیچاری ضعیفہ بھی آئی اور خواجہ سے اس کو مرغی اور انڈے عمر عیار ضمیری کا بیٹا میرے گھر سے لیگیا ہے ۔ رونے لگی خواجہ نے مرغی انڈوں کی قیمت اس بڑھیا کو دی اور اس آدمی سے پوچھا کہ وہ کدھر ہے ؟ اس نے کہا ۔ ابوقبیس کی طرف گیا ۔ تو خواجہ نے دو ہاتھ اس کو لکھی تم لیکر روانہ کیا ۔ اور اخوند کو کہا کہ تم لیٹے جاؤ اور عمر کو مع سب لڑکوں کے گرفتار کر کے لاؤ ۔

اخوند یہ سن کر رخصت ہوا اور مکتب میں آیا ۔ اور بیس لڑکے ہمراہ لے کر عمر کو مارنے کو ان کے ہاتھوں میں لکڑیاں دلوائیں ۔ یہ اس سامان سے روانہ ہوئے ۔ جب پہاڑ کے نزدیک پہنچے جونہی عمر نے نظر کی تو بے اختیار ہنسا اور امیر سے کہا ۔ کہ دیکھو اخوند لڑکوں کو ساتھ لیکر میرے پکڑنے کو آتا ہے ۔ حمزہ کا بیت اللہ کی قسم ہے ۔ یہ تو کیا اگر خواجہ عبد المطلب بھی اگر میرے پکڑنے کو جمشید جم سا بھی آئیگا تو بھی ایک مرتبہ اس سے لڑ دونگا ۔

امیر نے کہا ۔ میں بھی تیرے ساتھ شریک ہوں ۔ اور مقبل نے کہا ۔ بندہ بھی حاضر ہے ۔ اور لڑکے بھی تمام مستعد ہوئے اخوند آن پہاڑ کے نیچے آیا اور لڑکوں سے ارشاد کیا کہ جاؤ ان تمام لڑکوں کو پکڑ لاؤ لڑکے لکڑیاں ہاتھوں میں لیکر عمر کی طرف دوڑے ۔ عمر چپکا کھڑا رہا ۔ جب وہ لڑکے نزدیک پہنچے تو عمر نے پتھر اٹھا کر ایک لڑکا جو آگے چلا آتا تھا ۔ اس کے ماتھے پر مارا ۔ کہ اس کا سر پھوٹ گیا اور لہو بہنے لگا ۔ اور وہ بھاگا ۔ ادھر

امیر نے دو تین لڑکوں کے ہاتھ پاؤں توڑے اور مقبل نے لکڑیوں سے کئی لڑکوں کو مارا۔ جب تمام لڑکے زخمی ہو کر بھاگ گئے تب اخوند آپ عصا کو ہاتھ میں لیکر عمر کی طرف دوڑا کہ شاید لحاظ سے کچھ نہ کہیں اور پکڑا جائے۔ پر عمر نے ذرا بھی خیال نہ کیا اور ایک پتھر اٹھا کر مارا۔ اخوند کا سر پھوٹا۔ اور پگڑی گر گئی۔ مارے شرمندگی کے عصا کو توڑ ڈالا کہ گویا آپ عصا کی شکل بن کر زمین پر گرا۔ جب تو یہ حالت ہوئی کہ نہ آگے پاؤں رکھ سکتا ہے نہ پیچھے۔ لیکن وہ لڑکے جو زخمی ہو کر بھاگ گئے تھے اپنے اپنے گھروں میں جا کر اپنے ماں باپ کو حال دکھایا اور وہ ان لڑکوں کو لیکر خواجہ عبدالمطلب کے پاس گئے اور تمام ماجرا سنایا۔

خواجہ نے بلا تامل اونٹ منگوایا اور سوار ہو کر اس پہاڑ کی طرف گیا اور اس میدان میں جونہی عمر نے دور سے دیکھا کہ خواجہ عبدالمطلب آپ تشریف لائے ہیں۔ امیر سے کہا۔ اب میرے قدم نہیں ٹھہرتے میں جاتا ہوں۔ آپ اپنی فکر کیجئے۔ یہ کہکر ایک طرف کی راہ لی۔ جب خواجہ عبدالمطلب پہاڑ کے قریب آئے امیر نے اپنے باپ کو دیکھکر پہاڑ سے جھٹ نیچے اتر آئے اور باپ کے قدمبوس ہوئے۔ انہوں نے فرزند ارجمند کو چھاتی سے لگایا۔ اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تمہاری خطا نہیں تمام شرارت اس ساربان زادہ کی ہے۔ کہ وہ تمکو بدراہ کرتا ہے۔ دیکھو میں اس سے کیا سلوک کرتا ہوں۔

امیر اور مقبل مع سب لڑکوں کے خواجہ کے ہمراہ شہر میں آئے اور تاکید کی کہ عمر کو یہاں ہرگز نہ آنے دینا۔ دو تین روز امیر کے آنے کو گذرے اور عمر سے ملاقات نہ ہوئی تو امیر کی حالت دگرگوں ہوئی۔ یہ خواجہ نے فرمایا جو ہو سو ہو عمر کو ہرگز نہ آنے دوں گا۔ جب ساتواں روز گزرا تو امیر نے کھانا نہ کھایا۔ تب لاچار ہو کر عمر کو بلایا اور امیر کے حوالے کیا۔ اور کہا۔ کہ عمر کا کہنا مت ماننا۔ اگر سیر کو جانا منظور ہو تو اپنے باغ کو جانا۔ شہر سے باہر ہرگز نہ جانا۔ کہ تمہارے لئے سبکی کا باعث ہے۔ امیر نے قبول کیا اور عمرو کے ساتھ کھایا اور گھر میں ایک جا رہنے لگے۔ دس روز کے بعد ایک دن امیر اور مقبل بازار میں سیر کی خاطر نکلے اور پھرتے پھرتے اپنے یہاں کے نخلستان میں جا پہنچے اور ہر طرف خوب پھرے بعدہ عمر کسی اور نخلستان میں ان کو لے گیا۔ وہاں دیکھا تو مراد خوشے خرمے لگے ہیں اور ہوا بھی سرد ہے۔ سنگ مرمر کا ایک صاف تخت تھا۔ اس پر امیر نے مقبل کی زانو پر سر رکھ دیا اور سو گیا۔ اور عمر ادھر پھرنے لگا۔ ایک درخت کو دیکھا۔ کہ عجیب خرمے بہت لگے ہیں۔ اس پر چڑھ گیا خوشے توڑے اور نیچے آ کر کھانا شروع کیا۔ تو اس وقت امیر جاگ گئے اور عمر سے پوچھا کہ یہ کہاں سے لائے ہو؟ کہا درخت پر سے چڑھ کر توڑ لایا ہوں۔ امیر نے کہا ہم بھی دیکھیں۔ عمر نے کہا۔ یہ بہت بڑی محنت سے لایا ہے آپ بھی توڑ لیجئے۔

امیر اٹھکر درخت پر چڑھنے لگے۔ عمر نے کہا درخت پر چڑھنا ہم جیسے پتلے دبلے کا کام ہے اور

اور پہلوان درخت اُکھاڑ کر دکھاتے ہیں۔ عمر کا یہ طعنہ امیر کو بُرا معلوم ہوا غصہ میں آکر درخت کو اُکھاڑ ڈالا اور اُس کے خرمے کھلانے شروع کیے۔ عمر امیر کی طاقت دیکھکر حیران رہ گیا لیکن امیر کے دق کرنے کو کہنے لگا۔ کہ ایسے کرم کھائے ہوئے درخت کو تو مجھ سا دبلا پتلا آدمی اُکھاڑ کر پھینک سکتا ہے۔ جب جانیں کوئی مضبوط درخت اُکھاڑیئے۔ امیر نے طیش میں آکر ایک اور درخت کو اُکھاڑا۔ عمر نے کہا۔ یہ درخت تو بن پانی کے کمزور ہو رہا ہے۔ اگر کوئی اور درخت اُکھاڑ لیتے تو ہم جانتے۔ امیر نے ایک اور درخت اُکھاڑ ڈالا۔ جب تین درخت امیر نے اُکھاڑ ڈالے اور چوتھے پر چلے تو عمر نے کہا۔ او عرب کچھ دیوانہ ہوا ہے جو پرایا باغ اُجاڑے ڈالتا ہے۔ تجھے کسی کا ڈر بھی ہے۔ امیر نے کہا بس بہت سے اُکھاڑے ہیں۔ تیری وجہ سے یہ حرکت ہوئی ہے۔ عمر دوڑا مالک باغ کے پاس گیا اور کہا کہ ایک بگولہ آیا تھا۔ جس سے اس باغ میں کئی درخت جڑ سے اُکھڑ گئے ہیں۔ اس نے کہا۔ یہاں ہوا کا نام بھی نہیں آیا باغ میں ہوا کہاں سے آئی۔ عمر نے کہا۔ خدا جانے لیکن تم چلو اور دیکھو کہ میں سچ کہتا ہوں۔ باغبان نے عمر کے ہمراہ آکر دیکھا تو واقعی تین درخت گرے پڑے ہیں۔ انہی درختوں سے اسکی روزی تھی۔ رونے لگا۔ امیر کو اس پر رحم آیا اور ہر نخل کے عوض میں اس کو ایک ایک اونٹ دیا۔ وہ تین شتر لیکر بہت خوش ہوا وہاں سے چلا تو عمر اس کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا۔ اپنے تین درخت تو تیرے ہوا سے اُکھڑے اور چاپلوسی کرکے تو لڑکوں سے اُونٹ لیتا ہے۔ میں ہرگز نہ لینے دوں گا۔ غرض یہاں تک تکرار اس سے کی کہ ایک اونٹ واپس لیا اور دو اس کو دیئے۔ پھر امیر سے آکر کہا۔ کہ آپ گھر چلیئے وہاں سے گھر کو گئے اور رہنے لگے۔

پانچویں داستان

قضارا ایک بالاخانہ پر امیر اور عمر اور مقبل تینوں بیٹھے تھے کہ بازار میں دیکھا تو بہت سے لوگ ہر طرف سے آتے ہیں اور شہر کے باہر چلے جاتے ہیں۔ امیر نے عمر سے کہا۔ دریافت کرو کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ عمر بالاخانہ سے اُتر کر اور دریافت کرکے امیر سے کہا۔ کہ سوداگر شہر کے باہر اُترے ہیں۔ اور ان کے پاس طرح طرح کے گھوڑے برائے فروخت ہیں۔ امیر کو گھوڑوں کا شوق تھا عمر اور مقبل کو ہمراہ لیکر اس طرف کو چلے وہاں آکر دیکھا تو واقعی گھوڑے ہیں۔ وہ ایک گھوڑا بانات کے شامیانہ کے نیچے زنجیروں سے ایسا کیوں بندھا ہے؟ اس نے کہا کہ اگر ایسا نہ باندھوں تو یہ آدمیوں کو نہ آنے دے۔ اور اس پر آج تک کوئی سوار نہ ہوا۔ اگر اس پر کوئی سوار ہو تو اس کو یہ گھوڑا یونہی دیتا ہوں۔ اور قیمت اسکی نہیں مانگتا۔ عمر نے کہا۔ یہ بات تو کہنے کی ہے مجھ کو کہو تو میں اس پر سوار ہو کر خوب پھروں۔ سوداگر نے کہا۔ کہ بات یہ ہے کہ اگر تو سوار ہو جائے

تو یہ گھوڑا میں نے تیری نذر کیا۔

عمر نے کہا۔ کہ اے رو! ابھی شاہد رہنا۔ کہ یہ عزیز آپ سے اقرار کرتا ہے۔ ایسا نہ ہو جو اس گھوڑے کا دعویٰ کرے اور سوداگر نے بھی کہا۔ یہ تمام گواہ رہو۔ کہ لڑکا اپنی جان آپ دیتا ہے کل اس کے خون کا دعوےٰ مجھ پر کوئی نہ کرے۔ عمر اس سے اقرار کر کے امیر کے پاس آیا اور کہا حیف ہے کہ میں گھوڑے پر سوار ہوں اور تم کھڑے رہو۔ امیر کو غیرت دامنگیر ہوئی۔ قدم آگے بڑھا کر اس کے نزدیک گئے اور جتنی زنجیریں اس کو بندھی تھیں تمام کھول ڈالیں اور اندھیری بھی اتار ڈالی۔ جب گھوڑے نے آدمی کو اپنے نزدیک دیکھا اور اور چاہا کہ منہ کھول کر امیر کو کاٹے۔ امیر نے اس کے بال پکڑ کر ایک گھونسا اس کے سر پر مارا کہ اس کا تمام بدن کانپ اٹھا اور سر آگے ڈال دیا تب امیر نے اس کا کان پکڑ کر کہا۔ کہ یا اس کی زین پر کل مرصع جڑا تھا۔ امیر نے وہ زین اس گھوڑے کی پیٹھ پر کس کر باہر شامیانہ سے نکالا اور سوار ہوئے۔ پہلے اس کو قدم لگایا۔ لیکن جب گھوڑے نے اپنے کو کھلا پایا اور میدان کی ہوا کھائی تو صحرا کی طرف بے اختیار چلا۔ ہر چند امیر نے اس کو روکا مگر نہ رکا۔ تمام رات میں قریب پچاس ساٹھ کوس کے جا پہنچا۔ جب کچھ دن باقی رہا تو گھوڑا ایک خندق پر پہنچا اور جست کر کے اس کے پار گیا۔ لیکن لنگر زبردست تھا گھوڑے کی کمر ٹوٹ گئی اور مر گیا۔

امیر اس سے جدا ہو کر ناچار پیدل چلے۔ دو ایک کوس گئے تھے۔ کہ پاؤں میں آبلے پڑ گئے اور نڈھال ہو کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور خدا سے دعا مانگنے لگے کہ اس بیابان کی طرف سے ایک سوار ہوا۔ جو نقاب سبز منہ پر ڈالے ہوئے تھا۔ امیر کے پاس آ کر گھوڑے سے اترا اور امیر کو کہا خدا کے حکم سے ہم نے تمکو اپنا نظر کردہ کیا کہ کوئی پہلوان تمہارے برابر نہ ہو سکیگا۔ اس پتھر کے نیچے پیغمبروں کے اسلحہ کا ایک صندوق ہے۔ اس کو تم اپنے جسم سے لگاؤ اور اسحاق نبی کا یہ خنگ گھوڑا ہے اس پر سوار ہو۔ امیر نے اس صندوق کو کھود کر نکالا اور اس میں سے اسمٰعیل نبی کا پیراہن پہنا اور ہود نبی کا خود سر پر رکھا۔ اور داؤد پیغمبر کی زرہ گلے میں ڈالی اور یوسف نبی کے دستانے اور صالح نبی کے موزے۔ اور یعقوب پیغمبر کا کمر بند۔ رستم پہلوان کا خنجر۔ اور الیاس کی دو تلواریں صمصام اور قمقام اور گستاسپ کی ڈھال اور صمصام بن زیال کا گرز اور سہراب کا پنجہ اور نوح علیہ السلام کا نیزہ یہ سب اسلحہ لگا کر اس گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اس گھوڑے کا نام قیطاس تھا۔ اور نقاب پوش غائب ہوا۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت خضر تھے۔ لیکن امیر جس وقت اس مرکب پر سوار ہوئے جہاں تک تکان تھی سب دور ہو گئی اور مارے خوشی کے جامہ میں نہ سما سکے۔ چند روز رہ کر مکہ معظمہ میں آ گئے لیکن یہاں دو کلمہ کے بلا اسفند ... ایک یہ کہ امیر کے پیچھے جو چلا تھا تو اس کوس تک گیا اور کانٹوں سے تمام پاؤں چھد گئے۔ اور ٹھوکریں لگ کر ناخن اتر گئے۔ تو بیہوش ہو کر گر پڑا۔ خدا کے حکم سے حضرت خضر آئے اور اپنا نظر کردہ کیا۔ فرمایا تجھ سے آگے کوئی نہ چلے

سکے گا۔ یہ کہکر تشریف لے گئے۔ اور عمر نے اُٹھکر دیکھا تو آگے سے جوگی فوت ہوئی اور دوڑ میں دیکھا تو کوئی آگے نہیں چل سکتا۔ خدا کا شکر ادا کیا اور امیر کی تلاش میں چلا۔ تھوڑی دُور گیا تو۔ امیر شان و شوکت سے آرہے تھے۔ جونہی عمر کی نظر امیر پر پڑی اور اسلحہ اور گھوڑے کو دیکھکر حیران ہوا۔ اور کہا۔ اے عرب وہ سوداگر کا گھوڑا کہاں بیچا۔ اور کیس کو مار کر اسلحہ اور گھوڑا اس کا لے آئے۔ امیر نے کہا خون کرنا تیرا کام ہے۔ یہ حضرت خضر علیہ السلام کا نظر کردہ ہوا ہوں اور یہ جنگ اسحاقی اسحاق نبی کا اور اسلحہ سب نبیوں کے مجھ کو خدا نے عنایت فرمایا ہے۔ عمر نے کہا مجھکو جب اعتبار ہو کہ یہ گھوڑا پیغمبر کی سواری کا ہے۔ جب مجھ سے آگے نکل جائے۔ امیر نے فرمایا اچھا دیکھیں دوڑو۔ عمر نے کہا کچھ شرط باندھو۔ فرمایا جو تو کہے۔ عمر نے کہا۔ اگر میں اس گھوڑے سے آگے نکل جاؤں تو اس اونٹ کو مجھے دیجئے۔ اگر یہ بڑھ گیا تو میرا باپ ایک سال تمہارے باپ کے اونٹوں کو بلا اُجرت چراوے۔ امیر نے قبول کیا لیکن عمر کی قدر پانے کی امیر کو خبر نہیں تھی۔ گھوڑے کو دوڑایا اور عمر بھی بگوش مرکب کے قدم بقدم برابر تھے۔ کوئی نہ بڑھ سکتا تھا۔ لیکن احوال وہاں کا سُنئے۔ کہ جب امیر کو وہاں سے گھوڑا لے گیا تھا اور عمر تعاقب امیر کا کرکے گیا۔ تو لوگوں نے یہ خبر خواجہ عبدالمطلب کو دی۔ وہ گریباں چاک کئے ہوئے مع خویش و اقربا کے ہوتے ہوئے باہر نکلے اور میدان کی طرف دیکھنے لگے۔ کہ ناگہاں بیابان کی ایک سمت سے گرد اُٹھی اور مقراض بادنے گرد کا گریبان چاک کیا۔ دامن گرد شگاف ہوتے پر سب کی نظر جونہی امیر اور عمر پر پڑی تو دیکھا۔ کہ امیر بشوکت تاجداران عرب تمام نبیوں کا لباس پہنے سیاہ قیطاس مرکب اسحاق نبی پر سوار ہے اور جلو میں عمر نے قدم طے کئے ہوئے برابر جنگ کے چلا آتا ہے۔ راوی نے لکھا۔ کہ عمر اور سیاہ قیطاس دوڑ میں برابر تھے۔ عبدالمطلب کی نگاہ جونہی امیر پر پڑی تو خوشی سے عجیب حالت ہوئی۔

امیر گھوڑے سے اُتر کر باپ کے قدمبوس ہوئے۔ خواجہ نے چھاتی سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ شہر میں ہر ایک کو امیر کے آنے کی خوشی ہوئی لیکن مقبل وفادار نے دیکھا کہ امیر اور عمر دونوں نے تنہ پائی۔ جی میں کہا کہ اب ان دونوں میں کیونکر رہوں۔ بہتر یہ ہے کہ نوشیروان کی خدمت میں حاضر ہو جئے وہاں سب کی عزت برابر ہے۔ یہ کہکر شہر کے باہر نکلا اور مدائن کی طرف چلا۔ چار کوس جاکر نہایت ہی ماندہ ہو گیا اور درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اور دل میں کہا۔ کہ اس زندگی سے تو مرنا بہتر ہے کہ یونہی ذلیل ہوتے ہیں۔ یہ تصور کرکے اس درخت پر چڑھکر ایک شاخ پر جا بیٹھا اور کمر سے پٹکا کھولکر اس کے سرے کو اپنے گلے میں پھانسی لگائی اور دوسرا سرا درخت کی پھنگ سے باندھکر کود پڑا اور لٹکنے لگا۔ آنکھوں میں دم آگیا قریب تھا کہ جسم سے روح انتقال کرے۔ کہ وہیں اس میدان میں

ایک شہسوار پیدا ہوا کہ زمین سے آسمان تک اس پر ایک نور کا طبقہ تھا۔ شہسوار نے مقبل کے پاس آکر انگشت کا اشارہ کیا۔ کہ وہ کمربند بیچ سے ٹوٹا اور مقبل گر پڑا۔ اس سوار نے مقبل کو اٹھایا اور پانچ تیر اور ایک کمان دی کہا۔ تیر اندازی میں تجھکو اپنا نظر کردہ کیا۔ اس کسب میں تو بادشاہ ہوگا۔ مقبل نے ہوش میں آکر عرض کی کہ کوئی اگر پوچھے تو کس کا نظر کردہ ہے تو میں کیا بتاؤں؟ فرمایا کہنا کہ اسد اللہ الغالب کا۔ یہ کہکر مقبل کی نگاہ سے غائب ہوگیا۔

مقبل وہ تیر کمان لیکر شاد ہوا۔ اور دیکھا کہ آگے سے دس درجہ قوت زیادہ ہے۔ مکہ معظمہ کی طرف پھرا وہاں عمر اور امیر نے مقبل کو نہ پا کر گھبرا کر کہنے لگے کہ کہاں گیا۔ اسی دوران میں مقبل آیا اور اپنی نظر پانے کی سنائی۔ امیر و عمر نے اس کو گلے لگایا اور باہم رہنے لگے۔

راوی کہتا ہے کہ بعد نظر پانے کے ایک روز امیر اور عمر اور مقبل یہ تینوں جوان نوخاستہ کے ساتویں سال انکو شروع ہوا تھا۔ امیر ایک روز بازار کی سیر کیواسطے نکلے۔ دیکھا تو کوئی خزانہ تحصیل کر رہے ہیں اور شہر کے آدمیوں کو ستاتے ہیں۔ امیر نے عمر سے کہا۔ دریافت کرو یہ کون ہیں۔ عمر نے دریافت کیا کہ سہیل یمنی ایک سردار بینظیر شان کا ہے اور اس کے سپاہی خزانہ تحصیل کر رہے ہیں۔ امیر کو برا معلوم ہوا۔ عمر سے کہا کہ ہم تو شہر والوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ کون ہے جو یہاں سے خراج لینے آیا ہے انکو منع کرو۔ اور روپے جو جمع کئے ہیں ان سے لے لو۔

عمر نے جا کر ان آدمیوں کو منع کیا تو انہوں نے کہا ہم ایسے لڑکوں کے کہنے پر چھوڑ دیں۔ تو سپاہ گری کر چکے۔ امیر کو یہ بات بری معلوم ہوئی۔ فرمایا کہ ان کو مارو اور روپیہ چھین لو۔ دو ڈھائی سو تھے جو لڑنے کو تیار ہوئے۔ امیر بھی اسلحہ پہن کر سیاہ قیطاس پر سوار ہوئے اور عمر اور مقبل اور اکثر یار جو تھے ہمراہ لیکر ان کے ہاتھ اور ناک اور کان کاٹے اور رقم جو انہوں کے پاس تھی چھین کر جن کی تھی واپس کی اور سب لوگ بھاگ کر سہیل یمنی کے خیمہ میں گئے۔ یہ مکہ کے لوگ دیکھ رہے تھے کہ بہت سے زخمی آدمی بھاگے آتے ہیں اور ان کے پیچھے کوئی چلا آتا ہے۔ یہ زخمی خیمے کے اندر گھس گئے اور اپنا حال کہنے لگے کہ اتنے میں امیر بھی اپنے آدمیوں سمیت آن پہنچے۔ سہیل یمنی کی نظر جو امیر پر پڑی تو وہ ایک عجیب نوجوان خورد سال مثل آفتاب کے دکھائی دیا جو ہتھیاروں کے ساتھ ایک گھوڑے پر سوار تھا کہ چشم فلک نے بھی ایسا گھوڑا کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ امیر کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ یہ اسلحہ اور گھوڑا مجھے دے کہ میں معاف کروں۔ وگرنہ تو نے یمن کے بادشاہ کی حکم عدولی کی ہے۔ کہ اس کے آدمیوں کو مارا۔ ہرگز زندہ نہ جائیگا۔ امیر نے فرمایا۔ او مردک! جو تجھ سے ہو سکے کر تب تو اس کے بدن میں آگ سی لگ گئی۔ تلوار کھینچکر امیر پر جھپٹا۔ تو امیر نے قدم آگے بڑھا کر اس کا قبضہ پکڑ لیا

اور ہاتھ سے نکال کر دوسرا ہاتھ کمر میں دیکر اس کو اٹھالیا اور زمین پر پٹکا۔ عمر نے حلقۂ کمند کشادہ کرکے اس کے گلے میں ڈالا اور باندھا۔ دس ہزار سوار جو ہمراہ تھے سب مسلح ہوکر تیار ہوئے اور امیر کو مع ہمراہیوں کے گھیر لیا لیکن امیر مع یاراں ان سے جنگ کرنے لگے قریب ڈیڑھ ہزار سوار کے مارے گئے باقیوں نے یمن کی راہ لی اور ان کا مال و اسباب امیر کے ہاتھ لگا۔ اُس روز عمر اور مقبل نے امیر کو ایک تخت پر بٹھایا اور یاروں نے امیر کو اپنا امیر تسلیم کیا۔ امیر نے مسکرا کر سب کی نذر لی۔ اور امیر مع ایک ہزار یمنی سواروں کے مکے کے شہر میں داخل ہوئے۔ تمام عالم تماشہ دیکھنے کو آیا اور پہلے طواف بیت اللہ شریف کی شرائط ادا کیں۔ پھر گھر میں جاکر اپنے باپ کے قدمبوس ہوا۔ فتح پانے اور امیر ہونے کی نذر گذرانی۔ فرمایا۔ بابا تمہارے دیکھنے کی ہر دم خوشی ہے لیکن ظاہر میں یہ دونوں باتیں خوب نہیں۔ اس کا رشک کریں گے اور دشمن ہوں گے اور بادشاہ یمن سے جو بگاڑ ہوا ہے اچھا نہ ہوا۔ وہ چالیس ہزار فوج کا مالک ہے اگر چڑھ آوے تو بڑی مشکل ہو جائے۔

امیر نے عرض کی کہ خدا کی توفیق اور آپ کی دعا ہے۔ میں پہلے ہی جاکر ملک کو قبضہ میں کرتا ہوں۔ خواجہ نے بہت سمجھایا لیکن امیر رخصت ہو گئے اور ہزار سوار کی لشکر لیکر ملک یمن کی طرف روانہ ہوئے دوسری منزل تھی کہ امیر فوج سے جدا ہوکر عمر کو ہمراہ لیکر چلے۔ راہ میں کیا دیکھا۔ کہ سنگ مرمر کے ایک تختہ پر گیارہ برس کی عمر کا ایک نوجوان فقیرانہ لباس پہنے ہوئے بیٹھا ہے اس کے برابر آکر سلام علیکم کی اور کہا یہ تمہاری عمر اور وضع کا موجب کیا ہے۔ اس نے کہا۔ صاحبان آپکی وجہ کے پوچھنے سے آپکو کیا حاصل؟ میں ایک ایسی درد رکھتا ہوں کہ جس کی دوا نہیں۔ امیر نے کہا درد مرگ کی دوا نہیں اور سب درد کی دوا اللہ نے بنائی ہے شاید اس کی دوا میرے ہاتھ سے ہووے۔

امیر کی یہ شفقت دیکھ کر کہا۔ کہ میں شاہ مغرب کا بیٹا ہوں۔ منظر شاہ یمنی کی بیٹی پر عاشق ہوں اس کو جو سنتا ہے وہ عاشق ہو جاتا ہے وہ شہزادی کہ ہمارے ناہید جس کا نام ہے جو آدمی اس سے میدان میں نکل کر چوگان بازی کرتا ہے وہ اس سے گوئے سبقت بیجاتی ہے اور اس کا باپ اس جوان کا سر کاٹ کر قلعہ کے کنگورے پر رکھ دیتا ہے۔ میں نے اپنے تئیں یہ جرأت نہ پائی۔ یہاں فقیر ہوکر بیٹھا ہوں۔ امیر نے کہا خدا نے اگر چاہا تو میں معشوق کو تمہارے زیر کر دوں گا۔ اور نام اس کا سلطان بخت مغربی تھا۔ اس نے امیر کے پاؤں کو بوسہ دیا اور امیر نے اس کو چھاتی سے لگایا اور باورچی خانہ ذلفقار خانہ اور اصطبل کا اسباب اور خیمہ اس کو عنایت فرمایا۔ اور اس روز وہاں مقام کیا۔ دوسرے دن کوچ کرکے روانہ ہوئے۔ منزل بمنزل چلے جاتے تھے۔ کہ ایک روز اسی طرح امیر لشکر سے جدا ہوکر جنگل میں چلے جاتے تھے۔ کہ امیر کی نظر ایک جوان پر پڑی جو شیر کے

چمڑے کا ٹوپ سر پر اور شیر کی کھال گلے میں پہنے ہوئے اور آہنی زنجیر کمر میں پڑی شیر اس کے سامنے بندھا ہے۔ امیر نے اس کو اپنا ہم عمر دیکھا۔ تو برابر آ کر اس سے پوچھا کہ اے نوجوان تو کون ہے۔ اور یہ لباس تو نے کیوں اختیار کیا ہے۔ اس نے کہا میرا نام طوق بن حیران حرامی ہے۔ اس جنگل میں رہتا ہوں۔ جو شخص ادھر سے گذرتا ہے اس پر یہ شیر چھوڑتا ہوں۔ یہ شیر اس کو مار کر کھاتا ہے۔ اور میں اس کا مال و اسباب لیکر بازار میں بیچتا ہوں اور اسکی قیمت سے اپنی اوقات بسر کرتا ہوں۔ امیر نے کہا حیف ہے کہ تجھ سا جوان یہ پیشہ اختیار کرے اور کچھ میسر نہ ہو۔ تو گدائی کرے۔ تو اس سے وہ خوب ہے بندگان خدا کو بیگناہ مارنا اس نے کہا اے جوان مجھکو تجھ پر ترس آتا ہے۔ اپنا لباس اور گھوڑا میرے حوالے کر نہیں تو شیر کو چھوڑتا ہوں یہ سن امیر ہنس کر کہنے لگے میں شیر کا منتظر ہوں اس نے شیر کے گلے سے رسّہ نکال دیا اور امیر کی طرف اشارہ کیا۔ تو شیر امیر پر لپکا۔ امیر نے نیزے سے اُٹھا لیا اور اس جوان کے اوپر مارا۔ اس نے جو یہ زور اور قوت امیر کی دیکھی تو تلوار کو نکال کر امیر پر دوڑا۔ جونہی نزدیک آیا تو امیر نے وہی نیزہ عصا اس کے شانوں پر اس زور سے مارا کہ وہ گر پڑا اور پھر اُٹھکر چلا اور امیر بھی گھوڑے سے اترے اور اس کے برابر جا کر ایک ہاتھ سے اسکی گردن پکڑی اور دوسرا ہاتھ کمر میں ڈال کر سر سے بلند کیا اور چاہا کہ زمین پر مارے۔ اس نے معافی مانگی تب امیر بہت خوش ہوئے۔ اس روز لشکر وہیں اُترا۔ امیر نے طوق بن حیران کے لئے اسباب جدا کیا۔ اس کو اپنا علمبردار کیا۔

دوسرے دن جب یمن کا قلعہ پانچ کوس رہا۔ تو وہاں اُترے لیکن یمن میں منتشر یمنی نے جو اپنے لڑکو کو دیکھا اور سہیل یمنی کے بیٹوں دس ہزار سوار مسلمان ہونے کا احوال سنا تو اپنے بیٹے نعمان کو دس ہزار قلعہ کی حفاظت کو چھوڑا۔ اور باقی فوج ہمراہ لیکر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن امیر اور راہ سے گئے اور امیر نے ایک خط لکھکر نعمان کو بھیجا کہ میں خواندہ مغربی ہوں اور ہمارے تاجدار کے وصل کی خواہش ہے۔ اپنی نثر اُٹھا تم سے کہیئے کہیں ادا کروں۔

یہ خط جب نعمان کے پاس گیا۔ تو اس نے پڑھکر اپنی بہن سے کہا۔ اس نے جواب دیا کہ میدان کو ہموار کرو۔ صبح کو اس صلاح کے سزا دونگی۔ اس نے امیر کے پاس جواب بھیجا کہ امیر چوگان بازی کا نام سنکر نہایت خوش ہوا اور ادھر نعمان بن منظر ہزار سے باہر گیا اور طبل جنگ کا حکم دیا۔ ادھر امیر کے لشکر میں بھی طبل و رنقارے بجنے لگے۔ تمام رات دونوں لشکروں میں جنگ کی تیاری رہی۔ امیر یاروں کو ہمراہ لیکر شب بیدار رہے۔ عمر عیار ہاتھ میں جام شراب لیکر پلانے لگا۔ اس وقت روشنی ماہتاب میں سام کی بڑی بڑی قنا تیں جو خیمہ کے رو برو تھیں کھول ڈالیں۔ صرف ایک خیمہ اطلس کا جس میں کلابتوں کی ڈوریوں سے بادلے کی جھالر لگی

ہوئی تھیں۔ الماس تراس استادوں کا گھڑا ہوا تھا۔ اس چاندنی رات میں میدان کا عالم اب ترا لئے برسات کی ہوا مطلع صاف مگر کہیں کہیں سفید ابر کی لکیر چاند کی روشنی میں فلک پر نمایاں اور موج دریا کی صدا اور ہوا کا سناٹا اور لشکر کی دھوم قوس و نقارے کی آواز یہ تمام بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ اس وقت نشہ شراب میں کہ جس سے نرگسی آنکھوں میں سرخ ڈورے جیسے برگ گل کا عالم نمایاں تھے۔ خیال آیا اور اسی حالت میں عمر کو فرمایا کہ تم اب جاکر جام اور شیشہ کو رکھ دو اور ہتھیار منگاؤ اور سامان دینے لگے غرض اس طرح تمام رات گذری صبح نعمان بن دس ہزار سوار کی جمعیت سے تیار ہو کر میدان میں آیا۔ اس طرف سے سلطان صاحب قران امیر حمزہ نامدار ہزار سوار کی تعداد میں آگئے۔ نیبوں کے تمام اسلحہ ترتیب تن کر کے قیطاس پر سوار ہوئے اور طوق بن حراحی ہاتھ میں علم دار لئے ہوئے سایہ امیر کے سر پر کئے ہوئے امیر کے داہنے سلطان بخت مغربی جواہر نگار ہتھیار دں سے اور بائیں ہاتھ سہیل یمنی اور پیچھے مقبل وفادار ترکش قرائی ایک گھوڑے پر لٹکائے ہوئے اور ایک کمر بند سے کمان ہاتھ میں لئے ہوئے اور آگے عمر عیار سیف نامدار خنجر کمار چست و چالاک بنا ہوا اسی طرح آہستہ آہستہ آگے بڑھے۔ جب سورج کی کرنیں نکلنے لگیں تو اس وقت نعمان کی فوج کے مقابل جا کھڑے ہوئے لیکن نعمان نے اس قرینے سے صفیں استادہ کیں کہ وہ ایک ہزار بھی چار ہزار سے کم نہ معلوم ہوا۔

اس وقت ہلکا ہلکا ابر آسمان پر چھایا ہوا تھا۔ اور سبزہ میدان کا بھلا معلوم ہوتا تھا اور ہوا کی خنکی اور دولتوں کے جوان کے بان، دنشان پھراتے ہوئے اور جوش کی تیزی اور گھوڑے ہنہناتے تھیں کی صدائیں اس وقت سب کے سب ملک تاجدار کے منتظر کھڑے تھے کہ قلعہ کی طرف سے ایک جواہر پوش سوار نکلا کہ گویا یہ سب مرکب جواہرات کے دریا میں سراسر غوطہ مارے غرق تھا۔ مگر منہ پر زمردی ایک نقاب پڑی تھی معہ خنجر سپر تلوار ترکش تیر کمان کے مسلح اور ایک چوگان ہاتھ میں لئے ہوئے مانند شعلہ آتش آیا اور آواز دی کہ خواندہ مغربی کہاں ہے؟ میدان میں آئے۔ کہ اس کا کسب و ہنر دیکھ لیں۔

اس کے یہ کہنے کے ساتھ ہی امیر نے سمند الحاقی کو رانوں میں گدگدایا۔ اور مرکب مثل برق میدان میں آیا۔ اور اس کے برابر آکر کہا۔ او معشوق تو نے جو یہ ہنر پیدا کیا ہے اس کا کمال دیکھتا ہوں۔ اس نے آتے ہی اپنے عیار کو اشارہ کیا۔ کہ اس نے ایک گیند میدان میں ڈالا۔ تو اس معشوق نے چوگان کو گو سے اشارا کیا اور میدان سے لے چلی۔ امیر نے تامل کیا اور آدھے میدان سے گذر گئی۔ تب تو امیر نے بھی چوگان عمر کے ہاتھ سے لیکر سیاہ قیطاس کو میدان میں ڈالا اور برابر اس کے گیند کو چوگان مارا۔ اور میدان کی طرف پھر اس معشوق نے نقاب کھول کر سر پر ڈالی۔ اور امیر کو کہا میری طرف دیکھو۔ امیر کی نگاہ جو ہی اس پر پڑی

دیکھا تو واقعی اس معشوقہ کے حسن و جمال کی لاثانی۔ بجلی کے سامنے آفتاب و مہتاب بھی شرمندہ ہیں۔ ایک سکتہ کی
حالت ہوگئی۔ اس معشوقہ نے یہ دیکھکر گھوڑے کو چوگان دیا اور گیند کی چوگان سے لے چلی۔ امیر نے دفعتاً ہوش میں آکر
اپنے مرکب کو بھی ایڑ دی اور کہا۔ او حلالہ معلوم ہوا اسی طرح تو مردانِ عالم کو فریب دیکر شرط جیت لیتی ہے۔ لیکن
میں ہرگز تیرے حسن کا فریفتہ نہیں ہوا۔ میرے ہاتھ سے کہاں جا سکتی ہے۔ یہ کہکر چوگان کو گیند پر لائے اور
میدان کی طرف سے چلے۔ ہر چند تاجدار نے ہر چند چاہا۔ کہ گنبد تک پہنچے لیکن امیر نے کہا اب کیا کہتی ہے؟ کہا ایک
مرتبہ پھر آزمائیے۔ امیر نے گیند کو پھیرا اور وہ امیر کو گیند کی طرف مصروف پاکر بھاگی اور چاہا کہ صف میں جائے۔ امیر
کی نظر اس پر پڑی۔ گیند کو وہیں چھوڑ کر اس کے برابر گئے اور کمربند پکڑ کر گیند کی طرح اٹھا لیا اور عمر کے
حوالے کیا۔ اس نے کمند سے ہاتھ باندھ کر لشکر کی راہ لی۔ یہ حالت دیکھتے ہی فوج کو حکم دیا کہ اس جوان نے
غضب کیا ہے سب مل کر مار دو۔ یہ سنتے ہی دس ہزار فوج سپر و تلوار و خنجر لئے ہوئے امیر پر ٹوٹ پڑی۔ امیر
بھی دائیں ہاتھ میں تلوار اور بائیں میں سپر لئے ہوئے لشکر میں ایسے گھسے کہ جیسے شیر درندہ بکریوں میں
دوڑتا ہے۔ بکریاں بھاگتی ہیں۔ پس یکے بعد دیگرے بھاگنے لگے۔ اور امیر کے رفیق بھی امیر کی مدد کے
لئے دس ہزار پر جا پڑے۔ تلوار چلنے لگی۔ اور جس کی گردن پر مارتے تا بہ زنجیر کاٹتے۔ جس کی کمر پر لگاتے
مانند خیار قلم کرتے جس کی گردن پر ہاتھ چھوڑتے سر مو ایک طرف کے جدا ہوتا۔ غرض کہ امیر کے پہلوان
بھی دل کھول کر لڑے۔

نعمان نے موقع دیکھکر امیر کے سر پر تلوار چلائی۔ امیر نے روکی اور کمربند سے باندھا۔ باقی
فوج شہر کو بھاگی۔ نعمان نے معافی مانگی۔ امیر نے اسے خلعت دیا اور چھاتی سے لگایا۔ یمن میں جتنی
خلقت تھی سب نے امیر کی اطاعت کی اور امیر کو شہر میں لے گئے۔ اب ادھر کا حال سنئے منظر شاہ جو مکہ
[illegible] تاجدار حمزہ کے زیر ہوگئے ہیں اور قلعہ بھی اپنے
[illegible] کمانِ حمزہ کے زیر [illegible]
[illegible] آخر فوج اس کے ساتھ تھی۔ لڑائی کے
[illegible] شکست کھائی۔ امیر نے اس کا ملک [illegible]
[illegible] اور خوشی خوشی [illegible]

[illegible] سلطان [illegible] کے حوالے کر
[illegible] اپنے باپ [illegible] کے گھر رہے [illegible] خاطر
[illegible] اس کے لئے بادشاہ منقر سے

رخصت ہونے لگے۔ اس نے کہا آپ کی قدم بوسی چھوڑ کر اب غلام کہاں جا سکتا ہے۔ بلکہ ارادہ رکھتا ہے۔ کہ رکاب سعادت کے ہمراہ رہوں۔ شاہ نے اپنے بیٹے کو ساتھ لیا اور دس ہزار جنگ آزمودہ سپاہی ہمراہ لئے اور وہاں اپنی طرف سے ایک نائب السلطنت شہر میں چھوڑا اور امیر کے ہمراہ مکہ کی طرف روانہ ہوا۔

چھٹی داستان

یہاں دو کلمہ داستان ہشام بن علقمہ خیبری کے ملاحظہ کیجئے۔ کہ خیبر میں اس کی عمر جب گیارہ سال کی ہوئی۔ ایک روز خیبر کی سیر کے لئے نکلا تھا۔ کہ نوشیروان کی طرف سے کچھ لوگ آئے ہیں۔ اس کو برا معلوم ہوا۔ کہا جہاں میں ہوں وہاں خراج کوئی اور لے۔ ان لوگوں میں سے بیس کے ہاتھ، پاؤں اور ناک، کان کاٹ کر شہر سے نکال دیا۔ اور لوگوں کو کہا کہ خراج ہمارے واسطے لا کر فوج جمع کر کے نوشیروان کو دباؤں۔

اس کے کہنے پر جب لوگ اس کے پاس خراج حاصل کرنے تھے اس نے چند روز میں فوج جمع کی اور مدائن کی طرف چلا۔ راہ میں قصبہ یا گاؤں یا شہر ملتا اس کو لوٹ کر بے چراغ کرتا۔ چالیس ہزار آدمی غرق آہن و فولاد ہاتھی لئے ہوئے مدائن کے قریب جا پہنچا۔ یہ خبر بادشاہ کو ہوئی۔ بزرجمہر سے مشورہ کر کے پوچھا کہ اس کا کیا علاج کریں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ خود سپاہ لیکر نکلیں اور اس کو ماریں۔ بزرجمہر نے کہا۔ آپ کو ہرگز مناسب نہیں ہے کہ اس بے نام و نشان و کم جمعیت کا مقابلہ کریں کہ اس میں حضور کی سبکی ہے۔ خدانخواستہ اگر اس طرف سے زیادتی ہوئی تو سب کہیں گے کہ بادشاہ ایک ادنی شخص سے خراج نہ پا سکا۔ دوسرے اس کی موت بھی امیر کے ہاتھ میں ہے۔ بیفائدہ لڑنے سے کیا حاصل۔ آپ کے آنے سے پہلے شہر کو رکھیں تاکہ لوگ جانیں کہ بادشاہ کو یہ خبر تھی کہ کسی پہلوان کو قلعہ کی حفاظت کے لئے یہاں چھوڑ دیجئے کہ خبردار رہے۔ اور آپ چالیس دن شکار میں رہیں۔ کیونکہ چالیس دن آپ کے طالع میں نحوست ہے۔

بزرجمہر کے مشورے سے بادشاہ خوش ہوا اور قمرتیل نام پہلوان کو چالیس ہزار سواروں کے ساتھ قلعہ میں چھوڑا اور تاکید کی کہ خبردار ہو کر لڑنے کو آوے اس سے قلعہ بند کر کے لڑنا اور شہر ہاتھ سے نہ دینا۔ اسے کوتوال مقرر کر کے شہر حوالے کیا۔ اور کوہستان کی طرف گئے۔ دس بارہ دن کے بعد ہشام چالیس ہزار سوار خونخوار سے آیا اور طبل جنگ بجا کر شہر کا محاصرہ کیا اور لڑائی شروع کر دی۔ قمرتیل

گوشش بھی قلعہ اندر ہی کو ہمیشہ چاہیے تھا بچالا یا اور اسے گولی مارا گیا اور کسی کو خندق کے پاس نہ پھٹکنے دیا کہ کوئی قلعہ میں آوے۔ جب شام ہوئی اور رات کا وقت قریب آیا حسام نے طبل بازگشت بجوایا اور میدان کے ایک طرف ڈیرہ کیا۔ رات تو غصہ میں کاٹی۔ صبح ہوتے ہی جنگ کا کوس زنقارہ بجوایا اور ملاعین کے سینے کو میدان میں آ کھڑا ہوا۔

راوی کہتا ہے کہ اس روز عشر قبیل گوشش کے دل میں خیال آیا۔ کہ میں سپاہ گری میں اس کم نہیں ہوں میدان میں نکل کر اس کو کیوں نہ جواب دوں کہ بادشاہ کے سامنے نام ہو۔ یہ خیال لیکے مسلح ہوا اور شہر کا دروازہ کھول کر پانچ ہزار سوار سے باہر نکلا اور قلعہ کی طرف پشت کر کے حسام کی فوج کے مقابل کھڑا ہوا۔ حسام کی نظر جونہی اس پر پڑی بے اختیار قہقہہ مار کر ہنسا اور کہنے لگا کہ اجل اس کا گریبان پکڑ کر میرے سامنے لائی ہے۔ بیچارہ آپ سے نہیں آیا۔ اپنے لشکر کو وہیں چھوڑا اور اپنے گھوڑے کو دوڑا کے اس کے برابر گیا۔ اور کہا کیا قصد ہے؟

عشر قبیل گوشش نے جواب دیا۔ او گبر بچے! یہ کیا فتور تیرے دل میں سمائی ہے کہ بادشاہ ہفت کشور کی دشمنی کا دروازہ تو نے اپنے اوپر کھولا ہے۔ اس سے درگزر نہیں تو مارا جائے گا تیرے لئے فرمانبرداری اور خطا کا معاف کرانا بہتر ہے۔ حسام نے کہا۔ میں تیرے بادشاہ سے اس ملک کا خراج بزور شمشیر لوں گا۔ عشر حسام کی اس گفتگو سے بھڑکا اور نیزہ ہاتھ میں تھام اس کے سینے میں مارا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر نیزہ کی گردن پکڑ لی اور بزور چھین لیا اور وہی نیزہ عشر کی چھاتی پر مارا۔ تو نیزہ کی نوک پشت عشر چھید کر پار ہو گئی۔

حسام نے اس کو صدر زین سے اٹھا کر زمین پر مارا اور اپنے لشکر کو لیکر عشر کے پانچ ہزار لشکر پر جا پڑا وہ شکست کھا کر قلعہ کی طرف بھاگے اور ان کے تعاقب میں حسام بھی اپنے چالیس ہزار سوار دروازہ کشادہ شہر میں داخل ہوا اور حکم کیا کہ شہر کو تاراج کرو۔ اور ہم نے تمام شہر کی لوٹ اپنی فوج کو معاف کی حسام کے تمام آدمی محلوں میں گھس کر لوٹ مار مچائی۔ اور ستر ہزار مرد و زن بھی زیر کئے۔ حسام آج تخت اور تمام سامان و اسباب پر جا بس لیکر شہر سے باہر نکلا۔ اور دوسرے دن کوچ کیا۔ کئی منزل کے بعد اس کا لشکر ایک دوراہے پر وارد ہوا جہاں سے ایک راہ خیبر کو اور دوسری مکہ کو جاتی تھی۔ لوا جو اس کے ہمراہ تھے انہوں نے کہا کہ آپ کا مکہ میں جانا بھی بہت ضروری ہے کیونکہ وہ بھی زیارت کی جگہ ہے۔

یہ بات حسام کے دل میں مقبول ہوئی یہیں کہا۔ ٹھیک ہے۔ یہ لشکر مکہ کی طرف روانہ ہوا پھر اس ملعون کے خروج کی خبر تمام جہاں میں مشہور ہو گئی تھی قضارا مکہ والوں نے بھی سن لیا کہ اس نے شہر کو

کے غارت کرنے کا ارادہ کرکے آتا ہے ۔ اس خوف سے بر السلیان مکہ کانپ اُٹھا اور جناب باری میں دُعا کرنے لگا ۔ کہ بارِ خدایا اس ناپاک کے ظلم سے بچا ۔ بارے اُسکی دُعا مستجاب ہوئی اور قادرِ قدرت نے اپنی قدرت کو ظاہر فرمایا کہ اسی روز امیر حمزہ نامدار بالشکر جرار یمن سے مکہ میں لائے اور زیارت بیت اللہ کی کرکے باپ کے قدمبوس ہوئے ۔ تو عبد المطلب نے امیر کو دیکھتے ہی جناب ایزدی میں شکرانہ کیا ۔ اور امیر کو چھاتی سے لگایا اور یمن کے فتح کرنے کی مُبارکباد دی۔

گفتگو کے بعد سلطان صاحبقران نے چہرے پر نگاہ کی ۔ بے اختیار مانند ابر بہار زار و زار رونے لگے ۔ امیر نے عرض کی اے پدر بزرگوار ! آج اللہ نے مجھ کو فتح و ظفر کیا کہ ملک یمن کا میرے تصرف میں آیا ہے ۔ چاہیئے کہ آپکو خوشنودی ہو رونے کا سبب معلوم نہیں ہوتا کیا ہے ۔ فرمایا خدا تمکو ہمیشہ صاحب حشمت رکھے میری یہی خوشی ہے کہ تم ہمیشہ صاحب اقبال ہو ۔ اس گریہ کا سبب یہ ہے کہ ہشام بن القمہ خیبری نے تمہاری دشمنی پر پوری کمر باندھی ہے جبکہ نوشیرواں اسکی برابری نہ کرسکا اور مدائن کو غارت کرکے شاہ ہفت کشور کی سلطنت کا اثاثہ لئے اب مکہ میں آتا ہے ۔ دیکھیں ہم لوگوں کا کیا حال کرے گا۔

امیر نے کہا ۔ اے قبلہ حاجات آپ کی خاطر جمع رکھیں کہ بفضل الٰہی کچھ نہ ہوگا ۔ وہ شیطان سیرت آپ کے فرزند سے زوردار صاحب لشکر ہے ۔ آپ خاطر جمع رکھیں ۔ اس کو واجبی گوشمالی دوں گا کہ پھر کبھی بادشاہ کی خدمت میں ایسی حرکت نہ کرے ۔ تو حضرت خواجہ نے فرمایا ۔ اے فرزند ! میں چاہتا ہوں کہ تجھکو کسی بہانہ سے حبشہ کی طرف روانہ کردوں ۔ کہ اس کے شر سے تم بچتے رہو اور نیز جو قصد اس کے مقابلے سے نہایت زور آور ہے شاہ یمن کی طرح نہیں ہے ۔ امیر نے جواب دیا کہ آپ اسکی فکر کیوں کرتے ہیں خدا کریم ہے اور سب پر توانا ہے جس کو چاہے توانائی دے ۔

یہ کہکر باپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا ۔ آپکی دُعا سے میں جاتا ہوں ۔ رخصت ہوکر بیت اللہ شریف میں گئے اور سجدہ کرکے جناب پروردگار سے مدد چاہی ۔ پھر باہر نکل کر سوار ہوئے اور اپنے لشکر میں جاکر آرام کیا ۔ پھر تیاری لشکر کرکے اپنے سرداروں سمیت کوچ کیا اور ہشام کی طرف متوجہ ہوئے ۔ جب امیر وہاں پہنچے کہ جہاں سے ہشام کا لشکر کا نین کوس پر تھا ۔ اُترے ۔ جب رات چار گھڑی تو کار آزمودہ برادروں کو لیکر سوار ہوئے اور تین کوس کے فاصلے پر ہشام کی فوج پر شبخون نہ مارا سوائے اس کے ۔ اگر کسی نثر یا قصہ خوان یا کسی اور جگہ لکھے تو غلط ہے ۔ صبح کے قریب امیر کی فوج ہشام کے لشکر پر گر پڑی ۔ امیر حمزہ نامدار نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا کہ کوئی جانتا ہے ۔ اگر نہیں جانتا سو پہچانے ۔ کہ میں امیر کبیر کشور گیر حمزہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد المناف ہوں اور تلواریں دونوں ہاتھوں میں لیکر جنگ کرنے لگے ۔ امیر

کے سپاہی کٹتے ہر تیغ بے دریغ کو مارتے اور حشام کے دس ہزار سوار واصل جہنم ہوئے۔ فوج پراگندہ ہوئی۔ تو
حشام اس وقت سویا تھا۔ یہ حال دیکھکر حیران ہوا۔ اور مسلح ہوکر گینڈے پر سوار ہوکر۔ اور اس کے متفرق
سپاہی دیکھکر پھر جمع ہوئے اور صبح کو جب آفتاب گلرنگ نے خیمہ جنگ کے دریچہ سے سر نکالا اور روشنی
اسکی تمام عالم میں ظاہر ہوئی تو اس وقت تین ہزار سوار سے حشام اور دس ہزار سے صاحبقران صفیں
باندھکر میدان میں کھڑے ہوئے اور دونوں لشکروں میں برق چمکنے لگی اور ہر طرف سے کوس ولنفری
کی آواز ہونے لگی۔ کہ کوئی میدان میں نکلے۔ اتنے میں تیر بردار جہاں پوٹ کا ٹکر سب میدان کو صاف
اور بیداریت اور بلند زمین کو ہموار رستے آب پاشی کر گئے اور نقیب پکارنے لگے۔ کہاں لا اق کہاں لا اق الامان
کہاں سہراب بن رستم کہاں سام کہاں نریمان میدان میں آویں اور اپنی اپنی شجاعت کا نشان کھڑا کریں۔ اس
واردات کے سنتے ہی حشام زہر ناک مثل شعلہ آتش اس شان و شوکت سے میدان میں آیا کہ جس کو دیکھکر ایک
کے رونگٹے کھڑے ہوئے۔ صیقل کیا ہوا ایک فولادی خود سر پر دھرے ہوئے اس پر زرین تختے مرصع نگار
رکھے ہوئے اور کسی جا تو را یک ابلق پر سجائے ہوئے اور زرہ فولادی پہنے ہوئے اور آئینہ زرہ پر لگائے
خنجر اور شمشیر کمر پر حمائل ہوئے کمانیں و قربان سپر اور پشم ہفت رنگ مرصع تینوں پر ٹکائے ہوئے ایک
[illegible] سیاہ [illegible] سے لٹکائے ہوئے [illegible] با تھم پاؤں پر نصب کئے ہوئے
اور ایک [illegible] کو اور [illegible] گرز گراں [illegible] میدان میں آیا اور لشکر کی طرف
دیکھکر [illegible] اور کہنے لگا۔ آرزو [illegible] کہاں ہے امیر حمزہ نامدار میدان کارزار
میں میرے سامنے آئے تا کہ مردان عالم اور بہادری کا [illegible] آج معلوم ہو
امیر نے اس گبر بچے کو میدان میں جونہی دیکھا تو جنگ بنی سیاہ قیطاس مرکب کو اس
طرف ڈالا اور برابر گبر کے آکر ایک نعرہ اللہ اکبر کا ایسا مستانہ کیا کہ اس کا بند بند کانپ گیا۔ اس نے
جو امیر کی طرف دیکھا تو یہ کمال جھا اور ارستہ پا لباس عرب میں ایک جوان کھڑا ہے۔ حشام نے اپنی تمام
عمر میں ایسا براق نہ دیکھا تھا۔ کہا اے عرب یہ لباس اور گھوڑا کس کا لے آیا جو ہماری شان و شوکت کے
لائق ہے۔ مجھکو [illegible] دیتا ہے میرے حوالے کر [illegible] معاف کردوں۔ تم [illegible] اول کی [illegible]
[illegible] نہ لاؤں۔ اگر اس کے علاوہ کچھ اور کہے گا۔ تو کچھ نہ ہوگا۔ امیر کو [illegible]
[illegible] ہی [illegible] اور [illegible] رنج ہو گیا۔ فرمایا او پاجی حمزہ کو تو اس کو [illegible]
اور لات [illegible] اگر [illegible] رکھتا ہے تو زبان کوتاہ کر اور آج اپنے بازو دکھا کر تمام [illegible]
تیری شجاعت معلوم ہو جاوے [illegible] کوئی [illegible] حشام کو غیظ آیا اور

نیزہ نکال کر مثل آہ عاشقان کامل مشتاقانہ امیر کی طرف چلا اور برابر آکر امیر کی چھاتی پر لگایا۔ امیر نے اس نیزہ کو اپنے نیزہ کی نوک پر روکا اور اس کا نیزہ ٹوٹ گیا۔ اور ایک نیزہ امیر نے لگایا۔ غرضیکہ دونوں میں نیزہ بازی ہوئی۔ یہانتک کہ آپس میں سو سو طعن کئے۔ جوانوں کی نیزہ زنی کے روبرو بیدل ہوائے اور کسی کو آسیب نہ پہنچا۔ تب تو حشام غضب میں آیا اور کہنے لگا۔ کہ کام ہمارا یہاں تک پہنچا۔ کہ اس عرب زادہ کے ساتھ اسقدر نیزہ بازی ہوئی اور کچھ نہ ہوسکا۔ کھسیانہ ہوکر اپنا نیزہ دور پھینکا۔ اور تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا اور امیر کی طرف چلا۔ اور تیغ الماس دم کو میان سے نکال کر امیر پر دبائی اور گھٹنے کو دبا کر برابر آیا۔ کہ مارے لیکن امیر عرب نے خدا کو ہزار اور ایک نام سے یاد کر دست چپ کو بڑھا کر اس کا بند و بست پکڑا اور زور سے جبراً و قہراً اس سے تلوار لیکر اور یہی تلوار اٹھا کر کہا۔ خبردار یوں نہ کہنا۔ کہ خبردار نہ کیا۔ تو اپنی ضرب لگا چکا اب میری ضرب نوش کر۔ غم و دنیا دل سے فراموش کر۔ تیرا وقت گیا۔ اب میرا وقت آیا۔ اس نے بچنے کے لئے فولادی سپر آڑ کی مگر امیر نے حق قدیم واحد واجب التعظیم اللہ اکبر کہکر اس پر ماری اس نے سپر پر روکی۔ تلوار لنگر دار اور امیر کا بازو پر قوت تھا۔ کہ پر تلوار بیٹھی مثل قالب پنیر تر کر کے اس کو قلم کر کے دو بغلی اوپر خود کے پہنچی اور دو ٹکڑے کر کے استخوان مغز اور گردن کی صراحی کو کاٹا اور تلوار نے سینہ میں بھی حجاب نہ کیا۔ کمربند تک گذر گئی اور زین کی طرف دوڑی۔ امیر کی تلوار نے برق اس وقت کھائی کہ جس وقت وہ شہ رگ دو حصہ کر کے چاروں طرف پاؤں کے نیچے زیر تنگ آپہنچی اور اس گبر کو مانند خیار تر کے مع مرکب چار پرکالا کیا۔ اس وقت امیر کے ہاتھ کی صفائی دیکھ کر دوست دشمن کی زبان سے سبحان اللہ پیدا ہوا۔

امیر نے حشام کو چار پارہ کر کے میدان کارزار میں ڈالا۔ اس فوج کو دیکھا کہ سب نے امیر کی طرف گھوڑے اٹھائے اور خون آلودہ تلوار ہاتھ میں لئے اس چھبیس ہزار سواروں میں اس طرح غوطہ مارا کہ جیسے بکریوں کے ریوڑ میں شیر درندہ حملہ کرتا ہے۔ جس کے سر پر تلوار ماری تسمہ تک پہنچی کاٹتے جس کے حمائل میں وار کیا۔ ایک ہاتھ میں سر جدا کیا۔ غرض ایک ساعت میں کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ رفیقوں نے جو یہ حال دیکھا تو سپر تلوار گرز خنجر نیزہ شمشیر اپنے ہاتھوں میں لیکر آگئے فوج کفار جنگ سے مغلوب ہوئی اور بارہ ہزار سوار واصل جہنم ہوئے اور دس ہزار سوار شکست کھا کر بھاگے امیر حشام کے لشکر پر متصرف ہوئے اور نوشیروان کا تخت و تاج اپنے پاس امانت رکھا اور اٹھ ہزار مرد و زن جو حشام مدائن سے اسیر کر کے لایا تھا سب کو آزاد کیا بعضوں کو اپنے پاس سے سواری دی اور کتنوں کو خرچ راہ دیکر رخصت کیا۔ اور بادشاہ ہفت اقلیم نوشیروان کی خدمت میں عریضہ اس مضمون کا لکھا

کہ شہر یار کے اقبال سے خانہ زاد نے اس گبر خود پرست کو مارا اور اس کی فوج کو شکست دی اور اس ملعون کے سر کو نیزہ پر رکھکر ستر ہزار مرد زن کو قید سے رہائی دیکر مقبل وفادار کے ہمراہ حضور عالی میں بھیجا ہے۔ کہ خداوند کی رضامندی ہو۔ تخت اور تاج اپنے ہی پاس رکھا ہے۔ اگر حکم ہو تو بندہ آپ بیکر حاضر خدمت ہو۔ نہیں تو جس کو ارشاد ہو اس کے ہاتھ روانہ کروں۔ یہ عریضہ مقبل کو دیکر ان لوگوں کے ہمراہ مدائن کی طرف روانہ کیا۔

ساتویں داستان

اب داستان نوشیرواں کی ملاحظہ کیجئے۔ کہ چالیس دن کے بعد شکار سے فارغ ہو کر پھر مدائن میں آئے اور دیکھا کہ تمام شہر مرد زن سے اسیر ہو گئے ہیں اور اثاثہ سلطنت کا بھی نہ رہا عشر قبیل گوشش کہ جس کو شہر کا کوتوال مقرر کیا تھا مارا گیا۔ عدل کے سبب نوشیرواں کو خلق خدا پر جو شفقت تھی بے اختیار کر دیا۔ کہ بزرجمہر کیطرف منہ کر کے کہا۔ اے خواجہ میں نے خواب میں دیکھا تھا وہ سب علامتیں ظاہر ہوئیں مگر جو تعبیر تھی وہ ابتک کچھ ظہور میں نہیں آئی اس قابل کہاں ہے؟

کہا انشاء اللہ تعالے آج تک کی خبر آپ کو پہنچے گی۔ بادشاہ نے تامل کیا لیکن شہر میں جتنے ساسانی تھے سب نے بختک کو آگے رکھکر ایک ہجوم کیا۔ گریبان چاک کیا اور منہ پر خاک ملے ہوئے رو رو کر بادشاہ سے کہتے کہ بزرجمہر آپ کا دشمن ہے چاہتا ہے کہ اپنی قوم کی پرورش کرے اور کیانیوں کی سلطنت برباد ہو۔ اس نے دانستہ یہ حرکت کی۔ آپکو غنیم کے آنے کی خبر سنا کر شکار کا مشورہ کیا۔ جو آپ ادھر تشریف لے گئے اور خداوند کے جانے سے شہر خالی رہا اور اس بدبخت نے یہ کیا کہ ہمارے زن و فرزند اسیر کر کے لے گیا۔ اب ہماری زندگی تلخ ہے کہ غیر قوم کا آدمی ہمارے ناموس پر متصرف ہوا۔ اور ہم سے کچھ نہ ہو سکا۔ اس جینے سے مرنا بہتر ہے۔ آپ نے بزرجمہر کے کہنے سے ناحق فریب کھایا۔ اگر آپ یہیں رہتے اور شکار کو تشریف نہ لیجاتے تو اس کا کیا مقدور تھا۔ کہ یہاں آتا۔ اگر یہ وہ گبر نہایت زور آور تھا پر شہر یار کے اقبال سے خود بخود غضب سلطانی میں گرفتار ہوتا اور شہر یار پر اپنا دست ظلم ہرگز دراز نہ کرتا۔ آپ نہیں انصاف فرماویں۔ ہماری داد دیں یا ہمارے قتل کا حکم فرما دیں کہ ہم لوگ اس درد و الم سے چھوٹ جائیں۔ غرض اس وقت ان سب میں عجیب طرح کا غوغا تھا بے اختیار روتے تھے کسی نے اپنا سر پھوڑا کسی نے اپنے منہ پر خاک اور ماتم کی صورت بنا کر دوہائی

وقفان کر رہے تھے۔ کہ یکایک سفید پوش سوار راہ سے گرد آلودہ آیا اور بادشاہ کو مژدہ دیا کہ جہاں پناہ سے ہشام بن علقمہ خیبری کو امیر حمزہ نے مارا اور اس کی فوج کو شکست دی اور جن جن کو وہ اسیر کر کے لیگیا تھا حمزہ نے ان سب کو اور ہر ایک کو رتبے کے لائق خرچ دیکر اور سوار کرا کے ہمراہ مقبل وفادار کے بھیجا ہے یہاں سے چار کوس پر اس کا لشکر اترا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی تمام ساسانیوں کو ایک خروش پیدا ہوا اور بادشاہ نے بزرجمہر کو چھاتی سے لگایا اور بہت خوشی ہوئی۔ کہ تمام توقیرے آئیں بموجب حکم کے ہر ایک سوار ہوکر ادھر روانہ ہوا اور جس جس شخص کے اقربا قید سے چھوٹ کر آئے وہ مارے خوشی کے خود اس طرف گئے تو مقبل کے لشکر میں ایک میلہ سا لگ گیا۔ ایک رات وہیں مقام کیا۔ دوسرے دن صبح کو اسے بہ اعزاز و اکرام بادشاہ کے حضور میں لائے۔

جب وہ بادشاہ کے خدمت میں مشرف ہوا تو حضور میں پہنچکر زمین ادب کو لب سے چوما اور ایک گرانبہا خلعت اور زر سرخ کے کئی صندوق مقبل کو عطا فرمائیے۔ اور امیر حمزہ کے لئے عزت کی اور وہ عریضہ امیر کا ہاتھ میں لیا اور لفافہ کھول کر اول آپ نے خود مطالعہ فرمایا۔ پھر بزرجمہر کی طرف نہایت مہربانی سے متوجہ ہوکر فرمایا کہ تم آواز بلند پڑھو کہ تمام حضار مجلس سن لے۔ خواجہ نے اس کو جس وقت پڑھا اور ہر ایک سردار نے اس کو پڑھا تو فتح کی بابت بادشاہ کو مبارکباد دی۔

نوشیرواں نے مقبل کو خلعت دیکر مرصع لگا سپر و شمشیر بار دیگر دی۔ فرمایا کہ مجلس میں امرائے نامور کے درجے میں بیٹھے اور جب تک ملائن میں رہے۔ ہر روز دربار میں آیا کرے جس روز مقبل نے بادشاہ ہفت کشور سے ملاقات کی اتفاقاً اسی روز ایک فاختہ آکر دربار جمشیدی کے کلس پر بیٹھی۔ لوگوں نے دیکھا کہ سانپ کالا اس کی گردن میں لپٹا ہوا ہے۔ جاکر بادشاہ سے عرض کی فرمایا کہ میرا نام عادل سن کر وہ سانپ کے ہاتھ سے فریادی آئی ہے کہ اپنی مراد کو پہنچے اور اس موذی سے نجات پائے کوئی ایسا ہے کہ اس بلا کو اس کی گردن سے دور کرے۔

عرض کی کہ جس کو آپ فرمادیں وہ اس کام کو کرے لیکن بہت مشکل کام ہے۔ اگر سانپ کو ماریں تو ضرب اس فاختہ کو ضرور آئے اور حضور کے غضب سلطانی میں پڑے اس لئے کوئی ارادہ نہیں کرتا۔ فرمایا ہمیں یہی منظور ہے۔

جب ایک ساعت بخت گذری تو کسی نے قصد نہ کیا تو بادشاہ بہت غمگین ہوا۔ اور فرمایا کہ ہماری عدالت کس کام کی ہے جو ایک جانور کی جان نہ بچ سکے۔ تب مقبل نے پایۂ تخت شاہ کو بوسہ دیا اور عرض کی کہ اگر غلام کو ارشاد ہو تو اس کام کو بجا لائے۔

بادشاہ نے نہایت خوشی سے کہا۔ جاؤ۔ لیکن شرط ہے کہ فاختہ کو آسیب نہ آوے
مقبل نے اجازت سے بارگاہ کے صحن میں آیا۔ اور دیکھا کہ سانپ فاختہ کے گلے میں پیچ در پیچ لپٹا ہے
اور اپنے سر کو اس کے پر فصل سے بیٹھا ہے۔ سب خورد و کلاں دیکھنے کے لئے مقبل کے گرد کھڑے
تھے۔ کہ دیکھیں کہ اب یہ کیا کرتا ہے۔ مقبل نے ایک نیزہ منگوایا اور اس کے سرے پر ایک آئینہ باندھا اور آئینہ فاختہ
کے مقابل کیا۔ سانپ کو جونہی اپنی صورت نظر آئی تو سر اونچا کیا اور آئینہ میں اپنے ہمشکل پر نظر ڈالی مقبل
نے اس وقت فرصت کو غنیمت جانا۔ تیر کمان چلہ میں دیکر تا بہ گوش کھینچا تھا ویساہی تیر اس کے سر پر ترازو
ہوا اور دھاس کے پرے پار ہے۔ جدا ہو کر زمین پر گرا اور فاختہ نے اڑ کر ایک طرف کی راہ لی۔ ہر ادنیٰ و اعلیٰ
کے منہ سے بے اختیار آواز تحسین و آفرین کی پیدا ہوئی۔ بادشاہ مقبل کو بلا کر اس کی پیشانی کے بوسے
لئے اور کہا۔ کیوں نہ ہو میرا پسر خواندہ ہے اور موتیوں کی مالا اپنے گلے سے اتار کر مقبل کے گلے میں
ڈالدی اور مقبل سے اسقدر خوش ہوئے کہ کبھی ایسے نہ ہوئے۔ تو بختک نے بادشاہ کی یہ فرازی بزرجمہر اور مقبل
پر دیکھی تو آتش رشک سے جلنے لگا مقبل کو سرفراز کرنے کے بعد نوشیروان نے بزرجمہر کو فرمایا کہ ہماری طرف سے
امیر حمزہ کو یہ نوازش نامہ لکھو کہ جو کچھ تم نے کیا اسکو نہایت پسند آیا۔ تمکنواران اور حیات شالندی کا یہی
حال ہے۔ واقعی میرے پسر نے خوابندگی کا نام رکھا ہیں تو مجھکو ما ما تیوں نے سخت خفت دی تھی
سب کہتے تھے کہ بزرجمہر کے کہنے سے مسلمان کے لڑکوں کو بیٹا کیا تھا ان سے کبھی کچھ نہ ہو سکا۔ خدا نے تمام
طعنے دینے والوں کو خوب شرمندہ کیا اب میں نے اپنی سکان اور ختن خزار تمہارے واسطے خلعت بھیجا
ہے۔ کہ ہمارے عوض وہ اپنے ہاتھ پہنا دیں۔ تم ان سب سے ملاقات کرنا اور تاج و تخت مع اثاثہ سلطنت
جو تم نے ہشام کو مارلیا ہے انکے ہمراہ کر کے ہمارے پاس بھجدینا اور ان کے بعد خود بھی تشریف لانا۔ کیونکہ
تمہاری ملاقات کا اشتیاق ایک عالم کو حد سے گذر گیا ہے۔

بادشاہ نے خط لکھوا کر بختک کو دیا اور ایک خلعت مرصع نگار پر خلعت توشہ خانہ سے
منگوا کر بختک کے حوالے کیا۔ کیونکہ نوکروں قاصد بختک کے نامزد تھے فرمایا کہ روانہ کرو۔ جس وقت
بادشاہ یہ خط لکھوایا تھا اس وقت بختک نے ایک سفید کاغذ کو بھی مہر کر کے اپنے پاس چھپا رکھا تھا۔
جب بختک اپنے گھر گیا تو اس نے بادشاہی فرمان چھپا یا اور کے کاغذ مہر شدہ پر سفید تھا۔ اس پر خط
اس مضمون کا لکھا کہ اے حمزہ میرا ارادہ تھا کہ تم کو تمہاری ساری قوم کے ساتھ قتل کروں اب تم نے
ایسا کام کیا ہے کہ کچھ کہا نہیں جاتا۔ اس واسطے تمہارا گناہ معاف کیا۔ اب تمہیں چاہیے کہ ہمارا خط پاتے ہی
[illegible]

امیر کا سنگ رو ایل میں جانا اور وہاں کے نسب پہلوانوں کو زیر کر کے شہر میں اپنا عمل قائم کرنا

اب چند کلمہ داستان امیر کے ملاحظہ فرمایئے۔ اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ سلطان صاحبقران نے خشام کو داخل جہنم کر لڑائی ختم کر کے اپنے ملک میں پھرے تو راہ میں سنگ رو ایل کو جانے شام کے وقت خیمہ میں داخل ہوئے اور لشکر ظفر اثر بھی وہیں اترا اور تمام سپاہ نے رات کو آرام کیا۔ جب صبح ہوئی تو مع رفیق و یاران سوار ہوئے اور سیر کیلئے پہاڑ کی طرف آئے تو دیکھا کہ عجیب دلچسپ مقام قابل سبحان اللہ تمام ملک عرب میں سوائے اسکے کوئی اور نہ تھی وہ ایک پہاڑ بہت وحشی سر بفلک کشیدہ خوشنما ہیں۔ انکے ڈھلوان پر تمام ملک عرب میں عالیشان عمارت ہے۔ اور ہر طرف درختان سبز فلک قد سرو سان جلوہ گر اور زمین پر کوسوں تک سبز گھاس کا فرش بچھا ہوا ہے سبز مخمل معلوم ہوتا ہے۔ پہاڑوں کے اوپر اور نیچے صحرا میں کئی ہزارہ کا ٹھاٹ پانی کی چادریں گرتی ہوئی اور دامن کوہ ہر طرف سے صد ہزار چشمہ آب رواں اور ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک جھیل کی شکل کا ایک دریا جس میں کا پانی [illegible] پہاڑ کے نیچے جاتی ہے۔ اور جو شخص [illegible] پانی [illegible] تو اسے ایک [illegible] معلوم ہوتا ہے۔ امیر کو یہ مکان بہت پسند آیا۔ لوگوں سے پوچھا کہ اس جگہ کا کیا نام ہے اور یہاں کا حاکم کون ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسکو سنگ رو ایل کہتے ہیں اور عادی کرب پہلوان کا مالک ہے۔ جو اٹھارہ ہزار سوار عرب کی جمعیت سے اس جگہ رہتا ہے۔ اور اٹھارہ بھائی شہ زور [illegible] اور رہزنی کر کے گزران کرتا ہے اور اس کا طریق یہ ہے کہ جب کوئی سوداگر ادھر آتا ہے اسکا تمام [illegible] مال [illegible] پہاڑ میں جا چھپاتا ہے بہت کم شہر میں داخل ہو سکتے ہیں تو انکو [illegible] غارت کرتا ہے امیر [illegible] اور وہیں مقام کر کے لشکر جمع کیا اور مجلس نشاط گرم کی۔ ادھر عادی پہلوان کا حال سنو کہ اس نے خشام [illegible] کی خبر سنی [illegible] فوج [illegible] یہ خبر دی کہ [illegible] خشام کو امیر [illegible] نے مار ڈالا ہے اس کا تمام مال [illegible] اور اب امیر [illegible] سنگ رو ایل میں آیا ہوا ہے [illegible] ارادہ سے ملک کو جانے [illegible] خشام [illegible] پر فتح پا کر اس ارادہ سے شہر کو جاتے ہیں۔

عادی نے یہ بات سُن کر ایک معقول سردار اسد اسدان نامی پیامی کے پاس بھیجا۔ اور کہا کہ حمزہ سے جا کر کہو کہ حشام میرا شکار تھا۔ تم نے خوب نہ کیا کہ پیش دستی کی۔ خیر۔ اب جو کچھ تمہارے ہاتھ آیا ہے اسکے دو حصے کر کے ایک ہمارے پاس روانہ کر دو۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو خبردار رہنا میں بزور لوں گا۔ جب اسد اسدان امیر کی خدمت میں آیا اور پہلوان عادی کی زبانی یہ حال سُنایا تو امیر سُن کر ہنسے اور کہا پہلوان عادی کو ہماری طرف سے سلام ہے۔ اور یہ کہنا کہ ؎

اگر صلح خواہی نخواہم جنگ + وگر جنگ جوئی ندارم درنگ

امیر نے ایلچی کو خلعت دیکر رخصت کیا۔ اسد اسدان امیر کے حسن سلوک کو دیکھ کر دیوانہ ہو گیا اور جا کر عادی سے تمام حال ظاہر کیا اور معدی کرب اٹھارہ ہزار سوار سمیت امیر کے سامنے آیا۔ طبل جنگ بجوا کر میدان میں نکلا۔ امیر بھی مع یاران ہزار سوار کے آئے۔ عمر نے عادی کو عجیب ڈیل ڈول کا دیکھا۔ کہ اکیس گز قد اور سر پر سات پگڑیاں باندھے ہوئے اور سات شعلے ہر طرف لٹکتے ہوئے۔ اکیس گز لوہے کا دو جسم پر فولادی کمر باندھے ہوئے اور زرہ دستانے چار آئینہ پہلے سپر تلوار عمود خنجر کمان ترکش بدن آراستہ کئے ہوئے مثل بخت کوہ میدان میں آیا اور امیر کو للکار کر کہا۔ عمر دیکھ کر کانپ گیا۔ اور صاحبقران سے کہنے لگا کہ یہ بڑا زور آور ہے دیکھ کر جانا۔ امیر نے اس فتح دہندہ کو پکارا اور عادی کے قد و قامت کا کچھ اندیشہ نہ کیا اور اشقر کے پشت پر اس کو اس طرف کیا اور برابر آ کر ایک نگاہ سپر کا گھوڑے کی پیشانی پر مارا کہ گھوڑا کئی قدم پسپا ہوا۔ عادی بہت ہی جالاک اور لسن کہ بہت مشہور تھا جو اس جوان کا بوجھ اٹھاتا تھا اور لوگ گھوڑے کو رخش سکندری کہتے تھے۔ پر امیر کے زور کے برابر تاب نہ لا سکا۔

عادی نے یہ قوت حریف کی دیکھ کر معلوم کیا کہ بل زیادہ ہے۔ کہا اے جوان میں نے جان لیا کہ تو بھی زبردست ہے۔ پر اپنا نام ظاہر کر کہ تیرے جیسے کا میرے ہاتھ سے بے نام و نشان مارا جانا ٹھیک نہیں۔ مجھے بھی معلوم ہو کہ میں نے کسی کو مارا تھا۔ جواب دیا اور پہلوان تعجب ہے کہ تجھ سا مرد یہ بات کہے۔ تو نہیں جانتا کہ مردوں کا نام تیر کے پیکان اور تلوار کے قبضہ اور کمان کے گوشہ پر لکھا ہوتا ہے۔ یہ نام ابوالعلی ہے تیری ضرب دست کے شوق سے آیا ہوں۔ اگر کوئی تحفہ بہادری کا رکھتا ہے۔ تو لا۔ عادی کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا وہی بغل میں سے نکالتا ہوا اور بائیں بغل میں سے پیچ دیتا ہوا بڑھایا اور سر قمان نیزہ کو پکڑ کر ایک ایسا جھٹکا مارا کہ ...
کی مانند معدی کرب کے ہاتھ سے نکل گیا تب تو اسکے بدن میں آگ سی لگ گئی۔ اور گرز گراں بار لیکر امیر کی طرف متوجہ ہوا کہ حمزہ آل ... دو گرز امیر کے سر پر مارا امیر نے اپنے گرز پر ... کو اٹھا کر اپنے ... کی اور قوت بازو سے ...

بچا ئیگا۔ تب میں ضرب کروں گا۔ کہ جس کی چاشنی تجھکو تمام عمر یاد رہے۔ تب تو عادی نے غضب میں آکر گرز کو ڈالکر کمر سے تلوار آبدار جوہر نکال کر دشمن کش بے حجاب کھینچی اور برابر اگر امیر سے رکاب ملا کر لگائی۔ امیر نے پنجۂ مردمی بڑھا کر تلوار کی دھار بچا کر اسکا قبضہ پکڑ لیا اور دوسرا ہاتھ کمر میں ڈالکر عادی نے بھی امیر کا کمربند پکڑ لیا اور گھوڑوں کی پیٹھوں پر دونوں میں کشمکش کا زور ہونے لگا۔ دونوں طرف کے عیار نکلے اور اپنے آقا کو آواز دی کہ قبلہ حاجات ہم کب سے زبان آئین ان کا مارنا کچھ ضرور نہیں۔ اگر زور آزمائی منظور ہے تو زمین پر کیجئے۔ یہ سُنکر دونوں جوان گھوڑوں سے اُترے۔

عادی نے کہا۔ اے حمزہ سلاح بازی میں تو ہم تم برابر ہیں۔ آؤ جنگ مغربی میں آزمائش کریں۔ جو زبردست ہو وہ مطابعت اختیار کرے۔ امیر نے قبول کیا اور زمین پر چار زانو بیٹھ گئے۔ تب تو عادی نے امیر کی کمر پکڑی اور تین بار زور کیا۔ کہ پسینہ پسینہ ہو گیا۔ لیکن امیر نے اس مقام سے جنبش نہ کھائی۔ تب تو عادی نے کہا اے امیر تمہارا لنگ بہت بھارا ہے معلوم ہوتا ہے کہ نہ اُٹھیگا۔ ہم زور کر چکے ہیں۔ اب دیکھیں تم کس طرح اُٹھاتے ہو۔ یہ کہکر اسی طرح بیٹھ گیا۔

امیر نے اس زور دمہادہ پروردگار کو یاد کر کے عادی کی کمر پکڑ کر ایک نعرہ اللّٰہ اکبر کا کیا اور پھلجھڑی زور سے اس کو اُٹھا بدول ہیبت سر سے بلند کیا اور چرخ دیکر چاہا کہ زمین مارے۔ عادی نے امان کی طلب کی۔ امیر نے آہستہ زمین پر رکھ دیا۔ تب عادی تو مطیع ہوا۔ اور صاحبقران کی بندگی کا حلقہ اپنے کان میں ڈالا۔ امیر نے چھاتی سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ عادی نے اپنی فوج سے مجرا کروایا اور اپنے بھائیوں سے نذر دلوائی۔ عادی امیر کو مع لشکر داہل کے قلعہ کے اندر لے گیا۔ اور تمام کی ضیافت کی اور کئی روز تک امیر کے واسطے جشن رکھا۔ امیر اس قلعہ کے استحکام کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور کئی دن کے بعد عادی کو مع اٹھارہ ہزار سوار ہمراہ لیا اور بالان ہزار کی آگے بھی تھے۔ تیس ہزار کی جمعیت سے کوچ کیا اور مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔

اما راویان اخبار و ناقلان اسرار اسطرح حکایت لکھتے ہیں

کہ امیر حمزہ جب قریب مکہ معظمہ کے پہونچے تو خواجہ عبدالمطلب مع تمام معززان مکہ استقبال کیلئے آئے۔ اور امیر نے سب سے ملاقات کی اور زر نثار کیا۔ امیر نے پہلوان عادی اور مقبل وفادار اور شاہ مظفر اور نجان و سلطان بخت و الوق وغیرہ کی خواجہ سے ملاقات کرائی اور ہر ایک نے امیر کو مبارکباد دی

اور بعد دعا کے الحمد للہ رب الارباب کی عنایت سے جو ترمیم تم نے کشور کشائی کے باب میں حاصل کیا ہے
خدا سے امید ہے کہ ہمیشہ رزم ساز و بزم افروز دشمن گداز ہو گئے۔ اس وقت امیر نے ہر ایک اشراف مکہ کو رخصت
کیا اور آپ عادی کو لے کر بیت شریف کو واپس گئے اور عادی سے رہزنی کی توبہ کرائی اور اپنے دیوان خانہ
اور نقار خانہ کا داروغہ کیا اور لشکر کامران کر کے اپنی فوج کا سپہ سالار غرضیکہ امیر نے اس کو اسی روز چار
منصب کا صاحب بنایا۔ آخر پر معلوم ہوا کہ عادی عاد یہ باتوں کا فرزند ہے۔ پھر دودھ بھائی جان کر نہایت
خوش ہوئے۔

عادی کی خوراک یہ تھی کہ ہر صبح اکیس اونٹ کے بچوں کی نہاری کھاتا اور اس کے بعد اکیس
شیشوں کا تحت القہوہ پیتا تھا۔ اور اس کے پاؤ چھلنے سے اکیس من بوجھ اونٹ کے پیار کے چھلکے دونو
وقت نکلتے تھے امیر نے اس کا روزانہ اکیس سو من مقرر کیا جو صرف [illegible] کے کھانے میں خرچ ہوتا۔ اور بالائی
خرچ اور راہ فوج اپنے پاس سے دیتے تھے۔

امیر کے لشکر میں تین ہزار سوار تھے جن کو ہمراہ لا اور آپ مکہ میں داخل ہوئے تھے
کئی روز بعد نوشیروان کا ایلچی آپ کے ہو سکے تو از شرابہ لیکر آیا امیر شکر بہت خوش ہوئے اور خواجہ بزرجمہر
کو تمام [illegible] اور ان کو لشکر میں لائے دوسرے
دن [illegible] امیر نے [illegible] نہایت ہی خوش ہوئے
[illegible] امیر کا رنگ
مارے [illegible] کے یاقوت کی طرح ہو گیا۔ خواجہ نے امیر کو غمگین دیکھ کر کہا۔ بابا جان اس قدر مرجھانا تو اچھا
نہیں۔ تم اتنے آپ کو ناخوش مت کرو۔ معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] بادشاہوں کی خاطر منظور کچھ اور
طرح کی ہے۔ اس کی فکر ہو جائے گی تم خاطر جمع رکھو۔

امیر کو [illegible] ایلچی کو ہمراہ لیا اور لشکر کے ایک طرف اترنے کو جگہ دی اور ان کے لئے علوفہ
مہمانی کو جو ضروری تھا حاضر کیا۔ وہ رات تو گزری دوسرے دن سویرے جب خوان سالار [illegible]
خورشید کا قرص آسمان کے گرم تنور سے نکلا تو خواجہ [illegible] تمام [illegible] اور ان دونوں ایلچیوں کی [illegible]
تمام [illegible] پڑھا گیا۔
[illegible]
[illegible] پڑھا گیا۔ [illegible]
[illegible] دیکھا کہ دونوں [illegible] لائے ہیں نہایت رنجیدہ ہوا۔ اپنے دل میں

دسترخوان بچھاکر اور سب کھانے کو بیٹھے۔ تو عمر اس وقت دو خوان لایا جو پر تکلف کپڑوں سے بند کئے ہوئے تھے۔ انکو لاکر دو رکابیں نکالیں اور ان دونوں کے آگے رکھیں جب ان پر سے سرپوش اُٹھائے گئے تو لوگوں نے خیال سے کیا ایک رکابی میں ہری ہری گھاس اور دوسری میں مُردے کی ہڈیاں ہیں۔ یہ تمام دیکھکر حیران ہوئے اور عمر سے پوچھا کہ یہ حرکت کیوں کی اسکے کیا معنے ہیں عمر نے کہا نوشیرواں گدھے اور کتے کا بھی ہے پس انکے واسطے اس سے بڑھکر اور کیا تعظیم ہو۔ اسی طرح میں نے انکی ضیافت کی۔ اس کارروائی سے تمام لوگ ہنسے اور لوٹ گئے اور انکو بہت شرمندگی ہوئی۔ مارے خجالت کے چاہا کہ عمر سے کچھ بے ادبی کریں لیکن خیال آیا کہ عمر اس لائق نہیں جو ہم اس سے ہمکلام ہوں۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی تو عمر عیار نے دو دست بقچہ زربفت کے لاکر روبرو رکھے اور انمیں سے پالان گدھے کی اور دوسرے میں کتے کی جھول نکال کر بہمن سگاں کو اُڑھائی تب ان دونوں میں طاقت ضبط نہ رہی۔ خنجر نکالکر چاہا کہ عمر پر دوڑیں۔ عمر نے کہا کہ جو خلعت تمہارے لائق تھی وہ میں نے دی اس پر اگر تم لڑنا چاہتے ہو تو میں بھی حاضر ہوں۔ یہ کہکر خنجر پکڑ کر تیار ہوا ہی تھا کہ طوق بن حیران اور آدار طیمان پہلوان امیر کے سرداروں نے ان دونوں ہاتھوں سے خنجر چھین لئے اور مارے گھونسوں کے عمر نے ان کا سر خون آلودہ کیا۔ پھر یہ دونوں خواجہ عبد المطلب کے گھر سے باہر نکلے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنی فوج کیطرف جلد بھاگے اور مجلس برہم ہوئی۔ عمر بھی مکہ کے لڑکوں کو ہمراہ لیکر انکے پیچھے ہوا اور تربوز اور خربزہ کے پوست اور انڈوں کے چھلکے اور کیچڑ، پتھر، ڈھیلے انکو مارنا شروع کئے اور وہ بہزار دقت اپنے لشکر میں پہنچے اور اسی روز کوچ کرکے مدائن کو روانہ ہوئے۔ یہاں حمزہ خواجہ ناراض ہوئے۔ اور فرمایا کہ یہ حرکت تو نے خوب نہ کی۔ کیونکہ کتے کو اسکی رو سے دیکھتے ہیں۔ نوشیرواں یہ سنکر ناراض ہوگا۔ امیر حمزہ نے ایک عرضی بادشاہ کی خدمت میں اس مضمون کی لکھی کہ بندہ نے آپ پر اپنی جان نثاری کی۔ تعجب ہے کہ خداوند سرفرازی کی عوض یا عتراض نامہ لکھیں اور ایسی خلعت عطا فرمادیں۔ یہ عدل و انصاف نہیں ہے۔ یہ عریضہ وہ فرمان مضمونی جو بادشاہ سے آیا مع خلعت ایک سردار حبشی کے ہمراہ روانہ کئے۔

آٹھویں داستان

یہاں ایلچیوں کی داستان کے دو ٹکڑے سنئے کہ وہ اسی حالت سے بادشاہ کے حضور میں گئے اور جو واردات ان پر گذری تھی تمام سُنائی بادشاہ نے سنکر بہار سے غصہ کے پیچ و تاب کھایا اور برہم ہوکر بزرجمہر کیطرف منہ پھیرا۔ اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ عرب خیال باغیانہ کے رکھتے ہیں اور

کون ہیں؟ بزرجمہر نے جواب دیا کہ اگر شہریار یوں فرماویں تو بندہ لاچار ہے جواب دیا نہیں جاتا۔ ورنہ حمزہ کا وہ سلوک ہے کہ اگر کہیں تو حضور کے تخت کو اپنے سر پر رکھکر یہاں آوے۔ وہ بہت نیک ہے۔ کیا مقدور رکھتا ہے جو بے ادبی کرے؟

یہ اتنی بات چیت ہی میں تھے ہی کہ وفادار بارگاہ خسروی کے دروازے سے آیا اور آداب بادشاہی بجالایا اور وہ عرضی جو امیر کے پاس تھی اور بختک کا نامہ جعلی جو خلعت حضور میں گذارا۔ شاہ ہفت کشور لید مطالعہ ہر مضمون کو سمجھکر نہایت برہم ہوئے اور بختک کی طرف دیکھکر فرمایا کہ تو سخت حرامزادہ ہے کہ یہ خط اور خلعت تو نے وہاں بھیجا اور اصل نامہ اور خلعت تم نے اپنے پاس رکھا لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ تیرا گناہ نہیں ہے۔ خیانت ہمیشہ تیری وراثت ہی میں چلی آتی ہے۔ بزرجمہر نے ترس کھا کر اس پر جرمانہ کیا اور کئی دن تک اس کو دربار میں آنیکا حکم نہ ہوا۔ آخرکار بزرجمہر کی سفارش سے بادشاہ نے قصور معاف کیا اور امیر کو معذرت نامہ لکھا اور اسمیں عذر کیا کہ بدذاتی بختک کی تھی میرا قصور نہیں۔ اب میں نے بزرجمہر کے بیٹے امید بزرگ کو خلعت شائستہ و بائستہ کے ساتھ تمہارے ہاں بھیجا ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ مع اثاثہ سلطنت اور آپ بھی اس کے ساتھ تشریف لاؤ۔

شاہ نے خود مہر لگا کر فرمان بزرجمہر کو دیا کہ اس کو جلد روانہ کرو۔ خواجہ لیکر روانہ ہوئے اور اپنے گھر میں اپنے سامنے اصطرلاب رکھکر گردش فلک سے کواکب کی سیر دریافت کی اور ساعت مناسب دیکھکر امیر کیلئے طلسم کا ایک علم اژدہا کی شکل بنایا اور اس کا نام علم اژدھا رکھا اور اسمیں یہ صفت رکھی کہ جب اس کے منہ میں پیچ و تاب کھا کر جاتی تب اسمیں سے خود بخود آواز یا صاحبقران کی متواتر تین تین بار پیدا ہوئی کہ ہر دوست و دشمن کے کان میں جاتی اور خوشبو سے سب مشام تازہ ہوتا۔ یہ علم حضرت دانیال کی ایک یادگار جو ان کے پاس تھی امیر کیلئے اور چار سو اکیس ٹکڑے کسوت عیاری کے عمر کیلئے بھیجے اور اس لباس کا پہننا بزرگ امید کو بتلایا کہ عمر کو اس طریق سے پہناؤ اور شاہی فرمان بھی مع خاص بادشاہی خلعت دیکر روانہ کیا۔

بزرگ امید منزلیں طے کرتا ہوا جب مکہ کے نزدیک پہنچا تو شہر سے کئی کوس پر مقام کیا۔ اتفاقاً اس روز عمر سیر کیلئے بیابان کو نکلا ہوا تھا۔ بزرگ امید نے اسے دیکھکر پہچان لیا۔ اور شتر سے اتر کر پیدل چلے اور عمر کو اپنے پاس بلا کر گلے لگایا اور خیمے میں لے گئے۔ اور نہایت ظاہری کے ساتھ کہا۔ ہم اور تم دونوں بھائی ہیں۔ والد نے تمہارے واسطے عیاری کا لباس دیکر بھیجا تھا۔ بزرگ امید نے عمر کو برہنہ کیا اور ایک ساعت ننگا رکھا اور کہا ہم کہ تو کبھی برہنہ نہ ہوتا اب یہ لباس پہنو اور خدا کی عنایت

پر راضی ہو۔ عمر نے یہ سن کر اور مضطرب ہو کر رونا شروع کیا اور خواجہ زادہ کی منت کرنے لگا کہ میری سیر کی
پوشاک دو۔ میں ہمیشہ تمہارا دعاگو رہوں گا۔ بزرگ امید ہنسنے لگا۔ اے بابا بندگان عالم کو لوٹا بہت
کریگا۔ اس واسطے میں نے تجھکو برہنہ کیا۔ عمر نے کہا خیر اس کام میں تمہارا شاگرد ہوا۔ اسوقت بزرگ امید نے بقچہ اسباب
کا منگایا اور کھولکر دل تنبانی میانی عمر کو دیا اور پہنایا۔ عمر کا ستر لٹکنے لگا۔ عمر نے کہا بابا جان نہایت بخیل
ہیں کہ میری خاطر تنبا ایسا بھیجا ہے کہ میرا عضو مخصوص عریاں رہا۔ خواجہ نے آفت بند نکالا۔ عمر نے اسے دیکھا۔ کہ
ایک چیز مخمل کی ہے جس پر ہفت رنگ ریشم کے پھول اور بوٹے تمام بنائے ہوئے ہیں۔ وہ لنگوٹ عمر کی کمر بند پر باندھ
کر اسکی ڈوری کو لعل کے ایک تکمہ سے نصب کیا اور اس لنگوٹ میں ستر عمر کا رکھا اور کہا اس کو آفت بند کہتے ہیں
اس کے سبب دوڑنے میں خصیوں کو آفت نہیں پہنچتی اور دوسرا تیرنے کے وقت تنبا کے بند کھولنے کی
احتیاج نہیں رہتی۔ عمر نے کہا رحمت ہے والد کو کہ میرے لئے بھی خلعت بھیجا اور میرے ستر کے لئے بھی اسکے
بعد خواجہ نے دو پیراہن ایک کتان کا دوسرا حریر کا نکال کر واسطے نرمی بدن اور اعتدال ہوا کے عمر
کے گلے میں ڈالا اور نیمچے اور فغفورہ زرنگی پہنایا اور جواہر کا بیم تاج عمر کے سر پر رکھا جس کے اوپر ایک مرصع
طوطی تھوڑے پر از مشک و عنبر نصب تھی کہ چلنے کے وقت دماغ معطر رہے۔ کلغیاں جواہر نگاریاں اور طائمہائے
ابلق جیغہ ہائے مرصع اور پرچم رنگا رنگ کے ساتھ عرب کا سپر تمام لگی تھیں اور ایک ستو کے رستم کی قلاتحن اسپر
لپٹی ہوئی اور پانچ مرصع خنجر عمر کی کمر میں لگائے ہوئے جو انیس ریزے عمر کی کمر میں باندھکر بارہ مقام از آئینہ
گرشتہ ایسا آوازہ تیس سوید سے چھپا ہوا تنگ اور سات ترکیب الی ڈڈھی باندھنے کی۔ پیسے عمر کو
تعلیم کیا اور کمر بند فار در لفظ کا کمر میں باندھا اور قدرے سنبل کی مدلی دونوں کا اشراب میں بھگو کر خشک کی
ہوئی کہ جب پانی میں بھگوتے ہیں تو پانی شراب بن جاتا ہے اور موم روغن کی ڈبیہ و عطر بدن کا اترقی از
خوشبو کے واسطے اور تریاق فادانی بھری ہوئی عمر کو دی اور خطائی ہرن کی آفتابہ گیر دھوپ سے
بچنے کیلئے اسکی پیشانی پر باندھا اور دم طاؤس ہم بکس ہاتھ میں دیا اور مشکیزہ پانی کا شانہ پر لٹکایا
سپہ تلوار کش جہریان سر بری کا پرگوش بری اور بھی بری کی کمر میں لگائیں اور چادر عیاری کی مشل وار دام
ماہی جس کو آسمیں ارزمہ ہوئیں کا نام حقی ذکر ہے اور جو ایسے ہیں کہ ایک تیر ریشم پر ہی کہ جس سے اس کو باندھتے اور پاپوش
نرم پہناکر خاک انداز سقولانی پر نصب کیا اسی طرح چار سو چوالیس پارہ براق عیاری کیفیت بذریعہ کاسہ عمر کو
پہنایا۔ عمر اسباب گرانبہا کو دیکھکر بہت خوش ہوا اور دعائے شکریہ کر کے رخصت ہوا۔ امیر کی خدمت میں گیا یہ تمام
حال بیان کیا۔

امیر نے عمر کو گلے سے لگایا اور کہا یہ لباس کہاں سے لایا۔ عرض کی کہ بندہ کا یہاں قریب

نہیں ہے ورنہ جس کے پاس رہوں گا وہ مجھکو اس میں رکھے گا ہرمز تاجدار نوشیروان کے بیٹے نے میری تعریف سن کر میرے واسطے یہ خلعت بھیجا ہے اور ہزار تمن کا میرے کو نوکر رکھا ہے۔ آپ کے پاس رخصت کے واسطے آیا ہوں آپ کیا فرماتے ہیں۔ امیر یہ سن کر آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ اور کہا۔ اے عمر میں تجھکو اپنا بھائی جانتا ہوں اور اسمیں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ کیا یہاں محتاجی اور نوکری نہ تھی اگر اب تمہارا ارادہ نوکری کا ہے تو ہزار تمن کیا چیز ہے۔ میں نے پانچہزار تمن تمہارے مقرر کئے زر د یور کیواسطے۔ مرجائی مت کرو کہ اس میں بیٹا ئی ہے۔

عمر نے جو امیر کا یہ اشتیاق اپنے دل میں دیکھا تو بے اختیار رو دئیے۔ نیاز سے امیر کے پاؤں پر سر رکھا اور کہا۔ امیر تمہاری قسم کر کے کہتا ہوں۔ کہ اگر جمشید بھی آوے اور ہزار تمن میرا مقرر کرے۔ جب بھی میں آپکی بندگی سے ہرگز منہ نہ پھیروں اور اس کمترین کو آپ غلام وفادار کے سوا ہرگز نہ جانیں۔ بندہ نے اس وقت خوش طبعی سے آپکو کہا۔ آپ ملول ہوئے۔ اور یہ لباس بزرجمہر نے میری خاطر بھیجا اور آپ کے واسطے علم اژدہا پیکر اور بارگاہ دانیال بھیجی ہے اور شاہ ہفت کشور نے معذرت نامہ لکھا اور خلعت بھیجا۔ خیر یہ بزرجمہر کا بیٹا بزرگ امید یہ تمام لیکر آیا ہے یہاں سے دو کوس پر اترا ہے آپ سوار ہو دیں اور اس کے استقبال کے واسطے چلیں کہ بادشاہ کے خلعت کی عزت ضروری ہے اور خواجہ کی عزت بھی۔

امیر معہ یاروں کے اسی دم سوار ہو کر اور بزرگ امید سے جا کر ملاقات کی۔ تو بزرگ امید کے آنے سے نہایت شاد و باغ باغ ہوئے اور بادشاہ کی سرفرازی کا خلعت امیر کو پہنایا اور شفقت کا معذرت نامہ گذرانا۔ امیر نے اس کو پڑھا اور اپنے یاروں کو سنایا۔ سب نے مبارکباد دی جوانی زادہ سے وہ علم اژدہا پیکر اور بارگاہ دانیال امیر کو سونپا۔ امیر نے وہ علم اپنے علمبردار طوفی میں تیران کے حوالے کیا۔ اور رخصت ہو کر سوار ہوئے اور اس علم کے سایہ بہ سایہ مکہ کی طرف روانہ ہوا اور معہ خواجہ بزرگ امید کے شہر میں آئے اور کئی دن تک بزرگ امید کی خاطر کی۔ بعدہ بزرگ امید نے کہا۔ کہ مجھے آئے ہوئے عرصہ ہوا ہے۔ اب آپ کو بادشاہ کی خدمت میں چلنا لازم ہے۔ کہ وہ منتظر ہوں گے۔

امیر اسی وقت معہ خواجہ عبدالمطلب کے بیت اللہ شریف میں گئے وہاں کے شکرانہ ادا کر کے گھر میں آئے اور رخصت ہوئے۔ اور بھائیوں کو رخصت کر کے سفر کا اسباب مہیا کیا اور تیس ہزار کی جمعیت سے معہ رفقا مدائن کو روانہ ہوئے ہر روز منزل و مراحل طے کرتے ہوئے پہلوان عادی کو توشہ خانہ کا داروغہ بنا کر اپنا پیش خیمہ کی خوبیں کر کے روانہ کیا۔

کئی منزل کے بعد شکار ایک دوراہے پر پہنچا۔ اور جی میں کہا۔ یہ معلوم نہیں کہ امیر کس راہ سے

جائیں گے تو یہاں راہ دیکھ۔ جب لشکر آئے گا تو جدھر کو جانے کا حکم ہو گا ادھر کو جاتا۔ یہی دیکھ خیموں کو اتروا کر امیر کا انتظار کرنے لگے۔ اس سے دوسرے دن امیر بھی تشریف لائے۔ عادی کو پوچھا کہ یہاں کیوں قیام کیا؟ غرض کی یہاں دو راہ ہیں اس لئے غلام نے پیشقدمی نہ کی۔ اب جدھر حکم ہو ادھر جاؤں۔ امیر نے بزرگ امید سے دو راہوں کا حال پوچھا۔ اس نے کہا ایک راہ مدائن کو جاتا ہے اور اس سے جلدی، مگر پانچ سال سے اس راہ میں ایک شیر پیدا ہوا ہے اس وجہ سے یہ راہ بند ہے۔

عمر نے یہ سن کر کہا ہمیں مدائن جانا ہے۔ اس راہ سے جا کر اپنے آپ کو خطرے میں ناحق ڈال دینے سے کیا فائدہ؟ بہ نسبت اس کے ہم جلد اس راہ سے گذریں گے۔ وہ دور کی راہ ہم کو اچھی ہے۔ لیکن امیر نے دل میں سوچا کہ اگر بیشہ قیض کی راہ سے نہ جاؤں گا۔ تو لوگ ضرور کہیں گے کہ ابو العلا شیر سے ڈر کر اور راہ سے گیا۔ لازم ہے کہ اسی راہ سے چلیں اور پروردگار کی مدد سے ایک تو اس موذی سے خلق کو نجات ہو گی۔ دوسرے راہ سیدھا فرمایا۔ تمام لشکر اسی راستہ سے جائے اور ہم بیشہ قیض کی راہ سے شیر کو مار کر آگے بڑھ کر تم سے ملاقات کریں گے۔

ہر چند سب نے منع کیا۔ پر امیر نے نہ مانا اور انبیاء کا سلاح بدن میں لگایا۔ کوہ سیاہ قیتاس پر سوار ہوئے اور اس دشت کی طرف روانہ ہوئے۔ عمر نے بھی گھوڑے کا شکار بند پکڑ کر ہمراہ ہو لیا اور کہا کہ اے امیر میں نے کبھی شیر نہیں دیکھا۔ اب دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیسا ہوتا ہے۔ امیر نے ہنس کر کہا بہت اچھا تمہاری وجہ سے ہمارا بھی دل بہلے گا۔ عمر ہمراہ ہوا۔ اور باتیں کرتے ہوئے چلے۔ دن میں میدان طے کیا۔ شام ہوئی تو ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو کر مغرب کی نماز پڑھی۔ اور اسی درخت کے تلے رات گذاری۔ صبح کو خدا کی عبادت سے فارغ ہو کر پھر روانہ ہوئے۔ جب تیسرا پہر ہوا بیشہ قیض نظر آیا وہاں کی ہوا بھلی معلوم ہوئی۔ لطیف اور صفا پانی کے چشمے ہر طرف بہتے اور نسیم روح بخش رواں تھی۔ امیر اور عمر تو تھک گئے اس بیابان کا نظارہ کر کے ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو کر دیکھ رہے تھے۔ گویا اس کا یہ عالم کہ اس فراش نے جس کے سبب سے صفحۂ دنیا میں زینت ہے کہ کوسوں تک مخمل سبز کو بچھوایا ہے۔ اور اس صحرا کے گرد کوہستان گلزار ہی اداں نقاب ڈالے ہوئے ہیں۔ اس صنع گری کا تمام عالم دیکھ رہے تھے کہ ایک طرف دہشت زیر کوہستان پھولا ہوا معلوم ہوا۔ امیر نے عمر کی طرف دیکھ کر کہا۔ خیال میں آیا ہے کہ شیر اسی جنگل میں ہو گا۔ کیونکہ شیر کیلئے اس سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہے۔ عمر نے کہا واقعی نیستان ہے۔ چلئے بیٹھئے کہ شیر کے منتظر رہیں۔ امیر اس جگہ گھوڑے سے اترے اور زین پوش بچھا کر بیٹھے اور سپر بچھا تلے رکھ کر شیر کا انتظار کرنے لگے۔

عمر گھوڑے چرانے میں تھا اور رنگ برنگے پھولوں کو توڑ کر گلدستہ بناتا اور امیر کے پاس لاتا تھا۔ اسکی طرف سے امیر کو خطرہ تھا کہ آپ بھی عمر کے ہمراہ پھرنے لگے۔ پھر امیر ایک چشمے پر بیٹھکر پانی کا تماشہ دیکھنے لگا۔ اور عمر گھوڑے کو درختوں کی آڑ میں چرا رہا تھا کہ نیستان میں کھڑ کھڑاہٹ پیدا ہوئی۔ تو عمر اسطرف دیکھنے لگا۔ آدمی کی بو جو اسکی ناک میں گئی تو جنگل سے باہر نکلا۔ عمر نے تمام عمر میں کبھی شیر نہ دیکھا تھا۔ جونہی نظر اس پر پڑی تو گھوڑوں کو چھوڑ کر ایک درخت پر چڑھ گیا۔ تب عمر نے کہا۔ کہ حمزہ تو بھی کسی درخت پر چڑھ جا نہیں تو وہ شیر تیری طرف آتا ہے۔

امیر یہ سن کر ہنسنے اور کہنے لگے۔ او مکّار! دیوانہ ہوا ہے کہ میں شیر کے مارنے کو آیا ہوں۔ شیر سے ڈروں اور بھاگ جاؤں۔ اور اگر میرے گھوڑے کو مارے تو یہ کیا معنی ہیں میرا ہر ایک میری جان کے برابر ہے۔ دیکھکر اس شیر کیطرف متوجہ ہوئے اور عمر نے ظرافت شروع کی! امیر جب نزدیک گئے تو دیکھا کہ عجیب قدرت کا شیر ہے۔ جو سر سے دُم تک چالیس ہاتھ لمبا ہے۔ اس کو دیکھکر امیر نے خدا کو یاد کیا اور شیر نے آدمی کو اپنے سامنے دیکھکر ایک جست کی اور چاہا کہ امیر کا سر پکڑے اور دانتوں میں دبائے امیر دیکھکر جھٹ بیٹھ گیا اور شیر امیر سے تیر کر پیچھے جا پڑا۔ امیر نے چالاکی سے وہیں پھر کر شیر کے دونوں پچھلے پیروں پکڑے اور سر کے گرد چکر لگایا۔ اور نعرہ اللہ اکبر کہکر زور سے زمین پر مارا کہ اسکی ہڈیاں چور چور ہو گئیں اور ایک پٹکنے سے مر گیا۔ عمر نے درخت سے لکڑیاں کاٹ کر گاڑی بنائی اور اس پر شیر کو بٹھلایا اور امیر سے کہا دیکھئے میں کیا کرتا ہوں۔ سر شام اس گاڑی کو لیکر امیر کے ہمراہ ہوا اور صبح کے قریب مدائن آئے۔ شہر سے باہر قلعہ کے سامنے ایک بلندی تھی۔ اس شیر کو اس جگہ بٹھلایا اور امیر کے لشکر میں داخل ہوا۔

نویں داستان

نوشیروان کو امیر کے آنیکی خبر ہونا اور اسکا استقبال کرنا اور عمر کا شرط جیتنا

روایت ہے کہ جب امیر اور عمر اپنے لشکر میں داخل ہوئے اور یہاں صبح کو شہر کی دروازہ [illegible] باہر نکلے کوئی [illegible] اور کوئی گھاس کی تلاش میں آگے کو چلے ان

میں سے ایک کی نگاہ شیر پر پڑی تو بے اختیار چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ اور ساتھ والے اپنی اپنی جانیں لیکر شہر میں دوڑے اور غل کرنا شروع کیا اور دروازہ بند کر دیا۔ کہ بیشۂ فیض سے شیر بھوکا ہو کر آیا ہے۔ اور بادشاہ کو خبر دی تو شاہ آپ سوار ہو کر قلعہ کے برج پر گئے۔ اور دیکھا کہ ایک پشتے پر واقعی شیر ہے تمام لوگ فصیلوں پر تماشہ دیکھنے لگے بختک اور حکیم بزرجمہر مع ایک ساسانی بادشاہ کے ہمراہ اسکو دیکھتے لیکن اسپر کوئی قصد نہ کیا۔ تمام لوگ دیکھکر کانپ گئے۔

مقبل وفادار کا خیمہ لشکر کے باہر تھا اور وہ بادشاہ کے سلام کو روز آیا کرتا تھا۔ اس روز مع چالیس پچاس سوار کے جونہی قلعہ کے نزدیک آیا تو عجیب طرح کا غوغا دیکھکر حیران ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ دیکھا کہ ایک پشتے پر شیر بیٹھا ہے مع اپنے سواروں کے گھوڑا دوڑا کر شیر کیجانب چلا۔ قریب جاکر خیال کیا۔ کہ شیر ذرا بھی جنبش نہیں کرتا ہے ایک ہی طرح بیٹھا ہے۔ پاس جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ بیشۂ فیض سے امیر نے اس شیر کو مارا ہے اور عمر عیاری سے اس کو یہاں بٹھلایا ہے۔ جاکر بادشاہ سے حال بیان کیا تو شاہ مقبل سے نہایت خوش ہوئے اور دروازہ کھلوا کر باہر نکلے۔ پاس جاکر شیر دیکھا اور قلعہ میں واپس آکر مجلس جشن کی آراستہ کی اور مقبل کو خلعت شاہانہ عطا کی۔ امیر کے آنیکی خبر سے تو شیروان کو کمال شگفتگی حاصل ہوئی ہر ساعت از روئے مہربانی مقبل کو شراب عنایت فرماتے تھے۔ اس روز کئی صندوق زر سرخ و سفید کے مقبل کو حضور سے امداد ہوئی۔ جب دربار کے برخاست کا وقت ہوا تو اٹھکر آداب بجا لایا اور پایۂ تخت کو بوسہ دیکر کہا۔ غلام امیدوار ہے کہ حضور سے رخصت ہو کر امیر کی خدمت میں جو شیر بیشۂ فیض سے مار کر نزدیک آئے لازم ہے کہ حاضر ہوں۔ تب بادشاہ نے دوبارہ خلعت دیکر رخصت کیا۔ اور اس موسم کا میوہ تھا مع ایک خاص دستخطی فرمان امیر کے مقبل کے حوالے کیا۔ مقبل لئے باہر نکل کر مرکب تازی نژاد پر مرصع کار لگاکر اور خود جامہ پوش ہو کر سوار ہوا اور بیشۂ فیض کو چلا۔

اب دو کلمہ داستان صاحبقران امیر و عمر کے ملاحظہ کیجئے۔ کہ عمر اس شیر کو وہاں رکھکر شہر میں داخل ہوا کئی سردار پیچھے رہ گئے تھے۔ انکی خاطر دو تین مقام کئے کہ وہ بھی آلیں تب مدائن کو چلیں۔ ایک روز امیر کے ارشاد کے بموجب عمر اسی جنگل سے باہر نکل کر مدائن کیطرف روانہ ہوا قریب جاکر دیکھا۔ کہ مقبل کس شان و شوکت سے آتا ہے۔ عمر دیکھکر کھڑا رہا۔ کہ شاید مجھے دیکھکر گھوڑے سے اتر کر بغلگیر ہو۔ لیکن اس کی نگاہ جو عمر پر پڑی دیکھکر ہنسا اور پوچھا۔ کہ امیر کہاں ہے؟ تو یہاں آوارہ پھرتا ہے۔ اسکی یہ حرکت عمر کو بری معلوم ہوئی۔ جواب دیا۔ سن لے نہاد بے ایمان تجھکو امیر نے بادشاہ کے یہاں رہنے کو بھیجا تھا اب کس کے حکم سے باہر آیا؟ میں نے سنا ہے کہ امیر شہر کیطرف تشریف لائے ہیں انکی ملازمت کیلئے آیا ہوں۔ تو نے بہت برا کیا جو شہر سے باہر آیا مقبل نے کہا تو دیوانہ ہے جو مجھ سے خرابی کرتا ہے۔ عمر پہلے تو ڈھونڈتا ہی تھا۔ کہا سن اے غلام۔ تم نے یہ

مقدور پیدا کیا ہے۔ کہ مجھکو کہتا ہے کہ میری برابری مت کر اپنے نیم تاج دور سے فلاخن کو گھمایا اور اس کو گوفن کے گلے میں ایک سنگ تراشیدہ آفتاب و مہتاب خوردہ رکھکر مقبل کو مارنے کا ارادہ کیا۔ وہ سنبھلنے نہ پایا کہ عمر نے مارا اور مقبل کی پیشانی پر لگا اور خون جاری ہوا۔ مقبل نے سوا اس کے اور کوئی علاج نہ کیا کہ روتا ہوا امیر کی خدمت میں آیا۔ امیر نے اس کا یہ حال دیکھکر خیال کیا کہ شائد اہل مدائن نے اس کو مارا ہے۔ مقبل آکر قدم بوس ہوا اور عمر کا شکوہ کیا۔ امیر نے تسلی دی اور عمر کی اس حرکت پر بے اختیار ہنسے اور فرمایا کہ خاطر جمع رکھ جب عمر آئے گا تو ہم اس سے اسکی پرسش کریں گے۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ عمر بھی گرد آلودہ آیا۔ امیر نے کہا۔ عمر تو نے مقبل کا سر کیوں پھوڑا جواب دیا کہ امیر خداوند ہیں انصاف کریں کہ دنیا میں آدمی سے آدمی ہر بات کی توقع رکھتا ہے۔ کہ ایک مدت کے بعد مجھ سے اسکی ملاقات ہوئی۔ آپکی خدمت میں ہیں اور یہ دونوں برابر ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ میں اسکی ملاقات کو گیا اور یہ اترائے ہوئے تکبر مرکب پر سوار نہ سلام علیکم نہ تواضع نہ یہ گھوڑے سے اتر کر بغلگیر ہوا۔ ایسی جواہر نگار اور صندوق زرسرخ پر اپنے آپکو بھول گیا۔ سچ کہتے ہیں کہ خداوند کریم کم ظرف کو مقدور نہ دیوے امیر نے تمام حال معلوم کیا اور مقبل سے کہا گناہ تیرا ہے۔ اور عمر کو تو نے بیجا خفا کیا۔ اب لازم ہے کہ آپس میں صلح کرو۔ مقبل راضی ہوا لیکن عمر نے صلح قبول نہ کی۔ کہا وہ مرد صاحب مال و منال اور میں عیار بے اعتبار مجھکو اس سے کیا؟ اور اس کو مجھ سے کیا مناسبت؟

جب مقبل نے دیکھا کہ عمر تصفیہ نہیں کرتا۔ امیر سے کہا کہ عمر کی نگاہ اس مال کے صندوق پر ہے اسمیں سے اسکو دیجئے کہ میرا گناہ بخشے۔ امیر نے ایک صندوق عمر کو دیا۔ جونہی اس نے مال دیکھا مقبل کو گلے سے لگایا اور صلح ہوئی۔ مقبل کو تحفہ شاہ نذرانا اور سوغات حاضر کی۔ امیر بہت خوش ہوئے اور میوہ یاروں میں تقسیم کیا۔ وہ رات تو یہاں گذری اور دوسرے دن صبح کو بزرگ امید کو مدائن کیطرف رخصت کیا اور ان کے جانے سے تیسرے دن امیر بھی اپنے لشکر سمیت آہستہ آہستہ چلے لیکن وہاں بزرگ امید نے بھی بادشاہ کی ملازمت سے سرفرازی حاصل کی۔ امیر کا حال سنکر کہا کہ حمزہ حسب الامر آپکے حاضر ہوا ہے اور یہاں سے چار فرسنگ پر پہنچا ہے۔ حضور میں خبر کرنی لازم ہے۔

اس لئے گذارش ہے کہ بادشاہ نے بزرجمہر کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ جس کو تم مناسب جانو صاحبقران کے استقبال کے واسطے بھیجو۔ ہاتھ باندھکر عرض کی کہ آپ نے اس کو درجہ پر سرفراز فرمایا کہ جس کو تم مناسب جانو اسکی عزت ہوئی اور آپکی پابوسی کی۔ تمنا میں وہ یہاں تک آیا ہے اب تو لازم ہے کہ شہریاری اشفاق سے باہر چند قدم چلکر آپ ہی اسے لائے۔ اس کو بڑی امید ہے۔ اگر وہ اس طرح قلعہ میں داخل ہوگا

تو زیادہ ممنون و مشکور رہیگا۔ اس بات کے سنتے ہی ساسانیوں میں ایک غل و خروش پیدا ہوا کہ بادشاہ کو کیسی کیا بنی ہے کہ بادشاہ ہفت کشور ہو کر ایک ملک کے رئیس زادے کے استقبال کے لئے جائے تمام عالم کہیگا جب ان دشمنوں نے یہ بات کو بادشاہ تک پہنچایا تو بزرجمہر نے انکے جواب میں کہا کہ حمزہ کا معاملہ ان باتوں سے نسبت نہیں رکھتا اسکی خبر سے تم لوگ واقف نہیں ہو۔ کہ شاہ نے اسے اپنا پسر خواندہ کیا اور تربیت کر کے اس مرتبہ کو پہنچایا ہے کہ جو کچھ وہ کرے اس کا اقبال ہے۔ دوسرے قوم کا ایسی سزا ہے سب اس کو خدا جانتے ہیں۔ شہریار سردار عرب سے ہیں۔ تیسرے بادشاہ کو نہیں دیکھا اور غائبانہ اپنی جانثاری کر کے لڑا اور ہشام کو مارا اس کا حق تمام ساسانی قوم کے مرد و زن خورد و بزرگ پر ہے کہ اتنے ہزار آدمی کو قید سے چھڑایا ہے۔ جو تمام تمہارے اقربا زن و فرزند تھے۔

پس سب کو لازم ہے کہ اسکی خدمت کریں۔ سوا اس کے اکثر بادشاہ زادوں اور پہلوانوں کو زور بہادری سے مطیع کر کے بندگان عالی سنگ میں لایا ہے۔ مثلاً منظر شاہ یمنی و نعمان بن منذر سلطان بخت مغربی و طارق بن جیران و حرامی و عمرو معدی کرب و مقبل وفادار و عمر عیار اور تیس ہزار سوار غرض بزرجمہر نے ایسی تقریر کی کہ ساسانیوں نے سکوت کیا۔ تب بادشاہ نے سواری منگوا کر چار ہاتھی کے تخت پر سوار ہو کر مع اپنے تمام امرائے امیر کے استقبال کو جانب معمورہ ہوئے اور اپنے فرزندوں اور وزیروں اور لشکر بے بہا و شکوہ شہریاری بہت قلعے سے باہر نکلے۔ اس روز سوار پیادہ دو رویہ کھڑے تھے سے غبار آسمان تک پہنچا اور سواروں کی ہا ہو اور پیادوں کا غوغا اور انکے آگے بادشاہ تخت گاؤ پر سوار ہو اور زیر تخت تا نک ازرا و مستعد ایک طرف جلوس میں برابر برابر عیار جو اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے سازندہ بجاتے چالاک وزیر دست کھوڑیا پر سوار گاتے بجاتے اور عالم ہنر کا بیان سب کو دکھلاتے ہیں۔ اور ساقی ہائے گل اندام شراب ارغوانی کے جام ہر ایک کو پلاتے چلے جاتے تھے۔ انکے بعد سالار اور سردار ساسانی درگاہ عالی اکثر آپ سے گھوڑوں پر گینڈوں اور ہاتھیوں پر سوار جب بادشاہ کی سواری مدائن سے دو کوس پر آگے بڑھی تو دیکھتے کیا ہیں کہ طرف ایک گرد سیاہ تاریک و تیرہ ذخیرہ غلطاں و پیچاں مانند زلف عروسان پیدا ہوئی۔ جب نزدیک پہنچے تو نقاش باد نے پیراہن اس گردہ کا تا بہ دامن چاک کیا۔ جب تیس ہزار سوار تیس ہزار علم کا نشان اس میں سے نمودار ہوئے۔ اور علم بازو ہائے کے ساتھ لئے امیر کے سپاہ تھا اس پر سوار ہو سرداران نامداران پر شکوہ سپہ سالاری بادشاہ کو دکھائی دئے اور امیر کے جلوس میں پائے روزگار عالم سر ہنگان روزگار عیار قفلوں کا زرنشی پاتا ستوالی کوتی عیاری و حلیہ پاتے تھا ذکر آراستہ کئے ہوئے اور تمام شاگرد ہمراہ لئے ہوئے ساز نوازی کرتا ہوا اور جعفرانی خنجر و کا سلاح بدن سے لگائے ہوئے اور گھوڑے بخش جواہر لگا اور جوشن پر جلا جل ہر کنج رنگ حیدری لگے ہوئے

اور اس گھوڑے کی پیٹھ پر امیر بہادرانہ بیٹھے ہوئے پندرہ سولہ برس کے سن و سال میں مثل شب چہار دہم۔ اور چہرے پر خیال سبز رنگ ہاشمی گلابی لئے ہوئے اور نقش ابراہیمی چمکتا ہوا نہایت بھلا معلوم ہوتا ہے غرض امیر کی شان و شوکت ہر ایک شخص حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ نوشیرواں کا یہ عالم تھا کہ صاحبقراں کی طرف ہی آنکھیں بندھی ہوئی تھیں اور جس نے امیر کی یہ وضع دیکھی تو ارادہ برابری کا دل سے اُٹھا دیا۔ امیر کی نظر جونہی بادشاہ پر پڑی فوراً جست کر کے خانہ زین سے اُتر کر زمین پر کھڑے ہوئے اور وہ تخت سلطنت کہ تمام مدائن سے عارت کر کے لیگیا تھا۔ کہ یہ اصل تخت خسروی تھا۔ امیر اس خیال سے اپنے سر پر اُٹھا کے چالیس قدم چل کر بادشاہ کی توقیر و تعظیم کی کہ لوگ یہ جانیں کہ میں رستم سے کم ہوں۔ کیونکہ ایک وقت میں جبکہ خسرو نے توران کو مسخر کر کے ایران کو اپنے سر پر اُٹھا کر تیس قدم بادشاہ کی تعظیم کو گیا تھا۔ بادشاہ کو امیر کی یہ نہایت پسند آئی ہاتھیوں کو بٹھا کر اپنے تخت سے اُتر کر زمین پر کھڑے ہوئے اور خادموں کو اشارہ کیا کہ تخت امیر کے سر سے جلد اتاریں آپ دوڑ کر امیر کے پاس چلے۔ کہ امیر آکر قدمبوس ہوئے۔ شاہ نے امیر کو گلے سے لگایا۔ اور دونوں ابرو کے درمیان بوسہ دیا اور اسی دم امیر کو فرزندان ہرمز اور فرام سے بغلگیر کرایا اور بختک و بزرجمہر و دیگر سب سرداران سے ملاقات کرائی۔ دوستو کہ یہاں تک قصہ پہنچا تھا کہ جب امیر بادشاہ کی ملاقات کر چکے تو خواجہ بزرجمہر نے بادشاہ سے عمر کی تعریف کرنی شروع کی اور آن کو حضور میں لائے۔ شاہ نے اسکی طرف مہربانی سے پاؤں پھیلایا کہ وہ چومے اور ہاتھ زانو پر رکھا۔ عمر نے بادشاہ [illegible] ہاتھ [illegible] دیا اور دست بوسی کے وقت شاہ کی انگشتری چالاکی سے اُتار لی کہ کسی کو خبر نہ ہوئی اور بادشاہ سے ملاقات کر کے اور لوگوں سے بغلگیر ہوئے جب بختک کی نوبت آئی تو عمر نے ہمکنار ہوتے وہ انگوٹھی آہستہ سے اسکی جیب میں ڈال دی اور ہر ایک امیر نامدار سے ملاقات کی۔ اس وقت بادشاہ نے گھوڑا طلب کیا اور اس پر سوار ہو کر عنان بہ عنان صاحبقراں کے مدائن کی طرف ہوئے۔ اور عمر بھی اپنے عیاروں کے جلوس میں قدم بہ قدم مارتا ہوا چلا۔ اور اپنے شاگردوں کو حکم دیا کہ خبردار کسی غیر کو اپنے بیچ میں نہ آنے دینا تب نوشاہ جو عیاروں کا مہتر آتش نامی تھا اس نے عمر کی طرف دیکھ کر کہا۔ اور لڑکے جگہ پہچان کر کہ بادشاہ کے جلوس کا تعلق تجھ سے ہے اور یہاں تک حاضری تھی [illegible]

[illegible] جواب دیا۔ کہ میری طرح تو بھی اپنے کام میں ایک ہے۔ اب تک تو مہتر تھا مگر آئندہ یہ خدمت تجھے نہیں پہنچ سکتی۔ کیونکہ پانی نہ ہو تیمم کرنے میں آتش۔ عیار سنکر غصہ میں آیا اور دا ہیات بکنے لگا۔ یہ گفتگو امیر اور بادشاہ نے سنی تو حال دریافت کیا۔ کہ ماجرا کیا ہے؟

آتش نے عرض کی کہ یہ غلام شہریار آپ کے از روئے خاص میں عیاروں کا سردار ہے

اور عمر عیار بچہ مجھے جلوس میں جگہ نہیں دیتا۔

بادشاہ نے سنکر عمر کی طرف دیکھکر فرمایا اے عمر تو کیا کہتا ہے۔ عمر نے جواب دیا کہ عیاری صرف باتوں سے نہیں ہوتی۔ وہ کسب اور ہنر سے تعلق رکھتی ہے۔ بالفعل اس فن میں بڑا بیشہ دوڑنا ہے۔ اگر حیات کا امتحان منظور ہے تو یہی گیند اور یہی میدان ہے آزمائش کر لے۔ بادشاہ نے کہا۔ عمر تو نے خوب کہا مجھے ایک بات ٹھہرائی ہے اسمیں دونوں کا امتحان ہو جائیگا۔ مدائن کے قلعہ کا دروازہ یہاں سے ایک فرسنگ ہے ایک ایک تیر دونوں آدمی لیں جو پہلے دربان کو دے وہ زیادہ ہے۔ دونوں نے قبول کیا۔ بادشاہ نے ایک ایک تیر دونوں کو دلوایا۔

یہ دونوں عیار حضور سے تیر لیکر روانہ ہوئے اور کتف بر کتف قدم بہ قدم ساتھ چلے جب سواری کچھ آگے بڑھی تو عمر دانستہ پیچھے رہ گیا اور آتش آدھ کوس آگے نکل گیا۔ تب ہر ایک کہنے لگا کہ عمر نے بہتر عیاروں سے باندھکر اپنے اوپر ناحق بلا مول لی۔ آخر زور آور تھا۔ کہ آگے پہنچا اور یہ پیچھے رہ گیا ہے عمر نے لوگوں کی یہ باتیں سنکر اپنے پاپوش پاؤں پر راست کئے اور وہاں آتش اڑا جاتا تھا۔ اور دل میں کہتا تھا کہ میدان سے گوئے میں لیگیا۔ اب عمر کیسے پہنچ سکتا ہے نزدیک تھا۔ کہ دروازے پر پہنچے۔ یا بار روندگان اپنے تئیں پہنچا یا اور پشت کر کے دولاتیں اس زور سے اسکی گردن کے پیچھے دونوں شانوں کے بیچ میں لگائیں کہ وہ بے اختیار گر پڑا۔ اور سر اس کا پھٹ گیا۔ عمر نے اس کا نصف تاج عیاری سر سے اتار لیا اور اپنے تئیں دربان کے پاس پہنچایا اور تیر دیا اور پھر کر بادشاہ کی خدمت میں آیا اور بادشاہ نے عمر کی رکاب کو بوسہ دیا اور اس کا نیم دکھایا۔

یہ سن کر شاہ مع سب سرداروں کے خوب ہنسا لیکن عیار اس شہر مندگی سے دربار میں نہ آیا اپنے گھر چلا گیا۔ جب شاہ کی مع صاحبقران شہر کے دروازے پر پہنچی تو بادشاہ نے فرمایا۔ کہ امیر کا لشکر تل انشاد کام پر اترے جو قلعہ کے برابر ایک جگہ ہے۔ اس کو تل انشاد کام بھی کہتے ہیں۔ پنا اور صاحبقران کا لشکر وہاں اترا خیمے پردے ایستادہ ہو گئے۔ امیر بادشاہ کے ہمراہ شہر میں داخل ہوئے۔ قلعہ عجیب طرح کا آراستہ دیکھا کہ برج و کنگرہ ہر جانب کی فصیل کا محکم خندق پر آب و خاک ریز و سنگ اندر تھیا شہر میں باغات و قصر ایوان کو شکست و نجیلے و خانقاہ مدت سے ہر جگہ برمنبر ایک طرف معلوم ہے۔ شہر نہایت آراستہ و پیراستہ زیب دہندہ و زینت بخش ہر چہار طرف اور ہر ایک آراستہ امیر نے جو یہاں کی رعیت کے اقربا حشام کی قبر سے چھڑا کر کھینچے گئے ہر ایک نے جشن کی تیاری کی تمام میں غلغلہ خوشی کا ہوا۔ دوکانداروں نے اپنی اپنی دوکانوں کو بادلے اور زر بفت سے منڈھا اور نفیس پھینکے ہر ایک شخص اپنی اپنی دکان میں [illegible] قیمتی منڈھا [illegible]

ہر کوچے میں پانداز مخمل اور کمخواب کا بچھا ہوا جواہرات کا بازاروں میں ڈھیر لگا دیا شہر میں ایک عید کا مجمع تھا۔ تماشہ کناں خلعت سوار کی کیفیت سے خوش تھی کہ امیر رکاب برکاب بادشاہ کے سیاہ قیطاس پر سوار آئے۔ ہر ایک خورد و کلاں امیر کو دعا دینے لگا۔ حتیٰ کہ بادشاہ ہفت کشور بارگاہ جمشیدی کے دروازے پر پہنچے اور گھوڑوں سے اتر کر اندر داخل ہوئے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ امرائے اہل اسلام داہنے ہاتھ بیٹھیں اور شہزادہ ہرمز کے زیر دست عمر کو جگہ دو۔ عمر کرسی زرصع پر تکیہ لگا کر بیٹھا۔ بزرجمہر کے پہلو میں تمام حکیم بیٹھے تھے۔ سرداران نقاشاہ کے دست چپ کو تھے۔ بادشاہ نے امیر کو دیکھ کر فرمایا کہ تم اپنے لائق مکان دیکھو اور جہاں جی چاہے وہاں بیٹھو۔ امیر نے زانلبیں کہا کہ ایسی جگہ بیٹھے جہاں کوئی دعویٰ ہمسری نہ کرے۔

بادشاہ کے برابر ہی ایک صندلی جواہر نگار رکھی تھی کہ وہ رستم کی مشہور تھی امیر اسی پر بیٹھے اور شاہ کو بابت تعظیم سے مجبور کیا لیکن امیر نے اس کا غاشیہ اٹھا کر قدم رکھا۔ تو سامعیوں نے فغاں پیدا کیا۔ کہ حمزہ کا یہ رتبہ نہیں جو رستم کی کرسی پر بیٹھے۔ لیکن روز اول تھا اسلئے چپ رہے کہ مہمان ابھی ان سے پرکاش کرنی ٹھیک نہیں بادشاہ ان کے واسطے کوئی اور جگہ مقرر کر دینگے۔

اسی خیال میں تھے کہ بادشاہ نے کئی خوان زر سرخ و سفید کے منگوا کر امیر کے سر پر تصدق کئے امیر نے جو تحفہ شاہ کی خاطر منوایا تھا گذرانا۔ بعدہ شاہ نے شربت طلب کیا۔ جوانان خوبصورت خوش الحان و شیریں تراز جام شربت ہونے لگے۔ یاروں کو دست بستہ دیتے۔ جب شاہ امیر مع امراء شربت پی چکے تو خوان ساز جواہر نگار خوان لیکر حاضر ہوئے ہر قسم کی ہر نعمت جو عالم میں تھی سیقیا لا کر چنی جب کھانے سے فراغت ہوئی اور ہاتھ صاف کر چکے تو آپس میں خوش طبعی کرنے لگے۔ اور رمز و رموز ہوتے رہے اور ساقیان سیمین ساق بعد ظروف مجلس میں حاضر ہوئے اور دور شراب کا گردش میں آیا مطربان خوش الحان جہاں تک تھے حاضر ہوئے اور صدائے ساز و آواز کی مانند ہوئی عیش و نسیم سے اس گلشن محفل میں غنچہ دل کا ہر ایک شگفتہ ہوا۔ اس وقت شاہ نے عمر کو از راہ سرفرازی فرمایا۔ ہمکو تمہارے گانے کا اشتیاق ہے تم گاؤ۔

عمر نے حضرت داؤد علیہ السلام کا دوتارا لیکر بجانا شروع کیا اور کئی شعر ایسے گائے۔ کہ ہر طرف واہ حسن اور واہ واہ کی پیدا ہوئی۔ بادشاہ نے اس وقت قصد کیا۔ کہ انگشتری زر ہاتھ سے نکال کر عمر کو دے۔ دیکھا تو انگلی میں انگوٹھی نہیں۔ کہا تلاش کرو کس نے لی ہے۔ عمر نے کہا وائے خلوتوں کے کوئی بابت نہیں آیا حکم منوا انکی تلاشی لوں۔ کہا لو۔ تو عمر لیکر کہنے لگا۔ کہ اے جس نے انگوٹھی چائی ہو دیدو۔ کیونکہ شاہ ... نہیں ... گے میں گناہ معاف کرا دوں گا۔

... کر لوگ ڈھونڈنے لگے۔ اور ہر انسان کہتا کہ الحمدللہ ہم سچ ہیں کہ ہم نہیں گئے۔ بادشاہ

نے فرمایا مردانِ اسلام میں سے کسی نے نہیں لی۔ ہمارے ہی آدمیوں کو دیکھو۔ جب پروانگی عام ہوئی تو شاہ کے حکم سے جلسے کے ایک ایک آدمی کو دیکھنے لگے تو کسی سے نہ ملی۔ پھر حکیم بزرجمہر کو حکم دیا کہ تم حکما اور علما کا جھاڑا لو۔ خواجہ ہر ایک کی جیب اور کمر دیکھنے لگے۔ جب بختک کے پاس پہنچے تو خاتم اسکی جیب سے نکلی۔ شاہ نے فرمایا کہ وزیر ہو کر نیت چوری کی رکھتا ہے۔ اس کو ہدایت کر دو، پھر ایسی حرکت نہ کرے۔

امیر نے بادشاہ کے کان میں آہستہ سے کہا کہ آپ بخشش فرمائیے۔ یہ بیگانہ ہے۔ یہ خوش طبعی عمر کی ہے۔ شاہ نے اس کو معاف کیا اور عمر کی چالاکی دیکھ کر حیران ہوئے اور وہ انگشتری عمر کو بخشی اور امیر کو کمر دیا مرصع اور اہلِ اسلام کو خلعت جواہر نگار بھی عنایت فرمایا اور امیر کو کہا کہ ہر روز دربار میں معہ رفقا تشریف لایا کرو۔ تو امیر رخصت ہو کر لشکر گاہ کی طرف گئے۔ اس روز بختک نے ایک رقعہ عمر کی طرف لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ۔

اے بابا رونق گانِ عالم میں تم سے التماس رکھتا ہوں کہ پھر کبھی ایسی حرکت نہ کیجئے گا۔ کیونکہ میں ساسانیوں میں نام رکھتا ہوں۔ یہ ظرافت میرے لئے سبکی رکھتی ہے۔ پانچسو تومن میں نے آپکی خاطر بھیجے ہیں۔ قبول کیجئے۔ اور پانچسو تومن کا خط اپنے پاس رکھتے ہیں۔ چند روز کے بعد یہ بھی حاضر کر دوں گا۔

عمر نے وہ خط لیکر پڑھا تو نہایت خوش ہوا۔ اور دل میں کہا یہ فال مبارک ہے۔ پہلے روز مال دکھائی دی کہ ہمیشہ اسی طرح دستیاب رہے۔ اس کا جواب لکھا اور معذرت کی۔ اس کے دوسرے روز امیر معہ امرا نامدار بارگاہ خسروی میں گئے۔ اور بادشاہ کو مجرا کر کے رستم کی صندلی پر بیٹھے۔ اس روز بادشاہ نے مہربانی فرمائی اور ساسانی اور کیانی قوم کے لوگ اور اکثر حکیم، وزیر ندیم جو کافر تھے انہوں نے امیر کی دشمنی پر کمر باندھی۔ فتنہ و فساد کے تجسس میں رہنے لگے۔ کہ کوئی بات ایسی پیدا کریں کہ اس کو بادشاہ کی نظر سے گرا دیں کہ ایک روز فولاد بن گستہم بارگاہ کے دروازے سے اندر آیا۔ زر مینا کے پر مرصع پوش زرہ سے دامن کو گراتے ہوئے۔ دست بر قبضہ شمشیر، چہرہ بنات سامنے بادشاہ کے آکر مجرا کیا۔ بارگاہ میں جس قدر سردار، کفار و اسلام کے نامدار موجود تھے واسطے تعظیم کھڑے ہوئے اور وہ ایک کرسی فولادی زیر دست شہزادہ ہرمز تاجدار کے برابر بیٹھا اور بچشم غضب امیر کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ اے ابوالعلی بادشاہ نے مجھ کو کابل بھیجا تھا تم میرے باپ کے جنگل پر بیٹھے کیا ارادہ رکھتے ہو اور نوشیرواں سے کہا۔ کیا یہی چاہتے تھے کہ اس واسطے ہلاکی پر بھیجا تھا خود دشمن کو زیر کرنے سے آتا ہے اور اس کے آنے تک صبر نہ کیا اور میرے باپ کی جگہ ایک رئیس زادے کو دی۔ غرض بادشاہ سے ایسی باتیں کہیں کہ امیر سے نہ رہا گیا۔ تو شاہ سے کہا کہ یہ تماشے فرما

اس کا نام فولاد بن گستہم ہے اور بہرام گرد خاقان شہزادہ چین نے مجھ سے سرکشی کی تھی۔ تو میں نے اس کے باپ کو مقابلے کیلئے بھیجا ہے شاید وہ اسے لیکر بارہ روز میں پہنچے اور وہ اسی کرسی پر بیٹھا تھا۔ کہ جس پر تم بیٹھے ہو اور وہ میری فوج کا سپہ سالار ہے اور بہادری میں لاثانی ہے۔ اس خاطر اسکو یہ کرسی دی تھی۔ اب یہ کہتا ہے کہ میرے باپ کی جگہ یہ کیوں بیٹھا ہے؟

امیر نے یہ بات سنی تو کہا کہ میرا بھی یہی مقصد تھا۔ کہ مجھ سے زور آوری کا امتحان کرے۔ اسکے باپ کو کب یہ طاقت ہے کہ میرے سامنے شجاعت کی ڈینگ مارے زور آوری سے آنکھ ملائے فولاد کا تمام بدن کانپ اٹھا۔ کہنے لگے امیر بادشاہ کے پاس بیٹھکر لاف زنی کرنی اچھی نہیں۔ اگر منظور ہو تو آؤ ہم پنجہ کریں۔ تمہیں زور معلوم ہو جاویگا۔ امیر نے کہا آؤ بسم اللہ وہ اٹھکر امیر کے پاس آکر اپنے پنجہ کو امیر کیطرف بڑھایا۔ امیر نے اس کے پنجہ میں ملاکر ایسا زور کیا۔ کہ وہ کبر پنجہ نہ سہار سکا کرسی سے گر پڑا اور خنجر کھینچکر امیر پر دوڑا تو امیر نے اس کا ہاتھ پکڑکر خنجر ہاتھ سے نکالا اپنی طرف کھینچا کہ وہ دو زانو بیٹھ گیا۔

ہرمز تاجدار نے اس کو امیر کے ہاتھ سے چھڑایا اور اس سے کہا۔ کہ تم بادشاہ کی محفل میں بے ادبی کرتے ہو۔ کہ محفل برہم ہو۔ بادشاہ نے امیر کو خلعت دیا تو دشمنوں کے دلوں میں امیر کی نسبت اور زیادہ بغض ہو گیا۔ جب دربار برخاست ہوا تو امیر سوار ہوکر بادشاہ کیطرف متوجہ ہوئے اور ہر روز اپنے دستور کے مطابق حضور میں آیا کئے ایک روز حضور میں خبر آئی۔ کہ گستہم بہرام گرد خاقان چین کو مع اس کے چار ہزار ڈبک کے اپنے ہمراہ لیا ہے اور مدائن سے کئی کوس پر اس کا لشکر اترا ہے اور حضور کے فرمان کا منتظر ہے۔ جب ارشاد ہو شہر میں داخل ہو بادشاہ فرمانا چاہتے تھے۔ کہ خواجہ گذر الدین ملک بختک نے اٹھکر بادشاہ کے پایہ تخت کو بوسہ دیا۔ اور عرض کی کہ وہ خدمتگار خداوند کے حکم سے بڑا کام کرکے آیا ہے۔ اگر شاہ کے نوازشات اس پر پڑیں تو کچھ عجب نہیں کہ آپ کے خطرہ زوال سے اس آتش بادیہ گردانی کا لب تر ہو کر اقبال تمام قوم میں ہو۔ کہ آپ سوار ہو کر کئی قدم شہر کے باہر جاویں اور استقبال کرکے لاویں کہ تمام ساسانی نسل شفقت کے امیدوار ہیں۔

بادشاہ نے امیر کے پاس آدمی بھیجا کہ ہم گستہم کو لینے جاتے ہیں۔ تم بھی جلد آؤ سواری یہاں کھڑی ہے۔ جب شہر سے ایک کوس باہر گئے تو گرد و غبار پیدا ہوا۔ جب ہوا سے بادل نے گریبان گرد چاک کیا تو اس پر علم اور نو ہزار سوار کا اظہار ہوا۔ افواج کیانی کے آگے علم گرگ پیکر کے نیچے گستہم بن اشکش زرہ و جوشن پہنے نقش چیں ہوئے گرگدن پر سوار دکھائی دیا وہ بہرام کو پکڑکر لایا تھا۔ مونچھوں کو تاؤ دیتا چلا آتا تھا۔ کہ گویا تمام عالم میں زبردست ہے۔ نزدیک آکر شاہ سے ملازمت حاصل کی اور بہت خدمت ہوئی اور تمام ساسانی خورد و بزرگ سے ملاقات کی۔ اس کے آنے سے تمام کفار کو شادمانی ہوئی سب نے سجدہ شکر کا کیا۔ بادشاہ کو بلا کر کہا۔ فرمایا کہ تم

گستہم سے ملو۔ امیر گستہم سے ملاقات کرنے چلے۔ شادی کی سواری مدائن کو گئی لیکن جب گستہم سے ملاقات کر چکا تو پیچھے پیچھے سواری کے عنان لئے ہوئے آہستہ آہستہ تمام سردار کے ہمراہ جاتا تھا۔ بختک نے اس سے باتیں شروع کیں اور ہم زبانی میں آیا اور شکوہ صاحبقران کا کرنے لگا۔ اور اس کو امیر سے لڑائی کا شوق دلایا اور کہا۔ کہ حمزہ کی بے ادبیاں کہاں تک بیان کروں کہ تمہاری جگہ پر بیٹھا ہے اور تمہاری ہمسری کا دعوی کرتا ہے اور اپنے آپکو سرداران گرد جہاں شمار کرتا ہے۔ اور بیٹے فولاد کو سر دربار حضور مستعد بہ جنگ ہو کر از روے فاش بچہ کیا اور اس کو شاہ کی تمام مجلس میں شرمندہ کیا۔

گستہم اس بات کو سنکر آتش غضب سے کباب ہو کر سوختہ ہوا اور کہنے لگا۔ کہ خاطر جمع رکھیں میں اب آیا ہوں ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے گا۔ کس کا مقدور ہے جو میری کرسی پر بیٹھے۔ یہ دونوں اس گفتگو میں تھے۔ کہ سواری کی علامت معلوم ہوئی۔ تو بختک نے کہا۔ اے پہلوان! وہ عرب یہی ہے جو تیری ملاقات کو آتا ہے۔ ایسا معانقہ جسمانی زور سے کرنا کہ حمزہ کے تمام اعضا نرم ہو جائیں۔ آج پہلے ہی روز اگر قوت دیکھے گا تو تمام عمر یاد رکھیگا۔ گستہم نے کہا خاطر جمع رکھو یہی کروں گا۔ کہ اس وقت امیر حمزہ نزدیک آ گئے۔ تو گستہم جلا ہو بے اختیار گھوڑے سے اتر کر زمین پر کھڑا ہوا۔ اور واسطے تعظیم کے صاحبقران کی چلا۔ اس کو پیادہ دیکھ کر امیر بھی گھوڑے سے نیچے اترے اور باہم اظہار محبت کر کے بغلگیر ہوئے۔ گستہم نے امیر کو چھاتی سے لگایا۔ اور زور کرنا شروع کیا۔ اور کہا اے ابوالعلی مجھکو تمہاری ملاقات کا بہت اشتیاق تھا۔ امیر نے کہا۔ کہ یہ زور پیار کا نظر نہیں آتا۔ طاقت کا امتحان کرتا ہے اپنے تئیں ہوشیار رکھا۔ غرضیکہ جہاں تک اسمیں زور تھا سب کیا۔ اور دلمیں کہا کہ اس کا کام تمام کر چکا۔ مگر امیر نے پھر بھی کچھ خیال نہ کیا اور کہا۔ اے جوان! کیا کہوں کہ مجھے کسقدر تجھ سے ملنے کی آرزو تھی کہ کونسا روز ہوگا جو ہم آغوش ہوں گے۔ آج مدت کے بعد دل کی تمنا حاصل ہوئی اور اسے بغل میں لیا اور ایسا دبایا کہ وہ تاب نہ لا سکا اور اسی دم بنیا یا دو تین گوز متعاقب صادر ہوئے اور شرمندہ ہو کر دلمیں کہا لعنت ہے بختک کی ہفتاد پشت پر کہ یہ خجالت میں نے اسکی وجہ سے پائی۔ آنکھیں نیچی کر کے آہستہ سے امیر کے کان میں کہا کہ امیر تم واقعی جوانمرد ہو۔ میں التماس کرتا ہوں کہ یہ واقعہ کسی پر ظاہر نہ ہو۔ ہمارے تمہارے میں شرط رہی۔ امیر نے قبول کیا اور اس سے ہاتھ اٹھایا۔ اور گستہم مدائن کو روانہ ہوا اور امیر نے عمر سے کہا۔ جی میں آتا ہے کہ ذرا اس میدان کی سیر کریں پھر واپس جائیں۔

جب امیر کی سواری آگے بڑھی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک تابوت کا صندوق ایک اعرابی کے سر پر زنجیروں سے بندھا ہوا ہے اور تابوت کا منہ بند ہے۔ اور چار ہزار سوار ہر ایک طوق و زنجیر کئے ہوئے گھوڑوں پر سوار ہیں۔ اس پر امیر نے سیاہ قیطاس کو آگے بڑھایا اور لوگوں سے پوچھا۔ یہ کس کا ہے۔ کہا اسکا

نام گرد خاقان ہے کہ گستہم پہلوان اس کو چین سے گرفتار کرکے لایا ہے اور اس کا نام بہرام ہے۔ امیر نے کہا جس کو بہادری سے زیر کرتے ہو۔ اس کو اس طرح زیر نہیں کرتے۔ یہ کہ تابوت کے برابر آئے اور اس کے منہ کو کھولا اور دیکھا تو ایک جوانمرد آزاد کو طوق و زنجیر کیا ہوا ہے۔ کاندھے میں مارے بھوک کے بیہوش ہے۔ امیر نے تھوڑا سا گلاب منگوا کر اس کے منہ پر چھڑکا اور اس کے حلق میں پانی ٹپکایا۔ تب جوان نے آنکھیں کھولیں۔ اور کہا اے نیک مرد تو کون ہے؟ کہ اس وقت تو نے مجھے زندہ کیا اور میری زندگی کا موجب ہے۔ چار مہینے ہوئے کہ میں نے پانی کی صورت تک نہ دیکھی۔ اور کبھی دی تو بے ہوشی کی دوائی دی۔

امیر نے پوچھا کہ تجھ کو گستہم نے کس طرح زیر کیا؟ جواب دیا کہ ایک روز اس نے جا کر اس نے مجھ سے لڑائی کی تو میں نے اس کو زیر کیا اور اپنا تابع کیا چار سال تک یہ میری خدمت میں حاضر رہا۔ ناگہاں ایک دن میں شکار کو گیا تھا۔ تو ایک شکار کے پیچھے اپنی فوج سے تفاوت ہوا۔ اور یہ میرے ہمراہ تھا۔ میں نے پیاسا ہو کر اس سے پانی مانگا تو اس نے پانی میں دارو بے ہوشی کا ملا کر دیا۔ تو میں وہ پانی پی کر بے ہوش ہو گیا۔ پس یہ اس طرح مجھے پکڑ کر لایا ہے۔ امیر کو اس پر رحم آیا۔ اس کی قید چھڑائی اور اس کے آدمیوں کو بھی خلاص کروا دیا۔ اور بہرام کو سوار کروا کے اپنے لشکر میں لے گئے۔

جب یہ خبر گستہم کو ہوئی تو وہ سنتے ہی مارے غصہ کے آگ بگولا ہو گیا۔ یہ حال بادشاہ سے کہا تو شاہ خفا ہوا اور کہا کہ حمزہ نے یہ مغرور پیدا کیا۔ کہ بے حکم ہمارے ایسی حرکت کی۔ امیر کو اسی وقت طلب کیا۔ عیاروں نے عیاروں نے امیر کو خبر کی کہ بادشاہ نے آپ کو بلایا ہے۔ امیر سوار ہو کر شاہ کی خدمت میں آیا اور پایہ تخت کو بوسہ دیا۔ شاہ نے فرمایا کہ اے ابو العلی تم نے میرا دشمن بہرام رہا کیا۔ اب وہ گرفتار ہو گا۔ امیر نے کہا بندہ کی غیرت قبول نہیں کرتی اور ایک شخص کو نامردی سے پکڑ کر اس طرح طوق و زنجیر کیجئے کہ تمام دنیا کے لوگ ہر شہر میں محافل و مجالس کے اندر کیا کہیں گے اور آپ کے واسطے بدنامی ہے۔ تواریخ اور تذکروں میں یہ لکھا جاوے گا۔ کہ نوشیروان نامرد تھا اس کے وقت میں اکثر بہادروں کو نامردی سے گرفتار کرتے تھے۔ کام ایسا کیجئے۔ کہ بدنامی نہ ہو نیکنامی رہے۔ بہرام کہاں کا رستم زمانہ ہے کہ اس کو زیر نہ کر سکیگا۔ فرمایا اسے بلاؤ۔ اسے جیسا لئے گئے تھے حضور میں حاضر کیا۔ بادشاہ اس کی طرف مخاطب ہوا۔ اور فرمایا۔ اے بہرام گستہم نے تجھ کو مردی سے زیر کیا یا نامردی سے؟ کہا اے شہریار باوجود اس کے کہ میں چار ماہ سے قید کی شدت اور بے آب و طعام سختی بھوک ایسا ناتوان اور نحیف ہوا ہوں کہ قریب المرگ ہوں۔ اور گستہم کو کہیئے۔ کہ تلوار کھینچ کر میری طاقت کے آگے ذرا دم نہ لے۔ اگر میں اسکی تلوار نہ لوں تو گنہگار ہوں۔ اسی وقت فرمایئے کہ میرا سر تن سے جدا کریں تاکہ شاہ ہفت کشور کے روبرو پھر کوئی جھوٹ نہ بولے۔ گستہم بھی اسی وقت معہ ساتھیوں کے وہاں حاضر تھا۔ اتنی جرات نہ ہوئی۔ کہ اسکو جواب

دے روبرو شاہ کے نہایت شرمندہ ہوا۔

بادشاہ نے فرمایا امیر تم بہرام سے لڑو گے۔ جواب دیا جس وقت فرمائیں۔ بہرام سے پوچھا تو امیر سے زور آزمائی کرے گا۔ عرض کی اسی دم حاضر ہوں۔ بندہ بھی یہی امید رکھتا ہے کہ شہریار کبھی میری دلاوری کا امتحان لیں اور دیکھیں کہ بہادروں میں ہوں۔ امیر نے شاہ سے کہا کہ ابھی قید سے آیا ہے چالیس روز تک دولت خداوند سے ناز و نعمت میں رہے کہ توانا ہو۔ پھر قبلۂ عالم کے سامنے بندے کے پاس آکر زور آزمائی کرے۔

بادشاہ کو یہ بات پسند آئی۔ امیر و بہرام کو خلعت عنایت فرمایا اور کہا۔ اے امیر تم ہی اسے پاس رکھو بعد چالیس روز کے ہم اسکو طلب کریں گے۔ امیر اس کو ہمراہ لیکر اپنے لشکر کی طرف تل شادکام کو روانہ ہوئے۔ کل رات کو قصہ یہاں تک پہنچا تھا کہ صاحبقران بہرام کو لیکر اپنے مقام پر گئے اور بزم کی صحبت اسواسطے آراستہ کی کہ ہر روز دربار کے وقت بادشاہ حضور میں آتے تھے کہ جب چالیس روز گذرے تو اکتالیسواں دن امیر بہرام کو سوار کر کے اپنے ہمراہ شاہ کی خدمت میں لائے۔ اور عرض کیا کہ اب بہرام حاضر ہے۔ اور اپنی قوت اصلی پر ہے۔ بندے کو لڑا لیجئے۔

نوشیرواں ملک الاول نے بہرام سے پوچھا تو اس کو مستعد پایا۔ فرمایا بہت بہتر ہے ہم بھی تماشہ دیکھیں گے نہیں تو بارگاہ خسروی میں زمین کو ہموار کر لوگوں نے اسی دم اکھاڑہ تیار کیا۔ اور کروڑ سوار سے سردار بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ امیر اور بہرام نے سلاح اور لباس اپنے اپنے بدن سے اتار کر شیر کی کھال کے جانگھئے پہنے اور اوپر لنگوٹ کھینچے۔ اور کمر میں سونے کی زنجیر لپیٹ کر پوست پلنگ کے ٹوپ سر پر رکھے اور خم ٹھوک کر دونوں جوان مثل رستم بن زال اور سام بن نریمان جو اس تعلیم کے تھے کود کے۔ اور جنگ کشتی میں آئے ملکر ہیکل ہکر سینہ بہ سینہ مشت بہ مشت لڑنے لگے۔ نہ انکو ظفر ہوتی نہ انکو خطر۔ کبھی بہرام امیر کے دونوں بازو پکڑ کر سینہ میں اڑاتا دس بارہ قدم دور کر کے پیچھے لیجاتا۔ اور کبھی اسی طرح امیر بہرام کی تین پہر کامل کشتی ہوئی۔ گھڑی دن باقی رہا کہ امیر نے بہرام کا کمربند پکڑ کر مثل بعد نعرہ اللہ اکبر کا لگایا اور اس کو زمین سے اٹھا کر سر سے بلند کیا۔ بہرام نے آواز دی کہ ابھی میں نے معلوم کیا کہ تم مردان عالم ہو۔ بہادروں کو اسی طرح زیر کرتے ہیں۔ امیر نے اسے زمین پر رکھدیا اور کہا۔ اے بہرام بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہا کر۔ اس نے قبول نہ کیا۔ اور کہا میں نوکر ہوں آپکا شاہ سے کچھ کام نہیں۔ اگر آپ فرماویں تو ابھی اپنا سر کاٹ کر رکھدوں۔ دوسرے کی طاعت مجھ سے نہ ہو سکیگی۔

نوشیرواں نے کہا کچھ مضائقہ نہیں غرض تو اس کی تابعداری سے ہے۔ اگر تمہارا ملازم رہا جب بھی میرا ملازم ہی ہے۔ امیر اور بہرام کو پھر دو بار خلعت دیئے اور سرفرازی فرمائی۔ تب امیر اور بہرام کو لے کر

تل شاد کام اپنے لشکر میں لے گئے اور اس کو اپنا برادر خواندہ کیا۔ خیمہ و خرگاہ و سراپردہ فراشخانہ و لوار خانہ مطبخ و طویلہ خانہ اس کے واسطے جدا کیا۔ اور چالیس گھوڑے و نقرہ ساز سے سات قطار اونٹوں کی باربرداری اور چالیس دینار زر سرخ و سفید کے اور کچھ خراج ملک یمن کا موحشام بہرام کو عنایت فرمایا اور جہاں تک احوال گذرا تھا قلمبند کر کے عمر عیار پیک نامدار کے ہاتھ مکہ معظمہ کو خواجہ عبدالمطلب کی خدمت میں بھیجا۔ لیکن یہاں تمام ساسانی موبخنک گستہم کے گھر میں آئے اور کہا۔ کہ ہماری قوم میں تم سردار ہو تم کچھ اسبات کی فکر نہیں کرتے کہ اس عرب زادے کے عہدے سے کوئی گزند نہیں آیا۔ بادشاہ کے رو بروز بروز اس کا مرتبہ بلند ہوتا جاتا ہے اور اسکی عزت کو ترقی ہے۔ کوئی مصلحت ایسی کرو کہ یہ دفع اور ہمکو مخلصی ہو۔ گستہم نے کہا روز بروز قوت میں کوئی ایسی نہیں آئیگا۔ خاطر جمع رکھو میں کسی طرح سے دو چار روز میں اس کا کام تمام کرتا ہوں یہ کہکر اسی رات کی صبح کو سوار ہوا۔ اور امیر کے جلو خانہ میں گیا۔ جب امیر کو خبر ہوئی تو اس نے اندر بلا لیا۔ گستہم نے سلام کیا اور اظہار دوستی کے باہم سوار ہو کر بادشاہ کی بارگاہ میں آئے۔ اور رخصت کیوقت امیر کو پھر انکے لشکر میں پہنچا دیا۔ القصہ ایسی خوشامد کرنی شروع کی۔ کہ امیر کو اس کا اعتبار کلی ہوا۔ جی میں کہا اس سے بہتر مدائن میں تیرا کوئی دوست نہیں۔ ایک روز بخنک نے گستہم سے کہا۔ اے پہلوان ایسا فرصت کا وقت پھر ہاتھ نہ آئیگا۔ کیونکہ عمر عیار یہاں نہیں ہے۔ اب حمزہ کا کام تمام کرو۔ گستہم کو بختک کی بات پسند آئی وہاں سے بطور ہمیشہ امیر کی خدمت میں آیا۔ اور کہا اے امیر میں آرزو رکھتا ہوں کہ خاک سے اٹھا کر افلاک عزت پر بٹھلانا کہ تمام دوست و دشمن جانیں کہ حمزہ کی دوستی ہے۔ امیدوار ہوں کہ میری دعوت قبول ہو۔ اور قدم رنجہ فرماکر میرے یہاں ایک چپہ آش کا نوش جان فرمایئے۔ فرمایا کہاں؟ کہا میرا ایک باغ شہر کے باہر دو کوس پر ہے کہ تم تم کے میوہ دار درخت اسمیں لگائے گئے ہیں۔ دو تین روز کی سیر کر کے پھر تشریف لائیگا۔ امیر نے قبول کیا اور یہ بات مقرر تھی کہ بادشاہ ایک ہفتہ کرتے تھے اور عدل و انصاف میں رہتے تھے اور ایک ہفتہ حرم نازنینان و ماہرویاں سے صحبت عیش و نشاط کی رکھتے تھے۔ جب باری عیش کی آئی تو گستہم امیر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب امیر باغ کے دروازے پر پہنچے تو گستہم نے کمخواب اور اطلس کے پا انداز ڈالا اور امیر پر بہت کچھ نثار کیا۔ امیر باغ میں گئے اور فرش شہانہ بچھا تھا۔ اسمیں امیر بصحبت نشاط میں بیٹھے۔ گستہم نے میوے تر و خشک لا کر رو برو رکھے اور بہت سا تحفہ گذرانا اور مانند نوکروں کے کمر باندھکر خدمت میں حاضر رہا۔ جب شراب کے دس دور چلے جب ایک پیالہ آپ پیتا اور خدمت میں رہنے کے بہانہ سے ٹالتا۔ ہر گھڑی امیر مستورات اور مشروبات کی تکلیف کرتا۔ لیکن باغ میں داخل ہونے سے پہلے چار سو جوان جنگ آزمودہ کھائی بند مسلح و مکمل باغ میں ایک طرف بٹھلا رکھے تھے اور ان سے کہہ رکھا تھا۔ کہ جسوقت میں دستک دوں تو تم سب آ کر حمزہ کو

مع رفیقوں کے مار لینا لیکن امیر نامدار آپنے یاروں میں بیٹھے شراب پینے میں تمام دن گذارا اور دوپہر رات کا وقت آیا اور نشہ سے ہر ایک کی آنکھیں بند ہونے لگیں پر مقبل وفادار نے اپنے کو بہت ہوشیار رکھا۔ اور شراب کم پی۔ اور امیر کی نگہبانی میں بیٹھا ہوا کیفیت یاران مجلس دیکھ رہا تھا۔ تیسرے پہر گستہم نامرد کینہ حیلہ انداز نے امیر صاحبقران کو معہ ان کے یاروں کے مدہوش دیکھا تو بارہ دری کی تمام گردش میں آکر دستک دینے لگا۔ گستہم ملعون کی آواز جونہی سلاح پوش جوان کے کان میں پہنچی تو چار سو جوان باہر نکلے گستہم انکے ہمراہ تلوار نکال کر امیر پر لگانے لگا۔ بہرام نے جو یہ دیکھا۔ تو نشہ کی حالت میں اپنے آپکو امیر پر ڈال دیا اور اپنے سر کو سپر بنایا گستہم کی وہ تلوار بہرام کے پیٹ میں لگی۔ اور بائیں پہلو سے لیکر دائیں پہلو تک برابر زخم کاری ہوا۔ اور انتڑیاں باہر نکل آئیں۔

مقبل وفادار نے جب یہ دیکھا تو بے اختیار تیر مارنے لگا۔ گستہم نے اپنے جی میں خیال کیا کہ حمزہ کو مار چکا ہوں۔ باہر نکل کر چل دیا مقبل نے اس کے ساتھ کے سو آدمی تیروں سے مار ڈالے گستہم ناچار تین سو جوان لیکر باغ سے باہر ہو کر بھاگا جب امیر کا نشہ اتر گیا تو مجلس کی عجیب حالت دیکھی کہ بہرام کا پیٹ پھٹا ہوا ہے اور سب رو رہے باہر نکل پڑے ہیں اور گستہم کے تیروں سے مر کر لاشیں پڑی ہیں اور مجلس ... ہے امیر کے مارے جانے کی خبر مشہور ہوئی۔ کہ گستہم نے امیر کو مار دیا تو لشکر اسلام کے ... سر پر خاک ڈالتے ہوئے فریاد کناں اس باغ کیطرف دوڑے اور وہاں میں شور پڑا جس نے خبر سنی افسوس کیا۔ اور دربار کے وقت بادشاہ کو یہ خبر ہوئی۔ کہ گستہم نے رات کو اس طرح دغا سے مار ڈالا۔ یہ واردات سنتے ہی شاہ کی آنکھیں تر ہو گئیں حمزہ نامدار اور بزرجمہر کو مع بختک بھیجا کہ حمزہ کی خبر لو۔ اور ایک پہلوان الغمہ ساطور دست نامی کو تین ہزار سوار کے ساتھ گستہم کے پیچھے روانہ کیا۔ کہ وہ جہاں ہو پکڑ لاؤ۔ میں اس کا عوض لونگا۔ لیکن گستہم نے جو یہ سنا۔ کہ بادشاہ نے میرے پکڑنے کیلئے الغمہ ساطور دست کو پیچھے بھیجا ہے بھاگا۔ اور شہر کے باہر کی راہ لی۔

اب دو کلمہ امیر کے حال کے سن لیجئے۔ یہاں بختک و بزرجمہر و ... نامدار اور تمام سردار امیر کے پاس باغ کے دروازے پر جمع ہوئے اور اس حالت سے اندر گئے۔ تو امیر کو سلامت پایا۔ اور خدا کا شکر بجا لائے۔ اور جو حال رات کو گذرا امیر نے تمام بیان کیا۔ اور بزرجمہر حکیم کیطرف دیکھکر فرمایا کہ آپ بہرام کا علاج کریں ... کے ہاتھ سے اس نے زخم کاری کھایا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی جان کو خلل پہنچے۔ اگر اسکو ... ہوا تو قسم ہے کہ ساسانی قوم میں ایک زندہ نہ چھوڑونگا۔ یہ کہکر امیر کا رنگ ... سرخ ہو گیا لیکن بزرجمہر اور تمام حکیم اس زخم کے علاج سے حیران تھے اور افسوس کر رہے تھے۔ کہ قضا نے کاری وقت پایا ہے رونندگان عالم شعبدہ باز جہاں راہ دروازے سے آیا اور احوال سگ کا امیر کو سنایا اور بہرام کا حال دیکھکر آنسو

پھر لایا اور بہرام کی الفت کے دور سے رو کر صاحبقران سے کہنے لگا بسلوک بندہ نوازی اسی کو کہتے ہیں کہ ایک شخص کو اپنا زیر بنایا اور پھر اس کا یہ حال ہونے دیا مروت سے بعید ہے۔ کہا اے عمر وقت نصیحت کا نہیں۔ اب بہرام کے بچنے کی فکر کیجئے۔ نہیں تو اس کا آخری وقت ہے۔

عمر خواجہ بزرجمہر کی طرف مخاطب ہوا۔ اور کہا آپ نے کیا جواب دیا۔ بزرجمہر نے فرمایا۔ کہ زخم کاری لگا ہے اور انتڑیاں باہر نکل آئی ہیں۔ اگر پیٹ میں جا دیں تب زخم سیاہ ہو جائے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ رودوں پر ہاتھ لگانے سے یہ مر جائیگا۔ اور بغیر ہاتھ لگائے کام نہیں چلتا۔ عمر بولا۔ کہ اے خواجہ حکمت میں واقعی یوں ہے۔ یہ کہکر کھڑا ہوا۔ اور جھک کر دیکھا اور ایک استرا جیب میں سے نکالا اور تیز کرکے ہاتھ بہرام کے پیٹ کی طرف بڑھایا۔ خواجہ نے جونہی یہ حرکت دیکھی تو پوچھا۔ کہ کیا ارادہ ہے۔ کہا ان انتڑیوں کو جو باہر ہیں انکو یا انکی صفائی سے کاٹ کر دور کرتا ہوں کہ زیادتی جاتی رہے۔ اور زخم سیا جائے پھر ٹانکے دیکر اچھا کردوں گا۔ خواجہ حیران تھے کہ کیا کہتا ہے۔ لیکن جو باتیں ہو رہی تھیں بہرام سنتا تھا۔

عمر نے جو رودوں کے کاٹنے کا نام لیا۔ تو بہرام مارے ہول کے کانپ گیا اور دم کو اوپر کھینچی سانس کے اوپر کھینچنے سے رودے پیٹ میں گھس گئے۔ تب عمر نے خواجہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ کہ آپ کا مقصد تھا سو ہوا۔ اب سیئے اور ٹانکے دیجئے۔

خواجہ نے عمر کی عقل پر آفرین کی اور سردار مارے ہنسی کے لوٹ گئے۔ بزرجمہر نے زخم سی کر شربت تیار کیا اور بہرام کو پلایا۔ کہ جہاں تک خون فاسد ہے نکل جائیگا۔ اور فرمایا کہ اس کے ہاتھ پیر باندھ کر یہیں رہنے دو۔ کہ حرکت کرنے سے ٹانکے ٹوٹ جاویں گے۔ اور پھر نہ بچے گا۔ میں دونوں وقت یہیں آکر معالجہ کروں گا یہ کہکر بزرجمہر اور بختک دونوں مع سرداران مدائن کو روانہ ہوئے۔ امیر حمزہ کو بہت عزیز جانتے تھے اس واسطے اپنے تمام آدمیوں سمیت وہیں رہنا اختیار کیا۔ یہاں بزرجمہر اور بختک نے تمام حال بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا۔ فرمایا۔ اے خواجہ باغ داد جو قباد کا بنایا ہوا تھا۔ اس شہر میں اس سے بہتر مکان اور نہیں ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ حمزہ کو وہاں بلا کر خاطر داری کروں اور تحفہ دوں کہ وہ کدورت اس کے دل سے جاتی رہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بدگمان کرے کہ ہماری شرارت سے یہ کام ہوا ہے۔ قسم ہے آتشکدہ آذر کی کہ مجھ کو معلوم نہیں ہے بلکہ [illegible] ناحق [illegible] سمجھے ہیں۔ تم حمزہ کو وہاں لاؤ اور [illegible] خدمت میں [illegible] دوسرے دن بزرجمہر [illegible] کے پاس [illegible] امیر [illegible] بادشاہ کی طرف سے احوال پرسی کی اور کہا شاہ نے فرمایا ہے [illegible] کی گرفتاری کے لئے آدمی بھیجے ہیں۔ اگر وہ جو حال بہرام کا ہوا ہے [illegible] ہوگا۔ لیکن ہماری طرف سے بختک اور تمہاری طرف

عمر اس محفل میں نہ آویں کہ یہ تو بانیٔ فساد ہیں۔ امیر نے قبول کیا اور تصدق جو بادشاہ نے بھیجا تھا فقیروں کو دیا۔ بزرجمہر نے جا کر بادشاہ سے عرض کی تو بادشاہ سوار ہو کر باغ داد میں گئے۔ امیر کو طلب کیا۔ صاحبقران پہلوان عادی اور مقبل کو ہمراہ لیکر باغ میں آئے اور باغ کو عجیب طرح کا آراستہ دیکھا۔ کہ اس کا طول اور عرض چار چار فرسنگ اور ہر فرسنگ پر ایک حوض بڑا خوشنما بنا ہوا تھا۔ اور ہر طرف خیابان خوشنما اور سرو درخت شمشاد و صنوبر چمن گلشن میں ہر جانب ایستادہ اور گلہائے رنگا رنگ عالم کو جن کے دیکھنے سے طبیعت کو بے اختیار فرحت ہوا اور ہر درخت سے جلوہ فردوسی ظاہر اور گل سے شکر طاؤسی نمایاں اور ہر قسم کا میوہ فصلی آویزاں تھا۔ کہ اس باغ کے دیکھنے سے رشک کے باغ چمن فردوس بھی بوستان ارم کی آنکھوں میں حسرت ڈالتا تھا۔ اور اس کے اندر جو عمارت استادان صنعت گر نے بنائی تھی۔ چنانچہ کوشک منظر و قصور والان و چار صفہ ہشت و چہل ستون اور ہر ایک مکان روانہ و چوب شمشاد و آبنوس و چنار و صندل اور عاج کا ہوا اور طلائی اور نقرئی کام سے تیار اور ہر مکان میں خاتم بندی کی تھی۔ اور جا بجا حوض مربع اور مثمن طلائی و سنگ مرمر و بلور و خام کے نکیے سنگ یشم اور عقیق کے تھے امیر بادشاہ کی محفل میں ہر مز تاجدار کے ہم پہلو بیٹھے بزرجمہر اور بعض سردار بادشاہ کے داہنے ہاتھ اور امراء نامدار اور مقبل وفادار بائیں ہاتھ۔ غرض سازندہ ہائے خوشنوا اور خوانندہ ہائے خوش آواز حاضر ہوئے اور بزم گرم ہوئی۔

پہلے دن بادشاہ نے امیر کے لئے بارہ دری میں جشن رکھا۔ ساقیان ماہ رخسار شیشہ ہائے حلبی اور پیالہ ہائے جواہر نگار ہاتھوں میں لے کر شراب ارغوانی پلانے لگے۔ وہ زرد و سرخ شراب بکمالہ سے لیکر ہفت سالہ تک اور عرق دو آتشہ نیز موند کہ جس کے عکس سے بادہ گلگوں نے لباس ارغوانی پہنا تھا۔ لیکن صفائی بادہ کے سبب جام کو شراب سے اور شراب کو جام سے فرق نہ جانتا تھا۔ گویا معلوم ہوتا ہے کہ ساقی گلعذار کے کف دست پر شراب خوشرنگ بے ساغر لئے ہوا دیتے ہے۔ غرض کہ بادشاہ ہر دم اپنے ہاتھ میں پیالہ لیکر امیر کی خدمت کرتے تھے۔ تمام روز عجب طرح کا عالم رہا جب شام ہونے کو آئی اور یہ بادر میں آفتاب خلافت مغرب میں ہوا اور وقت سیمین ماہ انجمن ستارگان میں آیا تو اس وقت بادشاہ امیر کو ہمراہ لیکر مع تمام سرداران اٹھے اور چمنوں میں پھرنے لگے اور شام کے بعد ایک اور مکان میں بزم صحبت گرم رہی۔ لیکن جب باغبان قدرت نے گل صد برگ خورشید آسمان کے چمن سبز میں لگایا تو ساقی صبح کو شیشہ ہائے خمار شکن آ کر حاضر ہوئے۔ جب دو گھڑی دن چڑھا تو بادشاہ وہاں سے اٹھ کر ایک اور قصر میں جا بیٹھے۔ اور پھر مجلس تازہ ہوئی۔ اب بابائے ہوشیار عمر عیار کا حال سنئے۔ جب دو دن گزرے اور عمر نے امیر کو نہ دیکھا تو گھبرا کر گھر سے باہر نکلا۔ اور باغ داد کے دروازے پر آیا۔ دیکھا تو عادی بیٹھا شراب پی رہا ہے۔ اور طرح طرح کا کھانا لوگ اس کے آگے رکھ

رہتے ہیں اور وہ شکم پری میں مشغول ہے۔ اور نوکر اس کے پاس تیار کھڑے ہیں۔ کسی سے معلوم کیا کہ امیر و بادشاہ کا یہ حکم ہے کہ عمرو بختک اندر نہ آنے پائیں۔ اس واسطے عادی کو بٹھلایا ہے۔ تو وہ اسکے پاس گیا اور سلام علیکم کر کے برابر ایک کرسی پر بیٹھا۔ عادی کرب نے تواضع کی۔ عمر شریک ہوا اور آہستہ آہستہ اس کے ساتھ کھانے لگا۔

جب عادی فراغت پا کر دستر خوان کو اٹھا کر ہاتھ دھوئے اور کرسی پر تکیہ لگا کر بیٹھا اور چقماق اپنی طرف دیکھکر عمر کیطرف متوجہ ہوا۔ اور پوچھنے لگا کہ خواجہ عمر اس وقت آنا کیونکر ہوا؟۔ عمر نے کہا۔ تمہارے دیکھنے کو جی چاہتا ہے اس لیئے آیا ہوں۔ عادی خاموش رہا جب لوگ کھانا کھانے لگے تو عمر نے فرصت پا کر عادی سے آہستہ سے کہا۔ کہ آج ہم نے بازار سے لعل مول لیا ہے آپ بھی دیکھیں کیسا ہے؟ کیا میں ٹھگا تو نہیں گیا۔

عادی اپنے دل میں بہت خوش ہوا۔ کہ عمر بھی مجھکو صاحب وقوف جانتا ہے جو لعل پرکھوانے آیا ہے۔ آنکھیں کھولکر دیکھنے لگا۔ عمر نے ہاتھ جیب میں ڈالا اور دونوں مٹھیاں ریت سے بھر کر نکالیں۔ جیسے وہ دیکھتا تھا۔ عمر نے وہ خاک اسکی آنکھوں میں ڈالدی کہ اس کے منہ کی راہ سے دھواں نکل گیا۔ دونوں ہاتھوں سے آنکھوں کو لپیٹ لیا اور کہا۔ کہ عمر تیرا برا ہو مجھے اندھا کیا۔ آنکھیں ملنے لگا۔

عمر جب باغ کے اندر گیا تو لوگ اسکی حرکت سے واقف ہوئے اور پانی لا کر اس کی آنکھیں دھلائیں۔ دو گھڑی کے بعد جب آنکھیں درست ہوئیں۔ تو پوچھا کہ عمر کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا۔ کہ ہم نہیں جانتے۔ عادی نے سمجھا۔ کہ شاید میرے ڈر سے بھاگ گیا اور اسی طرح بیٹھکر نگہبانی کرنے لگا۔ لیکن عمر نے باغ میں داخل ہو کر دیکھا۔ کہ جو تمام عمر نہ دیکھا تھا۔ چمن ہائے آراستہ اور گل ہائے نو خاستہ کا تماشہ دیکھا نزدیک اس کے پہنچا کہ جہاں شاہ اور امیر صحبت بزم میں محو تھے۔

عمر قصر کے اندر نہ گیا اور باہر اس کے قریب لب نہر ایک درخت عالیشان چنار کا تھا۔ اس کی جڑ میں بیٹھ گیا اور دوتارا بجا کر آواز سے گانے لگا۔ چونکہ عمر کا گانا سننے والوں کو فرحت بخشتا تھا۔ امیر کے کان میں جونہی اسکی آواز پہنچی تو مقبل کیطرف دیکھکر کہا عمر کی آواز آتی ہے۔ ہم نے عادی کو منع کر دیا تھا۔ کہ وہ آنے نہ پاوے پھر یہ کیونکر اندر آیا۔ جاؤ عادی کو بلا لاؤ

بادشاہ نے امیر کو برہم دیکھکر فرمایا کہ عادی کو مت بلانا اس کا بلانا ضروری نہیں جبکہ ہم نے عمر کی خطا معاف کی۔ ہر دو ایلچیوں کو حکم ہوا۔ جاؤ عمر کو لے آؤ۔ ہر دو ایلچی گئے اور جا کر کہا خواجہ عمر چلو تمکو حضور میں بلایا گیا ہے۔ کہا میں نے ہاتھ دھو بیٹھے آشنا اسلئے گوشہ چمن میں تفریح کیواسطے بیٹھا ہوں۔

مجھکو بادشاہ اور امیر کی صحبت سے کیا کام ہے۔ دوسرے اگر میں جاؤں اور امیر کیطرف سے کسی کے کینہ دل پر غبار بیٹھے۔ مبادا وہ مجھے ایذا دے۔ اس واسطے تنہائی خوب ہے جس میں کسی سے کام نہیں رہتا پروانچی یہ سن ناچار ہوکر یہ عرض بادشاہ سے کی۔

بادشاہ یہ سن کر بے اختیار ہنسا اور تمام امرا لوٹ گئے۔ بادشاہ نے امیر کا ہاتھ پکڑ لیا اور قصر سے نیچے اترے اور تمام سرداروں کے روشنوں اور چمپتوں کا تماشہ دیکھتے ہوئے جہاں عمر تھا وہاں آئے۔ عمر نے دیکھا کہ بادشاہ میری طرف آتا ہے حبت کی اور امیر اور شاہ کا قدم بوس ہوا۔ اور کہا کہ حضور کے اقبال سے توقع نہ تھی کہ اس خانہ زاد کو محفل تصور فرمائیں گے۔ فرمایا تو بھی اس محفل میں شریک ہو۔ یہ کہکر عمر کا ہاتھ پکڑ لیا اور جدا مکان فیروز نگار کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور پھر بزم صحبت گرم ہوئی۔ بادشاہ نے عمر کو فرمایا کہ تو ساقی ہو۔ عمر نے آداب بجا لاکر شیشہ اور پیالہ ہاتھ میں لیکر بادشاہ کی مرضی کے مطابق ہر طرف دینے لگا۔ کبھی ساقی گری کرتا۔ کبھی اشعار پڑھتا۔ کبھی ستار بجاتا تھا۔ عمر کے آنے سے دو بارہ رنگ ہو گیا اور بادشاہ کو کمال تفریح ہوئی اور رات گذری جب صبح ہونے لگی اور آسمان پر سفیدی دکھائی دی اور صحن گلشن میں مرغان چمن کی آواز پیدا ہوئی۔ عمر نے اس وقت ہفت نیکون کا نکال کر جوڑا بجا لینے لگا عمر کا زمزمہ جو سنتا زار زار روتا۔ القصہ تیسرے روز بادشاہ نے ایک قصر زر نگار میں صحبت کی۔ یہ مکان تمام خشت ہائے زرین طلائی سے بنا تھا اور جواہرات کی اس پر بیل تھی اور وہاں امیر کو بلایا اور اسباب جشن مہیا کیا۔

کل یہاں تک بیان کیا تھا۔ کہ شاہ قصر زر نگار میں آئے لیکن جبتک میں پھر اس داستان پر آوں اب دو کلمہ داستان بختک کی سنیئے کہ بغداد میں عمر کے جانیکی اس کو خبر ہوئی وہ سنتے ہی بیتاب ہو گیا۔ جی میں تصور کرنے لگا۔ کہ وہ کس مکر سے اندر گیا تو بھی چل ایسا نہ ہو کہ عمر کچھ فساد برپا کرے۔ یہ خیال کر کے اٹھا کچھ تھان مخمل و کمخواب کے کئی کشتیوں پر لگا کے اپنے ساتھ لئے اور خچر پر سوار ہوکر باغ کی طرف چلا۔ اور دروازے پر آیا۔ خچر سے اتر کر عادی کے پاس گیا۔ اور اظہار دوستی کیا۔ عادی نے تعظیم کر کے بٹھایا اور کہا۔ اب اسقدر تشریف کدھر لائے۔ کہا یہ اسباب آپکی خاطر ہے قبول کیجئے۔ اور اندر جانے دیجئے۔ اب بادشاہ کو آئے کئی روز ہوئے آپ پر کچھ بات نہ آئے گی۔ ۱۰۲۰۹

عادی سن کر نہایت برہم ہوا اور کہا۔ اے بختک تو مجھے رشوتی جانتا ہے جو رشوت دکھاتا ہے۔ قسم ہے امیر کے سر کی تجھے جانے نہ دوں گا۔ جا میرے سامنے سے دور ہو ورنہ بیحرمت ہوگا۔ بختک نے ہر چند منت کی مگر عادی مخاطب نہ ہوا۔ تب وہ ناچار ہوکر اٹھا اور اپنے گھر میں آکر تدبیر کرنے لگا۔ جب روز آخر ہوا اور رات ہوئی تو اپنے نوکروں کو غافل دیکھکر ایک ٹھنڈا سر پھرا اٹھایا اور بغداد کی

طرف چلا۔ چوروں کی طرح چھپتا اور پاسبانوں سے بچتا درختوں کے سائے میں باغداد کی دیوار کے نیچے پہنچا اور کپڑے اُتار کر ننگا ہوا۔ اور کپڑوں کی گٹھڑی باندھ کر باغداد کی دیوار کے آس پاس پھینکی۔ باغ میں جانے کی ایک راہ تھی جس کو بادشاہ کے آنے کے سبب بند کر کے پانی جانے کی ضرورت کے مطابق راہ رکھی تھی۔ بختک اس راہ سے لیٹا ہوکر گھُسا۔

اب عمر کا حال سُنئے۔ کہ پہلے اس کا ذکر کیا تھا۔ کہ وہ زرنگار میں بادشاہ کو شراب پلاتا تھا۔ اس سے عمر کے جی میں خیال گزرا۔ کہ کسی طرح گستم نے امیر کی دعوت کی تھی۔ پس مجھکو غافل رہنا اچھا نہیں چل کر باہر کی بھی خبر لے۔ کہ کون کس کام میں مشغول ہے۔ اور عادی دروازے پر کیا کرتا ہے۔ یہ خیال کر کے اس قصر کے باہر آیا۔ اور ہر طرف روش بہ روش چمن بہ چمن ہر ایک جانب کی خبر لیتا چلا اور دروازے پر جاکر عادی کو دیکھنے لگا۔ اس وقت عادی ذکر کر رہا تھا۔ کہ بختک مجھے رشوت دینے آیا تھا۔ کہ باغداد میں جائے۔ پر اسکی دغا میں کب کھاتا ہوں۔ اس وقت بادشاہی کیونکہ ہوئے حکم صاحبقران کے اندر جانا چاہیں تو انکو بھی جانا درکار نہ ہوگا۔ عمر نے یہ باتیں سنیں اور دل میں کہا۔ کہ آج بختک مقرر ہر طرح سے باغداد میں آئے گا۔ لیکن دیکھئے کس راہ سے آتا ہے۔

یہ کہکر چاروں طرف پھرنے لگا۔ کہ ایک ساعت نہ گذری تھی کہ دیوار کے اس طرف سے ایک بقچہ آپڑا۔ عُمر نے دوڑ کر اس کو اُٹھایا اور کھول کر دیکھا۔ تو اسمیں بختک کی پوشاک ہے بہت خوش ہوا اور دل میں کہنے لگا۔ کہ اس نے اپنا رخت تو ادھر سے پھینکا۔ اب دیکھئے آتا کس راہ سے ہے۔ دیکھئے پانی کی بدرو سے ایک شخص نے سر نکالا۔ عُمر نے سمجھا کہ مقرر یہی ہے۔ اس کا علاج کیجئے۔ کہ اس حرکت کی سزا پائے اور بقچے کو چھپا رکھا۔ اور وہاں سے چور کس طرح آتا ہے۔ اور وہیں کتدا اپنی گردن پر رکھکر اور پانچ چھ باغبان ہمراہ لیکر عمر بختک میزاب کے پاس جاکر ایک پیڑ کے نیچے ننگا کھڑا ہوا۔ اپنے کپڑے ڈھونڈ رہا تھا۔ کہ عمر کے اشارے سے باغبانوں نے اسکی مشکیں باندھیں اور بے تحاشا مارنا شروع کیا۔ ہرچند وہ کہتا تھا کہ جھوٹ کہتا ہے اور وزیر کا نام بدنام کرتا ہے۔ اس وقت اس کا یہاں کیا کام ہے؟

اس نے جونہی عمر کی آواز سُنی۔ تو سمجھ لیا۔ کہ میرا رخت اس نے چھپایا ہے۔ اور تیرے سر پر یہ بلا ڈھی لایا ہے بزبان عیاری کہنے لگا۔ اے خواجہ عمرو کہیں بختک ہوں اول باغ کے دروازے پر آیا تھا۔ عادی نے نہ آنے دیا۔ ناچار ہوکر اس راہ سے آیا ہوں۔ مجھکو اس جماعت کے ہاتھ سے چھڑا تیرا ممنون رہوں گا۔ اور حق ادا کروں گا۔ عمر نے باغبان کی طرف دیکھکر پکارا یارو تم نے غلطی کی یہ چور نہیں ہے واقعی وزیر ہے۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ اس وقت جو بے تحاشہ بے اجازت شاہ کے برہنہ ہوکر یہاں کیوں آیا؟ ہم تمکو صبح بادشاہ کے حضور میں حاضر کریں گے۔ تب انہوں نے اس کو ایک درخت

سے باندھکر ڈال دیا۔

تب بختک نے کہا۔ اے عمران کے ہاتھ سے مخلصی اس طرح نہ ہوگی۔ تم میرے کپڑے دو تاکہ میں پہنوں۔ عمر نے کہا کہ مجھے خبر نہیں کہ تمہارے کپڑے کس نے لیئے لیکن اسکی خبر جاکر بادشاہ کو کرتا ہوں۔ بغیر انکے فرمان کے تمہیں کوئی نہ چھوڑے گا۔ وہاں سے بادشاہ کی خدمت میں گیا۔ اور تمام رات خدمت گذاری میں مشغول رہا۔ جب صبح ہوئی تو بادشاہ اور امیر کو ورغلا کر چمنستان کی سیر کو چلے کہ جہاں بختک بندھا ہوا تھا لایا۔ مالیوں نے بادشاہ کو دیکھکر فریاد کرنی شروع کی۔ کہ خداوند یہ رات کو چوروں کی طرح پانی کی راہ سے آیا اور ننگا مادرزاد تھا۔ ہم نے اس کو درخت کے ساتھ باندھا ہے۔ اب صبح کو دریافت ہوا۔ کہ بختک ہے۔ شاہ کے ہمراہیوں نے جب دیکھا۔ تو ہنستے ہوئے لوٹ گئے۔ اسکی عجب شکل بنی ہے کہ درخت سے مشکیں باندھی ہوئی ہیں اور جو مار کھائی اس سے تمام بدن کی چربی نکل پڑی ہے۔ سب نے مل کر اسکی حال پرسی کی اور اس کے ہاتھ کھلوا دیئے۔ لیکن بادشاہ کو اسکی حرکت بری معلوم ہوئی اور فرمایا۔ اسکو خوب مارو اور یہاں سے نکال دو۔

یہ دیکھکر امیر نے شاہ سے عرض کی اور اسکی خطا معاف کرائی اور عمر سے اس کے دو خطائیں سہو نمن کو معمول لیکر دیا۔ اور ہمراہ لیکر نوشیرواں کے ساتھ روشوں پر سیر کرتے ہوئے ہر طرف کو چلے۔ اس باغداد کے محل کی دیوار کے طرف ایک باغ ہشت بہشت کے درمیان ایک لاجوردی نہر بنی ہوئی جو نہر بہشت رکن میں گئی تھی اور مانند چشمہ کوثر کے معلوم ہوتی تھی۔ اور قطعہ مکانات جدا طرح کا رنگ کیا ہوا اور ہر قسم کے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ شاہ و امیر معہ ہمراہ تاجدار و بزرجمہر اس مکان میں داخل ہوکر عمر نے بختک کو ظرافت سے اڑانا شروع کیا۔ کہ میں اس کو مرد احمق جانتا ہوں کہ یہ کس تدبیر سے باغ کے اندر داخل ہوا۔ سب ہنسنے لگے۔ عمر بادشاہ کو دعا دیکر کہنے لگا۔ کہ خدا آپکو سلامت رکھے۔ کہ امیر کے کہنے سے اسکی خطا معاف کی۔ ورنہ یہ بیچارہ باغبانوں کی لاتوں کے مارا مر جاتا۔ اور بختک سے کہا۔ اب تو یہ کہہ کہ پھر ایسی حرکت نہ کروں گا۔ عمر نے اس بیچارے کو مسخرہ بنایا تھا۔ اور اسکی باتوں سے ہنستے تھے۔ بادشاہ نے فرمایا عادی کو بلاؤ۔ اس سے پوچھیں اس کو کس نے آنے دیا؟

بردا چی گئے اور عادی کو بلا لائے۔ بادشاہ نے فرمایا۔ اے عادی یہی مناسب ہے کہ ہم تم کو دروازے پر بٹھلائیں اور تم ایسے غافل ہو کہ بختک اور عمر اندر آویں اور تمکو خبر نہ ہو۔ عادی نے عرض کی کسی کو کیا مقدور ہے جو بغیر اجازت آپکے یہاں اندر آسکے۔ اگر پرندہ ہو تو اس کے پر کتر ڈالوں۔ واقعی بختک غلام کے پاس آیا تھا۔ اور اتنا اسباب رشوت کا دیتا تھا۔ میں نے اسے اندر نہ آنے دیا۔ وہ ناچار ہوکر اپنے

گھر چلا گیا۔ بادشاہ نے فرمایا دیکھو تو وہ سامنے کرسی پر کون بیٹھا ہے؟ عادی نے جو بختک کی صورت دیکھی تو آگ بگولہ ہو گیا اور اس کا گریبان پکڑ کر کرسی سے کھینچا۔ اور کہا او مکار حیلہ زن سچ کہہ کہ کس راہ سے آیا ہے۔ نہیں تو بے حرکت کر دوں گا اور کھینچ کر مجلس سے باہر لے چلا تب تمام لوگ ہنسنے لگے۔

امیر نے فرمایا۔ اے عادی دیوانہ پہلے اس سے ہاتھ اُٹھا۔ شاہ نے اسکی خطا معاف کی اور کہا کہ تو جا۔ اور دروازے پر اپنے کام میں مشغول رہ۔ عادی نے اُسے چھوڑ دیا اور اپنے کام پر جا بیٹھا۔ بادشاہ نے تمام روز باغ میں گذارا اور ارغوانی شراب کا جام گردش میں رہا۔ جب شام کا وقت ہوا اور طاؤس جلوہ گر آفتاب مغرب میں گیا اور سیمرغ ماہ خوش خرام گرداب نیلگوں فلک سے نکلا تو مجلس میں شمع ہائے مومی کا فوری قد آدم برابر روشن ہوئیں۔ تمام رات سازندوں اور خوانندوں سے عجیب عالم رہا۔ عمر ظرافت سے بادشاہ کی طبیعت خوش کرتا تھا۔ صبح مجلس یہاں سے برخاست ہوئی ایک اور مکان میں جا کر بیٹھے جو چہل ستون سے مشہور تھا۔ امیر نے اس مکان میں بغور و تامل نظر کی صورت گردوں نے اسمیں کیا کیا ہنرمندی کی ہے جو دیکھنے کے لائق ہے۔ راوی لکھتا ہے کہ اس کا ہر ستون سنگ مرمر کا طلائی تھا۔ ہر ستون کے اندر اوپر جانے کو راستہ رکھا تھا۔ اور ہر ستون کا سر جواہر نگار بنا تھا۔ اور اس کے اوپر جانے سے تمام شہر کی نمود ہوتی تھی۔ اور نیچے نشیمن سنگ یشب و عقیق اور یاقوت کے بنے ہوئے جن پر وہ ستون مثل جوانان سرو قد ایستادہ تھے جن سے فوارے شمع کی طرح چھوٹتے اور شیشوں کے اوپر حوض طرح بطرح کے آب خالص اور گلاب و بید مشک کے فوارے۔ وہاں پر نشست ہوئی جام شراب گردش میں آیا اور عیش و نشاط کا دروازہ کھلا القصہ شاہ و امیر کو ہر روز نئے مکان میں اور ہر شب شبستان میں لاتے تھے۔ اور جہاں تک آنکی تیاری ہوئی تھی مع فرش و فروش و جام و صراحی تک اُٹھتے وقت امیر بخش دیتے تھے۔ پانچویں روز چہل ستون میں تھے۔ ان پانچوں دنوں میں بادشاہ نے ایک شب بھی خواب نہ کیا تھا۔ جب اس رات کو بادشاہ کو خواب نے غلبہ کیا اور پلنگ پر لیٹے اور مجلس اسی طرح رہی اور جب بادشاہ کو آنکھ لگ گئی تو امیر پوشاک بدلنے کی خاطر مقبل کو ہمراہ لیکر غسل کرنے کے لئے نہر کی طرف سیر کرتے ہوئے اُس باغ کے گوشہ میں پہنچے یہاں نہر کو نہایت لطیف بہتے دیکھا جس کا پانی محل میں جاتا ہے یہ ایک جگہ امیر کو پسند آئی تو ایک درخت کے نیچے پوشاک اُتار کر مقبل کو دی اور نہانے کو اسمیں اُترے اور بدن ملنے لگے۔

اس نہر کے قریب بادشاہ کی بیٹی مہر نگار کا محل تھا۔ قضارا وہ بھی اس روز ہوا کھانے کو اس قصر پر آئی اور دریچہ کھول کر ہر طرف دیکھ رہی تھی۔ کہ اسکی نظر امیر پر پڑی۔ دیکھتے ہی تیر عشق کھا کر فریفتہ ہوئی اور دیوانہ وار ایسی ایک سرد آہ بھری قریب تھا کہ اس آہ کے ساتھ گر پڑتی۔ مگر تامل کیا اور جی میں کہنے

لگی کہ تو دل کو ہاتھ سے دے چکی۔ اب دیکھیئے اس کا انجام کیا ہو۔ لیکن ایسا ہو کہ وہ بھی ایک نگاہ تجھکو دیکھ لے یہ خیال کر کے عنبر چہ گلے سے نکال کر امیر کیطرف پانی میں پھینکا۔ امیر نے عنبر چہ کو دیکھکر اس قصر کی طرف نگاہ کی۔ اور مہر نگار کو دیکھ لیا۔ بے اختیار ایک آہ ماری اور بیہوش ہو گئے۔ مقبل نے جو امیر کی یہ حالت دیکھی تو پانی میں کود کر امیر کو سنبھالا۔ امیر نے اپنے آپکو ہوش میں لاکر پانی سے نکلا اور نئی پوشاک پہنی۔ اور بادشاہ زادی کی بھی یہی حالت تھی کہ چشم پر آب و دل کباب۔ تیر عشق کا کھانا ہوا اور مجلس میں بیٹھے اور ادھر مہر نگار کی بھی یہی حالت تھی۔ لیکن امیر ناچار تھا کہ کسی سے کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ امیر امرا کی صحبت میں جا بیٹھا ہر وقت آہ عاشقانہ بھرتے اور شعر آمیز پڑھتے تھے۔ غرض ہزار تشویش سے دن کو گذارا۔ جب رات ہوئی تو گھڑیاں گننے لگے۔ ایک پہر رات گذرنے پر اس ماہ فلک و کبریٰ کو دیکھنے کی دل میں سوچکر یہ بات بادشاہ سے عرض کی۔

اگر ارشاد ہو تو یہ خانہ زاد ایک دو ساعت سو رہے۔ پھر ابھی حاضر ہو گا۔ فرمایا کیا مضائقہ ہے امیر نے مقبل کو ہمراہ لیا اور اسی وقت قصر کیطرف روانہ ہوا۔ نزدیک جاکر دیکھا کہ اوپر جانے کا کوئی لگاؤ معلوم ہوتا۔ جی میں کہا کس طرح جانا ہو۔ دیکھا تو برابر اس قصر کے ایک درخت عالیشان ہے۔ اسکی شاخیں بام قصر پر پھیلی ہوئی ہیں۔ مقبل کو اس درخت کی جڑ میں کھڑا کیا۔ اور آپ اس پر چڑھ کر قصر کے اوپر گئے اور چاروں طرف نگاہ کرنے لگے۔

دسویں داستان

مہر نگار کے محل میں امیر کا جانا اور مہر نگار کا چونکنا

روایت ہے کہ صاحبقران اوپر گئے اور دور سے دیکھنے لگے کیا دیکھتے ہیں کہ مہر نگار نے ایک جانب نشاط آراستہ کی اور اپنی ہم چشموں سے بادہ خواری میں مشغول ہے۔ اور مہر نگار کے بہر معشوقان ماہرویان کے درمیان مانند بہار بیٹھی ہے کہ اسکی تجلی سے در و تمام مکان روشن ہے عجیب طرح کی نازنین دیکھی کہ حسن و جمال میں چشمہ خورشید تاباں اس کے چاہ زنخدان کا ایک رشحہ ہے ماہ درخشاں کا ایک مطلع دلبر خوش دیا عالم آرا سرو قد لالہ عذار آہو چشم سنبل مو خوشخو ہلال ابرو مرغول زلف دراز مژہ بن مروارید دنداں باریک میان آرام جان حقہ ناف حباب پستان مدعا فہم خون دل عاشقان اس روز امیر نے دور سے دیکھا۔ تو اب نزدیک آکر دیکھا تو دوبارہ پھر وہی حالت ہوئی اور دل اختیار سے جاتا رہا جیسا

اس کو دیکھتے تھے نئے انداز سے نظر پڑتی تھی۔ لیکن مہر نگار نے جس وقت امیر کو دیکھا تھا اس کو عجیب طرح کی وحشت تھی۔ دن کو اس نے ہزار مشقت سے کاٹا۔ جب رات ہوئی تو واسطے جی بہلانے کے صحبت نشاط آراستہ کی اور دائی کی بیٹی فتنہ بانو کو بلا کر کہا۔ آج ہمکو نہایت قلق ہے اور جی گھبراتا ہے تو اپنے ہاتھ سے شراب پلا۔ غرض جو جو اسکی محرم راز تھیں آکر اسکے پاس حاضر ہوئیں۔ اس وقت گلستان حسن و جمال میں ان کا غنچہ دہنوں کا اس کے گرد بیٹھکر گانا اور بجانا ایک جلوہ نور کا معلوم ہوتا ہے۔

امیر اس قصر کے کونے میں چھپ گیا۔ جب فتنہ بانو سے صحبت کر رہے تھے تب یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ دو پہر رات سے زیادہ گذری تو مہر نگار نے ایک آہ سرد بھری اور فتنہ بانو سے کہا پیالہ لبریز کر رات بہت ہوئی اب جاکر سو رہو۔ فتنہ بانو نے جسدم پیالہ کو لبریز کرکے مہر نگار کو دیا۔ تو شہزادی نے پیالہ ہاتھوں میں لیکر کہا۔ اس وقت جو شراب پیوے پہلے اپنے اپنے یار جانی کا نام لے اور جام شراب پیئے۔ امیر یہ سن کر حیرت میں ہوئے۔ کہ عمر عیار یہاں کیونکر آیا۔ یہ خیال کر رہے تھے۔ کہ دوسری معشوقہ نے مقبل وفادار کا نام لیکر پیا۔ جب یہ دونوں پی چکیں تو مہر نگار نے جام اٹھایا اور کہا۔ کہ میں شہزادہ حشام بن القمہ خیبری کی یاد میں پیتی ہوں۔ کہ جس نے تم کو اس کی قید سے رہائی دی۔ یہ کہکر لب سے لگایا اور پی گئی۔ امیر یہ سن کر نہایت خوش ہوئے۔ غرض اس رات مہر نگار دو پہر رات سے زیادہ بیٹھی اور شراب کے ہر پیالے کے ساتھ امیر کو یاد کیا۔ اور کہا۔ کہ افسوس کہ یار جانی اور محبوب زندگانی اس وقت تو کہاں ہوگا۔ جلد آ۔ یہی کہتی تھی اور بے قرار تھی۔

جب رات ایک پہر گذری تو مہر نگار نے ہمجنسوں کو کہا۔ اب جاؤ۔ وہ سب مجرا کرکے چلی گئیں اور آپ ایک بارہ دری میں جاکر چھپر کھٹ پر آرام کرنے کیلئے لیٹی۔ لیکن امیر کی یاد میں نیند نہ آئی۔ اور کروٹیں لیتی اور صاحب قران کے فراق میں روتی رہی۔ جب پہر رات باقی رہی اس وقت اسی خیال میں آنکھ جھپک گئیں۔ امیر جو چھپے ہوئے دیکھ رہے تھے سیڑھیوں کی راہ سے نیچے اترے اور کسی کو بیدار نہ پاکر نہایت خوش ہوئے۔ جب بارہ دری کے اندر گئے اور دیکھا۔ کہ اس کے چاروں طرف پردے پڑے ہیں۔ اور شمع ہائے مومی کافوری ہر جگہ مانند عاشقان روشن ہیں اور چھپر کھٹ پر مہر نگار سوئی ہے لیکن اس کے حسن کے روبرو شمع کی روشنی پھیکی معلوم ہوتی تھی اور وہ مکان اس کے جمال سے آفتاب کی مانند منور تھا۔ امیر نے خیال کیا کہ ایسے معشوق کا وصال قسمت سے میسر آتا ہے۔ شاید پھر سے نصیب میں نہ ہو۔ اب تو میں مکان میں بڑی محنت سے آیا ہے۔ اس معشوق کے برگ گل رخسار کا ایک بوسہ تو لے۔

یہ کہکر اس چھپر کھٹ کے پاس گئے اور مہر نگار کے پاس بیٹھکر اپنے دونوں ہاتھ اس کے

سر کی دونوں طرف تکیہ پر ٹیک کر جاتا۔ کہ جھک کر اس لب لعل سے بوسہ لے۔ لیکن ابتدائے عشق ناکردہ کار امیر کا ہاتھ تکیہ سے پھسل گیا اور معشوق کی چھاتی پر گر پڑے۔ جونہی مہر نگار کی آنکھ کھلیں امیر کا خیال نہ رہا۔ بے اختیار ایک چیخ ماری اور کہارے دوڑو چور آیا۔

امیر نے کہا اے جان میں کشتہ حشام بن علقمہ ہوں۔ مہر نگار نے امیر کو پہچانا تو اس گل کے کرنے سے پشیمان ہوئی اور صاحبقران کو پلنگ کے نیچے چھپایا اور ان عورتوں کو کہا۔ میں خواب میں ڈر گئی تھی اس لئے چیخ ماری۔ تم جاؤ اور اس بات کا ذرا خیال نہ کرو۔ یہ سن کر سب لوٹ گئیں اور اپنے اپنے مکان میں جا کر سو رہیں۔ اس کے بعد مہر نگار نے امیر کو نکالا اور پلنگ پر اپنے برابر بٹھلایا۔ اول مرتبہ امیر کو دور سے دیکھا تھا اب نزدیک سے دیکھا۔ کہ ایک عجیب طرح کا جوان پاکیزہ صورت نیک سیرت ہے۔ چودھویں رات کے چاند کی طرح رخسار اس تیرہ شب کو روشن کر رہے تھے۔

وہ صاحبقران کی صورت دیکھ کر تصویر کی طرح حیران رہ گئی۔ اور امیر بھی مہر نگار کو دیکھ کر دیوانہ وار تک رہے تھے۔ کہ صبح کی سفیدی نمودار ہوئی اور برگ گل پر جیسے شبنم ہوتی ہے اسی طرح امیر اپنی آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ اور کہا۔ اے مہر نگار تو نے جو میرے دل کو کمند ناز سے گرفتار کیا اس صید کو نیم بسمل نہ چھوڑنا اب رخصت ہوں۔ بادشاہ کی صحبت سے سونے کا بہانہ کر کے آیا۔ ایسا نہ ہو کہ پردہ کھل جائے۔ اگر زندگی ہے تو کل پھر آوں گا۔ یہ کہہ کر مہر نگار سے رخصت چاہی اور وداع ہوئے اور زینوں کی راہ سے چھت پر چڑھے اور شاخ کو پکڑ کر نیچے اترے اور وہاں سے مقبل کو ہمراہ لیکر بادشاہ کی مجلس میں گئے۔ جب آفتاب کی کرنیں نکلیں نوشاہ امیر معہ تمام محفل ایک چمن میں آئے اور نشست گاہ میں بزم صحبت آراستہ کی لیکن خواجہ بزرجمہر نے دیکھا کہ امیر کے چہرے سے عشق کی سی حالت معلوم ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت بہانہ کر کے مجلس سے اٹھتے اور چمنستان میں جا کر مہر نگار کے قصر کی طرف دیکھتے اور پھر آ کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن بختک نے امیر کی بیتابی اور گھڑی گھڑی اٹھنے نہ پاوے۔ بادشاہ نے دل میں کہا۔ کچھ ایسی فکر کیجئے۔ کہ حمزہ یہاں سے اٹھنے نہ پاوے۔

بادشاہ نے کہا۔ کہ مجلس میں عجیب لطف ہے۔ اکثر لوگ بیجا اٹھ کر خلل کرتے ہیں آئندہ جو اٹھے اس پر سو تمن جرمانہ کیجئے۔ بادشاہ نے اس بات کو پسند کیا۔ اور امیر سے کہا۔ امیر نے قبول کیا۔ امیر کے دل میں بے چینی تھی۔

روایت ہے کہ امیر اس اضطراب کی حالت میں دو بار اٹھے اور دو سو تمن دیئے بزرجمہر نے کہا۔ عمر کوئی ایسا علاج کرو۔ کہ بختک مجلس سے باہر جائے۔ عمر نے کہا۔ آپ کی مرضی یہی ہے تو

دیکھیے۔ کہ میں کس طرح نکالتا ہوں۔ اپنی جگہ سے اُٹھکر بادشاہ کا آداب بجالایا۔ اور کہا۔ کہ خداوند خوب واقف ہیں کہ خداوند نے ہر ہاتھ کو اجازت دی ہے۔ کیا عجب ہے، جو غلام کو اس ساقی کی خدمت ملے اور شہریار اس خانہ زاد کے ہاتھ سے دو چار دور پئیں۔ فرمایا کیا مضائقہ ہے۔ عُمر نے صراحی و پیالہ اُٹھایا اور بھر کر گردش میں لایا۔ لطافت اور ظرافت کے ساتھ پلانے میں محو ہوا۔ آواز ہوش نوش کی بلند ہوئی۔ عمر کی ساقی گری سے ہر خورد و کلاں کو حظ تھا۔

بادشاہ کے بعد عمر نے شہزادوں کو جام پلائے۔ جب نوبت خواجہ پر گذری تو عمر نے اس جام میں کئی مثقال حب السلاطین داخل کیا اور ملک بختک کے آگے لے گیا۔ اس نے دو جام دیکھتے ہی معلوم کیا کہ اسمیں عافیت الخیر نہیں ہے۔ آج عمر ساقی ہے تو نہیں بچے گا۔ کہنے لگا خواجہ عُمر میں نے کل سے شراب پینے کی توبہ کی ہے۔ لوگوں کو دیجیئے گا بندہ نہیں پیئے گا۔ جب عمر نے دیکھا کہ نہایت تکرار کرتا ہے اور نہیں پیتا۔ بادشاہ کیطرف مُنہ کر کے کہنے لگا۔ کہ خداوند نے غلام کے ہاتھ سے جام پیئے اور پھر جس نے چاہا پیا اور بختک میرے ہاتھ سے کس لیئے اندیشہ کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں نے توبہ کی ہے نہیں جانتا یہ وہ چیز ہے کہ اگر ایک پیالہ ابلیس پی لیتا تو آدم کی خاک کو ہزاروں سجدے کرتا۔

عمر کی یہ بات سُن کر شاہ اور امیر نے تمام مجلس مقرر کیا ہے اور تُم اس کے ہاتھ سے پینے کا انکار کرتے ہو۔ ناچار ہو کر عمر کے ہاتھ سے بختک نے دو پیالہ جبراً و قہراً پیا۔ ایک ساعت نہ گذری کہ بختک کے پیٹ میں گڑ بڑ ہوئی اور پیچ کھانے لگا۔ تب وہ کُرسی سے اُٹھا اور بادشاہ سے کہا کہ مجلس میں یہ شرط ہے کہ جو کوئی بے ضرورت اُٹھے وہ سو تُمن گنہگاری میں دے۔ بندہ نے مکان کو ضرور جانا ہے۔ یہ کہکر گیا اور فراغت کر کے آیا۔ ایک لمحہ کے بعد پھر پیٹ مارے درد کے گڑ گڑایا۔ عمر نے کہا جبر تو ہے۔ اب عذر بیجا ہے کوئی نہیں سُنے گا۔ ایک دفعہ صاحب آ ہوئے ہیں بختک نے سو تُمن جرمانہ دیئے اور حاجت رفع کر کے پھر کُرسی پر آکر بیٹھا تھا۔ کہ پھر خلش ہوئی۔ شرط ہارنے کی دہشت سے اپنے آپکو ضبط کر کے بیٹھا رہا اور کُرسی سے نہ اُٹھا از بس کہ پیٹ میں پیچ و تاب ہو رہا تھا۔ تھام سکا اُس کا وہیں خط ہوا۔ اور ازار کے پائنچوں سے بہ نکلا۔ عمر بھی اسی تاک میں تھا۔ عقل سے دریافت کیا اور پیالہ کو ہاتھ سے رکھ عرض کی کہ اس وقت خوش آئند ہوا خوب اور کس مزے کا سرور ہے۔ اگر خیابان کی سیر کیجئے اور گلستان کا تماشہ دیکھیے تو کمال فرحت ہو۔ فرمایا عُمر ہمارا بھی جی چاہتا ہے۔ کہ امیر کا ہاتھ پکڑ کر چمنستان کی طرف متوجہ ہو۔ جتنے بیٹھے تھے تمام اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور چلے۔ بختک بھی اُٹھا۔ لوگوں نے دیکھا کہ جس کُرسی پر وہ بیٹھا ہے تمام نجس ہے اور اس کے پائنچوں کی راہ سے اتنا پانی نکلتا ہے اور فالیتہ[illegible] کا خراب

ہو رہا ہے۔ عمر نے شاہ سے عرض کی۔ بادشاہ نے اسکی حالت جونہی دیکھی شاہ کا حال مارے غصّہ کے عجیب ہوگیا۔ فرمایا یہ مردک نجتک نہایت نامعقول ہے۔ ہماری صحبت کے بیٹھنے کے لائق نہیں۔ پہلوان عادی کو بلایا کہ اس نالائق کو باغ سے نکال دے۔

عادی کے دل میں پہلے کا بھی کینہ تھا۔ بادشاہ کا حکم پاتے ہی ایک ہاتھ سے اسکی ڈاڑھی اور دوسرے سے گریبان پکڑ کر گھسیٹ کر لے چلا تو نجتک ٹھوکر کھا کر گر پڑا اور سر پھوٹ گیا۔ اور خون آلودہ نجاست سے بھرا کشاں کشاں باغ سے باہر ہوا۔ لیکن اس کے جانے کے بعد خواجہ بزرجمہر نے سوال کیا۔ کہ اس وقت امیر کی حالت بے قرار ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بادشاہ خیال معلوم کرکے باعث رسوائی کا ہوں۔ اس واسطے ہاتھ باندھکر عرض کی کہ آپ نے حمزہ کو ہر طرح سے راضی کیا۔ وہ ہر صورت میں آپکا احسان مند رہے گا۔ ہفتہ ہوا کہ آپ باغ میں تشریف لائے ہیں اور تمام خلقت آپکی عدالت میں فیض کی منتظر ہے۔ بہت کام معطل پڑے ہیں۔ آپ باہر تشریف لے چلئے اور حکومت پر بیٹھکر شہریاری کیجئے کہ لوگ اپنی اپنی مراد کو پہنچیں۔

شاہ کو یہ بات پسند آئی تو امیر پر خلعت شاہانہ عنایت فرمایا اور دربار میں آکر کارسازی عدل و داد میں مصروف ہوئے اور امیر دلشاد کام کو اپنے لشکر میں آئے۔

گیارہویں داستان

کل داستان کو یہاں تک کیا تھا۔ کہ مجلس باغدار سے برخاست ہوئی اور امیر اپنے لشکر میں آئے۔ دن کو خیال کرنے اور گھڑیاں گننے لگے۔ کہ رات ہو تو مہرنگار کے پاس جائیں۔ جب پہر سے اوپر رات گذری تو صاحبقران نے جامہ سیاہ اطلس مشکیں گلے میں پہنا۔ اور کمربند زربفت کمر میں باندھا اور سیاہ مشال کا شملہ سر پر لپیٹا۔ اس پر مرصع جیغہ رکھا اور خنجر شمشیر محکم کرکے سر مہ گون صوف کا پاتابا باندھکر کفش تدی پاؤں میں پہنی اور کمند کے حلقے کو شانے میں ڈالکر مقبل وفادار کے ہمراہ خیمہ سے باہر آئے اور مہرنگار محل کی طرف روانہ ہوئے۔ تھوڑی دور گئے۔ کہ عمر جو راہ میں چھپ کر کھڑا تھا۔ اُس نے جونہی امیر کو دیکھا کہ دوڑ کر پاس آیا اور امیر کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔ کہ شہریار تعجب ہے۔ کہ تم نے بندہ کو اپنا محرم راز ہونا نہ جانا اور اپنا راز نہ بتایا۔ اور آپ مجلس میں بھی اداس رہتے ہیں۔ اب رات کو چپکے چپکے اکیلے اُٹھکر سیر کو جانا اور ہمکو خبر بھی نہ کرنا۔ امیر عمر کو دیکھ کر مسکرائے اور کہا۔ اے عمر! میں اس لئے تم سے چھپا تھا۔ کہ تو ہر وقت نصیحت کرتا ہے۔ اگر تجھکو آگاہ کیا

تو تو نصیحت کرے گا اور میرے دل کو بے چینی ہوگی۔ میری حالت تو دیکھ۔ کیا بن گئی۔ کہ دل سے صبر و آرام اٹھ گیا اور نیند نے بھی جواب دیا۔ عاشق اور دیوانے کو نصیحت مقبول نہیں ہوتی۔ اب تو میرے ساتھ آکہ یار کی گلی میں جاتا ہوں۔ دیکھ تو کیا محبوب ہے؟

القصّہ امیر و مقبل وفادار اور عمر عیار مل کر بغداد کو چلے۔ راہ میں عمر نے امیر سے پوچھا کہ شہر یار کون ہے؟ میں بھی معلوم کروں جس کی خاطر تمہاری یہ صورت بنی ہے۔ فرمایا۔ اے عمر! میں صنم کی تعریف منہ سے نہیں کہتا۔ اگر خدا نے چاہا تو جلد دیکھ لے گا۔ یہی باتیں کرتے چلے جا رہے تھے۔ اب مہرنگار کا حال سنیے کہ وہ امیر پر فریفتہ ہو کر اپنے دل کا نقد عشق کے بازار میں گنوا کر گریہ زاری آغاز کی۔ لیکن جب اس نے سنا کہ حمزہ کو بادشاہ نے باغ سے رخصت کیا اور وہ اپنے لشکر میں گیا۔ تو اس کی فرقت کے سوز میں شمع کی طرح جلنے لگی اور عیش و عشرت کا دروازہ بند کر کے ایک گوشہ میں جا بیٹھی۔ امیر کی راہ میں اپنے دل پُر درد سے آہ عاشقانہ ہو کر ساعت نکالنے لگی۔ اور یہاں تک بے تابی کی۔ کہ دائی کی بیٹی اور مصاحبوں سمیت اس مقدمہ سے واقف ہوئیں۔ وہ دیکھتیں کہ شہزادی کی حالت تباہ نظر آتی ہے۔ سب مل کر احوال پُرس ہوئیں۔ مہرنگار نے کسی کو اس بات کا جواب نہ دیا تو تمام حیران ہوئیں۔ اپنی جان کے خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم پر آفت ہو۔ دائی کو جا کر خبر کی۔ دائی نے آکر مہرنگار کی بلائیں لیں۔ اور پاس بیٹھ کر کہا۔ اے گلستانِ خوبی اور چمنِ محبوبی تیرے ملال کا کیا باعث ہے۔ کہ ہر دم آہ و نالاں کرتی ہے۔ کس پر فریفتہ ہوئی ہے؟ بچپنے سے لیکر اس وقت تک میں تیری محرم راز ہوں تیری کوئی بات مجھ سے چھپی نہیں ہے۔

مہرنگار نے دائی سے جب یہ محبّت کی باتیں سنیں۔ تو بے اختیار رو رو کر کہنے لگی۔ اے دائی میں تمکو اپنی جان کے برابر جانتی ہوں۔ کوئی بات چھپاتی نہیں ہوں۔ لیکن اس مقدمہ میں شرم آتی ہے۔ کہ یہ امر قابل اظہار نہیں تجھ پر کس طرح کروں؟

دائی نے رومال سے اس کے آنسو پونچھے۔ اور کہا۔ اے زندگی بخش تو خاطر جمع رکھ کہ میں تیری مراد بر لاؤں گی۔ مہرنگار نے جی میں خیال کیا کہ دائی مؤثر معلوم ہوتی ہے۔ بہتر ہے کہ ظاہر کر دیا جائے غرض کہ صاحبقران کا تمام حال بیان کیا۔ اور کہا کہ میں اس پر عاشق ہوں۔ اگر اس کا وصال حاصل نہ ہوگا تو مر جاؤں گی۔ دائی یہ سنکر حیران ہوئی اور بمقام نصیحت میں در آئی۔ کہ اے ملکہ تعجب ہے تیرے خیال پر کہ بادشاہ زادگان ساسانی و مزدکی کو چھوڑ کر مسلمان پر مائل ہوئی۔ اس کا دین کہاں اور تیرا مذہب کہاں۔

مہر نگار نے کہا۔ کہ عشق دین اور مذہب سے کام نہیں رکھتا اور عنبر چہ مرصع جو تین ہزار تمن کو مول لیا گیا تھا۔ مہر نگار نے گلے سے اُتار کر دائی کو دیا۔ اور کہا۔ اے دائی قسم ہے پاک اور بے عیب خدا کی۔ اگر مہربانی سے میری یہ اُمید بر آئی تو تجھے نہال کر دوں گی۔ دائی کے طمع دامنگیر ہوا۔ کہنے لگی اے سرو آزاد باغ حسن و خوبی میں نے سمجھ لیا۔ کہ اس طرف تیری طبیعت بے اختیار آ گئی۔ خاطر جمع رکھ کہ رات کو محل میں سبکو غافل کر کے امیر جہاں ہوگا وہاں لے چلوں گی۔ اور جب رات ہوئی مہر نگار پلنگ پر لیٹی اور تمام مقربین کو رخصت کیا۔ ہر ایک اپنے اپنے مکان میں جا کر سوئیں۔ جب پہر رات گذری تو مہر نگار نے اُٹھکر شب روی کا مردانہ لباس پہنا۔ اور اسی صورت میں دائی بھی بن گئی۔ اور چلنے کو تیار ہوئی۔ اور ہاتھ میں کمند لیکر مہر نگار کے ہمراہ چلی اور سقف دالان پر جا کر ایک برج میں کمند باندھکر قصر کے تلے اُتریں۔ اور باغ کی دیوار سے گذر کر باہر ہوئیں۔ اور امیر کے لشکر کی راہ لی اور درختوں کے سایہ میں اپنے آپکو چھپاتی چلی جاتی تھیں۔ جونہی وہ امیر کے لشکر کے قریب پہنچیں کہ راہ میں تین سیاہ پوش دکھائی دیئے۔ یہ دونوں اُنہیں دیکھکر اپنے آپکو ایک پیڑ کے تلے چھپا کر کھڑی ہوئیں۔ لیکن امیر نے جو مقبل کو لئے آتے تھے اُن سیاہ پوشوں کو دیکھ لیا۔ اور مقبل کو آواز بلند فرمایا کہ دیکھنا یہ دونوں سیاہ پوش کون اور کہاں جاتے ہیں۔ مہر نگار نے امیر کی آواز پہچان کر اپنے آپکو درخت کے سایہ سے نکالا اور مقبل کی طرف قدم بڑھایا اس کے نزدیک آ کر مہر نگار کو پہچانا اور امیر کو خبر کی۔

صاحبقران یہ سُنکر ایسے خوش ہوئے کہ گویا ہفت اقلیم کی بادشاہت مل گئی عمر کو ہمراہ لیکر اس ماہرو کے پاس گئے۔ عمر نے کہا کہ اے ملکۂ آفاق۔ بڑا احسان کیا۔ کہ ہمکو اس وقت شب روی سے بچا کر مہربانی کی۔ مہر نگار نے پوچھا یہ کون ہے؟ عرض کیا کہ خواجہ عمر عیار ہے۔ خنجر گذار پیک طراری یہی ہے۔ عمر کی وضع کو دیکھکر حیران ہوئی اور امیر سے کہا۔ جس وقت سے تم آئے ہو دل کو بے چینی ہے کچھ کہہ نہیں سکتی۔

امیر نے کہا۔ اے جان زندگانی درست ہے۔ یہی حال سچ کے حال سے بھی خالی واقف ہے کہ کتنی بے چینی سے دن گذرا۔ یہ کہکر اس صنم کا ہاتھ پکڑ کے اپنی بارگاہ میں لے آئے۔ اور باہم بیٹھ گئے اور شراب پینے لگے۔ عمر نے گانا شروع کیا۔ جب رات آخر ہوئی اور صبح کا وقت قریب آیا تو امیر عمر کو ہمراہ لیکر مہر نگار کے قصر تک گئے جس راہ سے وہ آئی تھیں اسی راہ مہر نگار اور دائی کو دیکھکر سب غل مچانے لگے کہ چور چور۔ یہ دونوں بھی اُن کے ساتھ شامل ہو کر غل مچانے لگیں اور چاروں طرف سے سپاہ ہرا دوڑے اور ایک شور ہنگامہ ہوا۔ جب دن ہوا تو کسی کو نہ دیکھا تب ناظر نے جا کر مہر نگار کی ماں

زر انگیز بانو سے کہا۔ کہ دوسری دفعہ محل میں یہ غل ہوا ہے ۔ اکثر عرب کے ترک قلعہ میں بہت ہیں اور ان کا لشکر بھی بہت ہی نزدیک ہے۔ معلوم نہیں کہ ان میں کون سا بد ہے۔ کہ شہزادی کے محل کے گرد کوئی سردار پاسبانی کو مقرر رکھئے۔

زر انگیز بانو نے یہ حال بادشاہ کو کہلا بھیجا۔ بادشاہ نے جب یہ سُنا تو ایک پہلوان عنتر تیغ زن نامی کو چار سو سوار اور پیادہ کی جمعیت سے گرد قصر چوکی میں مقرر کیا۔ لیکن جب رات کا وقت قریب آیا تو امیر نے اپنے خیمہ میں بے تابی شروع کی اور سوزناک غم فرقت سے آہ نکالنے لگے۔ عمر نے جو یہ حال امیر کا بیجا دیکھا تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا۔ اے صاحبقران خدا کے واسطے ہم لوگوں کی جانوں پر رحم کرو۔ اتنی بے صبری اچھی نہیں ہے۔ آج کی رات معشوقہ کے محل کی طرف جانا بند کرو کہ عنتر تیغ زن طلایہ میں مقرر ہوا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس امر سے واقف ہو۔ اور تم کو ایذا پہنچائے۔ امیر بانو روبرو بیٹھے تھے یا اس بات کو سُن کر ہنسے اور کہا۔ اے عمر تو مجھے مرنے سے ڈراتا ہے۔ تو نہیں جانتا کہ میں کشندہ حشام بن الفقم ہوں۔ یہ کہہ کر شبروی لباس منگا کر پہنا یا اور عمر و مقبل کو ہمراہ لیکر مہر نگار کے قصر کی طرف روانہ ہوا۔

جب باغ کے نزدیک پہنچے تو دیکھا کہ عنتر تیغ زن چار سو جوان کے طلایہ واری میں مشغول ہے۔ اور اس کے ہمراہی مشعلیں اور موم بتیاں روشن کئے ہوئے خبردار باش، بیدار باش پکارتے ہوئے پھر رہے ہیں۔ امیر ان کو دیکھ کر ایک گوشہ میں کھڑے ہیں۔ جب یہ تمام آگے نکل گئے تو امیر باغ کی دیوار کے پاس آئے اور مقبل کو نگہبانی کے واسطے نیچے چھوڑا اور کمند لگا کر عمر کو ساتھ لیا اور کمند کو پکڑ کر قصر پر چڑھے لیکن مہر نگار وہاں بیدار تھیں۔ اور دائی سے یہ کہہ رہی تھی کہ بادشاہ نے محل کے گرد پاسبانی کے واسطے چوکیدار مقرر کئے ہیں۔ اگر امیر حمزہ واقعی میرا عاشق ہے۔ تو ہرگز ان لوگوں سے خوف نہ کرے گا۔ جیسا کچھ ہوگا میں بھی تیاری کر رکھوں گی۔ یہ کہہ کر اپنی خاص سہیلیوں کو پاس بٹھا کر گانے کی بزم شروع کی اور شراب کا جام گردش میں آیا۔ مہر نگار شراب پیتی اور ہر جام کے ساتھ امیر کو یاد کرتی تھی۔

دائی نے کہا۔ اے مہر نگار تو دیوانی ہوئی ہے جو آہ و فغاں کرتی ہے۔ امیر حمزہ تو اس وقت اپنے خیمہ میں سوتا ہوگا۔ مہر نگار نے کہا۔ اے دائی میرا دل گواہی دیتا ہے۔ کہ امیر کوئی دم میں آتا ہے۔ وہ میرا عاشق صادق ہے۔ کسی چوکی سے ہرگز نہ ڈریگا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ امیر و عمر دونوں سقف سے نیچے اُترے مہر نگار نے دیکھتے ہی اُٹھ کر امیر کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھایا اور اپنے ہاتھ سے جام شراب پلانے لگی۔ امیر اس نازنین کی گردن میں ہاتھ ڈال کر بیٹھے اور شراب پینے لگے۔ عمر ان دونوں کے آگے گانے لگے اور امیر اس وقت عمر پر بہت خوش ہوئے۔ اور مہر نگار نے کہا۔ اے عمر ان معشوقوں میں سے تیرا جی بھی کسی کو چاہتا ہے یا نہیں؟

عمر نے کہا۔ صاحب جی تو ایک شخص کو چاہتا ہے۔ لیکن لاچار ہوں کس طرح منہ سے نکال سکوں۔ کہ وہ آپ کی مصاحب ہے۔ مہر نگار نے کہا اے عمر ہم نے اسے خوشی سے تجھے بخش دیا۔ اس کے پہلو میں جا بیٹھ۔ عمرؑ اٹھا اور طراز خوبان کی بغل میں جا بیٹھا۔ طراز خوبان عمر کو گالیاں دینے لگی۔ مہر نگار نے کہا۔ اے عمر وہ کیا چاہتی ہے؟ عمر نے کہا کہتی ہے ناز کرتی ہے۔ مہر نگار مارے ہنسی کے لوٹ گئی اور کہا تجھے اس کی کیا بات پسند آئی ہے؟ کہا اس کے پاس زیور بہت ہے اس خاطر میری طبیعت اس پر آئی ہے۔ امیر اور مہر نگار اس کی ان حرکتوں سے خوب ہنسے اور طراز بانو نہایت دق ہو رہی تھی۔ مہر نگار نے اس سے خفا ہو کر کہا۔ اے طراز خوبان تو بے مزہ مت رہ عمر امیر کا قائم مقام ہے۔ اس کی معشوقہ رہنے میں تو تجھ سے کم نہیں تو اس کو کیا سمجھتی ہے۔ غرض اس روز عجیب لطف کی صحبت رہی۔

مہر نگار نے اقرار کیا کہ جب تک زندہ رہوں گی صاحبقران کے حکم سے باہر نہ جاؤں گی۔ اور امیر نے بھی اقرار کیا ہے کہ جب تک مہر نگار سے شادی نہ کروں گا دوسری صورت نہ دیکھوں گا۔ اسی روز پانچ سو تومن زر سرخ کے عمر کو دیئے۔ تمام رات چین سے گذری۔ صبح نزدیک ہوئی تو امیر و عمر رخصت ہو کر اپنے لشکر کی طرف چلے۔ جب امیر کمند سے نیچے اترے اور باغ سے باہر ہوئے تو طلایہ داروں کی نگاہ ان پر پڑی۔ اور وہ چور چور کر کے تمام ان کی طرف دوڑے۔ یہ بھی تلواریں نکال کر ان سے لڑنے لگے اور دس بارہ آدمی ان کے مار کر اپنے لشکر کی طرف چلے گئے اور خیر و عافیت اپنے خیمہ میں داخل ہوئے اور یہاں اس حال کو بشکن کرنے تیغ زن آیا اور دو زر دوش بھی ہو گیا۔ دیکھا تو کئی آدمی مرے پڑے ہیں۔ تب اس نے جا کر بادشاہ کو کہا۔

بادشاہ بیشن کر حیران ہوا اور فرمایا۔ ایسا کون پیدا ہوا جس نے یہ حرکت کی۔ غرض یہ بات تمام شہر میں پھیل گئی۔ بختک سوچنے لگا۔ کہ کون ایسا شخص ہے جو یہ کام کرتا ہے۔ اس کے دل پر یہی یقین گذرا کہ سوائے امیر کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ چونکہ مہر نگار کی خاطر نہایت عزیز تھی اس واسطے چپ رہا اور اس بات کو منہ سے نہ نکالا۔ جب دربار کا وقت آیا تمام امرا و وزرا حاضر ہوئے۔ امیر بھی اپنی عادت کے مطابق آئے اور بادشاہ کو سلام کیا اور اپنی جگہ پر بیٹھے۔ بادشاہ عدالت کے کام میں مصروف ہوا۔ دربار کے برخاست ہونے کے بعد بادشاہ نے امیر کو طلب کیا اور فرمایا۔ اے ابوالعلیٰ کئی روز ہوئے کہ باغ دار سے چور چور کی آواز آتی ہے۔ مگر معلوم نہیں کہ وہ چور کون ہے؟ آج تم نگہبانی کرو۔ امیر نے کہا۔ آپ کا فرمان قبول ہے تب حضور سے رخصت ہو کر اپنے لشکر میں گئے۔ اکثر لوگ اس بات کو سن کر کہنے لگے کہ شاہ نے خوب کیا جو حمزہ کو طلایہ داری میں مقرر کیا۔ کیونکہ اگر چہ کوئی ایسا سالی ہے تو حمزہ کی دہشت سے ہرگز نہ ڈرے گا۔ اگر اہل عرب

ہیں تو وہ اس کے تابع ہی ہیں۔ کوئی نہ آنے پائیگا۔ غرض حمزہ کو اگر اس رات میں بدنامی نہ ہو تو بہتر ہے۔ لیکن بختک نے یہ حال سنکر نہایت عش عش کیا اور کہا سبحان اللہ بادشاہ کی کیا عقل ہے۔ کہ بکریوں کی رکھی بھیڑیئے کو دی۔ یہ شعور مندی اسی کو کہتے ہیں۔ پس امیر جو بادشاہ کے حضور سے رخصت ہو کر آئے اور اپنے لشکر میں گئے۔ تو سر شام دو سو جوان لیکر طلایہ میں گئے اور مقبل کو ان لوگوں کے ہمراہ لیکر باغ کے گرد گیا۔ اور ہر جگہ روشنی کی۔ جب پہر رات گذری تو عمر کو ساتھ لیکر مہر نگار کے قصر کی طرف چلے۔ مہر نگار کے پاس وہ تمام رات خوب عیش و نشاط میں گذاری۔ صبح کو مہر نگار سے رخصت ہو کر باہر آئے اور لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔

بارہویں داستان

قارون کی چوکیداری میں امیر کا زخمی ہونا اور اسی رات میں اچھا ہونا،

راوی لکھتا ہے کہ سلطان صاحبقران مہر نگار سے رخصت ہو کر اپنے لشکر میں گئے۔ صبح کو دربار میں آکر بادشاہ سے مجرا کیا۔ اور کہا بندہ حسب ذیل ارشادات کے چوکیداری کرتا رہا۔ لیکن کسی چور کو نہیں دیکھا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ تمہارے خوف سے آج کوئی نہیں آیا۔ سمجھا کہ جاؤں تو مارا جاؤں گا۔ بادشاہ خوش ہوا اور امیر کو خلعت سرا پا امداد کیا اور نہایت نوازش فرمائی۔ اس روز دربار کے برخاست ہونے کے وقت بختک نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کی کہ آج کی رات قارون دیوبند کو جو ساسانیوں کا بزرگ زادہ ہے باغ داد کے طلایہ کے لئے مقرر کریں تو بہتر ہے۔ بادشاہ نے فرمایا اچھا قارون کو اسی وقت بلاکر ارشاد کیا کہ شبستان حرم کی چوکی دو۔ اس نے قبول کیا۔ اور رخصت ہوا۔

دربار کے برخاست ہونے کے بعد بختک اس کے پاس گیا اور کہا۔ اے پہلوان تو پیشتر دیوبند کی اولاد میں سے ہے۔ اور شجاعت میں تیرے برابر کوئی نہیں ہے۔ اور تم نے بڑے بڑے کام کئے اور نیک و بد سے خوب واقف ہو۔ آج دریافت کر کیا گذرتی ہے اور وہ چور کون ہے۔ قارون نے جواب دیا اے بختک سفارش کی کچھ ضرورت ہے تو دیکھ کیسا کرتا ہوں۔ جب رات کا وقت آیا اس نے سو جوان پا پیادہ ساتھ لیکر محل کے گرد چوکیداری میں مشغول ہوا۔ لیکن اب میر مہر نگار کا حال عرض کرتا ہوں۔ کہ جب مہر نگار کو قارون کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ ایک چیخ مار کر روئی اور بدن میں لرزہ آیا۔ دائی نے یہ حالت دیکھ کر کہا اے مہر نگار خدا کے واسطے رحم کر اور آج کی رات حمزہ کا آنا موقوف کر۔ کیونکہ قارون بہت حرامزادہ

ہے ایسا نہ ہو کہ راز فاش ہو اور بدنام ہوں اور ہمارے واسطے تیرا پردہ فاش ہونا نہایت زبون ہے بادشاہ ہمکو مار ہی ڈالے گا۔

مہر نگار نے کہا اے دائی وہ جوان خود عاقل ہے چاہے تو نہ آئے۔ اب داستان امیر کی سنو۔ امیر کو قارون کی خبر ہوئی۔ جب رات دوپہر گذری تو براق شب روی منگا کر باغ کا ارادہ عمر نے امیر کو چلنے پر مستعد پایا تو دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگا۔ اور کہا۔ اے حمزہ کیا تجھے ایک رات بھی صبر نہیں آتا۔ تو نہیں جانتا کہ آج قارون دیوبند چوکیداری پر ہے اس کو اور پہلوان کے نہ جان وہ بلا بد ہے۔ جوانوں میں اس کے برابر کوئی زور آور نہیں۔ آج تحمل کر کل چلنا۔ امیر نے کہا۔ اے عمر عشق سے صبر بہت مشکل ہے اگر نہ جاؤں گا تو وہ معشوقہ دل میں کہے گی۔ کہ حمزہ قارون سے ڈر گیا۔ میں ضرور جاؤں گا۔ یہ کہکر قدم کو آگے بڑھایا۔ اور کہا کہ جس کو جان عزیز ہے وہ میرے ساتھ نہ آئے۔ عمر اور مقبل نے عرض کی کہ ہزار جان بھی ہماری ہو۔ تو آپ پر نثار ہے۔ ہم جان کے خوف سے نہیں کہتے۔ جو مناسب سمجھا ہے وہ آپکی خدمت میں گذارش کیا ہے۔ اگر آپ نہیں مانتے تو ہم ساتھ ہیں۔ غرض تینوں روانہ ہوئے۔

یہ رات ایسی اندھیری تھی کہ رات کو ہاتھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے اپنے آدمیوں سے کہہ کر دو گھڑی کے اندر حکم دیا ہے کہ بہت سی مشعلیں جلا کر باغ کے گرد پھریں اور آپ اندر جا کر کرسی پر بیٹھا اور خبرداری کرنے لگا۔ جب امیر باغ کے پاس پہنچے تو ایک طرف سے چوکیدار آواز دیتے ہوئے اور خبردار باش، بیدار باش کہتے ہوئے گذرا اور امیر نے اپنے آپکو ہو یاروں کے چھپایا۔ جب یہ طلایہ نکل گیا تو امیر باغ میں گئے۔ اور دور سے قارون کو دیکھا۔ تو مقبل نے عرض کیا۔ کہ اگر حکم ہو تو ایک تیر ماروں کہ کرسی سے دھل ہو کر رہ جائے اور لوگ اس کے سر پر جمع ہوں اور آپ شوق سے محل میں جائیں۔ فرمایا مجھے کسی سے کام نہیں ہے۔ جو میرا سد راہ ہوگا آپ سزا پائے گا۔

قصر کی دیوار سے آہستہ کمند لگا کر عمر کو ساتھ لیکر اوپر چڑھے اور مقبل کو نگہبانی کیلئے نیچے چھوڑا۔ جب امیر گیا تو مہر نگار بصد ہزار اندیشہ تھی اور امیر کی طرف خیال کر رہی تھی۔ جونہی صاحبزادی ان کو دیکھا تو اپنی جگہ سے جست کر کے گلے سے لگی یار اور کہا اے حمزہ کس طرح آیا؟ فرمایا جس طرح قابو پایا۔ مہر نگار نے امیر کو لیجا کر تخت پر بٹھایا اور مجلس نشاط بدستور گرم ہوئی۔ ہر دم طلایہ کی آواز سنتے تھے۔ جب رات آخر ہوئی تو امیر اس نازنین سے رخصت ہوئے اور عمر کو ساتھ لیکر باہر آئے۔ جب باغ کی دیوار پر پہنچے تو عمر پیچھے اترا اور امیر نے نیچے اترنے کا ارادہ کیا۔ تو قضارا قارون کھڑا اور دیکھا۔ کہ ایک سیاہ پوش اوپر سے اتر رہا ہے۔ گھوڑا دوڑا کر ایک تلوار ماری۔ مگر ایسا ہوا۔ کہ وہ تلوار اس بلا پوش سے اچٹ کر

کمند پر پڑی اور کمند کٹ گئی اور امیر کو نہ لگی۔ امیر نیچے کو چلے اور مقبل کو آواز دی۔ کہ مجھے روکنا۔ مقبل نے دونوں ہاتھ بڑھا کر امیر کو روکا چونکہ امیر بھاری تھے۔ سر دیوار سے لگ کر پھٹ گیا۔ مگر عمرو اور مقبل نے اس سے پہلے ہی اور آدمیوں کو تیروں سے اور پتھروں سے مارا۔ غرض وہاں زد و کوب کر کے امیر کو لے گئے اور اپنے لشکر میں آئے تو قارون معلوم کر گیا۔ کہ یہ حمزہ ہے اس لئے اس نے پہچانا کہا اور وہ آدمی کمند بادشاہ کے دکھانے کو لے گیا۔

اس ریشمی کمند میں حلقہ میں امیر کا نام کندہ تھا۔ بادشاہ دیکھتے ہی غضب میں آیا اور خواجہ بزرجمہر نے عرض کیا۔ کہ بندہ کو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ دشمنوں نے یہ غصب سے لکھا ہے۔ اس کا کام نہیں ہے۔ پھر قارون نے کہا۔ کہ حمزہ تو زخمی بھی ہوا ہے اور زخم اس کے سر میں لگا ہے۔ تب نوشیرواں نے حکم دیا۔ کہ حمزہ کو بلائیں ابھی معلوم ہو جائے گا۔ کہ اس کے سر میں زخم لگا ہے یا نہیں۔ کئی پروانچی امیر کی طلب میں روانہ ہوئے لیکن جس وقت امیر شکستہ ہو کر خیمہ میں داخل ہوئے تو قریب صبح کے وضو کیا اور نماز ادا کی۔ سر سجدہ میں رکھا اور جناب باری میں عرض کیا۔ کہ بار الٰہا تیری درگاہ سے کچھ دور نہیں۔ کہ نوشیرواں اور بختک لعین میرے سر میں زخم نہ دیکھیں۔ دعا مانگتے ہوئے زار زار رو رہے تھے۔ کہ آنکھ لگ گئی۔ کیا دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے اور اپنا دست مبارک امیر کے سر پر رکھا۔ جب آنکھیں کھلیں تو ان کے ہاتھ کی برکت سے اپنے سر پر زخم نہ دیکھا تو نہایت خوش ہوئے اور شکر کا سجدہ کیا۔ پروانچیوں نے خبر دی کہ بادشاہ نے آپ کو یاد کیا ہے۔ امیر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ شہزادہ ہرمز اس صبح کو شکار کے لئے گیا تھا۔ واپسی میں امیر سے ملاقات ہوئی اور باہم بادشاہ کے ہاں آئے۔ بادشاہ نے امیر کے سر پر کوئی زخم نہ دیکھا۔ تو امیر کو خلعت فرمایا اور لوگوں کے کہنے کو جھوٹ مانا۔

اس بات کو کئی دن گذر گئے اور بہرام کا زخم بھی اچھا ہوا۔ ایک دن بادشاہ کی بارگاہ میں تمام سردار حاضر تھے۔ تو بزرجمہر نے عرض کیا کہ کئی سال ہوئے۔ کہ ہندوستان سے خراج نہیں آیا۔ فرمایا کیا سبب ہے۔ کہا کہ سعدان شاہ بادشاہ ہندوستان کا بیٹا لندھور اپنے باپ کی جگہ ہندوستان کے تخت پر بیٹھا ہے وہ نہایت زبردست اور زور آور ہے۔ کہ ایک بڑا ہاتھی جو مست ہو [illegible] اپنے ہاتھ میں [illegible] اور ہاتھی کی سواری [illegible] [illegible] [illegible] خلاف [illegible] [illegible] [illegible] نہیں [illegible] [illegible] دربار میں حاضر [illegible] [illegible] فرمایا [illegible] [illegible]

نام ذکروں گا۔ یقین ہے کہ ساتھیوں میں سے کوئی بھی جرأت نہ کرے گا۔ لیکن حمزہ جو نام و نشان پر مرتا ہے۔ وہ ضرور قبول کرے گا۔ اگر ہندوستان میں جاکر لندھور سے لڑا تو یہ مقدمہ دو حال سے خالی نہیں کہ یا تو لندھور کے کے ہاتھ مارا جائے۔ یا لندھور مارا جائے۔ پس یہ دونوں باتیں آپ کے واسطے بہتر ہیں کیونکہ اگر یہ مارا گیا آپ سے سرکشی نہ کرے گا۔

بادشاہ یہ بات سن کر نہایت خوش ہوا۔ اور بزرجمہر کی عقل پر آفرین کی۔ دوسرے دن صبح کو جب تخت پر بیٹھے امراء اور وزراء حکیم و ندیم ومجدگی و ساسانی اور تمام ارکان دولت حضور میں حاضر ہوئے اور بدستور سابق اپنی اپنی جگہ اور منصب پر کھڑے ہوئے اور صاحبقران بھی رستم کے دنگل پر رونق افروز ہوئے تو بادشاہ نے فرمایا کہ شربت اور طعام لاؤ۔ جب اس سے فراغت کر چکے تب ساقیان سیمین ساق بادہ ہائے رواق گردش میں لائے۔ اور دو چار دور چل چکے۔ تو نوشیروان نے بآواز بلند کہا اے گردان نامدار و اے پہلوانان روزگار میرا ایک نہایت زور آور دشمن ہندوستان میں ہے۔ اور وہ کسی کو اپنے برابر نہیں سمجھتا۔ کوئی جائے اور اس کا سر کاٹ کر لائے تو میں اپنی بیٹی مہرنگار کی شادی اس کے ساتھ کروں گا۔ مہرنگار حمزہ کا سہرا ہے۔ جس کو یہ بات منظور ہو عرض کرے۔

بادشاہ کی زبان سے یہ سن کر ہر ایک نے اپنے دل میں کہا کہ اس بات کا اقرار وہ کرے جس کو اپنی زندگی دشوار ہے۔ ہم کہاں اور وہ کہاں۔ ہندوستان جب سفر دریا سے بچ کر وہاں پہنچیں اور اس پر فتحیاب ہوں تب کہیں یہ بات میسر آسکے۔ اپنے آپ کو ناحق بلا میں پھنسانا اچھا نہیں۔ کسی نے یہ جرأت نہ کی۔ جب امیر نے دیکھا کہ کوئی دم نہیں مارتا تب اپنی کرسی سے اٹھے اور بادشاہ کو دعا دی اور کہا کہ اگر امر عالی ہو تو بندہ وہاں جائے اور اپنی جان کو ظل سبحانی کے حکم پر فدا کرے۔ پروردگار کی توفیق اور شہریار کے اقبال سے جا کر اس کو زیر کروں اور لندھور کا سر حضور میں لاکر حاضر کروں۔

بادشاہ یہ سن کر شگفتہ خاطر ہوئے اور فرمایا تین جنگی جہاز ایسے کہ ہر ایک میں ایک ہزار جنگی سپاہی کی گنجائش ہو شتر بیچ تیار ہوں اور سلاح آہن گرد وغیرہ اس میں مستعد ہوں۔ بزرجمہر نے اس کے واسطے تاکید کی اور امیر بادشاہ کی خدمت سے رخصت ہو کر اپنے لشکر میں گئے اور حکم دیا کہ ہماری کوچ کر کے دریا کے کنارے پر جائے اور زنجیروں کو تیار کرائے۔ پھر عمر کو خلوت میں بلا کر فرمایا کہ یارا روانگی جی چاہتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی طرح مہرنگار کو دیکھنا چاہئے۔ عمر نے کہا۔ اے امیر اگر آپ کا ارادہ ہے۔ تو بندہ کوشش کرتا ہے۔ خواجہ بزرجمہر سے موافقت کیجئے تو البتہ ہو سکتا ہے۔ فرمایا بھائی عمر اس بات میں سعی کرے تو میں پانچسو تمن تجھ کو دوں گا۔ ایک رقعہ لکھ کر عمر کو دیا کہ یہ بزرجمہر کو دینا جس میں لکھا تھا کہ

فلک کی گردش اور زمانہ کی آفت سے آپ کی صحبت اور شرف اور ملازمت سے دُور ہونا ہوا۔ کہ ہندوستان کا سفر درپیش ہے۔ اب جہاں جاؤنگا وہاں کے لوگ کہیں گے۔ کہ شاہ ہفت اقلیم کا داماد آیا ہے۔ لیکن اس وقت التماس یہ ہے آپ شاہ سے عرض کریں کہ سرمجلس شربت پلایا جائے۔ تب میں بھی جانوں کہ مہرنگار مجھ سے نامزد ہوئی اور یہ کام سوائے کسی اور کے نہ ہو سکے گا اور آپ سے زیادہ کوئی رفیق شفیق دوست میرا مدائن میں نہیں ہے۔

عمر نے مدائن میں جاکر بزرجمہر سے مُلاقات کی اور تمام احوال زبانی کہا اور وہ خط دیا۔ اور پڑھکر عمر کو ساتھ لیا۔ اور بادشاہ کے حضور میں آکر مجرا کیا۔ اور دعا کے بعد عرض کی۔ کہ قبلہ عالم نے امیر کو اپنا داماد کیا اور خداوند کی رائے عالی پر روشن ہو۔ کہ حمزہ جس مقام پر جائیگا آپ کا داماد مشہور ہوگا۔ اور وہ جان نثاری کرکے آپ کے حکم کے بموجب چلا ہے۔ لیکن یہ کیسی دامادی کہ شربت بھی نہ پیا گیا۔ نوشیروان سُن کر ہنسا اور کہا۔ کہ کیا مضائقہ ہے۔ کہ حمزہ کو بلاؤ جس وقت امیر آئے بادشاہ نے شربت طلب کیا۔ بزرجمہر نے عرض کی کہ خداوند شربت کا پینا شبستان میں لازم ہے۔ بادشاہ نے قبول کیا اور خواجہ کو فرمایا کہ حمزہ کو مع عمر اور مقبل کے محل میں لے جاؤ۔ اور مہرنگار کے ہاں ذرا ٹھہر جاؤ امیر کو شربت پلائے۔ اور پردہ کے نیچے سے کہے کہ مہرنگار تمہاری امانت ہے۔ تم بادشاہ کے دشمن کو مارو۔ تب اس کے ساتھ تمہاری شادی ہوگی۔ غیر اس کے تمام شربت پئیں۔ جب نوشیروان نے کہا۔ تو خواجہ نے عمر کو بھیجکر صاحبقران کو حضور میں بلوایا۔ جس وقت عمر نے امیر کو یہ مژدہ سُنایا تو وہ نہایت خوش ہوئے اور مقبل کو ہمراہ لے کر بادشاہ کے حضور میں آداب بارگاہ سے مجرا کیا۔

بادشاہ نے حمزہ کو بزرجمہر کے ہمراہ شبستان حرم میں بھیجا۔ جب امیر محل کی طرف چلے۔ تو بختک بدنہاد یہ خبر سُن کر بے تاب ہوا۔ کہ اگر امیر محل میں گیا۔ تو مہرنگار کو ضرور دیکھے گا۔ تو بھی چل کر دیکھوں کہ وہ دیکھنے نہ پائے۔ یہ سوچکر وہ اپنے خچر پر سوار ہوا۔ جب حرم کا دروازہ نزدیک آیا۔ امیر نے عمر کے کان میں آہستہ سے کہا۔ کہ بختک بے طرح ساتھ ہو لیا۔ اگر کسی طرح اس کو روک لے تو دو سو تومن تجھکو دونگا۔ عمر نے زبان عیاری میں کہا۔ آپ شوق سے چلئے کہ میں اسے روکتا ہوں۔ جب بختک آگے بڑھا تو عمر نے اس کے خچر کی باگ پکڑلی۔ اور کہا کہ خواجہ بختک ہم ہندوستان کو جاتے ہیں جب خدا لائیگا تو پھر ملیں گے۔ تمہارا پانچسو کا تمسک جو میرے پاس ہے اس کے روپے دو کہ میرا بھی راہ کا خرچ چلے۔

بختک نے کہا کہ عجب ہنگام ہے کہ ساتھ کام جاتا ہوں تو تُو مجھے روکتا ہے۔ کہ روپیہ دو

میں روپے سے واقف نہیں جا بادشاہ کی عدالت میں نالش کر۔ اگر مجھ پر دینے ثابت ہوں گے تو دونگا
عمر نے کہا۔ یہ بات ہے۔ میں فریاد تب کروں جب تم سے کسی طرح کمزور ہوں۔ ایک قدم آگے نہ بڑھنے دونگا
جب تک لے نہ لوں گا۔ آپ کسی کو بھیجکر منگا لیجئے۔ تب مخنک نے بہت زچ ہو کر اپنے غلاموں سے کہا کہ
اس بیحیا کو یہاں سے نکالو۔

عمر نے اس کے منہ سے یہ بات سنتے ہی ایک جست کی اور خچر پر مخنک کے پیچھے جا بیٹھا۔
اور خنجر کی نوک اسکی پیٹھ پر رکھدی اور کہا قسم ہے خدا کی اگر تیرے غلام میرے نزدیک آئے تو ایسا خنجر مارونگا
کہ اسکی نوک تیری پیٹھ سے پار ہو جائے گی۔ خنجر کی نوک اسے ایسی چبھی کہ گویا دم نکل گیا اور اپنے غلاموں کو
منع کر دیا۔ عمر نے مخنک کے سر میں خنجر کا ایک دستہ ایسا مارا کہ سر پھوٹ گیا اور خون بہ چلا۔ تب مخنک
زار و زار روتا ہوا بادشاہ کے حضور میں سر شکستہ اور اپنی پگڑی بادشاہ کے آگے دے ماری اور گریبان
چاک کیا۔ اور کہا۔ خداوند دیکھئے عمر نے غلام کی یہ حالت کی ہے۔ بس اب معاملہ یہاں تک پہنچا ہے۔
کہ عیار پیشہ سر بازار بیحرمت کرے اور سر پھوڑے۔ بادشاہ کو یہ حرکت بری معلوم ہوئی۔ فرمایا عمر کو بلاؤ
جب عمر آیا تو بادشاہ نے فرمایا۔ کہ مخنک سے حرکت کیوں کی۔ جواب دیا۔ کہ آپ خداوند ہیں عدالت فرمائیے
کہ خطا بندہ نے کی ہے یا اس نے۔ سر بمہر تمسک دیکھئے۔ کہ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اور بندہ کو
آپ نے ہندوستان بھیج رہے ہیں۔ خدا جانے قسمت کب لاوے میں نے اس سے تمسک کے روپے
طلب کرنے کو کہا اور کچھ نہ کہا۔ اس کو لازم تھا۔ کہ اپنی طرف سے بھی کچھ دے دیتا کیا گذرا۔ اصل مانگتا
ہوں تو اس نے غلاموں سے مجھے بیحرمت کرایا اور گالیاں دیں۔ میں نے بھی لاچار ہو کر اپنا ہاتھ چھوڑ دیا
اس میں بندے کی خطا ہو تو سزا دیں۔

بادشاہ نے کہا اس میں تیری خطا نہیں معلوم ہوتی سراسر گناہ اسی کا ہے۔ اگر
تمسک ہے تو یہ روپیہ ضرور دے گا۔ عمر نے تمسک نکال کر گوشہ تخت پر حضور کے آگے رکھدیا۔ بادشاہ
نے دیکھا کہ تمسک واقعی درست ہے فرمایا اس کا روپیہ اسے دے نہیں تو کچھ اچھا نہ ہوگا۔ مخنک بادشاہ
کے آگے لاچار ہوا اور بادشاہ کے خزانہ سے قرض لیکر رکھا اور عمر کو دیا۔ اور تمسک لے لیا۔ عمر اور مخنک
کو بادشاہ نے ملوا دیا۔ مخنک بیچارہ سر شکستہ اپنے گھر کو گیا اور عمر بادشاہ سے رخصت ہو کر ہندوستان کی طرف
روانہ ہوا۔ خواجہ بزرجمہر وہاں بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ کہ امیر اور مقبل پہنچے ان کے آنے کی خبر پہنچی مشہور
ہونا چاہا تو زر انگیز بادشاہ نے ان کے واسطے فرش کرایا اور مسند بچھوائی اور امیر کو بلوا کر اس پر بٹھایا اور مہرنگار
کو لیکر پردے کے پیچھے بیٹھی اور شربت تیار کرنے کا حکم دیا۔ عمر جب چل کر محل کی ڈیوڑھی پر پہنچا کہ اندر جائے

تو دربانوں نے اس کے ڈرانے کو لکڑی کھڑی کی اور کہا۔ تو کون ہے۔ کس کے حکم سے اندر آتا ہے؟ دربان کی یہ بات سن کر اپنی دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھکر لوٹ گیا۔ اور شور کر کے کہنے لگا۔ کہ دربان تیرا برا ہو۔ تو نے مجھے اندھا کر دیا۔ اور عجیب معاملہ ہے کہ لڑکوں کو اندر بلا کر جو چاہتے ہیں سو کرتے ہیں۔ یہ ظلم ہے زرانگیز بانو کے کان میں جو یہ آواز آئی۔ تو لوگوں سے کہا۔ کہ خبر لو یہ کون ہے؟

امیر نے عمر کی آواز پہچانی۔ جو کچھ کہہ رہا تھا۔ کہ اندھا ہوا۔ امیر اور مقبل ہنس کر بے اختیار دوڑے۔ خواجہ بزرجمہر نے بھی تصور کیا۔ کہ عمر کو شاید کچھ آسیب پہنچا ہے۔ زرانگیز بانو نے بزرجمہر کو بھیجا۔ کہ تم جا کر خبر لو کہ کیا بات ہے؟ سب لوگ جا کر عمر کے سر پر جمع ہوئے اور دیکھا۔ کہ دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھکر عجیب طرح کی بیقراری کر رہا ہے۔ امیر نے کہا۔ بھائی اپنی آنکھوں پر سے ہاتھ تو اٹھاؤ۔ دیکھیں کیا ہوا ہے۔ اگر پذیر ہو تو خواجہ علاج کریں گے۔ عمر ہاتھ نہ اٹھاتا تھا۔ بڑی مشکل سے اسکی آنکھوں پر سے ہاتھ جدا کئے۔ اور دیکھا۔ کہ کچھ خلل معلوم نہیں ہوتا۔ آنکھ بالکل ٹھیک ہے۔ امیر نے کہا یہ کیا شرارت تھی جو ہمکو ناحق ڈرایا۔ عمر نے کہا۔ آپ کے سر کی قسم ہے۔ کہ اس نے لکڑی اٹھائی تھی۔ اگر مارتا تو میری آنکھ پر ہی لگتی۔ میں نے کچھ جھوٹ نہیں کہا۔ سب بے اختیار ہنس پڑے اور خواجہ سراؤں نے جا کر یہ احوال ملکہ زرانگیز بانو سے کہا۔ یہ بھی سنکر متعجب ہوئی۔ کہ عجیب آدمی ہے اسے بلایا۔ امیر عمر کو لیکر اندر گئے اور بیٹھا دیا۔ ملکہ نے شربت کا حکم دیا کہ حمزہ کو پلاؤ۔

جب شربت پی چکے تو زرانگیز بانو نے پردے کی اوٹ سے کہا۔ کہ حمزہ ہم نے تم کو دامادی میں قبول کیا۔ تم ہندوستان جاؤ۔ اگر لندھور کو مار آئے۔ تو مہرنگار جو تمہاری امانت ہے اسی خزانہ سے جو تم لاؤ گے۔ تو شادی کریں گے۔ زرانگیز بانو نے یہ بات کہی تو عمر نے خواجہ بزرجمہر کی طرف منہ کر کے کہا۔ کہ آپ ہمکو دیوار دکھانے کی خاطر لائے ہیں۔ نہیں شرط مروت یہ ہے کہ ہم شاہ پر جان تصدق کرنے کے لئے ایک سرے پر ہندوستان کو جا پہنچے اور اس کو زیر کر کے خراج شاہی لیں۔ جب تک مہرنگار کی صورت سے واقف نہ ہوں اور جب تک ہم ادھر سے واپس آئیں خدا جانے آپ کس کے ساتھ حمزہ کی شادی کریں۔ قصہ بادشاہ کے ملک کی جب تک ہم مہرنگار کو نہ دیکھیں گے سیستان حرم سے باہر نہ جا بیٹھیں گے۔ غرض عمر نے ایسی ایسی باتیں کیں۔ کہ زرانگیز بانو ہنس پڑی اور فرمایا۔ کہ امیر اور مقبل پردے کے اندر آئیں اور مہرنگار کو دیکھیں۔ بزرجمہر ان کو اندر لے گئے اور زرانگیز بانو کے پاس بیٹھے امیر مہرنگار کو اپنی ماں کے پہلو میں بیٹھی دیکھکر بیحد حیرت زدہ ہوئے

زرانگیز بانو نے امیر کو دیکھتے ہی اپنی دامادی میں قبول کیا۔ جب رخصت کا وقت آیا تو بزرجمہر نے مہرنگار سے کہا۔ اگر آپ نے امیر کو قبول کیا۔ تو اس کو کچھ اپنی نشانی دو۔ کہ یہ پاس رکھے اور آپکو فراموش نہ کرے۔ مہرنگار کے ہاتھ میں زمرد کی ایک انگوٹھی تھی۔ اتار کر امیر کو دی اور امیر نے اپنے ہاتھ کی خاتم اسکی عوض میں مہرنگار کو دی۔ جب اٹھنے کا وقت تھوڑا رہا۔ تو عمر نے ہاتھ باندھکر زرانگیز بانو سے کہا۔ کہ بندہ کچھ عرض رکھتا ہے۔ فرمایا۔ کیا۔ کہا یہ احقر مہرنگار کی دایہ کی دایہ کو طلب کرتا ہے کہ اس کا کچھ نشان اگر بندے کو دو تو پاس رکھے بہتر ہے۔ زرانگیز بانو سے کہا۔ تو بھی کچھ عمر کو دے۔ اس نے کئی سو تمن کی قیمت کا عطردان دیا۔ تب عمر سے کہا تو بھی کچھ اس کو دے۔ عمر نے کہا۔ ضرور دوں گا۔ یہ کہکر جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اور ایک خرما اور اخروٹ نکال کر اسے دیئے۔ اور اس سے کہا۔ اسے احتیاط سے رکھنا۔ اور مجھے فراموش نہ کرنا۔ تمام لوگ اس حرکت سے ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔ زرانگیز بانو نے امیر کو اپنے ہاتھ سے شربت پلایا۔ اور باقی لوگوں کو خواجہ سراؤں نے۔

شربت سے فارغ ہوکر امیر باہر آئے۔ اور بارگاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب امیر کی سواری جلوہ خانہ میں پہنچی۔ تو خواجہ بزرجمہر نے عمر عیار کو کہا۔ کہ جا یا تو لشکر اسلام میں مرزبان نامدار کو خبر کرو وہ سب مستعد ہوں گے۔ کہ امیر کو بادشاہ سے رخصت کروا لاتے ہیں۔ عمر تو لشکر کیطرف گیا۔ اور خواجہ امیر کو ہمراہ لے کر اپنے مکان پر گئے اور کہا یہاں بیٹھے رہیں حضور سے رخصت ہوکر یہاں آتا ہے۔ یہ کہہ کر سوار ہوئے اور شاہ کے پاس جاکر مبارکباد دی۔ اور ملکہ نے ہمزہ کو شربت پلایا۔ اور دامادی میں قبول کیا۔ ایک دو ساعت خلوت میں باتیں رہیں پھر حضور سے رخصت ہوکر اپنے گھر گئے امیر سے اختلاط شروع ہوا اور ہر طرح کی نصیحت کی کہ ہندوستان میں یہ کام کرتے ہیں۔

یہ کہکر شربت منگایا۔ امیر کو پلایا۔ اس شربت میں دارو بے ہوشی ملا ہوا تھا۔ کہ ایک ساعت بھی نہ گذری تھی۔ کہ امیر کا سر گردش میں آیا اور چھینک کر بے ہوش ہوئے۔ تو بزرجمہر نے امیر کو پلنگ پر لٹایا اور صندوقچہ جراحی منگوا کر اس سے استرہ نکالا اور امیر کے پہلو کو چیر دیا۔ اور اسمیں خندق کے برابر ایک مہرہ رکھکر اوپر ٹانکے دیئے۔ اور مرہم کا پھاپہ لگایا تو مقبل نے پوچھا کہ خواجہ یہ کیا ہے۔ کہا اسے شاہ مہرہ کہتے ہیں۔ ہندوستان میں امیر کو ایک شخص زہر دیگا۔ سوائے اس کے اس زہر کا کوئی علاج نہیں خبردار کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ جبتک کہ عمر کے ہاتھ سے مار نہ کھاتا نہ بتلانا۔ مقبل سے یہ کہکر کہ امیر کو ہوش میں لائے اور مرہم داؤدی سے زخم کو اچھا کیا۔

امیر اور خواجہ یہ باتیں کر رہے تھے۔ کہ عمر بھی لشکر اسلام میں آیا۔ خواجہ نے صاحبقران کو

رخصت کیا۔ امیر مع عمر و مقبل لشکر اسلام کو لیکر دریائے بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب کنارے پر پہنچے۔ تو ان تین منزلے جہازوں میں مع اپنے تیس ہزار سواروں کے سوار ہوئے۔ جو نوشیروان کے حکم سے وہاں کھڑے تھے اور تمام اسباب چڑھا کر مقرر ہوا۔ کہ کل صبح کو لنگر اٹھاویں گے۔ عمر اس جہاز سے نیچے اتر کھڑا ہوا اور امیر کو کہنے لگا۔ کہ خدا آپکو بخیر و خوبی ہندوستان پہنچائے اور وہاں سے لے آوے۔ بندہ کو رخصت کیجئے۔ مگر بندہ جن اور جادو اور اژدھائے اور پانی سے بے آوے۔ اگر خواجہ صاحب کی خدمت میں کوئی خط دینا ہو تو دیجئے نہیں تو بندہ جاتا ہے۔ کعبے میں جا کر آپکی خاطر جناب باری میں دعا مانگیگا۔ کہ خدا آپکو شہریاری دے۔ امیر نے دیکھا۔ کہ کسی طرح ہمارے ساتھ نہ آئیگا۔ کسی فریب سے لے چلیئے۔ کہا بھائی عمر بہت اچھا۔ کسی کو میں زور سے نہیں لے جاتا جس کا جی چاہے چلے جس کا جی چاہے نہ چلے۔ خیر! تم مکہ کو جاؤ لیکن ایک ساعت جہاز پر آکر بیٹھو۔ کہ میں تم کو خط لکھوں اور کچھ تمہارے لئے اور مقبل کے لئے تحائف ... ساتھ کر دوں۔

عمر نے کہا۔ اس کا مضائقہ نہیں۔ ایک کشتی پر سوار ہو کر جہاز میں آیا۔ امیر نے خط لکھکر عمر کو دیا اور کچھ تحائف منگوا کر آگے رکھے اور کہا۔ یہ تمام والدین کی خدمت میں گذراننا۔ آپ گوشہ خاطر سے کمترین کو فراموش نہ کیجئے۔ اور تمہیں خدا کے حوالے کیا۔ آؤ گلے مل لیں۔ پھر خدا جانے کب ملاقات ہوگی۔ امیر نے بغلگیری کے بہانہ سے عمر کو پکڑ لیا۔ اور کہا۔ لنگر اٹھاؤ۔ جونہی لنگر اٹھائے جہاز دریا میں ہوئے اور کنارے سے بہت دور نکل گئے۔ تب امیر نے عمر کو چھوڑ دیا۔ عمر جہازوں پر دوڑنے لگا۔ لشکر اسلام میں یہ قاعدہ تھا۔ کہ سفر درپیش ہوتا تھا۔ کہ جہازوں کو حلقوں اور قلابوں سے باندھا کرتے تھے۔ کہ ہوا اور طوفان میں جدا نہ ہوں۔ عمر ہر جہاز کے قلابوں پر دوڑنے لگا۔ اور چار گھڑی تک حیران ہوا۔ پھر ناامید ہو کر چاہتا تھا۔ کہ امیر کی طرف پھرے ناگاہ اسے دریا میں ایک ٹاپو دکھائی دیا جس کا عرض و طول قریب بیس گز کے تھا۔ عمر وہ زمین دیکھکر بہت خوش ہوا جی میں کہا۔ کہ اس خشکی پر بیٹھ رہوں جب کسی راہگیر کی ناؤ آئے گی تو اس پر سوار ہو کر کنارے پر جاؤں گا۔

یہ خیال کرکے جہاز سے کود پڑا۔ لیکن وہاں ایک مچھلی جو کہ ہوا خوری کو اوپر تیرتی تھی۔ اس کی پیٹھ پر جونہی عمر کے پاؤں کی دھمک لگی اس نے پانی میں غوطہ مارا اور ڈوب گئی۔ تب عمر غوطے کھانے اور امیر کو پکارنے لگا کہ صاحبقران خدا کے لئے بچاؤ نہیں تو ڈوب رہا ہوں۔ امیر نے ملاحوں سے کہا یہ ڈوبنے نہ پائے۔ ملاح دریا میں کود پڑے اور عمر کو نکالا اور جہاز پر لائے۔ تب عمر ایک گوشہ میں بیٹھا۔ اور رونا چھوڑ دیا۔ کیا عقلمندوں نے کہا ہے۔ [illegible] گرفتار آتا ہے۔

ایک مہینہ کے بعد جہاز ایک جزیرے میں پہنچے ہنوز کنارہ قریب چالیس گز کے باقی تھا تو عمر جست کرکے خشکی پر پہنچا۔ تو امیر نے بھی جہازوں کو وہاں لنگر کرایا۔ اور تمام سرداروں کو ساتھ لیکر آپ بھی زمین پر اترے اور فرمایا کہ جہازوں میں میٹھا پانی بھرلو۔ اور کپڑے بھی صاف کرالو۔ کہ کل پھر لنگر اٹھائیں گے سب اپنے اپنے کام میں مشغول ہوئے۔ اور عمر اس میدان میں دوڑنے لگا۔ کہ راہ ملے تو یہاں سے چلا جاؤں۔ ناگاہ ایک سایہ کے تلے ایک شخص نے عمر کو دوڑتے ہوئے دیکھا۔ اور نام لیکر السلام علیکم کیا۔ اور کہا۔ کہ اے خواجہ خوب کیا۔ کہ تو یہاں آیا۔ میں تیرا خالو ہوں۔ ایک مدت سے ہندوستان میں تھا۔ بہت مال و اسباب جمع کرکے کشتی پر سوار ہوگیا۔ اور تیرے دیکھنے کو چلا۔ اور وطن کو یاد کیا۔ راہ میں جب اس مقام پر پہنچا۔ کہ جہاز غرق ہوا۔ تو میں صندوقچہ جواہرات کا لیکر ایک تختہ پر چڑھا۔ ہوا نے کنارے پر لگایا تو میں اس جزیرہ میں تب سے رہتا ہوں۔ اور وہ جواہرات کا صندوقچہ میرے پاس ہے۔

عمر نے کہا۔ کہ میرا خالو کوئی نہیں ہے۔ لیکن جواہرات کا جو نام سنا تو کچھ نہ کہا۔ اس کے پاس آکر چپکا بیٹھ گیا۔ عمر نے اس سے کہا۔ کہ اے خالو جان معذور رکھنا۔ کہ میرے پاؤں میں طاقت نہیں جو اٹھکر تیری تعظیم کروں۔ کہا کہ اس درخت سے کچھ توڑ کر کھلائے تو میرا جی خوش ہو۔ عمر نے کہا۔ یہ کیا بڑی بات ہے میں ابھی درخت پر چڑھکر توڑ لاتا ہوں تمہارا جتنا جی چاہے کھالو۔ اس نے کہا میرا مطلب یہ نہیں ہے بلکہ [illegible] اپنے ہاتھ سے توڑ کر کھاؤں۔ اگر ایسا کرو تو میرا دل خوش ہوگا۔ [illegible] کیا اور وہ عمر پر سوار ہوا۔

راوی لکھتا ہے۔ کہ وہ دوال پا تھا۔ اور پاؤں تسمہ کی [illegible] تھوڑی عمر کی پیٹھ پر چڑھا اپنے پاؤں سے عمر کو باندھ لیا اور کہا دوڑ۔ عمر اچھے [illegible] چھڑانا چاہتا تھا۔ مگر اس نے ہاتھ بھی خوب جکڑ لیا۔ تب عمر ناچار ہوا اور سمجھ لیا۔ کہ مطلب اس کا دوڑانا ہے۔ وہ دوڑا اور کانے لگا۔ وہ دوال عمر سے نہایت خوش ہوا۔ اور کہا خوب گھوڑا ملا۔ عمر نے جی میں کہا۔ تو بلا میں پھنسا اور اب اس کے ہاتھ سے کس طرح چھوٹوں۔ تب جی میں کہا۔ کہ امیر کی طرف چل وہ تجھے اس سے چھڑادیں گے۔ یہ ارادہ کرکے امیر کی طرف چلا اور وہاں جاکر دیکھا۔ کہ سلطان صاحبقران اور تمام سرداروں پر دوال پا سوار ہیں۔ عمر دیکھکر [illegible] ہوا۔ [illegible] ایک آہ سرد کھینچی۔ اور اس وقت [illegible] سلام کرتا ہے۔ غرض دوال پا سواران سب کو دوڑاتے تھے۔ کوئی کہتا۔ کہ میرا گھوڑا خوب دوڑتا ہے۔ اور کوئی کہتا۔ یہ مرکب کا قدم خوب۔ غرض انہیں شرط کرکے دوڑاتے تھے۔ اور بیچارے عادی پہلوان کی بھی عجیب حالت

تھی گرتا اور ناچار ہوکر پھر چلتا۔ چونکہ عمر سب سے زیادہ چالاک تھا دوڑکر آگے نکل گیا۔ جب قریب دو کوس کے گیا تو دیکھا کہ ایک پہاڑ کے نیچے خوشہ انگور با مراد لگے ہوئے ہیں۔ اور ٹپک ٹپک کر شراب ہو رہی ہے اور ایک طرف کدو خوب صراحی دار خشک و تر دور تک لگے ہوئے ہیں۔ ایک عجیب کیفیت آرہی ہے عمر یہ دیکھکر نہایت خوش ہوا۔ اور کہا۔ اے عزیز! تیرے بڑے طالع ہیں جو مجھ سے ملاقات ہوئی۔ اور میں تجھے لیکر یہاں آیا۔ اور یہ درخت وہ ہے کہ۔ ایک مرتبہ میں نے اس کا عرق پیا تھا جو اس قدر دوڑتا ہوں۔ یہ اثر اسی کا ہے۔ اگر اس وقت میرے دوڑنے کا تماشہ دیکھنا چاہتے ہو۔ تو ایک تو کدو توڑکر صراحی بنا اور اسمیں یہ عرق بھر کر ساتھ لے۔ جب میں مانگوں تو تھوڑا سا میرے حلق میں چوانا۔ اس نے قبول کیا۔ عمر اس کو تونبہ کے درخت کے نیچے لے گیا۔ اور اسمیں سے ایک کدو توڑکر اسکی صراحی تیار کی اور اس میں شراب بھری۔ اور کئی قطرے عمر کے حلق میں چوائے۔

عمر شراب پی کر گانے لگا۔ پھر ایک میدان میں اس قدر دوڑا۔ کہ دوال نہایت ہی خوش ہوا۔ اور کہنے لگا۔ کہ او گھوڑے میں جب تک زندہ رہوں گا تیرے سوا کسی اور مرکب پر سوار نہ ہونگا تیرا ہنہنانا مجھے پسند ہے۔ اور دوڑنے کی تو بات ہی کیا ہے۔ تیرے قدم کو کوئی نہیں مل سکتا۔ عمر نے کہا ابھی کیا ہوا جوں جوں اس کا اثر ہوگا تب تماشہ دیکھوگے۔ مگر تم نہ پینا۔ دوال اپنے جی میں سمجھا۔ کہ یہ آدمی آپ تو پیتا ہے اور مجھے روکتا ہے۔ تو بھی پی۔ اور خیال کیا کہ اسمیں بڑا فائدہ ہے۔ اس لئے کدو کو منہ سے لگایا اور پینے لگا۔ عمر نے کہا خبردار تمام مت پینا۔ میری خاطر بھی تھوڑا سا رکھنا۔ دوال پا کو مزہ آیا تو آدھی صراحی پی گیا۔ تب اس کو خوب نشہ ہوا اور بیہوشی ہوئی۔ شراب کا قاعدہ ہے۔ کہ جوں جوں پیا جائے توں توں خواہش زیادہ ہوتی ہے۔ مزے میں آکر باقی کی آدھی صراحی بھی پی گیا۔ تب وہ اس کے نشہ میں غرق ہوکر مست ہوا۔ وہاں جاکر دیکھا۔ کہ ابھی سب گرفتار دوال پا ہیں۔ کہنے لگا بتاؤ ہارو کیا حال ہے؟ اگر مجھکو کچھ دینا قبول کرو تو ان کے ہاتھ سے چھڑاؤں۔ ورنہ خیر۔

یہ سن کر ہر ایک نے عمر کی منت کی اور روپے بھی دینے قبول کئے۔ تب عمر نے ان سب کو اپنی حکمت سے ان دوال پاؤں سے چھڑایا۔ اور جتنے پا تھے انکو مار ڈالا۔ لیکن دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ ہر ایک پہلوان نے انکو مار ڈالا۔ ان بلاؤں سے نجات پاکر خدا کو یاد کیا اور فوراً وہاں سے اپنے اپنے جہازوں پر چڑھ گئے۔ کہ یہ جزیرہ ہندوستان کا ہے۔ خدا جانے اور کیا آفت آئے۔ اور جہازوں کے لنگر اٹھا دیئے جہازوں سے باہم ادھر چلے۔ دو مہینے کے قریب دریا میں چلتے رہے۔ تب دیکھا کہ پینے کا پانی کم ہوگیا ہے اور کچھ لوگ پیاس سے بیچین ہو گئے ہیں۔ خیال کرکے جہازوں کو ایک جزیرہ پر

لنگر کرایا اور تمام لوگ نیچے اتر کر اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوئے۔

تیرہویں داستان

اس طرح روایت ہے۔ کہ اس جزیرہ میں جہازوں کے لنگر ہوئے اور اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوئے عمر کی نگاہ جو اس بیابان کیطرف گئی تو دیکھا۔ کہ کوسوں تک ہری گھاس کا سبزہ عجیب لطف دکھا رہا ہے اور پانی کے چشمے ہر طرف بھرے ہوئے نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ عمر کے جی میں آیا۔ کہ غسل کیجئے۔ تھوڑی دور جاکر تالاب کے کنارے اپنا اسباب عیاری اتار کر رکھ دیا اور پانی میں نہانے لگا۔ اور پنڈلیوں کو ہلا کر غوطہ لگایا۔ اور سر پانی سے باہر نکالا اور کنارے پر دیکھا تو اسباب نظر نہ آیا۔ سمجھا کہ امیر نے خوش طبعی سے چھپایا ہوگا۔ از بس کہ ننگا تھا مارے شرم کے پانی سے باہر نہ نکلا اور شور کرنے لگا۔ کہ یہ کیا خوش طبعی ہے۔ مجھ کو ایسی حرکت نہیں بھاتی۔

اس کے شور کی آواز امیر نے سنی۔ اور خیال کیا کہ شاید کسی دوال پائے نے عمر کو پکڑا ہو۔ اس طرح چلاتا ہے۔ کئی رفیق ساتھ لے کر دوڑے اور کہا۔ تجھے یہ چونچلے اچھے نہیں لگتے۔ امیر نے کہا۔ میں نہیں سمجھا۔ کہ تم کیا کہتے ہو۔ عمر نے کہا۔ یہی کہتا ہوں کہ میرے کپڑے کیوں چھپائے؟

امیر نے کہا۔ تمہارے سر کی قسم ہے مجھے کچھ خبر نہیں۔ عمر نے کہا تب یہاں سے اور کون لے گیا ہے؟ یہی باتیں کر رہا تھا۔ کہ ایک طرف سے کھٹکے کی آواز آئی۔ تب چاروں طرف کو دیکھا۔ تو کیا نظر آیا۔ کہ سینکڑوں بندر درختوں پر کودتے پھرتے ہیں۔ اور تمام اسباب ان کے پاس موجود ہے۔ وہ آپس میں اسباب سے کھیل رہے ہیں۔ عمر نے کہا۔ کہ دیکھو انکی موت آئی ہوئی ہے۔ کہ میرے اسباب کو لے گئے ہیں۔ آپ کسی کو بھیجکر میری عیاری کا دوسرا بقچہ جہاز سے منگا دیجئے۔ اور پھر دیکھیں۔ کہ کس طرح میں ان سے اپنا اسباب لیتا ہوں۔ تب چوبداروں نے عمر کے اسباب کی گٹھڑی لا کر دی۔ تو اس قول کے مطابق جو کہ اپنا نارنج اس زور سے ہوا پر اچھالا اور پھر نیچے آتے ہوئے ہاتھوں پر روک لیا۔ ان بندروں میں سے جس کے ہاتھ میں نارنج تھا۔ ان بندروں کی تقلید کرتا ہے۔ پہلے اس نے وہ نارنج زور سے ہوا پر اچھالا۔ اور پھر اس کو نیچے آتے ہوئے ہاتھ سے روکنا چاہا لیکن روک نہ سکا۔ وہ زمین پر گر پڑا۔

اسی طرح عمر نے اپنا تمام اسباب ایک ایک کر کے لے لیا اور امیر سے ۔ کہا۔ کہ اس جنگل میں یہ جانور آدمیوں کو سخت ایذا دیتے ہوں گے ۔ ان کا رہنا اچھا نہیں ۔ مردان عالم جس راہ سے گذرتے ہیں اس راہ کو صاف کرتے ہیں ۔ اس راہ کو تم بھی صاف کرو ۔ آپ لوگوں کو لیکر جہازوں میں سوار ہو جیئے ۔ میں ان کا علاج کرتا ہوں ۔ یہ کہکر اس جنگل کے تمام درختوں کو تیل سے تر کر کے آگ لگا دی اور آپ کشتیوں میں سوار ہو کر جہازوں پر آئے ۔ اور لنگر اٹھا دیئے ۔ چند روز تک جہاز چلتے رہے پھر ایک روز نہنگ مثل ناگاہ پیدا ہوا اور منہ کھول کر جہازوں کی طرف چلا ۔ جہازوں میں جتنے لوگ سوار تھے اس کو دیکھکر فریاد کرنے لگے ۔

امیر یہ شور سُن کر باہر نکلے تو دیکھا سنسار مثل تخت کوہ منہ کھولے ہوئے چلا آتا ہے ۔ امیر نے اسکی صورت دیکھکر خدا کو یاد کیا ۔ اور اسحاق نبی کی کمان لیکر اور پندرہ تیر عقاب پر ہاتھ میں پکڑ کر اسکی طرف رخ کیا ۔ تو نہنگ کی دونوں آنکھیں مثل مشعل کے روشن تھیں ۔ ایک تیر چلہ میں جوڑا ۔ اور سست باندھکر اسکی داہنی آنکھ میں مارا ۔ کہ سوفار غرق ہوگیا ۔ اور دوسرا تیر جوڑ کر دوسری آنکھ کو ایک حلق میں رسید کیا ۔ ان تیروں کے لگنے سے نہنگ نیچے کو ہوا اور سر کو پانی میں ڈبو کر دم اٹھا کر اس زور سے پانی میں ماری کہ طلاطم پیدا ہوگیا ۔ نزدیک تھا کہ جہاز ڈوب جائیں ۔ امیر نے جہازوں کے پیچھے کھلوا دیئے اور امن ہو ...

اس کے چھٹے روز ایک طوفان آیا کہ جہاز پھٹنے لگے ۔ اور دریا کی لہریں آسمان پر پہنچنے لگیں ۔ جہازوں پر جھکڑ آیا اور ہر ایک دعا مانگنے لگا ۔ غرض تین دن کے بعد جب طوفان برطرف ہوا ۔ تو دیکھتے ہیں ۔ کہ بہرام گرد خاقان چین اپنی فوج سمیت بہت غائب ہے ۔ نہ معلوم کدھر گئے ۔ تب امیر نے بہرام کا غم کیا اور جتنے پہلوان تھے سب روئے ۔ ناچار جہازوں کو متفق کر کے پھر روانہ ہوئے ۔

چودھویں داستان

سکندری شہر میں پہنچنا اور ... کا غائب ہونا

طوفان سے امان پانے کے بعد جہاز پھر روانہ ہو گئے کئی روز بامراد چلتے گئے ۔ ایک روز

دید بانان جہاز قصہ وقربادکرنے لگے تو امیر نے کہا۔ کہ اُس طوفان اور نہنگ کی آفت سے بچنا تو آسان تھا۔ لیکن اب بڑا غضب ہوا۔ کہ زندگی کی صورت نہیں آتی۔ کہ یہ داب سکندری ہے۔ جس سے جہاز بچکر نہیں جاسکتا۔ اوّل تو کوئی اس طرف آتا ہی نہیں۔ اگر بھولے بھٹکے آبھی جائے تو سلامت نہیں جاتا اور یہاں ہی غرق ہو جاتا ہے۔ اب یہاں کے لئے کوئی علاج نہیں ہے۔ دیکھیئے خدا کیا کرتا ہے؟ تب تو امیر بے حواس ہوئے اور تمام خلقت سر پیٹنے لگی۔ جتنے کہ جہاز اس گرداب میں پڑے اور چکر کھانے لگے۔ اب گرداب کے اندر دیکھا کہ ایک مینار پتھر کا کھڑا ہے۔ اور اس کے اوپر ایک مکان بنا ہوا ہے۔ ملاحوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ کہا یہ میل ہے جو سکندر نے اس لئے بنایا تھا۔ کہ جو جہاز بھٹکے یا تباہ ہوکر ادھر آوے تو اس کے لوگ اس میل کو دیکھکر دوسری طرف جہاز چلا دیں اور ادھر نہ آویں۔ اور یوں سُنا ہے۔ کہ جب جہاز اس گرداب میں پڑتے ہیں۔ تو سات مرتبہ اس میل کے گرد پھرتے ہیں۔ تو آٹھویں چکر میں پانی کی تہ میں اُتر جاتے ہیں۔

امیر نے یہ سُن کر کہا۔ کہ خدا کو یاد کرو۔ اور عمر سخت بے تابی کرنے لگا۔ جہاز گردش میں تھے۔ کہ امیر اور مقبل کی نگاہ ایک تختۂ سنگ مرمر پر پڑی جو اس میل کے گرد پھرے جو سفید سا جڑا ہے اور اسمیں سنگ سیاہ کے حروف کندہ ہیں۔ اور عبارت یہ ہے کہ اگر کسی کے جہاز یہاں اٹک پڑیں اور ان جہازوں میں صاحبقران ہوں تو وہ اس میل کو دیکھکر اس پر چڑھ جائیں یا ان کا نائب ہو وہ اس پر جاکر اس طبل سکندری جو اس پر رکھا ہے البتّہ اس کی آواز سے جہاز گرداب سے نکل پڑیں گے امیر نے کہا۔ بھائی اس تختہ پر دیکھیئے یہ مضمون لکھا ہے۔ اور سُنیئے خواجہ بزرجمہر نے اکثر کہا ہے۔ کہ تم صاحبقران اور عالمگیر ہو۔ جہان سے ظلمت و کفر کو مٹاؤ گے۔ بس میں اس کے اوپر جاتا ہوں۔ اگر میرے اس پر چڑھنے سے اتنے بندگان خدا کی جان بچے تو مضائقہ نہیں۔

عمر نے کہا۔ کہ آپکے قائمقام کیئے جانے کا بھی تو حکم ہے۔ بس اس سے کوئی بہتر نہیں۔ کہ دل میں یہ خیال کرکے کہ اس جہاز کے تہلکہ اور ڈوبنے سے تو بچ جاؤں گا اور اوپر جاکر بیٹھ رہوں گا اور جب کوئی جہاز ادھر آنکلا تو اس پر چڑھ جاؤں گا۔ تب سرداروں کی طرف دیکھکر کہنے لگا۔ بھائیو! میں تمہاری خاطر جان دیتا ہوں۔ بشرطیکہ تم مجھے کچھ دینا قبول کرو۔ اگر میں نہ بچا تو اس محنت کی اُجرت پاؤں۔ ہر ایک نے سو سو ہزار لاکھ لاکھ تنکہ اپنی جان کا بدلہ جان کر عمر کو لکھ دیئے۔ عمر ان سب کے تنکہ لیکر رخصت مانگی اور امیر کا قدمبوس ہوا اور دعا طلب کی۔ اور دم سادھکر اوپر کی طرف جست کی۔ میل کے سر کے نزدیک پہنچکر اس کا دم ٹوٹا۔ اور نیچے کو چلا تو اس کو پانی میں گرتا

دیکھکر نہنگ نے منہ کھول کر سر نکالا اور امیر نے عمر کے لیئے دعا کی۔ لیکن گرنے کے وقت عمر کی نظر نیچے جو پڑی اور نہنگ کو دیکھا تو ہوش اُڑ گئے۔ کہ یہ بلا کہاں سے آئی۔ عمر تیز رو اور نہایت چالاک تو تھا۔ مگر گرنے سے روک نہ سکا۔ اور سیدھا اُس کے منہ کے اندر چلا تو چستی سے اپنے دونوں پاؤں اُس مگرمچھ کے دانتوں پر رکھتے ہی پھرتی کی اور مثل ہوائی ستارہ ابھر کر اوپر کو چلا اور اس پر جاکر کھڑا ہوا۔ عمر کی اس چستی پر آفرین کی اور خدا کا شکر کیا۔ اور عمر نے اوپر جاکر دیکھا تو واقعی ایک نقارہ دھرا ہے اور اس پر سکندر ذوالقرنین کا نام لکھا ہے اور اس کے پہلو میں بوزن اٹھارہ من تبریزی چوب دھری ہے۔ وہ چوب اٹھاکر عمر نے نقارے پر چوٹ لگائی اور یہ آواز چونسٹھ کوس تک نکل گئی اور پانی میں طلاطم سا پڑ گیا۔ گرداب میں جتنے جانور تھے انہوں نے اس نقارہ کی آواز سنی تو باہر نکل آئے اور اس مینار میں جتنے پرندے تھے سب اُڑ گئے۔ ان کی ہوا اور موجوں سے جہاز روانہ ہوئے۔ گرداب سے نکل گئے اور ہوائے یا مرادی کی امداد سے چند روز میں بندر سراندیپ کے کنارے پر جاکر جہازوں کو لنگر کیا اور لشکر خشکی میں اُترا۔

پندرہویں داستان

دوشنبہ کو یہاں تک قصہ ختم ہوا۔ کہ عمر نے اوپر جاکر طبل سکندری کو بجایا اور اس گرداب سے نکل گئے اور عمر تنہا اس مینار پر رہ گیا۔ اسے ہر طرف پانی کے علاوہ اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ مایوس ہوا۔ کہ اب کوئی صورت زندگی کی باقی نہیں رہی۔ جہازوں پر یہ توقع تھی۔ کہ کبھی خشکی پر پہنچ ہی جائیں گے۔ میں یہاں سے کبھی نہ نکلوں گا۔ یہ خیال کرکے رونے لگا اور خدا کی یاد میں مناجات کی۔ تو ناگاہ اس گنبد کے ایک طرف سے سلام علیک کی آواز آئی۔ حیران ہوکر چاروں طرف جی میں خیال کیا۔ کہ یہاں آدمی کا کیا کام ہے جو آئے۔ مگر یہ آواز ملک الموت سنتی ہے۔ شائد میری زندگی کا پیمانہ لبریز ہوا۔ اور خاطر بہ قبض روح کو آیا ہے۔ دیکھا تو داہنی طرف ایک مرد محسن سفید ریش کپڑے پہنے ہوئے عصا ہاتھ میں لیئے کھڑا ہے۔ عمر دوڑ کر اس مرد بزرگ کے پاؤں پر گرا۔ اور کہا۔ آپ کون ہیں اور یہاں کیوں آئے ہیں؟۔ کہا میں خضر ہوں۔ خدا نے تیری مخلصی کیلئے بھیجا ہے۔ یہ سُن کر خدا کا شکر ادا کیا اور کہا۔ کہ آپ واقعی مجھے یہاں سے نکالیں گے۔ مارے بھوک کے میرا بُرا حال ہے۔ کیونکہ سات روز سے مجھے کھانا پینا نصیب نہیں ہوا۔

یہ سن کر حضرت علیہ السلام ہنسے اور ایک چھوٹا سا کلیجہ عمر کے روبرو رکھ دیا اور کہا۔ کہ اسے کھالے پانی بھی دوں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام کی طرف دیکھکر کہا۔ تعجب ہوا ہے کہ آپ مجھ سے خوش طبعی کریں۔ بیشک آپ پیغمبر خدا ہیں۔ لیکن میں بنی آدم ہوں۔ بھلا اس کلیجہ کے کھانے سے جو آتش رجوع ہے کیا بجھے گی۔ فرمایا کہ صبر رکھ اور خدا کا نام لے کر اسے کھا۔ اور جس کھانے کو جی چاہتا ہے اس کو خیال کر دیکھ تو کیا ہے۔ عمر نے اس کلیجہ کو کھانا شروع کیا۔ اسمیں سے جوں جوں توڑ کر کھاتا تھا تو وہ کلیجہ کم نہ ہوتا تھا پورا ہی رہتا تھا۔ اور جس کھانے کا ذائقہ با دکرتا وہی ذائقہ پاتا۔ عمر حیران ہوا اور پیٹ بھر کر کھایا پھر بھی وہ کلیجہ سالم ہی رہا۔

اب پیاس کی سنئے۔ کہ خواجہ خضر نے سوا بالشت کا مشکیزہ نکالا اور اس سے پانی پلایا تو وہ ہرگز خالی نہ ہوا۔ عمر نے عرض کی۔ کہ اگر بندہ کو پھر پیاس لگی تو کہاں سے پیؤوں گا۔ یہ میرے پاس ہی رہنے دیجئے تو خضر نے وہ عمر کو دیا۔ اور کہا۔ کہ ان کو اپنے پاس رکھ یہ تیرے بڑے کام آئیں گے اور کوس مع اسباب کے اپنے ہمراہ لیکر یہ نقارہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہے حمزہ کو دینا۔ عمر نے کہا۔ کہ یہ بوجھ کس طرح لے چلوں؟ تو خضر علیہ السلام نے کہا۔ اب آنکھیں بند کر اور پشت میری پر اپنے پاؤں رکھ اور یہ اسم اعظم پڑھ۔ یہ سن کر عمر نے سب باندھ لیا اور کاندھے پر لگایا اور آنکھیں بند کرکے پاؤں حضرت کی پشت پر رکھا اور اسم اعظم پڑھنا شروع کیا۔ ایک ساعت نہ گذری تھی۔ کہ حضرت نے کہا۔ آنکھیں کھول کر دیکھ تو کہاں ہے۔

عمر نے جب آنکھیں کھول کر دیکھا۔ کہ دریا کے کنارے پر ہے۔ اور صحرائے لق و دق معلوم ہوتا ہے اور حضرت خضر علیہ السلام غائب ہوگئے۔ عمر نے واجب الوجوب کی جناب میں شکر کا سجدہ کیا اور صحرا کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن جب تک اس کی داستان پر پہنچوں دو کلمہ صاحبقران کے بیان کروں جب اسباب لیکر جہاز سے باہر ہوئے اور بندر سراندیپ میں اترے تو حضرت خضر علیہ السلام کی اور خدا کی راہ میں بہت سی خیرات کی۔ اور امیر نے کہا۔ کہ اس مکان میں دو مہینے قیام کرینگے۔ کیونکہ میں عمر کو اپنی جان کے برابر جانتا ہوں۔ لیکن کیا کروں کہ اس کی عمر نے وفا نہ کی۔ اس کے مقدر میں اسی طرح لکھا تھا۔ اب میں اس کا چہلم کرکے یہاں سے روانہ ہوں گا۔ یہ فرمایا اور ماتمی لباس پہنا۔ اور غم والم کرنے لگے۔ اور اسلام میں جتنے سردار تھے تمام عمر کی یاد میں چالیس روز گذریں۔ تو عمر کے چہلم کی فاتحہ کرکے چلیں۔ لیکن عمر وہاں سے چلا اور کوہستان و بیابان کی راہ سے چلا آتا تھا۔ تو کئی روز کے بعد ظہر کے وقت ایک صحرا میں پہنچا اور نماز ادا کرنے کے لئے جگہ تلاش کرنے لگا۔ تو دا ہنے ہاتھ

کو ایک مسجد دکھائی دی بہت خوش ہوا۔ اور اس طرف روانہ ہوا ۔ اندر جاکر دیکھا تو پانچ آدمی سردار وضع لباس پر تکلف پہنے ہوئے نماز میں مشغول ہیں۔ عمر بھی ان کے ساتھ نماز ادا کرنے لگا۔ جب نماز ادا سے فراغت پا چکے تو سب باہر نکلے تو ان پانچوں میں سے چار تو گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ایک پیدل گیا اور پہلے مسجد کے دروازے پر خوب رویا اور پھر وہ بھی اٹھکر اس طرف روانہ ہوا۔ عمر نے پاس جاکر پوچھا۔ کہ تم کون ہو؟ اور کہاں رہتے ہو؟ اور رونے کی وجہ کیا ہے ؟ اُس نے کہا۔ عزیز ہم شہید ہیں اور اس بیابان میں رہتے ہیں۔ جو کوئی بھولا ہوا مسافر اس طرف آنکلتا ہے اس کو راستہ بتلاتے ہیں اور رونے کی وجہ یہ ہے کہ چاروں اشخاص مع اپنے مرکبوں کے مارے گئے تھے۔ اور میں پیدل شہید ہوا۔ اس وجہ سے پیدل ہوں۔ اگر تم ارادہ کرو تو میں بھی سوار ہو سکتا ہوں ۔

یہ سُن کر عمر نے کہا۔ جو کہتے ہو میں حاضر ہوں ۔ اپنی طرف سے کمی نہ رکھوں گا ۔ اس نے کہا یہاں سے کئی کوس پر اس طرف ایک آبادی ہے ۔ یہاں میرا گھر ہے۔ اور مکان میں ایک درخت بھی ہے۔ اس کی جڑمیں دو ہزار اشرفیاں گاڑی تھیں تو جاکر وہاں سے نکال اور تین حصے کر۔ ایک حصہ تو لے اور ایک حصہ میرے والدین لواحق کو اور ایک کا گھوڑا اور اسباب مول لے کر کسی کو خدا کے نام پر دے۔ تو گھوڑا یہاں پر میں پاؤں گا ۔ اگر تم یہ کام کرو تو بڑا احسان ہے۔ عمر یہ سُن کر روانہ ہوا۔ اور اس آبادی میں جاکر مرد شہید کی وصیت بجا لایا اور وہاں سے آگے چلا تو کئی منزلیں طے کیں تب پہاڑ کے نیچے ایک نہایت دلچسپ مکان دیکھا اور آرام کے لئے ایک درخت کے نیچے بیٹھا ۔ ایک گھڑی پوری نگذری تھی، کہ ایک طرف سے السلام علیکم کی آواز آئی ۔ دیکھا تو ایک بزرگ مرد نظر آیا۔ عمر نے متوجہ ہو کر تعظیم کی۔ اور آداب بجا لایا ۔ اور بعد السلام کے پوچھا۔ کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ میرا نام الیاس علیہ السلام ہے تیری خاطر آیا ہوں۔ خدا نے تجھ پر مہربانی کی ہے ۔ ایک جال دیا اور فرمایا۔ اس کا وصف یہ ہے ۔ کہ جو اس میں بند ہوگا اس کا بوجھ معلوم نہ ہوگا ۔ اور ایک کمبل دیکر کے فرمایا۔ کہ اس کو اوڑھو تو لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہو جائیگا ۔

عمر اس کمبل کو پاکر بہت خوش ہوا اور قدم مارتا ہوا سراندیپ کی طرف روانہ ہوا پھر کئی دنوں میں منزل طے کرکے لشکر اسلام کے پاس اور اپنی صورت تبدیل کرکے اندر جاکر دیکھا ۔ تو تمام لوگ سیاہ پوش ہیں اور اس روز لشکر میں ایک دھوم ہے ۔ اور دروازے پر فقیروں کا ہجوم ہے ۔ اور پہلوان عادی کھانا پکوا رہا تھا اور بانٹ رہا تھا۔ عمر نے ایک مرد سے پوچھا۔ کہ یہ کیا ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ ایک عمر عیار تھا۔ وہ دریا میں مر گیا ہے۔ آج اس کا چہلم ہے اور یہ کھانا اس کی فاتحہ کا ہے ۔ اور سیاہ پوش

اس کے غم میں ہیں۔ عمر نے اپنے دل میں کہا۔ تو زندہ ہے انہوں نے تجھے مار ڈالا ہے۔ دن تو فقیروں میں بیٹھکر کاٹا۔ جب رات کا وقت ہوا تو سب اپنے اپنے خیموں میں سو رہے۔ عمر نے گلیم کو پہن کر پہلے عادی کے خیمہ میں گیا۔ دیکھا تو فانوسیں روشن ہیں اور معدی کرب سوتا ہے۔ عمر اسکی پیٹھ پر بیٹھ گیا۔ اور دونوں ہاتھوں سے اس کے گلے کو دبایا تو معدی کرب گھبرا کر اٹھا دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا۔ چھاتی پر بوجھ سا معلوم ہوتا ہے تب دعائیں کر کے گھبرایا تو عمر نے کہا۔ اسمیں کیا فائدہ ہوگا۔ میں تمہارے لینے کو آیا جس طرف میں لے چلوں تم اس طرف چلو۔

عادی نے کہا۔ تمہارے آنے کا کیا سبب ہے۔ کہا۔ ایک شخص عمر نام کا مرا ہے۔ تو آج اسکی روح کو بہشت میں جانے کا حکم ہوا ہے۔ وہ فردوس کے دروازے پر چل کر بیٹھا ہے اور کہتا ہے۔ کہ ہرگز اندر نہ جاؤں گا جب تک کہ عادی یہاں نہ آئیگا۔ خدا نے مجھے تیری روح لینے کو بھیجا ہے۔ اب میں تجھکو لیجاؤں گا یہ سن کر عادی کے ہوش اڑ گئے اور کہا۔ میں عمر سے ہرگز الفت نہ رکھتا تھا بلکہ دشمن تھا۔ خوب ہوا مر گیا۔ مجھے اس سے کیا کام ہے۔ تم مجھے چھوڑ دو۔ عمر نے کہا۔ یہ کس طرح ہو گا۔ مگر ایک صورت ہے۔ کہ تو اگر کچھ دے تو چھوڑ جاؤں گا اور جو کچھ تو دیگا اسے خدا کو دوں گا۔ شائید لالچ سے تیرا بلانا موقوف کر دے۔ عادی نے کہا۔ وہ سامنے کرسی پر اشرفیوں کا صندوقچہ رکھا ہے لیجائیے۔ اور کہئے عادی بیمار ہے اس کو مت بلاؤ۔ اچھا ہو کر وہ خود آئے گا۔ عمر نے کہا جاتا ہوں بشرطیکہ وہ قبول کرے۔ چھاتی سے کود کر نیچے اترا اور صندوقچہ لیکر چلا گیا۔ عادی کو تمام رات خوف سے تپ (بخار) رہا اور نیند نہ آئی۔ صبح کو کانپتا ہوا امیر کے پاس گیا۔ اور السلام علیکم کہا۔ اس وقت اور پہلوان بھی حاضر تھے۔ امیر کی نظر جو عادی پر پڑی تو دیکھا۔ کہ اس کا رنگ۔ زرد ہو رہا ہے۔ اور بے حواس ہے۔ پوچھا۔ اے عادی کیا حال ہے؟

اس نے رات کا تمام قصہ بیان کیا۔ امیر یہ سن کر حیران ہوا اور فرمایا خدا خیر کرے۔ کہ عادی پہلوان کو جنوں کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ یہ کوئی بات ہے کہ ملک الموت آئے اور صندوقچہ اشرفیوں کا لے کر چھوڑ جائے۔ یہ بات عادی کی سن کر سب گھبرا گئے۔ تب عادی کھسیانہ ہو کر اپنے خیمہ میں چلا گیا۔

سولھویں داستان

راوی بیان کرتا ہے۔ کہ عمر نے عادی کو سوتے ہوئے اس طرح دھمکایا اور اس کے دوسرے دن سلطان بخت مغربی سے بھی یہ حرکت کی اور اس نے صبح آکر امیر سے ماجرا بیان کیا۔ تب تو

امیر کو بہت تشویش ہوئی۔ اور فرمایا اس مکان کی ہوا نہایت معلوم ہوتی ہے۔ یہاں سے کوچ کرنا چاہیئے نہیں تو لوگوں کو سودا ہو جائیگا۔ غرض اسی طرح امیر کے تمام سرداروں سے عمر نے روپے لیئے اور حضرت الیاس علیہ السلام کی دی ہوئی کمبلی اوڑھکر جب سرداروں سے عزرائیل کے نام سے لے چکا تو ایک رفعہ یہی حرکت امیر سے بھی کی۔ تب امیر نے سمجھا کہ واقعی لوگ سچ کہتے ہیں۔ چونکہ امیر دانا تھے۔ خیال کیا۔ تو ایک آواز آتی ہے اور چھاتی پر ایک بوجھ سا معلوم ہوتا ہے۔ مگر صورت کسی کی معلوم نہیں ہوتی۔ دل میں کہا یہ کوئی جن معلوم ہوتا ہے اسی کو پکڑنا چاہیئے۔ ہاتھ بڑھا کر پکڑنا چاہا۔ تو کچھ دُم سا معلوم ہوتا ہے۔ امیر نے اس کو پکڑ کر چاہا۔ کہ ایک گھونسہ مارے۔

امیر نے کہا۔ اوعرب سمجھکر ایسا نہ ہو کہ میرے چوٹ لگے۔ امیر نے آواز سنتے ہی یہ سمجھ لیا کہ وہاں عمر عیار پڑگیا تھا۔ کہ یہ اُسکی روح ہے کسی کے جسم میں دوڑ آئی ہے۔ عمر کو یاد کر کے بے اختیار رو دیا۔ جب امیر کو اس طرح روتے دیکھا تو عمر کو رحم آیا۔ کہنے لگا۔ اے امیر خدا نے مجھکو بچایا اور حضرت خضر علیہ السلام کی برکات سے زندہ ہوں۔ تب امیر نے بوسہ کر چھوڑ دیا۔ تب عمر نے سر سے کملی اُتار کر ظاہر ہو کر قدمبوس ہوئے صاحبقران نے اُسے گلے لگایا اور بہت خوش ہوئے۔ اسی دم بہت سے سرداروں کو خبر ہوئی۔ تو سب نے آکر عمر سے مُلاقات کی اور عمر کی سلامتی کی نذر خدا کی جناب میں دی۔ اگلے روز عمر کے آنے سے لشکر میں جشن رہا۔ دوسرے روز کوچ کر کے کوہ سراندیپ کی طرف روانہ ہوئے اور لشکر دامان کوہ میں جا کر اُترا تمام ہندوستان میں یہ خبر ہوئی۔ کہ شاہ کشور کا داماد حمزہ شاہ خسرو بلا ہند دستان سے لڑنے آیا ہے۔

راوی لکھتا ہے کہ جن ایام میں وہ وہاں پہنچا تو وہ سردیوں کا موسم تھا۔ جن دنوں حضرت آدم کی توبہ قبول ہوئی تھی وہاں میلا لگتا تھا۔ اور ہند کی تمام خلقت ایک مہینہ کی راہ سے حضرت آدم کی قدم گاہ کی زیارت کرنے کو آتے تھے۔ اور ہر ایک اپنے حوصلہ کے موافق فراخوری کرتا تھا اور اسی پہاڑ کے دامن میں کوسوں تک خیمے استادہ کیئے جاتے تھے۔ اور ہندوستان کے کس جزیروں کے بادشاہ کا عالم ہجوم تھا اور لندھور بن سعدان تمام امراء وزراء اور ارکان دولت و خدام و حشم لیکر مع آثار سلطنت وہاں آیا اور اس مکان کو زیب و زینت دیکر لوگوں پر انعام دیا اور بخشش کرتا تھا۔ چالیس روز تک امیر اور وزیر شریف و غنی و غریب وہاں شراب پیتے اور عیش و عشرت میں رہتے تھے۔ یہ حمزہ دو تین اسکی آنکھ طرف میں اُترے اور لشکر گھیرا ہوا۔ اور سپاہ قائم ہوئی سازندے اور خواندے حاضر ہوئے اور سے کا دور گردش میں آیا

بادہ تھے۔ عمر نے خوشنود ہو کر امیر سے عرض کی ہند دیکھا جاتا ہے کہ کس پہاڑ کے نیچے پھرتے

اور حضرت آدم علیہ السلام کے قدم کی زیارت کرکے فرمایا۔ اچھا جاؤ لیکن جلد آؤ۔ غرض رخصت ہوکر لشکر سے باہر نکلا اور پہاڑ کی ترائی کی طرف متوجہ ہوا۔ اور پہاڑ کے نیچے خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھا۔ نگاہ جدھر کو جاتی ہے وہیں کی رہتی ہے۔ اور ہر طرف نور کا عالم نظر آتا تھا۔ اور اس کو ہسار سے کہ آر پار پانی کے چشمے صحرا میں رواں ہیں اور صد ہزار گل و ریحان مثل لالہ و نرگس اور بنفشہ ہر طرف کو کھلے ہوئے لہلہا رہے ہیں اور گاہ سبز رنگ خوش مثل تختہ زمرد چار طرف آگئی ہوئی کوسوں تک معلوم ہوتی ہے اور درخت سرو شمشاد کے مانند قدم محبوب کھڑے ہوئے نہایت لطف دیتے تھے۔ صدائے لیک زمرد دراج کوک کومل وغل قمری وشور عندلیب اور بلبلوں کے چہچہے ہر ایک کے غنچہ خاطر کو شگفتہ کر رہے تھے۔ عمر کو وہ جگہ بہت خوش اور روح افزا معلوم ہوئی اور دل کو فرحت اور ایک پتھر پر بیٹھکر کلاہ لو دمیدہ اور لب آب رسیدہ کا نظارہ کرتے ہوئے ایک پہاڑ پر نظر پڑی اور اسکی عجیب بلندی دیکھکر حیران ہوا۔ کہ یکا یک اس پر نظر جاتے ہوئے سو جگہ ٹھوکر کھاتی تھی۔ کہ بادپائے وہم بھی بے نردبان اسکی رفعت پر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ عمر نے سوچا کہ اس پر کس طرح جائے۔ نہیں معلوم کہ اس پر جانے کا راستہ کدھر ہے؟ تب ایک طرف گھاس کا ایک چھپر معلوم ہوا۔ پاس جاکر دیکھا۔ تو اسمیں ایک پیر مرد سفید ریش قد خمیدہ ایک بوریئے پر بیٹھا ایک تسبیح ہاتھ میں لئے ہوئے کچھ پڑھتا ہے۔

عمر جب اس کے نزدیک آگیا تو اس نے اس کا نام لیکر سلام کیا۔ اور کہا۔ اے شاہ عیاران میں تیرا منتظر ہوں۔ عمر نے خیال کیا۔ کہ شاید دوال پا ہے۔ عمر نے کہا۔ مردک تو کس کو کہتا ہے۔ میں ہرگز تیرا واقف نہیں ہوں۔ یہ کہکر ہاتھ خنجر پر بڑھایا۔ اور ارادہ کیا۔ کہ نکال کر اس پیر مرد کو مارے۔ وہ دیکھکر بے اختیار ہنسا اور کہا۔ اے عمر میں دوال پا نہیں ہوں۔ میں حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں۔ اور میرا نام سام بن نوح ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی قدم گاہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ رات کو مجھے یہ بشارت ہوئی۔ کہ حضرت آدم نے تیرے آنیکی خبر دی تھی۔ جا زیارت کر تیرا جو مقصد ہے وہ حاصل ہوگا۔ گز لیکر زمین کو ناپ لے اور یہ کدال لے کر اسے کھود۔ اسمیں جو تیری قسمت سے نکلے گا اسے اپنا مال سمجھ وہ تیرا مال ہے لیکن لالچ نہ کرنا اور ہر ایک گز سے زیادہ نہ کھودنا۔ عمر نے اس گز سے زمین کو ناپا اور کدال سے کھودنا شروع کیا۔ تھوڑی زمین کھودی تھی کہ اسمیں سے ایک دانہ یاقوت بے بہا نکلا۔ کہ عمر نے اپنی تمام عمر میں نہ دیکھا تھا۔ عمر کو طمع اور زیادہ دامنگیر ہوا اور کھودنے لگا۔ لیکن اس دانہ کے سوا اور کچھ نہ نکلا ہر چند سام کہتا تھا۔ کہ بس تیری قسمت میں یہی تھا اور کچھ نہیں۔ مگر عمر اپنے کام میں مشغول اور زمین کو کئی گز کھودا۔ اس کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ یہاں تک کہ بہت تھک گیا۔ تب لاچار ہوکر کھودنا بند کیا۔ اور

سام کے پاس آکر کہا۔ کہ زیارت کیلئے کدھر کو جاؤں۔ فرمایا یہ جو راستہ نظر آتا ہے اس راہ پر جا لیکن یہ طمع نہ کرنا اور نہ کسی چیز پر دست انداز ہونا۔ اور زیارت و عبادت کی شرائط بجا لانا۔ اور وہاں سے جو امداد ملے اسکو غنیمت جاننا۔ یہ کہکر رخصت کیا۔ عمر نے اس راہ سے پہاڑ پر جا کر دیکھا تو عجیب طرح کا عالم ہے کہ ہر طرف پانی کے چشمے رواں ہیں اور پتھر کا ایک طاق بنا ہوا ہے جس میں ان چشموں کا پانی چاروں طرف سے آکر داخل ہو کر ایک حوض میں بھرتا ہے اور اس حوض کے بدروں کے ذریعے پھر باہر جا کر نیچے جاتا ہے۔ اور سبزہ زار میں پھیلتا ہے۔ اور اس سبزہ میں ایک سفید پتھر حضرت آدم کا قدم گاہ ہے۔ اور قدم کے گرد اس مکان میں لعل و یاقوت و الماس و فیروزہ و مروارید کا چاروں طرف ڈھیر لگا ہے۔ اکثر شہریار نامدار جو زیارت کو آتے ہیں انہوں نے چڑھائی تھیں۔

عمر نے کسی چیز پر التفات نہ کیا۔ بے خبر چپکے سے اپنی عیاری کی چادر کو بچھا کر جہانتک مقدور چلنے کا تھا انہیں جواہرات باندھے اور اٹھا کر لے چلا۔ اور جی میں کہا۔ بزرجمہر مجھکو کہتے تھے کہ تو سراندیپ میں حضرت آدم کی قدم گاہ پر بقدر پائیگا۔ پس جواہرات سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ جو اس کے دروازہ پر پہنچا تو دروازہ غائب ہو گیا اور کسی طرف جانے کا راستہ نہیں۔ حیران ہو کر پھر اور جواہرات جہاں سے اٹھائے تھے وہیں ڈال دیئے۔ پھر دیکھا تو دروازہ مع کلاہ غائب۔ کہا یہ خوب معاملہ ہے کہ جواہرات کے لالچ سے کلاہ بھی کھو دیا۔ آخر مرتبہ عمر نے پھر ان جواہرات کو ڈال دیا تو کلاہ اور دروازہ معلوم ہونے لگا۔ اس حرکت سے اپنے دل میں نہایت نادم ہوا اور وضو کرکے نماز گذاری اور رونے لگا۔ اسی حالت گریہ میں نیند آئی۔ تو دیکھا کئی ایک بزرگ نورانی صورت میں کھڑے ہیں۔ ان میں سے ایک نے عمر کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔ میں نے تجھے اپنا نظر کردہ کیا۔ یہ جام میرے اور بیٹوں ہر بلا سے محفوظ رکھیگا۔ اس کو زر جام کہتے ہیں۔ اور یہ جو زنبیل ہے اسمیں جو ڈال دیگا وہ غائب ہو جائیگا۔ اور جو طلب کریگا پائیگا۔ میں آدم ہوں یہ زنبیل احتیاط سے رکھنا اور جب اس پر ہاتھ رکھکر معجزہ طلب کریگا۔ جو صورت چاہیگا وہ ہوگی اور جو زبان سے چاہیگا بولیگا۔ ایک اور بزرگ کھڑے تھے تو انہوں نے ایک جام عمر کو دیا اور یہ اسم اعظم پڑھایا کہ جس پر تیرا جی چاہے۔ اس جام میں پانی بھر کر یہ اسم اعظم پڑھنا اور اس کے اوپر ڈالنا جو شکل کہیگا وہ ہو جائیگی۔ میں اسحاق نبی ہوں میں نے تجھے اپنا نظر کردہ کیا۔ تیسرے نے کہا۔ میں داؤد ہوں۔ میں نے بھی لحن داؤدی تجھکو بخشا۔ یہ ہمارا دوتارا لیکر بجا۔ تمام موسیقی میں کوئی تیرے برابر نہ ہوگا اور نہ دوسرے میں نکلے گا۔ حضرت صالح نبی نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور ارشاد کیا کہ جتنا بھی بوجھ اٹھائے گا تھکے گا نہیں۔ اور نہ دوڑ میں ماندہ ہوگا۔ سکندر نے اپنا آئینہ دیا اور کہا اسمیں یہ لطف ہے کہ تجھے جو کچھ دریافت کرنا ہو

اسمیں دیکھنے سے معلوم ہو جائیگا۔ اس کے بعد ایک تخت ہوائی آسمان سے یکا یک پیدا ہوا اور آواز آئی
کہ اے عمر ہم سے مانگ۔

عمر نے ان سب سے پوچھا۔ کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ اُنہوں نے کہا۔ یہ
پیغمبر آخر زمان ہیں۔ کہا بندہ اب یہ مانگتا ہے کہ بندہ جب تک اپنے سے تین مرتبہ موت نہ مانگے نہ مرے۔
صدا آئی۔ کہ ہم نے قبول کیا۔ عمر اسی خوشی سے جاگ اُٹھا۔ دیکھا تو وہ اسباب دھرا ہے۔ معلوم کیا۔ کہ تو نے
نظر مانی خدا کی جناب میں سجدہ شکر ادا کیا۔ برکات کو لیکر پہاڑ سے نیچے اُترا اور سام کے پاس آیا تو اس نے عمر کو
گلے سے لگایا اور اُس کے نذر پانے کی مبارک باد دی اور کہا۔ کہ اب جا کر امیر کو بھیجد نیکے۔ کہ اُنہیں بھی
نذر ہو گی۔ عمر وہاں سے رخصت ہو کر چلا۔ لیکن تھوڑی دُور گیا۔ تو جی میں خیال کیا۔ کہ امیر کے پاس اصلی
صورت میں جانا اچھا نہیں۔ اور بنا کر دیکھئے کہ کوئی پہچانتا ہے یا نہیں۔ یہ خیال کرکے زنبیل پر دونوں
ہاتھ رکھکر معجزہ طلب کیا۔ اور کہا۔ یا زادا آدم میری صورت ایسی بنے کہ قد لمبا اور رنگ کالا ہو۔ کہتے کے
ساتھ ہی ویسا ہو گیا۔ ایک ہوا پھر گئی۔ عمر نے آئینہ دیکھا۔ تو عجب طرح کی صورت ہو گئی۔ دیکھکر ڈر گیا۔
ایسا نہ ہو کہ کہیں صورت ایسی ہی رہ جائے۔ پھر معجزہ طلب کیا۔ کہ میں صورت اصلی ہی بن جاؤں۔ جب
اصلی صورت دیکھی تو یقین کیا۔ کہ تو نے نذر پائی۔ پھر ایسی شکل بنا کر اور خنجر ہاتھ میں لئے ہوئے گاتا بجاتا
ہوا لشکر اسلام کی طرف روانہ ہوا۔ جب لشکر میں پہنچا۔ اسی طرح سے گذر اجس نے اسکی آواز سُنی بے
اختیار رہو گیا اور سب اپنے اپنے کام چھوڑ کر اُٹھکر اس کے ہمراہ ہوئے۔ عمر کے پیچھے تماشائیوں کا ہجوم
تھا اور محو کی سی حالت ہو گئی۔ غرض اسی طرح سے امیر کی ڈیوڑھی پر گیا اور کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ لوگوں نے
اندر جا کر امیر کے حضور میں عرض کی۔ کہ ایک شخص مرد ہندی اس صورت کا بارگاہ کے دروازے پر کھڑا ہے
ساز بجا کر گاتا ہے کہ پہلے ایسا کسی نے نہ سُنا ہو گا۔

یہ سُن کر امیر نے کہا۔ اُسے اندر بلا لاؤ۔ وہ جس وقت امیر کے روبرو آیا اور دُعا دیکر گانے
لگا تو امیر اور تمام سردار محفوظ ہوئے۔ امیر نے کہا۔ اے عزیز تو کہاں کا رہنے والا ہے۔ اور تیرا کیا نام ہے؟
کہا مجھے محبوب سیاہ تن کہتے ہیں اور اسی ملک کا رہنے والا ہوں۔ خسرو ہندوستان بھی مجھ سے خوب واقف
ہے۔ اور مجھ پر اکثر بخشش کرتا ہے۔ فرمایا ہم بھی تم سے خوش ہیں مانگ میں دُونگا۔ کہا غلام کے پاس
خدا کا دیا بہت کچھ ہے لیکن ایک آرزو رکھتا ہوں کہ مجھے کسی نے اس قدر نہیں دیا کہ جتنا میں اُٹھا سکوں فرمایا
ہم نے حکم دیا۔ کہ خزانے میں جا کر جتنا تو اُٹھا سکے اُٹھا لے۔ اور سلطان بخت مغربی کے ہمراہ خزانہ میں گیا
اور لوگ جمع ہو کر تماشہ دیکھنے لگے۔ کہ کیا کرتا ہے۔ پر عمر نے جو صندوق کو دیکھا تو از حد خوش ہوا۔ لوگ حیران

ہوئے کہ صندوق ایک گاڑی میں مشکل سے چلتا ہے۔ اس کو یہ کس طرح اٹھاویگا۔ اور یہ قرار دیا۔ کہ اسکی شرط یہ ہے۔ کہ اگر آپ اٹھائیں تو لے جائیں۔ اگر کوئی سواری لائیں تو نہ دیں گے۔

غرض عمر تمام صندوق باہر لایا اور تمام کو اٹھا کر ایک جا باندھا اور لیکر چلا۔ تب تو سب حیران ہوئے اور کہنے لگے۔ کہ یہ آدمی نہیں ہے۔ بیشک کوئی غول بیابانی ہے جو تمام خزانہ لیکر چلا۔ ہم اپنے شہر میں سنا کرتے تھے۔ کہ ہندوستان میں بہت عجائبات ہیں سو یہی ہے۔ اس کو روکا اور امیر کو جا کر خبر کی۔ امیر کو سنتے کے ساتھ ہی خیال گذرا کہ وہ ضرور عمر ہے اور اس نے نذر پائی ہے۔ آپ اٹھکر خزانہ میں گئے دیکھا تو عمر دلگیر کھڑا ہے۔ دوڑ کر گلے سے لگایا۔ اور کہا۔ بھائی عمر ہم نے تمکو پہچان لیا ہے۔ تب تو عمر لاچار ہوا اور امیر کا قدمبوس ہوکر گر پڑا۔ اور کہا۔ بھائی میں آدم علیہ السلام کا نذر کردہ ہوں۔ لیکن آپ کو بھی بلایا ہے۔ زیارت کی خاطر بھی تشریف لے چلئے اور جو وہاں سے عنایت ہو وہ قبول کیجئے۔ راوی لکھتا ہے کہ سوائے امیر کے عمر کو اور کوئی نہ پہچان سکا۔ عمر اپنی صورت بدل کر امیر سے کبھی بازی نہیں بچا سکتا غرض امیر نے اس دن آرام کیا۔ دوسرے روز صبح اٹھکر عمر کو ہمراہ لیا اور دیگر سرداروں کو ہمراہ لیا اور پہاڑ کیطرف متوجہ ہوئے۔

جب دامان کے نزدیک پہنچے۔ تو پیادہ پا ہوکر شرط آداب بجا لائے اور استغفار کرتے ہوئے چلے۔ اور عجیب طرح کا سبزہ زار دیکھا کہ تمام عمر میں ایسا پرلطف مکان کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ طبیعت کو ہر قدم پر فرحت حاصل ہوتی ہے۔ نزدیک پہنچکر دیکھا تو ایک میدان ہموار ہے جو تمام معطر ہو رہا ہے۔ اول مکان میں نال ہیزم سنگولے مگدر میں پیچے فولادی بہت سے دھرے ہیں اور ورزش کا تمام اسباب رکھا ہے اور آدمی اس کے نگہبان ہیں۔ ان آدمیوں سے پوچھا۔ کہ یہ کیسا مکان ہے۔ کہا یہ زورخانہ مہندھر شاہ ہندوستان ہے۔ امیر نے سن کر عمر سے کہا۔ جی چاہتا ہے کہ میں بھی اپنی زور آزمائی کروں اور دیکھوں کہ ورزش میں برابر ہوں یا نہیں۔ یہ کہکر اس تعلیم میں کودے اور بیٹھنے وہ سنگولے اور نال تھے تمام اٹھائے اور مگدروں کو پھیرا۔ الیزم کو ہلایا۔ بلم کو پھیرا۔ ہاتھ اڑا کر کئی پنجوں کی انگلیاں ٹیڑھی کر دیں۔ لیکن ایک ہزار سات من تبریزی کا وہ گرز نہ اٹھ سکا جو وہاں دھرا تھا۔ اس سے امیر کو بےچینی پیدا ہوئی۔ پھر یہ یہاں سے سام کے مکان میں گئے اس نے استقبال کیا اور بغلگیر ہوا۔ امیر نے اپنے پاس بٹھایا اور کہا۔ پہلے آپ یہ کام کریں کہ زمین ایک گز ناپ کر کھود دیں۔ جو اس سے نکلے وہ تمہارا حق ہے۔ امیر نے ایک تبر لیکر کھودنا شروع کیا۔ یاقوت کا ایک ایسا دانہ نکلا کہ مثقال کا وزن مثل انگارے کی صورت کا روشن تھا۔ کہ شائد تمام عمر کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔

امیر اس کو لیکر سام کے پاس گئے۔ اور دکھایا۔ اس مرد بزرگ نے کہا۔ یہ مال آپ کا ہے اس کو لیجئے اور جاکر زیارت کیجئے۔ جبتک وہاں سے نذر نہ پاؤ خسرو ہندوستان سے پرے نہ آؤ گے۔ اور ان سے رخصت ہوکر قدم گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں جاکر زیارت کی اور عبادت میں مشغول ہوئے اسمیں کئی تخت نمودار ہوئے۔ ہر تخت فرشتوں نے یہاں اُتارے اور اُن تختوں پر نورانی شکل کے سوار تھے وہ اُترکر امیر کے اس عین گریہ و مناجات میں جو آنکھ لگ گئیں اور خواب میں دیکھا کہ آسمان میں ایک دروازہ پیدا ہوا۔ وہ تمام امیر کے پاس آئے۔ سب کے آگے ایک بوڑھا دراز بزرگ چلا آتا ہے۔ اس نے کہا اے فرزند میں آدم ہوں میں نے تجھے خدا کے حکم سے نذر کردہ کیا۔ کہ تم ہمیشہ دشمنوں پر فتحیاب ہو اور تم کو یہ بازو بند دیتا ہوں اُن کو تبرکاً اپنے ڈنڈ پر رکھنا۔ اس کی برکت سے کارزار کے وقت کبھی بازو خم نہ ہوں گے اور ہزار دیو کے سر پر تلوار ماریگا۔ تو تمہارا ہاتھ اس سر سے لے اس سر تک پہنچے گا لیکن کئی ایک کام یہ ہیں۔ وہ نہ کرنا ایک تو کسی کا دل نہ توڑنا۔ اور جو امان مانگے اُسے امان دینا۔ اور جو آگے سے بھاگ جائے اُس کا پیچھا نہ کرنا کہ تم راہ دین پیغمبر آخرالزمان کے موتی ہو۔ عالم کا کفر تمہارے ہاتھ سے پاک ہوتا ہے۔ اور اپنے لشکر کے آگے کبھی طبل جنگ نہ بجانا اور اپنے حریف پر پیش دستی نہ کرنا۔ اس کو ضرب کرنے دینا۔ اسکی ضرب اُٹھا کر تم اپنی ضرب کرنا۔ اور بیہودہ کبھی نہ کرنا کیونکہ تمہاری آواز سے لشکر [illegible] [illegible] دو رکعت نماز شکرانہ کی ادا کی اور ناشتہ پر [illegible] وہاں سے سام کے مکان پر آئے۔ اس نے [illegible] اُٹھکر مبارکباد دی اور سرداروں نے نذریں بھی گذرانیں۔ اور امیر نے بہت سا زر و مال تقسیم کیا۔

۱۷
سترہویں داستان

امیر نے کوہ [illegible] نذر پائی اور سام بن مری جان کے مکان میں آئے تو ایک ماہ [illegible] گذری تھی کہ سام نے امیر سے کہا کہ [illegible] آپ کے آنے کا منتظر تھا سو خدا نے میری امید دی۔ اب رخصت ہوتا ہوں آپ مجھے اپنے ہاتھ سے دفن کیجئے گا۔ یہ کہکر [illegible] یاد کرکے مر گیا۔ امیر نے اس کو اپنے ہاتھ سے غسل دیکر منزل پر پہنچایا۔ اور افسوس کیا۔ وہاں سے اُٹھکر [illegible] وقت [illegible] کے زور [illegible] میں تشریف لاکر وہ گرز اٹھایا اور بہت خوش ہوا۔ پھر

اپنے لشکر میں جاکر شاہانہ جشن اور بزم کی صحبت میں بیٹھے لیکن زورخانہ کے نگہبان نے جاکر خسرو بلاد ہندوستان کو یہ خبر دی اور وہ سوار ہو کر آیا۔ ورزش گاہ میں گرز کو اپنی جگہ نہ دیکھا اور قینا بوازمہ پہلوانی تھا شکستہ دیکھ کر حیران ہوا۔ کہ کون ایسا شخص ہے کہ جس نے میرے زورخانہ میں یہ حرکت کی ہے۔ اگر پھر آئے تو ہمارے پاس لے آنا۔ کہ ذرا ہم اسکی صورت دیکھیں۔ کہ جس نے میری تعلیم میں بے ادبی کی ہے۔ پانچ نوکر اور بٹھا کر ان کو کہہ دیا کہ وہ کسقدر زور رکھتا ہے۔ یہ کہکر اپنے لشکر میں چلا گیا۔ اور مجلس میں بیٹھا۔

اب عمر کی داستان عرض کرتا ہوں کہ وہ امیر کو محظوظ کر رہا تھا اور تمام سرداران نامدار اسکی وجہ سے کمال فرحت میں تھے۔ جب روز و شب گذر چکا تو دوسری صبح کو عمر نے امیر کو کہا۔ کہ غلام کا جی چاہتا ہے کہ جاکر خسرو ہندوستان کے لشکر کا حال وطور معلوم کروں۔ فرمایا کیا مضائقہ۔ عمر امیر سے رخصت ہو کر لندھور کے لشکر کی طرف روانہ ہوا۔ راہ میں تھوڑی دور جاکر اپنی صورت ایک مرد خراسانی کی بنائی اور ایک ستار ہاتھ میں لیکر لشکر میں آیا اور اس کی بارگاہ کے اندر جلوخانہ میں آکر بیٹھا اور وہاں کی خلقت کا مشاہدہ کرنے لگا۔ جب تمام دربار جمع ہو چکا تو عمر نے اٹھکر لوگوں سے کہا کہ حضور میں عرض کر دو کہ ایک خراسانی سازندہ نوشیروان کے داماد کے ہمراہ ولایت سے آیا ہے۔ اور امیدوار ہے کہ شاہ ہند کے دربار میں پیش ہو کر اپنا مجرا کرے۔ انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں گذارش کی۔ فرمایا۔ بلاؤ۔ جس وقت اندر گیا تو عجیب طرح کی صورت بنائے ہوئے لندھور کو مجرا کیا۔ لیکن لندھور کو دیکھکر عمر کے حواس بگڑ گئے کہ ایک مرصع پلنگ تخت پر شیر کی طرح بیٹھا ہے اور تخت کے چاروں طرف گوشوں پر زمرد کے طاؤس بنے ہوئے ہیں۔ اور انکی منقاروں میں گوہر شب چراغ ہیں۔ عمر نہایت خوش ہوا اور لندھور کو دیکھا تو شجاعت اور مردانگی اس کے چہرے سے دلالت کر رہی ہے۔ اس نے جاکر مجرا کیا اور ایسی تقریر کرنی شروع کی کہ شاہ ہندوستان سن کر نہایت خوش ہوا۔ پوچھا تیرا کیا نام ہے۔ کہا غلام کا نام بایائے زود برد ہے۔

لندھور اس نام کو سن کر نہایت حیران ہوا۔ اور کہا۔ کہ ایسا نام آگے ہم نے نہیں سنا۔ آخر اس نام سے مدعو کیا ہے اور اس کو مارتا ہے۔ ہر کسی کو بیچتا ہے۔ تو جواب دیا کہ بندہ سازوں کا [illegible] اس کلمہ کو سن کر خوش ہوا۔ اور گایا بجایا۔ آداب بجا لایا۔ اور تخت کے آگے سب لوگوں سے بالا [illegible] بڑھکر دو زانو ہو بیٹھا اور ساز بجانے لگا۔ وہاں کے جو سازندے تھے تمام خفا ہوئے کہ [illegible] [illegible] لندھور نے کہا کہ [illegible] تو وہ [illegible] [illegible]

عمر کا [illegible] کے کان کو [illegible] تھا۔ جس وقت [illegible] اور [illegible] مجلس کے کان

میں جو ہی گئی تو ہر ایک نے عش عش کیا اور اس کی تعریف کرنے لگے۔ غرض اسے خسرو ہندوستان لندھور
بن سعدان کو یہاں تک محظوظ کیا۔ کہ حالت سکتے کی سی ہو گئی۔ لندھور نے کہا۔ اے شخص مانگ کیا مانگتا
ہے۔ کہا۔ خدا آپ کو سلامت رکھے بندہ جیسی آپکی تعریف سنتا تھا اس سے زیادہ دیکھا۔ لیکن غلام کو۔
شاہ ہفت کشور کے داماد کی عنایت سے ہر شے موجود ہے کسی بات کی کمی نہیں ہے۔ فقط آپکی قدمبوسی کی
تمنا تھی سو خدا نے کرائی۔ اب آپ بندہ سے خوش ہیں اور میرے جانے کے بعد بھی یادگار رہے۔

لندھور نے پھر دوبارہ فرمایا جو چاہے مانگ۔ کہا آپکی مرضی یہی ہے۔ تو کمترین کو دو
ساعت کی خاطر خدمت ساقی گری کی ملے۔ پھر ملاحظہ فرمایئے۔ کہ آپکو کس طرح خوش و محظوظ کرتا ہوں۔
فرمایا کیا مضائقہ ہے۔ حکم کیا کہ ہماری خاص صراحی و پیالہ اس کے حوالے کرو۔ تو ساقی نے عمر کے حوالے کیا۔ عمر
اس کا ساقی بزم ہوا اور بادۂ نایاب جام مرصع میں بھر کر پلانے لگا۔ جب دو دو جام پلائے اور اہل مجلس
کا دماغ گرم ہوا اور عمر کی طرف سب کا نرم دل ہوا۔ تو ہر ایک کو کمال درجہ کی تفریح حاصل ہوئی۔ اور عمر نے دیکھا
کہ سب کے سب مزے میں ہیں تو پیالہ بھر کر خسرو بلاد ہندوستان کے روبرو لایا۔ بادشاہ پینے میں محو ہوا تو
عمر نے بادشاہ کی آنکھ بچا کر ان مرد کے طاؤسوں میں جو تخت کے گوشوں پہ لگے ہوئے تھے ایک طاؤس اٹھا
کر تھیل میں رکھا۔ بادشاہ نے دیکھا اور کہا زود دیر وکیا کرتا ہے۔ کہا شہریار خاموش کہ باش کہ زود میر دم۔
ایسا نہ ہو کہ کوئی سن لے۔ لندھور اس حرکت سے بے اختیار ہنسا۔ کہ تو عجیب مرد مضحک ہے میری چیز چراتا ہے
اور مجھے کہتا ہے۔ کہ چپ رہو میں جانتا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی سنے۔ بھلا چیز تو میری ہے دوسرے کے سننے سے
کیا ہوتا ہے۔ ارے تیری چوری میں بھی لطف ہوگا۔ یہ چاروں طاؤس میں نے تجھے دیئے۔ تب عمر بہت
خوش ہوا اور طاؤس اتار کر زنبیل میں رکھے اور دوسرا پیالہ بھر کر شہنشاہ ہند کے ہاتھ میں دیا۔ جب دیکھا کہ
شراب کی کیفیت میں تمام مست ہوئے ہیں اور اس وقت زنبیل سے داروئے بے ہوشی کی ایک مثقال نکال
کر شراب کے شیشے میں لائی اور دو جام خسرو کو پلائے تو ایک ساعت نہ ہوئی تھی کہ بے ہوشی کا اثر ہوا۔
تو اس نشہ میں سب کو طغیانی کا ایک دریا موجزن ہونے لگا۔ اور تمام عجائب و غرائب کا تماشہ کرنے لگے۔
اور جو مجلس میں تھے تمام کھڑے ہو کر کہنے لگے۔ کہ یارو ہم غوطے کھاتے ہیں کوئی سنبھالو۔ یہ کہکر سب لوگ زمین
پر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔

عمر نے یہ حالت دیکھ کر دست درازی شروع کی۔ مسند اور غالیچے اور فرش فروش اور
سامان جو کچھ تھا سب کی گٹھڑی باندھ کر اور سب کے کپڑے اتار کر ننگا کیا۔ فقط پاجامے بدن پر چھوڑے۔ اس
واسطے کہ یہ لوگ مسلمان تھے۔ نہیں تو عمر کا یہ کام تھا۔ کہ ازار بھی نہ چھوڑتا۔ اگر کافر کے لشکر میں جاتا تو

ان کا سب کام عمر کالا کرتا۔ پس ملمان ہونے کے باعث ان کو بیحرمت نہ کیا۔ جہاں تک کہ اسباب نقد و جنس اس بارگاہ میں تھا تمام لیکر زنبیل میں رکھا اور لشکر کیطرف روانہ ہوا اور اپنے خیمہ میں جاکر سو رہا۔ لیکن یہاں صاحبقران نے دیکھا کہ عمر کو گئے ہوئے عرصہ ہوا ہے۔ آدمیوں کو فرمایا کہ عمر کی خبر لو کہ وہ کہاں ہے لوگوں نے جاکر دیکھا تو وہ اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ اور وہ اسباب جو لایا تھا۔ اسمیں سے قسم اوّل اور قسم دوم جدا کر رہا ہے۔ آدمیوں نے کہا کہ امیر نے آپکو یاد فرمایا ہے۔ عمر نے چاہا کہ اسباب کو رکھ جاؤں حضور کے فرستادوں نے کہا کہ اسباب سمیت آپکو چلنا ہوگا۔ مجبوراً مع اسباب حضور میں آیا۔ اور آداب گاہ سے آداب بجالایا۔

امیر نے فرمایا یہ اسباب کیسا ہے؟ کہا اللہ حضور نے دیا ہے۔ فرمایا تو جھوٹ کہتا ہے۔

امیر نے وہ تمام اسباب پہلوان عادی کے ہمراہ خسرو ہندوستان کو بھیجا۔ اور کہلا بھیجا کہ اگر عمر نے کچھ بے ادبی کی ہو تو مجھ کو بتاؤ۔ کہ میں اسے سزا دینے کیلئے آپکی خدمت میں بھیجدوں۔ اور کچھ تحفے دیکر روانہ کیا۔

۱۸ اٹھارہویں داستان

راوی بیان کرتا ہے۔ کہ عادی کو امیر نے لندھور بن سعدان کی طرف بھیجا اور وہاں جو عمر یہ حرکت کر کے آیا تھا۔ جس وقت سے خسرو تمام کی بیہوشی اتری ہر ایک نے اپنے آپکو برہنہ پایا۔ اور بارگاہ خراب دیکھکر حیران ہوئے۔ فرمایا کیا معاملہ ہے۔ لندھور نے کہا۔ کہ زرد برد کہاں گیا۔ جب دیکھا تو اس کا حال معلوم نہیں کہ کہاں گیا۔ وہ ایک رقعہ جو عمر نے لکھکر لندھور کے گلے میں ڈال دیا تھا۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ زرد برد کی کرتوت تھا۔ سب نے حمام میں جاکر غسل کیا اور پوشاکیں منگوا کر پہنیں۔ فرش دوبارہ ہوا۔ یہ اسی [illegible] میں تھے کہ [illegible] نے آکر خبر دی کہ لشکر [illegible] والے کے [illegible] نے اپنے ایک سردار کو بطور ایلچی بھیجا ہے [illegible] داخل ہوا چاہتا ہے کہ کوئی دم میں حضور کے پاس آتے۔ کہا یہاں سے کئی سردار [illegible] [illegible] اور عزت کیکے لائیں۔

[illegible] وقت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جو لایا تمام [illegible] اور امیر کا پیغام دیا تو [illegible] خوش ہوا اور عادی کی بہت عزت کی اور خلعت فاخرہ عادی کو عنایت فرمایا۔ [illegible] تحفے بھیجے تھے وہ تمام [illegible] جو اسباب عمر لایا تھا واپس دیا اور کہا یہ ہماری [illegible] عمر کو دیا۔ اور کہا۔ ہم نے معاف کیا اور [illegible] [illegible] [illegible] کہ میں عمر کا

نہایت سائق ہوں۔ اسے فرمایئے کہ صورت اصلی میں آ جائے۔ یہ کہکر رخصت کیا۔ تو عادی نے آکر یہ تمام احوال امیر سے بیان کیا۔ تو امیر نہایت شاد ہوئے۔ اور امیر نے فرمایا اے عمر تجھے خسرو ہندوستان نے بلایا ہے اور ان کا اسباب جو تو لایا تھا۔ اس نے تجھے بخشا۔ لیکن اصلی صورت پر جا۔ عمر خوش ہوکر لندھور کے لشکر کیطرف چلا۔ اور راہ میں دیکھا کہ سوداگروں کی ایک جماعت ایک جواہر نگار تاج لئے ہوئے جاتے ہیں۔ عمر بھی ان کے ہمراہ ہوا اور ایک بزرگ تاجر کی صورت بناکر چلا اور آپکی بارگاہ کی ڈیوڑھی پر پہنچا۔ خسرو نے اس جماعت کو حضور میں طلب کیا۔ تب یہ تمام اندر جاکر کھڑے ہوئے۔ ان سب نے مل کر یہ تاج بنایا تھا۔ یہ تاج خوان میں رکھکر ایک تاج کی چوکی پر رکھا۔ داروغہ جواہر خانہ آیا اور اس نے سوداگر سے کہا۔ کہ بادشاہ اسی وقت تاج سر پر رکھیگا اور اس کی قیمت مع خلعت و انعام تمکو دیگا۔ مگر اسکی قیمت کا جلد انفصال کرو۔ اور تمام خاموش رہے۔ مگر عمر نے کہا۔ کہ میں راضی نہیں۔ کہ خسرو بغیر رقم دیئے تاج سر پر رکھے۔ ہاں پہلے قیمت دے تو پھر مختار ہے۔

یہ بات خسرو کے کان میں پہنچی اور پوچھا کیا ہے۔ کہا۔ ایک بگفتگو کرتا ہے۔ فرمایا میں کسی کی چیز ایسے نہیں لیتا ہوں۔ پوچھو کہ کتنے میں تیرا جواہر کا لتا ہے اس کی قیمت لے لو۔ اس تاج کو مع سوداگران لندھور کے خیمہ میں لے گئے۔ لندھور نے دیکھکر کہا عجیب نادیدہ مرد ہے۔ بتلا کتنے میں تیری کونسی رقم ہے۔ پہلے اس کی قیمت ادا کروں۔ عمر نے کہا۔ مجھے دکھائی کم دیتا ہے۔ روشنی میں دیکھکر بتاؤں گا۔ فرمایا کیا مضائقہ ہے۔ عمر تاج لیکر باہر نکلا اور یہ کہ لوگ بھی ہمراہ تھے۔

عمر نے کہا۔ کہ دیکھو آسمان پر گھٹا چھائی ہے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ کہنے لگے او عزیز اتنا جھوٹ کیوں بولتا ہے۔ بتا ابر کہاں ہے۔ پیچھے نگاہ کی تو وہ نہیں ہے اور تاج لئے ہوئے میدان میں بھاگا چلا جاتا ہے۔ لوگ دوڑے لیکن اسکی گرد کو بھی نہ پہنچے۔ تو تمام نے بادشاہ سے عرض کی۔ کہ خسرو آپ ایک ہاتھی کے پاٹھے پر سوار ہوکر اس کے پیچھے چلا جاتا ہے۔ عمر کو روکا۔ تب وہ ایک پہاڑ کے دامن میں بھاگا۔ لیکن وہاں جاکر دیکھا تو کسی طرف کو راہ نہیں ہے۔ حیران ہوا کہ اب کہاں جاؤں تو ایک آسیابان کا گھر نظر آیا۔ تو دوڑتا ہوا آسیابان کے پاس آیا۔ اور اس سے کہا کہ بادشاہ ہندوستان نے تیرا سر کاٹنے کو فوج بھیجی ہے۔ اس نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر نجومیوں نے بتائی ہے۔ کہ آسیابان کے سر کے پوست سے طبل جنگ منڈھایا جائے اور حضور میں بجے تو بہتر ہے۔ یہ لوگ اسی طلب کیلئے۔

وہ بیچارہ یہ بات سُن کر ڈر گیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ میں کیونکر بچوں؟ عمر نے کہا۔ کہ تو جنگے کی

صورت یہی ہے کہ اپنے کپڑے مجھے دے اور میں پہن کر چکی پیسوں اور تو اس حوض میں جا کر چھپ۔ جب لوگ آئینگے تو میں چھوا پہرہ پر دونگا۔ اس نے دعا دی اور کپڑے اُتار کر حوض میں گیا اور عمر اس کے کپڑے پہن کر بیٹھا۔ تب لندھور نے پوچھا۔ کہ یہاں ایک شخص اس شکل کا آیا وہ کہاں ہے۔ کہا اس حوض میں ہے۔ لندھور نے اپنے کپڑے اُتارے اور حوض میں اُترا تو عمر نے تمام لباس لندھور کا بھی لیا۔ اور در سے کے منہ پر اسکی فوج کھڑی تھی وہاں آیا اور کہا خسرو نے مجھے نشان دیا ہے اور دو سو تمن مجھے دلائے ہیں۔ ان سے دو سو تمن روپوں کے لیکر اپنے لشکر کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں لندھور نے پانی میں اُتر کر اس آسیابان کو پکڑا اور کہا باہر نکل اس نے اپنے سر کو پتھر پر مار کر کئی زخم کئے اور کہا۔ اب سر کا چہرہ خراب ہوا اور کسی کام کا نہیں رہا۔ اور آسیابان کو تلاش کرو۔

لندھور یہ سُن کر حیران ہوا۔ کہ یہ کیا کہتا ہے۔ جب اس مضمون سے واقف ہوا اور دیکھا تو وہ نہیں ہے۔ تب سمجھ لیا۔ کہ وہ عمر ہی تھا جو میرا لباس لیگیا۔ لوگوں سے پوچھا۔ کہ کوئی آدمی ادھر سے باہر گیا ہے کہا۔ کوئی نہیں۔ مگر آپ نے جسے اپنا نشان دیکر بھیجا ہے وہ دو سو تمن لیکر البتہ اس طرف گیا ہے۔ خسرو عمر کی ظرافت دیکھکر عاشق ہو گیا اور دوسری پوشاک منگوائی۔ اور پہن کر اپنی فوج کو رخصت کیا۔ اور آپ اکیلا امیر کے لشکر کیطرف روانہ ہوا۔ عیاروں نے یہ خبر صاحبقران کو دی کہ لندھور آیا ہے۔ امیر نے سرداروں کو استقبال کے لئے روانہ کیا۔ لندھور جب امیر کی بارگاہ میں آیا تو امیر نے اس کی تعظیم کی اور ایک کرسی مرصع نگار پر اپنے پہلو میں بٹھایا۔ اور اس کے واسطے جشن کی تیاری کی۔ لندھور امیر کا حسن سلوک دیکھکر نہایت خوش ہوا اور کہا عمر کہاں ہے میں اسکی صورت کا مشتاق ہوں۔ اور وہ جب میرے پاس جاتا ہے۔ تو اصلی صورت سے نہیں جاتا۔ اس کو اس وقت بلوائیے۔ امیر نے عمر کو طلب کیا وہ بارگاہ دانیال میں آکر آداب بجالایا اور خسرو ہندوستان کو دعا دیکر اپنی کرسی پر بیٹھا۔ لندھور نے کہا۔ اے عمر وہ تاج بھی ہم نے تجھکو معاف کیا۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ تو اسی صورت میں ہمارے پاس آیا کر۔ لیکن اس وقت میں کمال اشتیاق سے تیرے پاس آیا ہوں مجھے اس وقت محظوظ کر۔

عمر نے اُٹھکر گانا اور بجانا شروع کیا۔ خسرو نے اس وقت بھی عمر کو بہت سا انعام دیا اور کہا۔ آفریں۔ واقعی ہم نے تیرے برابر اور کوئی نہیں دیکھا۔ غرض تمام روز جام شراب گردش میں رہا۔ اور بزم گرم رہی۔ جب شام کا وقت قریب آیا تو خسرو ہندوستان نے امیر سے کہا۔ جو عرض آپ سے ہم نے کی وہ آپ کو قبول ہے یا نہیں۔ فرمایا حق دوستی آپ بجالائے لیکن مجھکو شاہ ہفت کشور نے لڑنے کو بھیجا ہے۔ یہ سن لندھور نے کہا۔ کہ اس بات کا ارادہ نہ کریں دشمنوں نے آپ کے مارنے کی تدبیر کی ہے۔ اس بات

سے ہاتھ اُٹھائیے۔ اور صلح کیجئے۔ لشکر اور خزانہ چاہیئے تو حاضر ہے۔ اگر فرمائیں تو فوج لے کر آپ کے ہمراہ جاکر نوشیرواں کو مار کر آپ کو ایران کا بادشاہ کروں کہ اس کا تمام مُلک آپ کے زیرِ فرمان رہے اور پھر اپنے یار جانی سے بخوبی ملاقات کیجئے۔ امیر نے کہا۔ کہ مجھے تو تمہارا سر کاٹنے کیلئے بھیجا ہے تو لندھور نے اپنی کمر سے تلوار نکال کر امیر کے روبرو رکھدی اور سر جھکا دیا اور کہا۔ کہ آپ کو یہی منظور ہے تو سر حاضر ہے کاٹ لیجئے۔ فرمایا اس طرح نامرد کاٹتے ہیں۔ ہاں میدان میں اگر کارسازی جنگ سے ہو تو مضائقہ نہیں۔ یا تم میرا سر کاٹ لو یا میں تمہارا۔

لندھور نے کہا۔ اگر آپ نہیں مانتے تو ناچار میں حاضر ہوں۔ خیر اب میں جاتا ہوں کل آپ طبل جنگ بجوائیں۔ امیر نے کہا۔ پہلے میں ہرگز طبل نہ بجواؤں گا۔ کہ میرے یہاں منا ہی ہے۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اپنے مرتبہ صحرا کی طرف سے سیاہ تاریک ذیرہ خیز گرد اُٹھی۔ جب وہ نزدیک آیا ایلچی گرد کھلے مارا یار کو یاد لے مارا۔ گو دلکو آخر تو اص یادتے گریبان چاک کر دیا اور اسمیں چالیس علم پیدا ہوئے اور چالیس ہزار سوار کا نشان اور فوج کے آگے ایک علم خوب پیکر اور اس کے سایہ میں گستہم بن اشک سا سائی دکھائی دیا۔ اور ان دونوں لشکروں کے درمیان میں ایک طرف اس کا لشکر بھی اُترا اور امیر اس کو دیکھکر حیران ہوئے کہ یہ کیوں آیا؟ لندھور نے امیر سے رخصت چاہی اور اپنے لشکر میں جاکر طبل جنگ کا حکم دیا اور اس کے لشکر سے دم بدم آواز بلند ہوئی۔ یہ خبر عیاروں نے صاحبقران کو پہنچائی۔ فرمایا کہ ہمارے لشکر میں بھی طبل جنگ بجے۔ نقار خانہ کا داروغہ حکم لیکر گیا اور نقار خانہ کے میدان میں طبل کو لاکر رکھا۔ اور اس لشکر میں بھی آواز طبل سکندری بلند ہوئی دونوں طرف لشکر میں تیاری ہونے لگی۔ اور ہر جوان تلواروں کو خرسان اور چار آئینہ صیقل کرنے لگا اور ہر ایک آپس میں اور یار و برادر سے ملنے لگے۔ کہ خدا جانے صبح کو کون مارا جائے اور کون زندہ رہے۔ دونوں لشکر جنگ کی کارسازی کرنے لگے۔ ادھر گستہم نے بھی اپنے لشکر میں طبل جنگ بجوایا۔ عمر نے کسی کو خبر نہ کی اس کے لشکر میں گیا اور اس کے خیمہ میں جاکر لوگوں سے کہا۔ کہ گستہم کو خبر دو کہ عمر آیا ہے۔ اس نے سنکر اندر بلوایا۔ عمر نے جاکر سلام کیا اور اس کے پاس جاکر بیٹھا گستہم نے احوال پوچھا اور عمر نے کہنا شروع کیا۔

۱۹
انیسویں داستان

جب عمر گستہم سے باتیں کرنے لگا۔ کہ میں امیر کے ساتھ آکر اس درجہ خوار ہوا ہوں کہ

کوئی دوسرا نہ ہوگا۔ اس لئے اپنے آپکو نوشیروان کا داماد مشہور کیا ہے۔ اور اپنے آپکو آسمان ہفتم پر مانتا ہے اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ گویا آپ بادشاہ ہفت کشور ہے۔ اب مجھے بیٹھنے کا حکم نہیں دیتا اور جتنے آدمیوں کو ہمراہ لایا ہے تمام ناراض ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اس کا ساتھ چھوڑ دیں۔ آج طبل جنگ بجوایا ہے کل لندھور سے لڑائی ہوگی۔ یہ لندھور کو ماریگا اور ایران میں جاکر شہزادی کا دولہا بنے گا۔ اور اپنے آپکو فراموش کرے گا۔ میں نے دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا کہ لندھور میں کچھ زور نہیں ہے۔ اس کا گرز منو بکا ہے۔ جس پر لوہے کا خول چڑھا ہوا ہے۔ کل صبح کو تم اس کے ساتھ میدان میں لڑو۔ اور اس کو مار دو۔ کہ نوشیروان تم کو اپنا داماد بنائے۔

گستہم کو یہ بات پسند آئی اور بہت خوش ہوا۔ اور کہا خاطر جمع رکھ میں تمکو اپنی جان کے برابر رکھوں گا۔ میرے آنے کی بھی یہی وجہ ہے۔ کہ جس روز میں بہرام کو مار کر بھاگا تھا۔ تو زابل میں جاکر بیٹھا تھا۔ اب نوشیرواں کا منظور یہی ہے کہ کسی طرح حمزہ بھی مارا جائے۔ میرے پاس نوشتہ بھی موجود ہے جس کا مضمون یہ ہے۔ کہ ہم نے حمزہ کو ہندوستان بھیجا ہے۔ تو بھی جا۔ اگر لندھور کے ہاتھ سے نہ مارا گیا تو جس طرح بن پڑے تو حمزہ کو مارنا۔ میں بہتر یہ ہے کہ صبح میدان میں نکل کر لندھور کو ماردوں اور اس کو اپنی ضرب دکھاؤں۔ بعدہ اس کا کام تمام کرو۔ غرض تمام رات ان دونوں لشکروں میں طبل بجتا رہا۔ اور لشکر ان کے نقیب اور چوبدار [illegible] رات بھر پکارتے رہے۔

[illegible]

نابود گرد [illegible] میدان ۔ شیر را زیر [illegible] بیابد کرد

اور تمام نامداران دست راست و دست چپ اپنے اپنے سرداروں کے خیموں میں جمع ہوئے اور جام شراب عیاروں کے ہاتھوں سے پیا کئے۔ اور شہرہ ئے شجاعت اور داد نشہ شراب میں پڑھا کئے۔ اشعار

دم نہ [illegible] نظم تا در تن [illegible] جان بود ۔ جان چہ کار آید اگر در دم دیگر نقصان بود
[illegible] میدان شیر [illegible] بود ۔ [illegible] است این [illegible] آسمان بود
[illegible] ۔ [illegible] میدان بود
[illegible] ۔ میوہ باغ بہادر خنجر [illegible] بود

لیکن جب چار گھڑی رات رہی تو [illegible] لندھور بن سعدان ساٹھ ہزار سوار لیکر چلا اور فوج سوا لاکھ کی۔ کھاتی۔ [illegible] مرہٹی۔ دکھنی۔ گجر۔ جاٹ۔ گجراتی۔ [illegible] ۔

کرناٹکی۔ موہارم پلیا۔ راجپوت۔ ہر ایک اپنے آپکو غرق فولاد کرکے میدان میں نکلا اور تنگ و زنگ جنگ در جنگ انبوہ در انبوہ جیل در جیل۔ جوق در جوق چشم در چشم، پردہ در پردہ۔ دستہ در دستہ۔ رسالہ در رسالہ تمن در تمن صف در صف عرصہ کارزار میں سب کھڑے ہوئے۔ اور مشعل اور چوبہا ب اس لشکر میں اس قدر روشن تھیں کہ گویا رات کو دن کر دیا تھا۔ اگر سوزن میدان میں گرے تو صاف دکھائی دے اور اس طرف گستہم بن اشک زرینہ کفش ساسانی چالیس ہزار سوار سے ایک طرف کو صف باندھکر کھڑا ہوا۔ یہ خبر عیار اہلکاروں نے سلطان صاحبقران کو دی۔ کچھ رات باقی تھی۔ کہ نماز فجر سے فارغ ہوکر سلاح طلب کئے اور تمام ہتھیار پیغمبروں کا جوشن جسم پر لگایا اور تیار ہوئے۔ اور طفیل وفادار کے ہمراہ بارگاہ کے باہر صفوں میں تشریف لائے۔

عمر عیار چار سو عیار تیز و طرار کے ساتھ منظورہ زرلفتی اور پاتا مہ لاتی و کوش عیاری دچلہ ہائے لٹکائے ہوئے کھڑا تھا۔ اس نے مونہہ امیروں کے جھک کر سلام کیا اور ان سب کے ... سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کی آواز پیدا ہوئی۔ امیر سیاہ قیطاس پر سوار ہوئے اور طرق بن جیران تراحی لئے تھا نیشہ علم اژدہا پیکر اٹھایا۔ اور اس کا سایہ صاحبقران کے سر پر کیا۔ جتنے پہلوان امیر و سرداران نامی نامدار تھے رکاب میں حاضر ہوئے اور امیر کی سواری رزمگاہ کی طرف مانند بہادران کے روانہ ہوئی۔ صبح کا عالم اور ہر ایک کے بان و نشان چمکتے ہوئے تیز کی زرہ بکتر اور سواروں اور گھوڑوں کا دوڑانا اور میدان کے ... کا عالم اور تیل دریائے لشکر کی طغیانی ایک عجیب تماشہ گاہ تھا ... کو دیکھا تو ... اور ادھر ... باندھے ہوئے کھڑے ہیں۔ اور اسکی ہر ایک جانب میں ... کا وہ عالم تھا ... اور تمام آوری سے میدان کارزار میں پنڈلیاں ... پہنے ہوئے دستانہ اور چار آئینہ لگائے ہوئے ... و کمخواب کا پہنے ہوئے ... شمشیر و سنان و نیزہ و ... لئے ہوئے ... کے منتظر کھڑے ہیں۔ ... ہندوستان ... سوار اور گرز گراں ... ہوئے آلات حرب میں غرق آن پہنچا۔ غرض ان ... لشکر کے مقابل ... اپنے لشکر ... کو استادہ کیا میمنہ و میسرہ اور قلب و جناح ... صفیں لڑائی کی تیاری کی تھا کہ کوئی میدان میں نکلے ... اور ... زمین ہموار کر گئے۔ اور سقول نے ... علاقہ اور سام بن ... اور رستم ... میدان میں آکر بہادری کی نشان ظاہر کریں۔ میدان ... کہ مردان ...

حریف کا سر کاٹیں اور اس حلقہ کو دریائے خون سے سُرخ کریں۔ جونہی نقیبوں نے آواز دی تو عمر نے گستہم سے کہا۔ کہ میدان میں نکلنے کا یہی وقت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ حمزہ لندھور کے ہاتھ مارا جائے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ تیرا آدھا میدان پیٹھ کے پیچھے چھوڑا اور آدھا باقی رہا۔ تو لقصف میدان میں آکر لندھور کی طرف نعرہ کیا اور کہا۔ کہ تم میں کوئی ایسا ہے جو میرے مقابل آئے۔

یہ سنتے ہی دارائے اعظم رکن سلطنت خسرو بلاد ہندوستان لندھور نے فیل میمہ کو اشارہ کیا اور میدان کی صورت چلا۔ لیکن اس کے ہاتھی کا عالم کیا بیان کروں اور اس زرلفت جھول پر جو اس پر پڑی ہے۔ اور جس پر چھوٹی چھوٹی فولادی چکنیاں جڑی اور فولادی تاروں سے اکٹھی ہوئی تھیں اس وجہ سے محافظت کے تکبر کی وضع مانند ستارگان فلک کے چمک رہی تھیں اور اس پر سر دگرز نہایت قدآور جہاں کوب ملک الموت کا چھوٹا بھائی لئے ہوئے مقابل گستہم بن اشک ساسانی کے نکلا۔ لندھور نے عمر کو اسکی طرف دیکھکر کہا۔ اے بابا! امیر سے کیا ایذا پائی جو اس سے رفاقت چھوڑی۔ عمر نے کہا فقط لتے ہی کیو سطے ہمراہ آیا۔ کہ اس کو تمہارے مقابل کردوں۔ اس کے بعد مجھے اس سے کچھ کام نہیں یہ کہکر اپنے لشکر میں آیا اور امیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہاں لندھور نے گستہم سے کہا۔ لا کیا ضرب رکھتا ہے۔ بیت

بیا تا چہ داری زمردی نشان کمان کیا و گرز گراں؟

گستہم نے اپنے جی میں کہا۔ جو پہلے ضرب لگائے وہی مرد ہے یہی خیال اپنے جی میں کرکے میان سے تلوار نکال کر لندھور پر ماری۔ اس نے تلوار کو گرز پر روک لیا اور وہی گرز اس کے سر پر ماری۔ تو گستہم زخمی ہوکر بیحواس ہوکر گھوڑے پر سے زمین پر گرا اور گرتے ہی اس کے سوار بس پر آگرے اور تیغ زنی شروع کی اور گستہم کو اٹھا کر لے گئے۔ اور بازگشت کا طبل بجوایا۔

بیسویں داستان

راویانِ شیریں مقال یہاں تک بیان کیا کرتے ہیں کہ جب طبل بازگشت کا بجایا تو لندھور نے امیر کی طرف دیکھ کر کہا [illegible] آج تھک گیا ہوں اور فرصت دیتا ہوں کل تمہارا حال [illegible] فرمایا اس وقت جو ہوگا دیکھ لیں گے۔ رات کو ہر ایک لشکر اپنے اپنے مقام پر جا کر آرام کرنے لگے [illegible] رات گستہم [illegible] ایک جھرا کی طرف روانہ [illegible] چار گھڑی رات گذری [illegible] عالم

گرم ہوا۔ سندھور نے طبل جنگ کا پھر حکم دیا۔ تو قوس اور نقاروں کی آواز بلند ہوئی۔ دریائے لشکر کو تمام رات کارسازی جنگ میں گذری۔ جب صبح کا وقت قریب آیا اور آفتاب گل رنگ نے دریچہ جنگ سے سر باہر نکالا۔ اور ظلمت شب کو اپنے نور سے روشن کیا۔ تو راوی داستان یوں لکھتا ہے۔ اشعار

چو بگرفت گردون گردان سپہر — جہاں را بہ تیغ جہاں سوز مہر
بہ بخت افق شاہ انجم نشست — کز و بر سپاہی شب آمد شکست
بجنبندہ دریائے لشکر زجائے — بحکم شہنشاہ کشور کشائے
چو صور قیامت نفز و صکنیر! — بدل برد ہوش سر چرخ پیر
کجک بر دہل فتنہ بنیاد کرد — قیامت بپا شور بنیاد کرد!
عملہا چو خوباں بپا را مسنند! — بہ نظارہ جنگ بر خاستند،
ز جولاں سپہراں دراں دشت کین — تزلزل در آمد بگاو زمین

روز روشن ہونے سے پہلے خسرو ہندوستان فوج قاہرہ لیکر رزمگاہ میں آیا اور صف باندھکر کھڑا ہوا۔ صبح کو صاحبقران بھی نماز ادا کر کے اور وظائف سے فراغت پا کر تیار ہوئے اور سلاح انبیا کا گلے میں پہنا چنانچہ خود سر پر رکھا اور زرہ داؤدی گلے میں پہنی۔ غرضیکہ خود سر و زرہ بر آئینہ چار آئینہ زانو سے لگا کر سیہ اسوار کر کے اور باہر نکل کر سیاہ قیطاس پر سوار ہوئے اور طوق بن جبران نے علم اژدہا پیکر کا سایہ صاحبقران کے اوپر کیا اور شاہ عیاران بیک تا و راز شہنشہ گذار مرپیدہ کا دو گانی ورزہ لشکر پر ہندہ کا قرآن یارہ سو عیاری کی جماعت سے اپنے کجلوس میں قطورہ رزنقی اور بابا سنفر لالی وگوش عیاری وبلا سے نام لپیٹ جسم پر آراستہ کئے ہوئے اور امیر کے راست و چپ سرداران باوقار مع نقیل دفادار و سلطان بخت مغربی و منظر شاہ یمنی و نعمان بن منظر و عمر و معدی کرب غرض تیس ہزار سے امیر بھی مقابل خسرو ہندوستان کے آخر جنگ پر ستادہ ہوئے۔ اس وقت میں ہر ایک آسمان کو دیکھتا تھا۔ کہ بہادروں میں تو ہی شرم رکھے گا۔ کیونکہ مثل مشہور ہے

تیغ بہ کمر بستن عالم ہمہ کس دانند — در عرصہ جان باز استادہ شدن مشکل

غرض اس وقت میدان کا یہ عالم تھا۔ کہ خیمہ ملک الموت استادہ ہوا اور ستارہ مریخ ہر ایک سپاہی کی پیشانی پر جلوہ گر ہوا۔ قضا سے آہنی ہر ایک کے گلے میں مثل سموم زم ہوئی بارش تیرن مرگ مثل ہوئی از بسکہ خسرو صاحبقران کو نہایت دوست رکھتا تھا۔ اس خاطر کر کو پہ اٹھالا یا نیزہ نکالا اور میدان میں آکر ایسی نیزہ بازی کی۔ کہ ہر دوست و دشمن کے منہ سے آواز حسن آفرین کی بلند ہوئی۔ اتنے میں سپاہ ہند

نے اپنے علموں کو جلوہ دیا اور نشان اٹھائے۔ اس دم لندھور نے رخ لشکر اسلام کی طرف کیا اور کہا۔ اے
مردمان بہادر تم سے از روئے مرگس کوچے نکلے اور میرے مقابل آئے۔ اس کا یہ کہنا تھا۔ کہ صاحبقران
نے فاتحہ پڑھکر اپنے مرکب کو آگے بڑھایا۔ اور شہریار جو لشکر اسلام میں تھے سب پیادہ ہو کر دامنوں کو
گردان امیر کے ہمراہ ہوئے اور میدان میں آکر امیر نے ان کو رخصت کیا۔ اور لندھور نے ان کے
روبرو آکر کہا۔

حمزہ لاکیا ضرب رکھتا ہے۔ امیر نے کہا ہم پیشدستی نہیں کرتے۔ پہلے تم ہی
ضرب لاؤ۔ میں بعد میں ضرب کروں گا۔ وہی نیزہ جو خسرو ہندوستان کے ہاتھ میں تھا۔ امیر
کیطرف بڑھایا۔ امیر نے بھی عمر کے ہاتھ سے شاخ نہنگ کا نیزہ اور اس کے نیزے کی
ستان پر روکا اور دونوں جوانوں میں نیزہ بازی ہونے لگی ؎

مادہ نیزہ دو بازو دو مرد دلیر ۔۔۔ تو گوئی کہ بود ند دو نیزہ شیر

جب دو دو طعن نیزہ بازی کے ہوئے تو آپس میں ردو بدل ہونے لگے۔ امیر نے
اس کے نیزے کو کاٹ کر ایک ایسا نیزہ مارا کہ اس کا نیزہ شہاب کی طرح آسمان پر چلا۔ تب تو
لندھور کے جسم کو آگ لگ گئی۔ اور کہا۔ اے حمزہ جو امر نیزہ بازی کا عربوں کے اوپر قطع ہوا ہے۔ اگر مرد
ہوں تو تمام عمر نیزہ ہاتھ میں نہ لوں گا۔ جھنجھلا کر ہاتھ کو اس اعرابی کے پاس میدان میں لے گیا کہ جس
کے پاس کاٹھ و دربنا تھا۔ اور جھکے کر وہ گرز اٹھایا اور امیر کے برابر اپنے ہاتھی کو کیا۔ اور گرز کو سر
سے بلند کر کے اس پر مارا۔

صاحبقران نے خداوند کو یاد کیا اور اس گرز کو سر پر روکا۔ لیکن اس ضرب کے لگنے سے
امیر کے بال بال سے پسینہ بہنے لگا۔ اور ہڈیوں کو ایک ضرب شدید معلوم ہوئی۔ لیکن حضرت آدم
علیہ السلام کے بازو بند کی برکت سے امیر کے بازو خم نہ ہوئے۔ جب لندھور نے دیکھا۔ کہ میری ضرب
سے آج تک کوئی نہ بچ سکا اور حمزہ سلامت کھڑا ہے۔ تو دوسرا ضرب بہ قوت تمام لگایا۔ کہ امیر
کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ لیکن مثل سد سکندری اس طرح کھڑے رہے اور اس ضرب کو روکا۔
تیسرا ضرب [illegible] نے اس زور سے ضرب کیا۔ کہ اگر پہاڑ پر مارتا تو زمین میں گڑ جاتا
کہا۔ صاحبقران نے [illegible] اس [illegible] کیا اور [illegible] چلایا۔ امیر کی حالت تنگ ہوئی
اور [illegible] گئے۔
[illegible] اسی دم نیزہ مارا کہ اگر اس کا کوئی [illegible] آئے۔ [illegible] امیر [illegible]

مجھے ایک کرتب دکھائے ۔

جب اس نے یہ کہا تو عمر نے خضر علیہ السلام کا مشکیزہ شفا لیکر اٹھایا اور اس خاک پر چھڑکا اور امیر کے پاس آکر امیر کی راہیں اور گرد مل کر کہنے لگا ۔ اے شہریار اگر زندہ ہے تو جواب دے اور اگر مر گیا ہے ۔ تو یاد اللہ وحدہ ما دشما برروز قیامت اتفاقاً اس کی آواز سے امیر کو ہوش آیا تھا ۔ دیکھا کہ گھوڑے کے پاؤں کی مانند زمین گڑے ہیں ۔ تب حضرت داؤد علیہ السلام کا تازیانہ نکال کر گھوڑے کی پیٹھ پر لگا اور زور کر کے زمین سے جدا ہوا ۔ اور لندھور کی طرف چلا ۔

صاحبقران نے کہا ۔ اے خسرو تو نہیں جانتا کہ تیری جان کیلئے ملک الموت حاضر ہے جب خدا اس سے بچا دیگا تب ایک ہی ضرب سے کروں گا ۔ لندھور اس وقت ہاتھی سے اتر کر ایک گھوڑے پر سوار ہوا اور شمشیر جوہر دار عطا و دشمن کش مثل پارہ سیماب کمر سے نکال کر امیر کے سر پر ماری امیر نے اس تلوار کو سپر ابریشم ہفت رنگ قبہ مرصع پر روکا اور بزور بازو فن سپاہ گری سے روکا اور کہا ۔ اے لندھور ۔ بیت

؎ تو ضرب زدی ضرب ما نوش کن ۔۔۔ شمہ ہر دو عالم فراموش کن

خبردار ہو ۔ یہ کہہ کر خبردار کیا ۔ یہ کہکر سے تیغ الصمصام کو نکال کر اور رکاب سے رکاب ملا کر سینہ کے زور سے اور بازو کی قوت سے مانند برق رعد خروش کے سر پر لگائی اس نے بھی وہ سپر فولادی پر روکنا چاہا تھا ۔ مگر تلوار اس سپر کو قلم کیا اور اس کی خود سے پھسل کر گھوڑے کی گردن پر پڑی جس سے دھڑ سر سے جدا ہو کر زمین پر گرا اور لندھور اچھل کر گھوڑے سے جدا ہوا اور پیدل تلوار نکال کر امیر پر دوڑا ۔ امیر نے خیال کیا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں گھوڑے کو زخمی کر دے ۔ آپ بھی گھوڑے سے جدا ہوئے ۔ اور اس کے ہاتھ سے تلوار پکڑ کر چھین لی ۔ امیر نے امیر کی گردن و کمر میں ہاتھ ڈالا اور دونوں میں کشتی ہونے لگی کبھی لندھور امیر کو چالیس پچاس قدم کھینچ لیجاتا اور کبھی امیر ۔

جب شام ہونے کو ہوئی تو لندھور نے اپنی فوج میں روشنی کا حکم دیا اور امیر نے بھی ارشاد فرمایا کہ روشنی کریں ۔ غرض کہ دونوں لشکروں میں روشنی ہوئی اور ان میں کشتی ہوتی رہی ۔

راوی اس داستان کا یوں بیان کرتا ہے کہ سات دن رات امیر نے لندھور کو سر سے بلند کیا بعض کہتے ہیں کہ سب سے [illegible] جو ممکن تھا بیر [illegible] تاہم ۔ غرض ناچار ہو کر امیر نے لندھور کو چھوڑ دیا اور خنجر نکال کر چاہا کہ پیٹ چاک کرے ۔ [illegible] چونکہ لندھور [illegible] اور [illegible] اتنا ڈر کر امیر کا ہاتھ پکڑ لیا ۔ اور کہا آپ کیا کرتے ہیں [illegible] آپ [illegible] قوت عطا فرمائی ہے ۔ ورنہ کس میں طاقت ہے کہ جو تم کو ہلا دے اور

امیر کے لنگر زمین سے اُکھاڑے اور کہا۔ کہ میں نے آپکی اطاعت قبول کی۔ آپ اس کو اپنے ملازموں میں گنئے۔ تب امیر نے لندھور کو چھاتی سے لگایا اور عذر معذرت کر کے ایسے خوش ہوئے۔ کہ گویا سات زمانے کی بادشاہت ملی۔ امیر نے فرمایا۔ اے بادشاہ ہند میری تمنا ہے۔ کہ تم میرے ہمراہ نوشیرواں کے پاس ایران چلو۔ کہ میری آبرو قائم رہے۔ جواب دیا کہ بندہ کو بسر و چشم قبول ہے اور جو فرماؤ گے بجا لاؤں گا۔

یہ کہہ کر اسی وقت اپنے تمام سرداروں کو بلایا اور امیر کی ملاقات کرائی۔ امیر نے اس کے ہر پہلوان سے بغلگیری کی اور لندھور کو بطبل شادمانی و رضامندی بجواتے ہوئے اپنے اپنے ٹھکانوں پر جا کر آسودہ ہوئے۔ اور سب نے آرام کیا۔ دو تین دن کے بعد صاحبقران نے جشن فرمایا اور لندھور اپنے تمام سرداران امراء وزراء امیر کی بارگاہ دا تیال میں تشریف لائے اور صحبت کی بزم آراستہ ہوئی اور شراب ارغوانی کا دور چلنے لگا۔ اس بزم صحبت میں امیر مہر نگار کا تصور کر کے آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور عمر کیطرف دیکھکر فرمایا۔ اے بابا جی چاہتا ہے کہ تو اس وقت گا۔ کہ معشوق کی یاد میں دل بھر آیا۔

عمر دو زانو ہو کر روبرو بیٹھا اور تاروں کی سروں کو درست کر کے انگلیوں میں مضرات چڑھائی۔ اور بجانا شروع کیا۔ پہلے ہاتھ سے راگ کا تمام عالم خوب دکھا کر ایک غزل گائی۔ کہ تمام مجلس کو وجد کی سی حالت ہو گئی۔ امیر بھی خوب روئے اور عمر کو خوش ہو کر فرمایا۔ اے عمر تم نے جو یہ شرط کی تھی کہ ہندوستان فتح ہونے کے بعد ہم ستر صندوق زر سرخ تم کو دیں گے۔ آج اسی وقت ستر صندوق زر سرخ کے جن میں بارہ ہزار تمن ہیں تجھے بخشے۔ تب عمر اُٹھ کر آداب بجا لایا۔ لندھور نے بھی اس کے گانے سے کمال محظوظ ہو کر ایسے ہی ستر صندوق عمر کو انعام دیئے۔ اور تمام مال و خزانے کی کنجیاں امیر کے روبرو رکھدیں۔ اور چالیس ہاتھی کوہ پیکر اور تمام ہندوستانی تحائف اور سلاح خانہ و فراش خانہ و اصطبل نذر گذرانے۔ اور قریب دوپہر کے خاصہ تناول فرمایا بعدہ دسترخوان اُٹھائے گئے۔ اور خواصوں نے خواصدان لا کر حاضر کیا۔ امیر اور لندھور ہم رنگ ہوئے بعدہ دوپہر خسرو ہندوستان نے اُٹھکر عرض کی کہ خانہ زاد امیدوار ہے۔ کہ خداوندا اس بیت الحزن میں تشریف فرما کر اس مکان کو منور فرماویں۔ اور اس کمترین کی ضیافت قبول کریں۔ فرمایا بسر و چشم منظور۔

لندھور رخصت ہو کر اپنے شہر میں جا کر سات روز تک امیر کی ضیافت کی تیاری کرتے رہے۔ آٹھویں دن سوار ہو کر قلعہ اتر میں گیا۔ اور امیر کو مع تمام سرداروں کو اپنے ہمراہ اپنے قلعہ اتر کی طرف روانہ ہوا۔ امیر کے لشکر کی حفاظت کے لئے پہلوان عادی پیچھے رہا۔ جب امیر کی سواری چلی تو امیر کے سر پر زر سرخ نثار کرتا ہوا چلا۔

غرض اسی طرح سے امیر کو اپنی بارگاہ میں لیگیا اور تمام سرداروں سے نذریں دلوائیں امیر

ایک تخت پر بیٹھے۔ اس بارگاہ کو ایسا دیکھا کہ بارگاہ نوشیروان بھی اس کی برابری نہیں کرسکتی تھی۔ اور جیسے خوانان ہندی ان محلوں میں بیٹھے تھے انکو امیر نے دیکھا کہ ہر ایک کی وضع نئی معلوم ہوتی تھی اور ہر ایک شخص نظروں میں دوست معلوم ہوتا تھا۔ اور لندھور دست ادب باندھے ہوئے خدمتگاری میں حاضر تھا۔

لندھور نے ہر ایک خورد و کلاں کی کمال خاطر داری کی اور امیر کے لشکر میں جو جوان محافظت کو جاتا تھا دوسرے دن اسے بلا کر شریک کرتا تھا۔ اور اس کے عوض میں کسی اور کو بھیجا تھا۔ امیر تو مع سرداران جشن میں ہے اب گستہم کا حال ملاحظہ فرمائیے۔

۲۱
اکیسویں داستان

روشنبہ کو قصہ یہاں تک بیان کیا تھا۔ کہ امیر جشن میں رہے اور گستہم پہلوان شکستہ لندھور کے سامنے سے بھاگا اور ایک پہاڑ کے دامن میں جا کر اترا لیکن ہر روز امیر کی خبر منگوایا کرتا تھا۔ ایک دن عیاروں نے یہ خبر دی کہ لندھور نے کئی روز سے امیر کی مع تمام سرداروں کے ضیافت کی۔ چنانچہ آج سوائے مقبل وفادار کے لشکر میں کوئی نہیں ہے اور تمام لشکر خالی ہے۔ یہ سن کر بہت خوش ہوا اور مہر نگار کی دو کنیزیں جو اپنے ہمراہ لایا تھا۔ اور امیر نے انکو محل میں دیکھا ہوا تھا انکو اپنے پاس بٹھلایا اور شیشے شراب کے منگوا کر ان کے منہ پر نقلی مہر لگا کر مع ایک اشتیاق کے ان کو لکھ دیا اور کہا۔ کہ تم اپنی صورت مردوں کی بنا کر ہتھیار باندھ لو اور یہ شیشے لیکر امیر کے لشکر میں جاؤ۔ مقبل طلایہ میں ہے اس سے جا کر کہو کہ ہمکو مہر نگار نے امیر کے پاس بھیجا ہے۔ وہ البتہ تمکو لیجائیگا۔

پس کسی نہ کسی طرح یہ شراب امیر کو پلاؤ۔ اور تم جلدی چلے آؤ۔ لیکن ولد الزماں نے اس شراب میں کئی مثقال زہر ہلاہل ملایا ہوا تھا۔ کہ اگر اس کا ایک قطرہ دریا میں گرے تو اس کے کنارے کی تمام مچھلیاں مر جائیں۔ وہ شیشہ دیکر تعلیم کیا۔ اور اسلام کے لشکر کیطرف روانہ کیا۔ یہ دونوں بدذاتیں گھوڑوں پر سوار اور لوازم مسافری اپنے تن سے لگا کر اسی رات لشکر میں آئیں۔ تو طلایہ داروں نے ان کو روکا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئی ہو۔ جواب دیا کہ ہم ایران سے آئے ہیں اور امیر کے پاس جانا ہے۔ وہ لوگ ان دونوں کو مقبل کے پاس لے گئے۔ مقبل نے ان سے پوچھا تمہارے آنے کی کیا وجہ ہے؟ کہا کہ،

ہم پر کچھ مخفی احوال ہے وہ خلوت میں کہیں گے۔ تو مقبل نے انکو اپنے پاس بٹھلایا اور تمام لوگوں کو کنارے کیا اور انکی طرف متوجہ ہوا۔

ان دونوں نے کہا۔ کہ ہم مہر نگار کی کنیزیں ہیں اور امیر حمزہ ہمیں پہچانتے ہیں۔ اس نے اپنی خاص شراب شیشہ میں مہر کرکے بھیجی ہے اور یہ خط دیا ہے اور ہم یہاں کا حال سن کر قافلے سے جدا ہو کر آئی ہیں۔ یہ سن کر مقبل نہایت خوش ہوئے اور کئی آدمی ان کے پاس بٹھا کر لندھور کے لشکر کیطرف چلا۔ اور بارگاہ میں جاکر امیر کے کان میں کچھ آہستہ سے کہا۔ تو امیر کے سینہ میں آتش عشق مہر نگار کی مشتعل ہوئی۔ امیر نے بے اختیار ہو کر خسرو ہندوستان سے فرمایا کہ مجلس اسی طرح رہنے دو مجھے کچھ ضروری کام ہے۔ ایک ساعت میں آتا ہوں۔ اور عمر سے فرمایا تم میری عوض خسرو ہندوستان کی خدمت میں رہو کہ ناخوش ہونے نہ پائے یہ کہکر مقبل کے ہمراہ سوار ہو کر اپنے لشکر میں آئے اور خیمے میں جاکر ان دونوں کو بلوایا۔ انہوں نے مجرا کیا اور امیر کے روبرو خط رکھکر شیشہ گزارا۔

امیر نے ان دونوں کو دیکھا۔ کہ واقعی مہر نگار کی کنیزیں ہیں۔ خط لیکر دیکھا تو مہر نگار کی مہر کو لوسے دیئے۔ تو ان دونوں نے عرض کیا۔ کہ یہ شراب آپ کے لئے بھیجی ہے۔ امیر نے ان شیشوں پر مہر دیکھی تو ایک کا منہ کھول کر شمع کیطرف لایا اور مہر نگار کو یاد کرکے شیشہ منہ سے لگایا اور پی گئے۔ جونہی شراب حلق سے نیچے اتری کہ ایک ہچکی امیر کو آئی اور گر کر بے ہوش ہو گئے۔ ان دونوں نے دیکھا کہ حمزہ کا کام تمام ہوا تو کئی میخیں خیمہ کی اکھاڑ کر پچھلی راہ سے فرار ہوئے۔ اور امیر سے یہاں ہر چند ہاتھ پاؤں مارے لیکن کوئی اندر نہ آیا۔ امیر نے یہاں تک بیقراری کی۔ کہ قالین کے ٹکڑے ہوئے اور زمین میں گڑھے پڑ گئے اور وہاں لندھور نے دو ساعت تک دیکھا۔ کہ نہ آئے۔ تو عمر سے کہا۔ کہ خواجہ بغیر امیر مجلس بیرونق ہے۔ چار سو تمن اپنی جوتیوں کے موم روغن کیلئے دیئے۔ عمر سے کہا کسی طرح امیر کو جلد لاکر انعام پاؤ۔ عمر زر کا نام سنتے ہی خسرو کا نام سنتے ہی خسرو کا آداب بجالایا اور اپنے لشکر کیطرف روانہ ہوا۔ اور بارگاہ کے دروازے پر جاکر پوچھا۔ کہ صاحبقران کیا کرتے ہیں؟

مقبل وفادار نے کہا۔ کہ مہر نگار کی کنیزیں آئی ہیں ان سے خلوت خانہ میں کچھ باتیں کرتے ہیں۔ عمر نے کنیزوں کا نام سنتے ہی ایک آہ ماری اور کہا۔ اے غلام تو نے غضب کیا۔ کہ جان بوجھ کر اپنے خداوند کو قتل کرا دیا۔ یہ کہتے ہی بیتابانہ اندر جاکر دیکھا تو امیر کی صورت نظر نہیں آئی تب شمع روشن کرکے نظر کی تو امیر کا بدن سیاہ ہو گیا تھا۔ اور تمام بدن پر آبلے ہو گئے تھے۔ اور وہ شراب کا شیشہ لوٹا پڑا ہے۔ اس شراب کی یہاں تک تیزی پہنچی ہے کہ تمام زمین [illegible] ہو گئی ہے۔ عمر چاروں طرف

کنیزوں کو ڈھونڈھنے لگے لیکن کہیں نہ پایا۔ تب خیمہ کی میخیں اکھڑی ہوئی دیکھکر سمجھ گیا۔ کہ اسی راہ سے بھاگی ہیں۔ وہ آپ بھی اسی راہ سے نکلا اور ان کے پیروں کے نشان پر چلا اور لشکر سے باہر ہوا۔ تو کچھ شخص یہ کہتے تھے کہ خوب وقت آیا کہ امیر کا نام و نشان تمام ہوا۔ عمر نے سمجھ لیا کہ بس یہی ہیں۔ کمر سے خنجر نکال کر دوڑا اور نعرہ لگایا اور کہا۔ او بی کہاں جاتی ہو تم نے بڑا غضب کیا۔ یہ کہکر ان دونوں کے سر کاٹ ڈالے اور پھر خیمہ میں آکر مقبل بلایا اور کہا۔ بڑا فکر ہے کہ امیر کی یہ حالت ہوئی اب کیا کرنا چاہیئے۔ مقبل سر پیٹنے لگا۔ کہ یہ کیا ہوا۔ عمر نے کہا۔ کہ خاموش۔ ایسا نہ ہو کہ اس بات سے کوئی واقف ہو۔ تو امیر کی نگہبانی کر اور کسی کو اندر نہ آنے دینا جبتک کہ میں نہ آؤں۔ ایسا نہ ہو کہ لشکر ہند یہ مقدمہ سن کر پھر جائے۔ اس غرض سے میں پہلے جاکر اس کا بند و بست کرتا ہوں۔ اور بعد اس کے امیر کے اچھا ہونیکی تدبیر ہوگی۔

یہ کہکر اپنے لشکر سے باہر آیا اور لندھور کے پاس گیا اور زمین خدمت کی چومی اور کہا صاحبقران اس وقت کام میں ہیں اس وقت نہ آسکیں گے اور آپکی خدمت میں کچھ کہلا بھیجا ہے۔ اگر تنہا ہو جیئے تو عرض کروں۔ لندھور اٹھ کھڑا ہوا اور علیحدہ لیجاکر عمر نے کہا۔

بات یہ ہے کہ نوشیروان کے پاس سے ایک سردار آیا۔ اور کہتا ہے کہ لندھور کی اطاعت سے مجھے جب اعتبار آئے۔ کہ اسے دست بستہ طلب کرو۔ اور مشورۃً یہ ارادہ کیا۔ کہ تمہیں چند روز قید میں رکھیں گے۔ اگر آپ اس تکلیف کو برداشت کرسکیں تو چلیئے اپنے ارکان دولت اور سرداران مملکت کو تاکید کریں۔ کہ کوئی اس بات سے آزردہ خاطر نہ ہوں۔ لندھور نے کہا اے عمر یہ بات کیا ہے کہ اگر میرا امیر طلب کریں تو بھی حاضر ہے۔ باہر آکر اپنے سرداروں کو سمجھایا اور اپنے ہاتھ پاندھکر فیل میمونہ مبارک پر سوار ہوکر لشکر اسلام میں آیا۔ عمر نے دیوان خانہ میں جاکر کھانا کھلایا اور شراب پلائی اور اسمیں بیہوشی کی دوا ملی تھی کہ پیتے ہی لندھور بے ہوش ہوا۔ تب عمر نے طوق زنجیر ڈالکر صندوق میں مقفل کیا اور اسی وقت لشکر کو لیکر کوہ سراندیپ کے اوپر گیا۔ اور فوج ہند شورش نہ کرے کئی ہزار تیر انداز لشکر کی حفاظت کو بٹھلائے اور سرداران ہند بھی جمع ہوکر پہاڑ کے دامن میں اترے چونکہ لندھور نے سوگند دی تھی کہ اگر مجھکو مار ڈالیں پر تم ان کے لشکر کی بے ادبی نہ کرنا اس لئے کوئی حرکت نہ کرتا تھا۔

عمر نے سب کو پہاڑ پر ہوشیاری سے بٹھا کر آپ پہاڑ سے نیچے اترکر ایک طرف کو روانہ ہوا۔ کہ کوئی قلعہ مستحکم ہاتھ آئے اور لشکر کو لیکر اسمیں رہیں تاکہ فوج ہند کو بے حرکت نہ کرسکے۔ اسی خیال میں ایک جنگل میں چاروں طرف راستہ دیکھنے لگا اور دیکھا کہ اس صحرا سے دو آدمی سردار وضع گھوڑے اڑائے چلے آتے ہیں۔ عمر ان کو دیکھکر ایک پتھر کے پیچھے جا چھپا۔ کہ وہ سوار بھی وہیں آکھڑے ہوئے اور کہا۔ کہ

عمر یہیں ہے پھر وہ نزدیک آ کر کہنے لگے۔ کہ اے عمر فرمایا حضرت ابراہیم کا جھوٹ نہیں ہے۔ پیغمبر سے پیچھے نکل اور جی کو تشویش میں مت ڈال۔

عمر نے حضرت ابراہیم کا نام سُنا تو فوراً روبرو آیا اور وہ دونوں جوان گھوڑوں سے اُتر کر عمر کے بغلگیر ہوئے۔ عمر نے پُوچھا۔ کہ آپ کون ہیں۔ اُنہوں نے کہا۔ کہ ہم شاہ پال ہند کے بیٹے صابر و صبور ہیں۔ ہمکو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں تمہارا نام و نشان دیکر بھیجا ہے۔ آپ اس قلعہ میں اپنا لشکر جلد پہنچائیں کہ امیر وہاں جلد شفا پائیں گے۔ عمر نہایت خوش ہوئے اور ان دونوں کو لیکر کوہ سراندیپ پر گیا اور امیر کو سوار کر کر دوپہر کے وقت پہاڑ سے اُتر کر صبور و صابر کے قلعے میں لے آیا۔ صبح کو یہ خبر سرداران ہند نے بھی پائی اور وہاں سے کوچ کر کے قلعہ کے پاس اُترے۔ عمر نے قلعہ کو تیار کیا اور چاروں طرف خوردبین لگا کر مضبوط کیا اور سپاہیوں کو بُرجوں اور فصیلوں پر جابجا بٹھایا۔ اس سے خاطر جمع کر کے صابر و صبور سے کہا۔ کہ سوائے اس کے اور کوئی علاج نظر نہیں آتا کہ یہاں سے دس دن کی راہ پر ایک جزیرہ ہے جسے نارون کہتے ہیں۔ وہاں ایک حکیم اقلیمون نامی افلاطون زمانہ رہتا ہے۔ ہم اس کو خط لکھے دیتے ہیں اگر تم اس کو جا کر لے آؤ۔ تو البتہ امیر کو شفا ہو۔

عمر نے خیال کیا کہ دس روز جانا اور دس آنے اور پانچ روز حکیم جی کے چلنے کی تیاری میں۔ گویا پچیس روز ہوئے۔ اتنے عرصہ تک امیر کی زندگی کاہے کو رہیگی۔ پھر سوچا کہ مجھ کو ضرور جانا چاہیئے۔ ان سے خط لیکر روانہ ہونے کو تھا۔ کہ داراب نے کہا۔ اے عمر کسی سواری کا انتظام کرنا چاہیئے کیونکہ بہت دور ہے۔ عمر نے کہا بے شک دور جانا ہے لیکن اگر سواری درکار تھی تو گھر سے کیوں نکلا۔ میں مرد عیار پیشہ ہوں اور پیادہ ہوں مجھے سواری سے کیا کام ہے۔ داراب نے کہا۔ میں نے تمہیں نادان دیکھ کر کہا تھا۔ معاف کرو۔

جب ایک پہر دن چڑھا تو عمر نے جی میں کہا۔ کہ اگر داراب کے ہمراہ جائیگا تو بھی دس دن میں پہنچے گا۔ اکیلا ہی چلنا چاہیئے۔ یہ خیال کر کے وہ ایک درخت کے نیچے آ کھڑا ہوا اور داراب سے کہا۔ کہ تُو کُچھ کھا پی اور حافظ جی یہ بھی پوچھتا رہا کہ آگے کیا کیا بستی ہے اور کیسے کیسے دریا ملیں گے۔ اس نے کہا اب آگے نہ کوئی پہاڑ ہے نہ دریا نہ نالا کچھ نہیں ہے۔ سیدھی راہ ہے۔ جب وہ جزیرہ نزدیک پہنچے گا۔ تو اس راہ میں دائیں طرف ایک گاؤں ملیگا۔ اس کے اندر جائیں گے وہاں سے ایک روز کے بعد ایک دریا ملے گا چار کوس کا راستہ ہے۔ اس دریا کے پار جزیرہ ہے اور ہزاروں ملاح رہتے ہیں ان کو کچھ دیکر کشتی پر سوار ہو کر پار اُتر گئے اور حکیم اقلیمون کے پاس جائیں۔

عمر [illegible] یہ سنکر [illegible] کہا۔ اور کچھ [illegible] نکال کر [illegible] کہ وہ کہاں ہے

بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ اسے درخت سے باندھا اور قدم کو تیز کر کے معجزے کے زور سے روانہ ہوا۔ شام کا وقت قریب تھا۔ کہ اس دریا کے کنارے پہنچا۔ اور دیکھا کہ ایک کشتی سواریوں سے پُر ہو کر پار جا رہی ہے۔ اور کنارے سے دس پندرہ قدم گئی تھی۔ یہ جست کر کے پہنچا تو لوگ حیران ہوئے۔ کہ یہ آسمان سے کون اُترا حیف نہیں گر کنارہ باقی رہا پھر جست کر کے خشکی میں جا رہا۔ اور ایک ہندی صورت بنا کر اس بستی کیطرف چلا۔ اندر جا کر دیکھا تو کوچہ و بازار میں ہر طرف چراغات کی روشنی ہے اور ہند کا سود ایک رہا ہے۔ ایک شخص سے پوچھا کہ حکیم اقلیمون کا مکان کون سا ہے۔ اس نے کہا۔ کہ اس بستی کے حاکم وہی ہیں۔ وہ بڑا سا دروازہ جہاں بہت سے لوگ بیٹھے ہیں وہی ہے۔

عمر نے اس دروازے پر جا کر آدمیوں سے کہا۔ حکیم صاحب کو خبر دو۔ کہ ایک قاصد صابر و صبور کے پاس سے آیا ہے۔ لوگوں نے خبر کی اور اقلیمون نے بلوا کر وہ خط لیا اور اسمیں لکھا۔ تھا کہ آپ جلد تشریف لاویں۔ اگر حمزہ کو شفا ہوئی۔ تو ہم بہت سے جواہر دیں گے۔ اس مضمون سے حکیم بہت خوش ہوا۔ اور کہا۔ کہ یہ لکھا نہ ہوتا۔ تو میں ضرور وہی چلتا۔ لیکن اب نہ جاؤں گا۔ لوگ کہیں گے کہ طمع سے گیا۔ میں بے پرواہ آدمی ہوں۔ ایسی چیزوں سے غرض نہیں رکھتا۔ جا کر کہئے کہ میں نہیں آؤں گا۔ عمر نے کہا۔ اس سے قصور ہوا۔ اور کہا۔ کہ یہ آپ خیال نہ کریں تشریف لے چلیں۔

حکیم نے کہا۔ اے عمرو۔ تجھے اس بات سے کیا۔ جو کچھ کہا ہے اگر کہو۔ تو دخل معقولات سمجھا کرتا ہے۔ عمر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ حکیم نے اپنے غلاموں سے کہا۔ کہ اسے گردنی دے کر نکال دو۔ غلام چاروں طرف سے دوڑے۔ عمر نے دیکھا۔ کہ یہ ظالم ہوا۔ تب منت کرنی شروع کی کہ میں راستے کا تھکا ماندہ ہوں۔ اگر حکم ہو تو رات یہیں پڑا رہوں صبح کو چلا جاؤں گا۔ حکیم کو اس پر رحم آیا۔ اور ایک غلام کو کہا کہ اسے باورچی خانہ میں لیجا کر کچھ کھلا اور وہیں سلا۔

عمر نے باورچی خانہ میں جا کر کھانا کھایا اور دیکھا کہ حکیم کے ناشتے کے لئے استاد نہاری تیار کر رہا ہے۔ عمر نے اسے اپنے پاس بلا کر کئی نقل بیہوشی کے ملے ہوئے کھلائے اور باتوں میں لگایا۔ جب وہ بیہوش ہوا۔ تو عمر نے ایک گڑھا کھودا اور اسمیں اسے گاڑ دیا۔ اور آپ اس کی صورت بنا کر کھانا پکانے لگا۔ رات گذری اور صبح کا وقت ہوا۔ تو حکیم نے کھانا طلب کیا۔ تو عمر نے تمام کھانوں میں بے ہوشی کی دوائی ڈالی تو خوان اٹھا کر شاگردوں کے ساتھ گیا اور کھلایا۔ ایک ساعت نہ گذری تھی۔ کہ تمام بے ہوش ہو گئے عمر نے چادر عیاری کو بچھایا اور اسمیں حکیم صاحب کو لٹایا اور اسکی نشست گاہ کا کل اسباب مع کتب خانہ اور نقد و جنس اسمیں رکھا اور ایک لشتارہ باندھ کر پیٹھ پر اٹھایا۔ اور ایک کاغذ پر حکیم کی مہر کر کے راہداری کا

پروانہ لکھا اور چل دیا۔ دریا کے کنارے آکر پروانہ ملاح کو دیا۔ اس نے اسے پار کر دیا۔ عمر فضل باد سحر روانہ ہوا اور پھر دن چڑھا تھا کہ وہاں آپہنچا جہاں داراب کو درخت سے باندھا تھا تب اسے کھول کر ہوش میں لایا جونہی اسکی آنکھ کھلیں تو عمر کیطرف دیکھکر کہا۔ کہ بہت دیر ہوئی۔ چلو جزیرہ ناردن کو جانا ہے۔ جب عمر نے حکیم کے لانے کا احوال بیان کیا۔ تو اس کے ہوش اُڑ گئے اور عمر کے قدموں پر گر پڑا اور دونوں مل کر چلے۔

بائیسویں داستان

روایت اس طرح تھی۔ کہ داراب کو عمر ہمراہ لیکر امیر کی طرف چلا اور قلعہ میں جاکر دیکھا تو ایک عجیب طرح کا ہجوم ہے۔ کہ قلعہ کی ایک طرف سرداران لندھور فوج لئے ہوئے کھڑے ہیں۔ اور دوسری طرف شہپال ہندی گستہم کو لیکر قلعہ سے باہر لڑ رہا ہے۔ عمر نے اندر کی راہ کسی طرح سے نہ پائی تب داراب کو وہیں ٹھہرا کر اور لوگوں کی آنکھ بچا کر قلعہ کے پاس پہنچا اور کمند کو ایک برج سے مستحکم کر کے اوپر چڑھا۔ قلعہ داران نے آواز دی کہ۔ کون ہے۔ عمر نے اپنا نام بتایا۔ وہ چپ ہوئے لیکن ایک شخص نے تیر مارا۔ عمر کے پستارہ میں ایک طلائی دستہ تھا۔ تیر اس پر لگا۔ عمر قلعہ میں پہنچ گیا اور حکیم صاحب کے لانے کا احوال صابر و صبور سے کہا۔ وہ دونوں خوش ہوئے۔ رات گذری صبح کو جو سامان حکیم صاحب کا لایا تھا اس کو کھایا اور اسے ہوش میں لایا اور آپ اسی طرح پیادہ کی صورت بن کر کھڑا ہو کر کہا۔ حکیم صاحب صابر و صبور آپ کی راہ دیکھتے ہوں گے تشریف لے چلیئے۔ وہ نہایت برہم ہوا اور پکارا ایسے کوئی ہے اس بے ادب کو مار کر نکال دے۔ ہر چند پکارا مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ غور سے دیکھا تو یہ وہ مکان نہیں ہے۔ عمر کے احوال سے واقف ہوا تو سمجھ لیا۔ کہ عمر مجھے لایا ہے اور کہا۔ اے خواجہ اگر اپنے احوال کو مجھ پر وہیں ظاہر کرتا۔ تو میں آنے میں انکار نہ کرتا۔

عمر نے کہا۔ اے بھائی میں آپ کا مشکور ہوں، حمزہ کا علاج کیجئے۔ حکیم صاحب نے امیر کو دیکھا اور بے اختیار [illegible] زار زار رونے لگا۔ اور کہا حمزہ کا علاج یہاں نہیں ہے۔ نوشیرواں کے پاس [illegible] کی میراث میں ہی پشتوں سے چلا آتا ہے۔ اسے [illegible] مہرہ کہتے ہیں۔ اگر وہ آجائے تو حمزہ کو شفا ہو۔

عمر روتا ہوا باہر نکلا اور [illegible] تھا۔ اس نے عمر سے کہا۔ اے خواجہ کیوں [illegible] کیا کہا۔ کہا۔ اے مقبل کیا بتاؤں کہ ایسی محنت سے جاکر حکیم کو لایا اور وہ

اب کہتا ہے کہ اگر مدائن سے سیاہ مہرہ آئے تو امیر کا زہر اُترے۔ مقبل سُن کر چپ ہو رہا۔ جب عمر آگے بڑھا تو مقبل نے کہا۔ اے خواجہ اگر مدائن میں جائے تو شہر کے دروازے کے پاس ایک بڑھیا رہتی ہے۔ اسے میری طرف سے سلام کہنا۔

عمر کو یہ سُن کر غصہ آیا۔ مقبل کے برابر آیا اور ایک لکڑی ایسی ماری کہ مقبل کا سر پھٹ گیا۔ مقبل نے جب مار کھائی۔ تو کہا۔ خواجہ ناراض کیوں ہوتے ہو۔ سیاہ مہرہ یہیں ہے۔ عمر نے کہا۔ اے غلام تیری اجل آئی ہے، کہ مجھے جانے سے روکتا ہے۔ مقبل نے کہا۔ حمزہ کے سر کی قسم میں سچ کہتا ہوں۔ کہ بزرجمہر نے میرے روبرو امیر کے پہلو میں رکھا تھا۔ عمر اپنی اس حرکت سے شرمندہ ہوا۔ اور مقبل کو چھاتی سے لگا کر حکیم کے پاس آیا۔ حکیم نے کہا۔ اے عمر ابھی یہیں ہے شاہ مہرہ کب لائیگا۔ جواب دیا۔ کہ میں لایا ہوں۔ اس نے کہا معجزہ یا فتنہ ہفت پیغمبر ہو تم سے دور نہیں ہے لے آئے ہو گے۔ کہو کہاں ہے؟ کہا۔ امیر کے پہلو میں۔ اس نے نگاہ کی تو واقعی امیر کا تمام جسم سیاہ ہو رہا ہے۔ جہاں سیاہ مہرہ ہے وہاں کا رنگ اصلی ہے۔

یہ دیکھ کر حکیم نہایت خوش ہوا۔ اور طلائی نشتر سے چیر کر اسے نکالا اور کہا کہ شاہ مہرہ یہی ہے۔ اسی کے سبب سے امیر کی زندگی ہوئی۔ ورنہ چار دن میں تو کام تمام ہو جاتا۔ اب دودھ منگواؤ غرض کئی ناند دودھ سے بھر کر رکھیں۔ اس سیاہ مہرہ میں ایک سوراخ تھا۔ حکیم نے اس میں ریشمی ڈور ڈال کر امیر کے حلق میں اُتارا اور ایک ساعت کے بعد نکال کر دودھ میں ڈالا تو وہ فالودہ کی مثال بن کر جم گیا۔ پھر اس مہرے کو اسی طرح صاحبقران کے منہ میں ڈالا۔ غرض اسی طرح پانچویں بار کا دودھ جم گیا۔ اور چھٹی ناند میں کم اثر ہوا تو حکیم خوش ہوا اور ایک کتے کو دودھ پلایا تو وہ پیتے ہی مر گیا۔ پھر مہرہ کو امیر کے حلق میں ڈال کر دودھ میں ڈالتے اور کتوں کو پلاتے رہے۔ کتے مرتے جاتے تھے

جب کتوں کا مرنا موقوف ہوا تو دو تین مرتبہ مہرہ دودھ میں اور بدلا گیا تو امیر کو چھینک آئی اور آنکھیں کھول کر کہا۔ الحمد اللہ۔ تمام حاضرین مجلس کو عجیب طرح کی خوشی ہوئی تو حکیم نے امیر کو کتان کی چادریں اوڑھائیں کہ پسینہ نکلے اور گاؤ کے دودھ میں مصری اور گلاب ڈال کر شربت بنا کر امیر کو پلایا اور حکیم نے سب کو منع کیا کہ امیر کے سامنے کوئی شخص زہر کا نام نہ لے۔ دوسرے روز امیر نے کھانا طلب کیا امیر کو شوربہ کھلایا گیا اور وہ تکیہ سے لگ کر بیٹھے۔ اور عمر کو فرمایا کہ خسرو کہاں ہے اور یہ کون ہے؟ اور میں بیماری کی صورت میں کیوں۔

عرض کیا۔ کہ سب حاضر ہیں اور یہ حکیم ہیں۔ راہ کی تھکان سے آپ کی طبیعت کچھ علیل ہو گئی تھی۔ ان

کے علاج سے آپکو صحت ہوئی۔ فرمایا جاؤ ہمارے سرداروں کو لے آؤ۔ عمر بلا لایا اور سب نے مجرا کیا اور دعا دی اور اپنی قدر و منزلت کے موافق ہر ایک نے امیر پر سے زر و مال نثار کیا اور پہلوان عادی کے منہ سے بے اختیار یہ نکلا کہ ان بد ذاتوں نے میرے آقا کو زہر دیا لیکن خدا نے فضل کیا۔ شفا ہوئی۔

امیر زہر کا نام سنتے ہی کانپ گئے اور پسینہ چل نکلا۔ تو عمر نے عادی سے کہا۔ اے کمبخت اس وقت زہر کا نام کیوں لیا۔ تو حکیم نے کہا کہ اسے کچھ نہ کہو کہ اس بات سے امیر کو عرق آگیا اور اُٹھکر بیٹھے اور عمر سے کہا خسرو ہندوستان کو بلاؤ۔ کہ اس کے دیکھنے کو دل کرتا ہے۔ عمر نے جاکر لندھور کو ہوش کی دوا دیکر قید سے چھڑایا اور کہا۔ امیر نے بلایا ہے۔ لندھور نے کہا کہ وہ نوشیرواں کے پاس سے آیا تھا وہ بہک گیا۔ عمر نے کہا۔ وہ بات غلط تھی۔ امیر کو دشمنوں نے زہر دیا تھا۔ اور ہمیں نے خوف کے باعث تمکو قید کیا تھا۔ کہ سرکشی نہ کرو امیر کو اس بات کی خبر نہیں اگر وہ سنیں گے تو مجھ سے اندوہ ہوں گے۔ امیدوار ہوں۔ کہ امیر اس احوال سے واقف نہ ہوں۔

یہ بات لندھور نے قبول و منظور کی اور حمام میں غسل کر کے پوشاک پہنی اور سوار ہو کر عمر کے ہمراہ صاحبقران کے پاس گیا۔ تب امیر نے کہا بھائی تم کہاں تھے؟ عرض کیا کہ لشکر میں تھا۔ تب اس سے باتیں کرنے لگے۔ عمر نے صابر و صبور کو بلا کر ان سے ملاقات کرائی۔ امیر نے پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا۔ یہ شمیپال ہندی کے بیٹے ہیں [illegible] تم کو [illegible] ہے۔ لندھور سے یہ بات سنی تو آگ بگولا ہو گیا۔ [illegible] کام [illegible] ہوں۔ امیر نے منع کیا کہ میں ابھی [illegible] دوں گا۔ تم چھوڑ دو۔

لندھور امیر کے اس فرمان سے چپ رہا اور اپنے لشکر کے تمام سرداروں کو اندر بلوایا اور لشکر سے کہا کہ وہیں قائم رہیں۔ قلعہ کے باہر شمیپال نے لڑائی ڈال رکھی تھی چاہتا تھا۔ کہ قلعہ کو فتح کرے۔ وہ صبور صابر بھی قلعہ داری میں مصروف تھے۔ تب شمیپال نے [illegible] ہو گئے تم سے کہا کہ سوائے اس کے اور کوئی تدبیر معلوم نہیں ہوتی۔ کہ [illegible] تخت [illegible] دروازے پر لے جاؤ اور پیادہ تختہ کے پیچھے پیچھے آئے۔ [illegible] پھر [illegible] دروازہ [illegible] اندر گھس جائیں۔ [illegible] کی طرف چلا۔ [illegible] دروازہ کھلوا دو۔ صابر و صبور [illegible] قلعہ [illegible] البتہ اگر امیر کی اطاعت قبول کرو [illegible]

وہ یہ بات سن کر بے اختیار [illegible] گیا۔ [illegible] ایک

تیر اس کے سینہ میں ایسا مارا کہ پار ہو گیا اور مر کر تخت سے نیچے گرا۔ اور لوگ اس کی لاش کو اٹھا لے گئے۔ تو گستہم نے یہ حال دیکھا۔ تو اپنی فوج کو لیکر قلعہ توڑنے کو چلا۔

عمر نے یہ دیکھکر امیر کو خبر دی کہ صابر نے اس طرح اپنے باپ کو مارا۔ اب گستہم چاہتا ہے کہ اس حصار کو توڑے۔ فرمایا تم دروازے پر جاکر میری طرف سے کہو۔ کہ میں شاہ ہفت اقلیم کی جرات سے تیری رعایت کرتا ہوں اور تو اپنی بد ذاتی نہیں چھوڑتا۔ جان کو سلامت لیکر چلا جا نہیں تو سزا پائے گا۔ عمر نے جاکر اس سے ایسا ہی کہا۔ وہ ہنسا اور کہا۔ او ساربان زادے تو مجھ سے عیاری کرتا ہے۔ حمزہ کو مرے ہوئے مدت ہوئی اب وہ کہاں ہے۔ عمر نے کہا۔ او قحبہ زادے اپنی زبان کی آگ سنبھال تو اس پر تصدق ہو کر مرے گا۔ وہ سلامت ہیں اور کوئی دن سے مدائن چلے گئے ہیں۔ اس نے کہا۔ اگر سچ ہے تو میرے اور امیر کے درمیان ایک راز مخفی ہے اور مجھے اسکی خبر بھی نہیں۔ اور امیر سے جاکر کہا۔ کہ وہ ایسا کہتا ہے۔ فرمایا جس روز بہرام گرد خاقان چین کو وہ نوشیروان کے یہاں لایا تھا۔ میں بھی اس کے استقبال کیلئے گیا تھا۔ اور بختک کے کہنے سے اس نے مجھ سے زور آزمائی کی تھی۔ لیکن بغلگیری کے وقت میں نے بھی زور کیا تھا۔ کہ اس کے تین گوز متواتر صادر ہوئے۔ اور اس وقت اس نے مجھ سے کہا کہ تم مردان عالم سے ہو۔ میرا یہ راز کسی سے ظاہر نہ کرنا اور آپ کے درمیان پوشیدہ رہے۔ وہ راز یہی ہے۔ عمر سن کر ہنسا اور پھر دروازے پر گیا۔ اور اس سے کہا کہ امیر کہتے ہیں کہ اگلی دفعہ تو تو نے مات کھائی تھی۔ یہ سنتے ہی وہ سمجھا کہ امیر زندہ ہے ٹھہر نہ سکا۔ اور بھاگ کر بندر سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ اور وہاں جاکر اس قحبہ زادے نے عجیب طرح کا فساد برپا کیا۔ کہ آدمی کے دو سر منگا کر ان کے چمڑے اتار لئے اور ان چمڑوں میں گھاس بھر کر تیار کر لئے اور ایک عرضی شاہ ہفت کشور نوشیروان کو اس مضمون کی لکھی کہ حمزہ لندھور کے ساتھ لڑنے کو آیا تھا۔ اس نے حمزہ کو سر میدان مارا اور اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے دروازے پر لٹکوایا۔ میں نے لندھور کو مارا۔ اور اس کا سر کاٹ کر حمزہ کے سر کے ساتھ حضور میں بھیجا ہے۔ آگے جو ارشاد ہو۔ اور ایک خط بختک کو لکھا۔ کہ یہ سر عملی ہیں اور اصل یہ کہ حمزہ خسرو کو زیر کر کے ہندوستان پر مسلط کیا ہے۔ اور حضور کو یہ مضمون اس لئے لکھا ہے کہ بادشاہ کو اس بات کا یقین ہو۔ اور آپ بادشاہ کو ورغلا کر مہر نگار کی شادی کسی اور سے کرا دیجئے۔ کہ حمزہ اس بات کو سن کر کوفت کھا کر مر جائے۔

یہ دونوں خط سر بمہر مع صندوقچی سروں کے ایک سردار کے ہاتھ بادشاہ کے پاس بھیجے۔ جب یہ عریضہ اور نوشیرواں کے حضور میں پہنچے اور بادشاہ نے مضمون سنا تو ان سروں کو دیکھکر آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ اور بزرجمہر کو طلب کر کے کہا۔ کہ یہ کیا امیر مر وا ڈالا گذری بہت۔ افسوس ایسا بہادر مارا جائے۔

بزرجمہر نے عرض کی کہ امیر کے طالع میں ابھی سختی ضرور ہے لیکن آسانی نظر آتی ہے۔ تم گئے

غیب کا علم اللہ کو ہے۔

تئیسویں داستان

دوشنبہ کو قصہ یہاں تک پہنچا تھا۔ کہ گستہم تلطی سے بھاگ کر سندھ کو گیا۔ یہاں امیر بھی قلعہ سے باہر نکلے اور لشکر آراستہ کیا۔ اور لندھور سے کہا۔ کہ اب ہمیں بادشاہ کی خدمت میں جانا بہتر ہے۔ کیا کہتے ہو؟ عرض کی کہ یہاں کی بادشاہت کے آپ مختار ہیں۔ بندہ کو اس سے کچھ کام نہیں۔ رکاب سعادت میں حاضر رہوں۔ فرمایا۔ ہم تمکو تمہاری دوستی سے یہ خوشی حاصل ہوئی۔ کہ گویا تمام زمانے کی سلطنت ملی۔ یہاں کی تاجداری تمہیں مبارک ہو۔ لیکن ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہم تم باہم چلیں۔ تم یہ کام کرو کہ اپنے طرف سے کسی شخص کو یہاں مقرر کرو۔ کہ تمہارا نائب ہو کر رہے۔ کہ تم شاہ ہفت کشور کے لئے سوغات اور تحفہ جات لیکر مع اپنے تمام سرداروں کے چلو۔

لندھور نے قبول کیا۔ اور چینی پور ہندی کو سراندیپ میں مقرر کیا۔ امیر نے بھی اس روز صابر و صبور کو ان کے باپ کی بادشاہت کا وہیں مختار کیا اور پہلوان عادی کو بلا کر فرمایا صبح کو تم پیش خیمہ لیکر چلو اور یہاں کا انتظام حکیم اقلیموں اور امر کریں۔ وہاں خیمے لگاؤ۔ صبح کو عادی پیش خیمہ لیکر روانہ ہوا جس روز امیر نے ہندوستان سے کوچ کیا تو ہوا اعتدال پر تھی۔ عادی نے خاص بارگاہ کا خیمہ ایک نہایت پرکیف سبزہ زار میں لگایا جو دریا کے کنارے پر تھی۔

امیر لشکر ہند ہمراہ لیکر بموجب حکم حکیم اقلیموں تیندار محافظ میں سوار ہوئے۔ کہ ہوا سے ایذا نہ پہنچے اور عمر و لندھور و حکیم اقلیموں امیر کے گرد باتیں کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ کہ امیر کا دل بہلے۔ حتیٰ کہ اپنے لشکر اور بارگاہ میں داخل ہوئے۔ غرض اس روز وہاں مقام رہا۔ اور دوسرے دن پھر کوچ کر کے منزل بمنزل خنک راہ سے ایران کی طرف متوجہ ہوئے۔

اب ملک بختک کا حال سنیے کہ جب اس کو گستہم کا خط ملا تو رات دن اسی فکر میں رہنے لگا۔ کہ بادشاہ کو برغلائے۔ کہ وہ مہرنگار کو کسی اور کے ساتھ بیاہ کر دے۔ آخر میں یہ بات ٹھہری۔ کہ وہیں کا وہیں کا جواہر زادہ کا اوس کی اولاد میں سے مرزبان کا بیٹا اولاد نام نہایت لائق ہے اس کو بلانا چاہیے اور لیدان کے آنے کی تدبیر ہوگی۔ یہ سوچ کر نامہ لکھا۔ جس میں یہ لکھا تھا۔

شاہ ہفت کشور کی بیٹی مہرنگار حد بلوغ کو پہنچی ہے۔ اور شاہ کا ارادہ ہے کہ عالی خاندان لائق ہو تو اس کے ساتھ اس کی شادی کریں۔ چنانچہ حمزہ نام

کا عزلبستان سے آیا تھا۔ اس نے بادشاہ کی دامادی کا قصد کیا۔ تو بادشاہ نے قبول نہ کیا۔ غیرت و حیان کر اسے مہم ہند پر روانہ کیا۔ وہاں جا کر لندھور بن سعدان کے ہاتھ سے مارا گیا تو بھی کیکاؤس کی نسل میں سے ہے۔ جلد آؤ میں بادشاہ سے درخواست کر کے تمہاری شادی کرا دوں گا یگانگی کے باعث یہ خبر دی ہے۔ آگے تو مختار ہے۔ اس پر مہر کر کے اپنے ایک رفیق کے ہاتھ بھیج دیا۔

جب یہ خط اولاد کے پاس پہنچا تو وہ نہایت خوش ہوا اور اسباب سفر تیار کر کے بہت سے تحائف ہمراہ اور تیس ہزار سوار کے ساتھ کوچ کر کے اور منزل مراحل طے کر کے چند روز میں مدائن کے نزدیک آ گیا۔ یہ یہ خبر تمام ملک میں مشہور ہوئی۔ کہ بختک نے جا کر بادشاہ سے عرض کیا۔ کہ اولاد بن مرزبان کیکاؤس کا پوتا آپکی ملازمت کو آتا ہے۔ آپ بھی اسکی عزت کریں اور استقبال کے لیئے کسی کو حکم دیں کہ جا کر اسے بحرمت لے آئے۔ کہ اسمیں آپ کی ناموری ہے۔ غرض اس نے ایسی باتیں کیں کہ بادشاہ نے فرمایا کہ اصل ساسانی ہے کیا مرتبہ و مجد کی اسکی پیشوائی کو جائیں۔ یہ تمام حضور کے فرمانے سے گئے اور اسے لے آئے۔ اور شہر سے باہر شادو کام میں جہاں صاحبقران کا لشکر اترا تھا۔ اسے اتارا۔

وہ دوسرے دن شہر میں گیا اور بارگاہ خسروی میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ اور شرط آداب بجا لایا۔ بادشاہ نے نہایت سرفرازی کی اور خوش ہوئے اور دربار کے اٹھنے کا وقت آیا تو بادشاہ نے اولاد بن مرزبان کو خلعت شاہانہ اور اس کے تمام سرداروں اور ہمراہیوں کو انعام دیا۔ جب دربار برخاست ہوا۔ تو تمام اپنے اپنے مکان کو گئے اور اولاد بھی اپنے لشکر کو گیا۔ تو اسی رات کو بختک نے موقعہ پا کر بادشاہ سے گزارش کی کہ امیر پر جو گذرا آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اب مہر نگار کی فکر کرنا چاہیئے کہ کسی لائق کے ساتھ نسبت ہو گستہم آپ نے منظور کیا ہے۔ وہ بوڑھا ہے۔ جوان عورت کے پہلو میں مرد پیر کے بیٹھنے میں بہتری نہیں۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ اس سے عقد باندھ کر حوالے کر دیجئے۔

نوشیرواں کو یہ بات پسند آئی۔ اور صبح کو مشہور کر دیا گیا کہ امیر حمزہ ہندوستان میں لندھور کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اب مہر نگار کی شادی اولاد بن مرزبان کے ساتھ ہو گی۔ جو یہ بات سنتا تھا امیر کے غم میں زار زار روتا تھا۔ جب یہ خبر قصر میں گئی تو زرانگیز بانو آنسو آنکھوں میں بھر لائی۔ اور محل میں سب کو منع کیا۔ کہ یہ خبر مہر نگار کو نہ سنانا۔ لیکن کسی نے اس کو یہ خبر سنا دی۔ وہ سنتے ہی اپنے سر کے بالوں کو نوچنے لگی اور منہ پیٹنے لگی۔ نزدیک تھا کہ اپنے تئیں ہلاک کرے۔ خواصوں نے ملکہ زرانگیز بانو کو مہر نگار کی یہ خبر دی اور وہ بے اختیار دوڑی

آئی۔ ہر چند اسے سمجھایا مگر اس کی حالت عجیب پائی۔ کہ کسی طرح بھی نہ سمجھتی۔ تب ایک خواجہ سرا کو شاہ کے پاس روانہ کیا۔ کہ مہر نگار اپنے آپکو ہلاک کرتی ہے اس کی خبر لو ورنہ ہاتھ سے جاتی ہے۔ بادشاہ نے بزرجمہر کو بلا کر فرمایا کہ مہر نگار کو سمجھاؤ۔ اور اولاد بن مرزبان سے شادی کرنے کو راضی کرو۔ بزرجمہر بموجب امر شاہ کے سبستان حرم میں گئے اور مہر نگار کی بے قراری کو دیکھا۔ کہ طمانچوں سے اپنا منہ لال کر ڈالا ہے۔ وہ بھی پاس پاس بیٹھکر اور اسکی حالت دیکھکر خوب روئے اور جتنے معشوقان ماہر اس کے گرد بیٹھی تھیں سب روئیں۔ بعدہ زر انگیز بانو سے سب نے کہا۔ کہ یہاں سے اٹھکر کنارے ہو جاؤ کہ بزرجمہر کو سمجھائیں۔ یہ سنکر سب کنارے ہو گئیں۔

تب خواجہ مہر نگار سے باتیں کرنے لگے۔ اور کہا۔ اے سرو ناز تو نے اپنی یہ کیا حالت بنائی ہے فرمایا۔ اے خواجہ میں سنتی ہوں۔ کہ امیر مارے گئے اور بادشاہ مجھے دشمنوں سے غل اڑائے مخودہ نے کہا کہ امیر کو بیستم نے زہر دیا تھا۔ سو خدا نے اپنا فضل کیا۔ کہا۔ آپ خاطر جمع رکھیں اور اولاد بن مرزبان کو ظاہر میں قبول کریں۔ اور بادشاہ کی مرضی یہی ہے۔ آپ اس سے چالیس روز کا اقرار کریں۔ اتنے روز دیکھ لو بعدہ مختار ہو چاہے اپنے آپکو مار ڈالئے یا زندہ رکھئے۔

مہر نگار اس بات سے خوش ہوئی۔ اور کہا۔ اگر یوں ہی ہے۔ تو جو مناسب جانو وہ کرو۔ بزرجمہر باہر آگئے اور سوار ہو کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی کہ بندہ نے مہر نگار کو اس بات پر رضامند کیا ہے۔ بادشاہ نہایت خوش ہوا اور بزرجمہر کو خلعت مہربانی عنایت فرمایا۔ اس نے دوسرے دن اولاد بن مرزبان کو خلعت دامادی دیا اور مہر نگار سے نامزد کیا اور بختک سے فرمایا کہ مہر نگار نے قبول کیا چالیس دن کا عذر کیا ہے۔ کہ مجھے عذر ہے۔ بعد اس کے اولاد بن مرزبان متصرف ہو عذر گذرے تو رسم عروسی کر کے اس کے حوالہ کریں۔ سب نے اولاد بن مرزبان کو مبارکباد دی۔ جب مجلس برخاست ہوئی۔ تو اولاد بختک کے گھر گیا۔ بختک نے اس کی بہت خاطر کی۔ اور کہا۔ کہ امیر زندہ ہے۔ میں نے یہ حکمت کی ہے کہ مہر نگار تمہارے ہاتھ آئے اور حمزہ اس کو فت سے مر جائے۔ لیکن یہ غضب ہوا۔ کہ بادشاہ نے چالیس روز کی دیر کی۔ ایسا نہ ہو کہ حمزہ آ جائے۔ اولاد نے کہا کہ تم ایسا کرو کہ صبح کو دربار میں پہلے جا کر میری طرف سے عرض کرے کہ وہ امیدوار ہے کہ ملکہ کو ابھی رخصت کرو۔ یہ چالیس دن راہ میں کٹ جائیں گے وہاں پہنچکر اپنے خویش و اقربا کے روبرو شادی کروں گا۔ سب خوش ہو گئے بختک سے یہ کہکر اپنے لشکر میں گیا اور یہاں بختک صبح کو نوشیروان کے پاس گیا اور یہ باتیں سنائیں۔ بادشاہ نے فرمایا۔ کہ اگر وہ اسی میں راضی ہے تو مہر نگار کا جہیز اور سامان کا لوازمہ مہیا کرو اور سامان کے لوگ تیار کرو بختک [illegible]

اس کام نے انتظام میں مشغول ہوا۔ اور جہاں تک [illegible] زری [illegible] تھا بار برداری [illegible] اور [illegible] مہر نگار کے ہمراہ [illegible] کہ [illegible] کے گرد رہیں اور مہر نگار کی رتھ کے [illegible] کو اپنے [illegible] دیں اور ملکہ جہاں

کہے وہیں خیمہ استادہ کریں اور چالیس دن کے بعد کسی بات میں اولاد سے مزاحمت نہ کریں۔ اور مہر نگار کو ایک جواہر نگار سکھ پال میں سوار کر کے اولاد بن مرزبان کے حوالے کیا۔

ایک منزل تک بادشاہ بمع ملک زر انگیز با تشریف لے گئے اور وہاں سے رخصت کر کے شہر میں واپس آئے۔ اولاد بن مرزبان مہر نگار کو لیکر کوچ در کوچ اپنے ملک کی طرف چلا۔ ملکہ اولاد کے خیمہ سے تین فرسنگ کے فاصلہ سے رہتا تھا۔ اور جہاں مہر نگار رہتی تھی وہیں لشکر اترتا تھا۔ اور اس کے خیمہ کے گرد بادشاہ کے بارہ ہزار ساسانی غلام مستعد رہتے۔ کہ شہزادی کے حکم کے بغیر پرندہ پر بھی نہیں مار سکتا تھا۔ جب انتالیس دن گذر گئے اور چالیسواں دن آیا اولاد کا لشکر ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچا۔ وہ مکان دلچسپ تھا۔ اولاد نے کہا۔ کہ آج ہمارا لشکر یہیں اترے۔ کیونکہ یہ مکان بہت خوشنما ہے۔ اور کل کا دن گذر جائے پرسوں مہر نگار کو اپنے خیمہ میں لاکر کام دل اس سے حاصل کروں۔ لیکن یہاں کئی روز مقام رہے لشکر یہاں اترا اور مجلس جشن گرم ہوئی۔ اور مہر نگار کی حالت دگرگوں تھی۔ کہ امیر کے فراق میں زار زار روتی تھی۔ اور اپنے جی میں یہ بات ٹھہرائی کہ کل کا روز گذرے تو پرسوں زہر کھا کر مر جاؤں تو بہتر ہے۔

چوبیسویں داستان

اب داستان صاحبقران کی ملاحظہ فرمایئے۔ کہ ہندوستان میں مع حمزہ چلے۔ اور کوچ و مقام کرتے ہوئے اسی پہاڑ کے نیچے ایک طرف آ اترے جہاں اولاد بن مرزبان کا لشکر اترا ہوا تھا اور اس مقام کو خاطر خواہ دیکھ کر امیر نے عمر اور لندھور سے فرمایا۔ کہ کیا خوب صحرا ہے۔ جو ہوا اس مکان کی اچھی آتی ہے۔ ہم چار پانچ دن یہاں قیام فرماویں۔ عمر نے بموجب فرمان امیر عادی کو حکم دیا کہ یہاں مقام ہوگا۔ لب دریا سبزہ زار میں خیمے لگاؤ اور اس دن امیر کو کمال فرحت ہوئی۔ اور دوسرے دن صبح کو حکیم اقلیموں نے عمر سے کہا۔ اے بابا ایک بڑا آہو پکڑ لا۔ امیر کے روبرو اس کے کباب بنائیں۔ اس کی بو سے امیر کو اور زیادہ فرحت ہوگی۔ عمر یہ سن کر لشکر سے باہر نکلا اور جنگل کی طرف چلا اور ہرنوں کا ایک گلہ میدان میں چرتا ہوا نظر آیا۔ وہ ان پر دوڑا وہ بھاگ کر چاروں طرف منتشر ہوئے۔ مگر عمر نے پہاڑ کے اس طرف جا کر ایک کو پکڑا اور اس کے چار پاؤں باندھ کر ایک طرف پتھر کے نیچے رکھ دیا اور جی میں خیال کیا۔ کہ ذرا اس صحرا کو دیکھیئے کہ کیا لطف ہے۔ یہ تصور کر کے آگے بڑھا۔ تو دیکھا۔ کہ کسی کا لشکر اترا ہوا ہے۔ کہ کئی کوس زمین خیموں سے معمور ہے دیکھ کر حیران ہوا۔ تب اپنی صورت بدل کر آگے گیا اور دو اشخاص کو تالاب پر کھڑے ہوئے دیکھا۔ کہ ایک کے ہاتھ میں سونے کا آفتابہ تھا۔ عمر نے انہیں سلام

کیا اور پوچھا کہ کس کا لشکر ہے۔ اور تم کون ہو۔ انہوں نے کہا کہ یہ لشکر اولادین مرزبان کا ہے۔ اور ہم بادشاہ ہفت کشور نوشیروان کی بیٹی مہرنگار کی غلام ہیں۔ بادشاہ نے اپنی بیٹی مہرنگار کی شادی ایک شخص امیر حمزہ کے ساتھ ٹھہرائی تھی تو وہ ہندوستان میں جا کر لندھور کے ساتھ لڑ کر مارا گیا۔

بادشاہ اس خبر کو سن کر نہایت غمگین ہوا۔ آخر بختک حرامزادے نے بادشاہ کو ورغلا کر مہرنگار کو اولاد کے حوالے کیا۔ ازبسکہ وہ قبول نہ کرتی تھی۔ مگر بزرجمہر نے اس سے کہا کہ تم خاطر جمع رکھو اور اس کے ہمراہ جاؤ۔ بعد چالیس دن کے تم سے حمزہ کی ملاقات ہوگی۔ آج چالیسواں دن ہے۔ کل مہرنگار کا ارادہ ہے کہ زہر کھا کر مرے۔ کیونکہ وہ آج تک اپنی شرط سے پکی تھی۔ کل وہ اس پر متصرف ہوگا۔ یہ سن کر سن ہو گیا۔ اور دل میں کہا کہ افسوس ہے لیکن بزرجمہر کی اس پیشگوئی پر آفرین کی اور کہا۔ تم نے واقعی بات عجیب سنائی۔ کہ میں نے اپنی تمام عمر میں ایسی بات نہ سنی تھی۔ اب میری بھی سنو۔ کہ میں پاؤں سے لنگڑا اور ایک ہاتھ سے اپاہج ہوں۔ اور حکیم نے یہ علاج بتایا ہے کہ اگر تم چاندی کے برتن میں پانی پیو تو تمہارا ہاتھ اچھا ہو۔ اور اگر سونے کے برتن میں پیو تو پاؤں اچھا ہو۔ بھلا یہ چیزیں مجھے کہاں میسر ہو سکتی ہیں؟ ہاں اگر تمہاری مہربانی سے تمہارے ان برتنوں میں پانی پیوں تو شائد خدا فضل کرے تندرست ہو جاؤں۔ جس کے ہاتھ میں چاندی کا برتن تھا۔ پہلے اس کے امتحان کیواسطے دیا۔ عمر نے اس میں پانی پیا اور ہاتھ کو ہلایا اور کہا۔ کہ وہ بھی دو کہ اسمیں بھی پانی پیوں۔ کہ پاؤں بھی اچھا ہو۔ دوسرے نے بھی بے کانقانہ دیا۔ عمر نے اسمیں بھی پانی پیا اور اس پاؤں کو ہلایا اور دونوں برتنوں کو لیکر ایک جست کی اور چلا گیا۔ انہوں نے کہا بس اب تو اچھا ہوا اور ہماری چیز ہم کو دے۔ عمر نے کہا کہ میں بیوقوف نہیں ہوں جو تم کو دوں۔ بیماری شاید پھر عود کرے تو میں کہاں سے لاؤں گا۔

یہ کہکر بھاگا۔ وہ بیچارے حیران ہوئے۔ کہ یہ کیا ہوا۔ آپسمیں لڑنے لگے۔ ایک نے کہا۔ کہ پہلے تو نے دیا تھا۔ دوسرے نے کہا۔ کہ میں نے تو چاندی کا دیا اور تو نے سونے کا کیوں دیا۔ دونوں لڑتے ہوئے چلے کہ ملکہ کو کہیں کہ وہ انصاف کرے گی۔ کہ قصور کس کا ہے۔ جب لشکر کے نزدیک پہنچے تو ان دونوں نے آپسمیں مشورہ کیا کہ اولادین مرزبان کے لشکر میں دیکھنے چلیں کہ شاید چور کو پائیں۔ اس خیال سے ادھر کو گئے۔

جب لشکر میں پہنچے تو کیا دیکھا کہ ایک شخص بازار میں چادر بچھا کر ایک کتاب اور رمل کے پانسے لئے ہوئے بیٹھا ہے۔ اور جو کوئی اس کے پاس جا کر سوال کرتا ہے۔ اس کے ضمیر کا حال کہتا ہے۔ یہ دونوں بھی اس کے پاس بیٹھ گئے۔ اور کہا۔ کہ اے شخص ہمارے واسطے بھی قرعہ ڈال۔ اس نے قرعہ ڈالا اور زائچہ کہنے لگا کہ تمہاری کوئی چیز کھوئی گئی ہے۔ لیکن اس چیز کے دو عدد تھے۔ ایک طلائی دوسرا نقرئی۔ انہوں نے کہا۔ آفرین ہے تو نے ضمیر کا حال واقعی خوب کہا۔ اب کہو چیز ملے گی یا نہیں۔ کہا احتمال ہے کہ ملے۔ یہ دونوں بہت خوش ہوئے۔

اور آپس میں کہنے لگے۔ کہ یہ بڑا صاحب کمال ہے۔ اسکی خبر ملکہ کو ہونی چاہیئے کہ وہ اس سے کچھ پوچھیں۔ ایک اس کے پاس بیٹھا رہا اور ایک مہر نگار کی ڈیوڑھی پر گیا۔ لیکن وہاں مہر نگار کی یہ صورت تھی۔ کہ بے اختیار روتی اور آفتابہ دیکھتی تھی کہ شام ہو تو زہر کھاؤں۔ بزرجمہر نے کہا تھا کہ چالیسویں دن امیر کی خبر آئے گی۔ سو ابتک کچھ معلوم نہ ہوا۔ اسی خیال میں تھی۔ کہ ایک کنیز نے آکر کہا۔ کہ آپ کا غلام کچھ عرض کیا چاہتا ہے۔ خیال گذرا کہ کوئی خوشی کی خبر پائی ہو۔ آپ اٹھکر پردہ کے پاس آئی اور پوچھا۔ کہ کیا ہے؟ اس نے تمام حال امیر کے اچھے ہونیکا اور آفتابہ لیکر بھاگ جانے کا اور ضمیری حال جاننے کا بیان کیا۔ وہیں مہر نگار کے دل پر خیال گذرا کہ شاید خدا جھوٹ نہ کرے وہ عمر ہو گا۔ اور وہ نجومی بھی عمر ہی ہوگا۔ یہ سب خیال کر کے غلام سے کہا کہ جاؤ اسے لے آؤ۔ ہم بھی اس سے پوچھیں گے۔ وہ گئے اور اسے ساتھ لیکر آئے۔

مہر نگار نے اسے پردے کے پاس بلا کر کہا۔ اے نجومی میرا ضمیر کہہ۔ اس نے کہا۔ کہ میں سائل کا منہ دیکھے بغیر احکام جاری نہیں کرسکتا۔ کہ بعض انسان کا حال شکل سے معلوم ہوتا ہے۔ میرے روبرو آکر پوچھو تو میں بیان کروں۔ مہر نگار نے خیال کیا۔ کہ آج میں نے مقرر مرنا ہے۔ اگر آج اس وقت ایک پیر مرد کے سامنے ہوئی تو کیا مضائقہ ہے۔ پردے سے باہر آئی اور اس سے سوال کیا۔ اس نے قرعہ ڈالا اور مہر نگار کے ہاتھ میں دیا۔ اور کہا۔ آپ نیت کر کے اس کو ہاتھ سے ڈال دیجئے۔ تاکہ بندہ احکام جاری کرے۔ مہر نگار نے دیکھا۔ تو اس قرعہ میں کوئی رمل نہ تھی۔ کیونکہ اس علم میں یہ بھی بزرجمہر کی شاگرد تھی۔ جی میں کہنے لگی۔ کہ میں نے اس غلام کے کہنے سے ناحق اس کو بلوایا۔ اسی خیال میں تھی۔ کہ قرعہ ڈالا۔ اس نجومی نے اسے دیکھکر کہنا شروع کیا۔ اور جہاں تک حال تھا تمام کہا۔ اور کہا۔ تمہارے مطلب کی چیز آئے گی۔

یہ سن کر مہر نگار نے ایک بڑی قیمت کا خلعت اسے عنایت کیا۔ یہ کھڑے کھڑے خلعت کو دیکھنے لگا۔ تو ملکہ نے کہا۔ اے عزیز کیا دیکھتا ہے۔ کہا میں نے ایسی چیز تمام عمر میں نہیں دیکھی تھی۔ اور میں مرد عیالدار ہوں۔ اس کو بازار میں بیچکر قیمت گھر بیجاؤں گا جو میرے بال بچے کھا پی رہے۔ مہر نگار نے کہا۔ اسے مت بیچ ہم سے خرچ کو بھی لے۔ ایک بدرہ روپیوں کا بھی اسے دیا۔ اس وقت خیال گذرا کہ یہ عمر نہ ہو۔ تب اسکی ڈاڑھی پکڑکر ایک جھٹکا مارا۔ کہ وہ اکھڑ گئی اور اس کے اندر عمر کی صورت دکھائی دی۔

مہر نگار نے اسے گلے سے لگایا اور بزرجمہر کی پیش بندی پر آفرین کی۔ عمر بھی قدمبوس ہوا۔ مہر نگار نے پوچھا کہ حمزہ کہاں ہیں۔ عرض کیا۔ کہ آپ پہاڑ کی طرف ہیں۔ اتنے میں ڈیوڑھی پر شور ہوا۔ کہ نجومی (رمال) کو اولاد بن مرزبان نے طلب کیا ہے۔ کہ اس سے ساعت دریافت کرے۔ عمر نے کہا۔ اب تم خاطر جمع رکھو۔ دیکھو میں اس پر کیا آفت لاتا ہوں۔ کہ پھر کبھی شادی کا نام نہ لیگا۔ یہ کہکر پھر درویشی تہمد باندھی اور باہر نکلا۔ اور رات

لوگوں کے ہمراہ اولادین مرزبان کے خیمہ کی طرف روانہ ہوا۔

۲۵ پچیسویں داستان

گذشتہ رات کو قصہ یہانتک بیان ہوا۔ کہ اولادین مرزبان کے پاس عُمر کو لے گئے عمر نے دیکھا۔ تو ایک گبرز بچہ مفرق بجواہر کرسی مرصع پر بیٹھا ہے اور شادی کا تمام سامان تیار ہے۔ عمر نے جا کر سلام کیا اور کہا۔ بندہ کو کیوں یاد کیا ہے۔ اس نے کہا۔ تجھے مہر نگار نے بلایا تھا تو کیا پوچھا تھا؟ کہا ایک غائب کا حال معلوم کیا۔ سو میں نے کہا۔ وہ مارا گیا اسکی توقع نہ رکھو اور اسکی طبیعت کو اُس طرف سے ہٹایا۔ پس اولادین مرزبان نہایت خوش ہوا۔ اور کہا۔ اے عزیز بارک اللہ خوب دانائی کی۔ کہا مہر نگار سے کس وقت وصل کروں۔ کہا فلاں وقت۔ یہ نہایت خوش ہوا۔ اور عمر کو بہت انعام دیا۔ عمر نے کہا۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں لیکن میرے چار بیٹے ہیں کہ ایک نے مقوی کا گرز بنایا ہے اور وہ گرز بازی کرتا تھا۔ اور ایک پٹہ بازی میں کامل ہے اور ایک نے ڈھول بجانے میں مہارت پیدا کی ہے۔ اور ایک سرنا خوب بجاتا ہے۔ اگر فرمائیں تو کل انکو حضور میں بھیجدوں گا ان کا تماشہ دیکھئے کہ کیا خوب کسب کرتے ہیں۔ اس نے کہا بہت اچھا بھیجدینا۔ عمر اس سے رخصت ہو کر باہر نکلا اور میدان میں آکر صورت اصلی بنائی۔ اور اپنے لشکر میں پہنچا دیکھا کہ مقبل وفادار کھڑا ہے۔ اس سے کہا۔ کہ تم پہلوان عادی کو خسرو کی بارگاہ میں لے آؤ۔ وہ ادھر روانہ ہوا اور آپ لندھور کیطرف روانہ ہوا۔ اور اسکی تعریف کرنے لگا۔ خسرو عمر سے نہایت خوش ہوا۔ اور کہا۔ اے بابا اس وقت کیوں آنا ہوا؟ کہا ایسا ہی ہوا۔ آپ جانتے ہیں۔ کہ حمزہ نے تمام آذبلا مہر نگار کیواسطے سر پر اُٹھائی ہے اور اگر اس کو کوئی لیجائے تو کیا غضب کی بات ہے۔ وہ پہاڑ کے اس طرف اپنا لشکر لئے ہوئے اُترا ہے۔ اگر آج کا دن گذرا تو مہر نگار ہاتھ سے جائے گی۔

غرض تمام قصہ مہر نگار اور امیر کے عشق کا سنایا اور کہا ناموس آپ کا ہے۔ آگے آپ مختار ہیں۔ لندھور مارے غصہ کے دانت پیسنے لگا اور کہا۔ اے عمر اسی وقت فوج ہندوستان کو لیکر سوار ہوتا ہوں۔ اور اس گرز سے اس کا کام بنا دیتا ہوں۔ عمر نے کہا بیشک ہو سکتا ہے لیکن امیر کا مزاج عجیب طرح کا ہے۔ شاید وہ اس کے مار ڈالنے میں راضی نہ ہوں تو مشکل ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ زندہ پکڑ لوں۔ کہ مہر نگار بھی ہاتھ

آئے۔ اور وہ بھی نہ مارا جائے۔

لندھور نے کہا۔ پھر تم جس طرح کہو کریں۔ یہ باتیں کر رہے تھے۔ کہ مقبل عادی کو لیکر آیا۔ تب عمرؑ نے ان سے بھی یہ حال ظاہر کیا۔ کہ ان سب سے مشورت کر کے لندھور سے کہا۔ کہ تم گرز ہاتھ میں لے لو، اور بارہ ہزار ہندی سپاہی کو کہو کہ اس پہاڑ کے دامن میں تیار رہیں۔ جب تمہارے نعرہ کی آواز سنیں اسی وقت پہنچیں اور تمہاری سواری حاضر کریں۔ اولاد کو زندہ پکڑ لیں اور لوگوں کو ماریں اور عادی کے گلے میں ڈھول دیا۔ کہ تو اسے بجاتا چل۔ مقبل وفادار کو بانسری دی اور آپ ایک خوبصورت لڑکے کی صورت بنا کر بازی کرتا ہوا ان کو ہمراہ لیکر اولاد کے لشکر کی طرف روانہ ہوا۔ اس رات کو اولاد نے تمنا سے گذارا۔ صبح کو یہ چاروں اولاد کے لشکر میں آئے۔ اس وقت اولاد مجلس شاہانہ آراستہ کئے ہوئے کمال خوشی میں تھا۔ کہ عمر یاروں سمیت ہی اسکی ڈیوڑھی پر گیا۔ اور لوگوں سے کہا۔ کہ جاکر حضور میں خبر کرو۔ کہ رمال (نجومی) کے بیٹے آئے ہیں۔ انہوں نے حضور میں گذارش کی تو اس نے اندر بلوایا اور کہا۔ تماشہ کرو۔ لیکن اسکی وضع دیکھکر حیران ہوا۔ غرض کہ جتنے سردار اسکی بارہ گاہ میں تھے تماشہ دیکھنے لگے۔

عمر نے گیارہ پیٹے رنجی ہاتھ میں لیکر خوب پیٹہ بازی کی۔ اسکی صنعت کو دیکھکر سب کی عقل حیران ہوئی اور عمر سے نہایت خوش ہوا۔ اور عمر کو قبائے زربفت عنایت کی۔ جب یہ پیٹہ بازی کر چکا۔ تو مقبل وفادار اور عادی آئے اور انہوں نے سرنا اور ڈھول خوب بجایا۔ اولاد نے ان دونوں کو قبائے طلسمی بخشی لیکن جس وقت لندھور آیا اور بازی کرنے لگا۔ اس کی گرز کی بُو سے سب اپنی اپنی کرسی سے گرنے لگے اور خیمہ میں ایک شور پیدا ہوا۔ کہ خوب تماشہ ہوا۔ اب بند کرو۔

عمر نے لندھور کو اشارہ کیا۔ کہ یہی وقت ہے۔ لندھور نے ایک گرز بارگاہ کے ستونوں پر اس زور سے لگائی۔ کہ بارگاہ گر پڑی اور تمام سردار مع اولاد جو اسمیں تھے نیچے دب گئے اور باہر کے لوگوں نے ان کو گھیر لیا۔ یہ رستمانہ جنگ میں مصروف ہوئے اور لندھور نے ایک نعرہ کیا۔ کہ بدانند ہر کہ ندانند منم۔ لندھور بن سعدان اور عادی و مقبل کا بھی نعرہ بلند ہوا اور عمر نے بھی آواز دی تب وہ بارہ ہزار سوار جو چھپے تھے وہ آئے اور اس پر آگرے اور خوب تلوار چلی۔ اس کے بیس ہزار جوانوں میں سے دس ہزار پکڑے گئے۔ اور پانچ ہزار قتل ہوئے اور پانچ ہزار بھاگ گئے۔ لیکن جب تلوار چلنے لگی تو عادی کو یہ خیال گذرا کہ آج اولاد کی شادی کا دن تھا اور چونکہ خانہ میں چلنے الٹا گھی تو سب کا پکا ہوا ہوگا۔ میں ایک آدمی کا سر کاٹ کر پاس رکھوں گا۔ کہ عمر کو جواب دے سکوں۔

یہ ابھی اس نے خیال ہی کیا تھا۔ کہ ایک شخص بارگاہ کے نیچے سے نکلتا ہوا دیکھا۔ عادی نے اس پر ڈھول

رکھدیا اور زور کیا۔ ڈھول پھٹ گیا تو وہ اس کے اندر گھس گیا وہ اولاد ہی تھا۔ عادی نے ڈھول کو بند کیا اور باورچی خانہ میں جاکر کھانا شروع کیا۔

یہاں عمر نے دیکھا۔ کہ اولاد بن مرزبان کا کہیں پتہ نہیں چلتا تو لاشوں میں بہت تلاش کیا تو ناگاہ اس کا گذر باورچی خانہ میں ہوا اور عادی کو وہاں کھانا کھاتے ہوئے دیکھا۔ تو عمر کو بہت بُرا معلوم ہوا۔ کہا او مردک نمک پرور تو حمزہ کے لشکر میں مشہور پہلوان تھا اور آج لڑائی کے روز چھپ کر بیٹھا ہے۔ جواب دیا کہ ایک آدمی میں نے بھی پکڑا ہے۔ عمر نے کہا میں دیکھوں کہ تم نے کس کو پکڑا ہے۔ کہیں اولاد تو نہیں ہے۔ اُس کا پتہ نہیں لگتا۔ عادی نے کہا دیکھو ڈھول میں بند ہے۔ عمر نے نظر کی تو اولاد معلوم ہوا۔ تب عمر نہایت خوش ہوا اور کہا۔ اے عادی یہ صرف ایک لاکھ کے برابر ہے اور عادی کو مع ڈھول خسرو کے پاس لے گیا۔ جونہی عادی نے وہ ڈھول زمین پر رکھا تو اولاد بن مرزبان اس سے باہر نکلا اور خنجر لیکر لندھور پر دوڑا۔ لندھور نے اس کا خنجر چھین لیا اور کمر میں ہاتھ ڈال کر اٹھا لیا۔ اور زمین پر پٹکا۔ عمر نے فوراً اسکی مشکیں باندھیں اور قید کیا۔ وہاں سے مہر نگار کے پاس گیا وہاں وہ نہایت خوش ہوئی۔ تب عمر نے اپنے لوگوں کو اسکی مخالفت کیلئے چھوڑا اور امیر کو یہ خبر دی۔ امیر نے دوڑ کر عمر کو گلے سے لگایا اور کہا واقعی تمہاری اور ہماری عصمت بچالی ہے۔ پس اگر تم ایسا نہ کرتے تو اور کون کرے۔ سلطان مغربی کھڑا تھا اس سے کہا۔ تم مہر نگار کو ہمراہ لیکر نوشیروان کے پاس مدائن میں جاؤ اور نوشیروان سے خواستگاری کرو۔ اولاد کو بھی لیتے جاؤ۔ تو شاہ سے بچانے کا ذکر کرتے گئے۔ اور ایک خط لکھکر دیا جس میں یہ مضمون تحریر تھا کہ

بعدہٗ آپ کے ارشاد کے بموجب ہندوستان کو گیا اور آپ کے اقبال سے میں نے وہ ملک بھی سر کیا۔ دشمنوں نے میرے مرنے کی خبر مشہور کی۔ سو واقعی گستہم نے زہر دلوایا تھا۔ لیکن خدا نے فضل کیا۔ بندہ نے سُنا ہے کہ مخالفوں نے آپ کی طبیعت ادھر لاکر مہر نگار کی شادی اولاد کے ساتھ کروائی۔ اور یہ حضور کی مرضی نہ تھی۔ کہ اس نے اولاد کو طوق زنجیر کے خدمت عالی میں بھیجتا ہوں اور بندہ بھی مدائن سے تین منزل پر پہنچا ہے۔ انشاء اللہ چند دنوں میں آکر آستانہ بوسی ہوگی۔

وہ خط سلطان بخت مغربی کو دیا۔ وہ لڑکے جو نوشیروان نے مہر نگار کے جہیز کے لئے تھے سب کو اور بہت سے خلعت و انعام عطا کئے اور فرمایا۔ کہ سلطان مغربی کے ہمراہ جاؤ۔ مگر وہاں مہر نگار نے جشن کی مجلس آراستہ کی اور کمال فرحت میں بیٹھی تھی۔ کہ اب امیر میرے خیمہ میں آئیں گے۔ یا مجھے طلب کریں گے۔ یہ اسی خیال میں تھی کہ امیر نے

سلطان بخت مغربی کو بھیجا ہے کہ آپ کو مدائن لے جائیے۔ حیران ہوئی۔ کہ میں نے استقبال میں یہ صورت بنائی ہے اور مجھے نہ بلایا۔ میں نے کیا قصور کیا اور اس بات سے آزردہ ہوئی۔ غرض کہ مہر نگار نے لشکر نے کوچ کیا اور مدائن کیطرف روانہ ہوا۔

یہاں عمر نے امیر سے کہا۔ کہ آپ نے تمام صدمات مہر نگار کے عشق میں اُٹھائے اور اب خدا نے اسے اس طرح دیا اور اب مدائن کو پھر بھیجتے ہیں۔ اسکی وجہ کیا ہے؟

فرمایا۔ میں آگے اور صورت رکھتا تھا۔ اب زہر کے باعث مجھ میں صرف ہڈیاں اور چمڑا رہ گیا۔ میں نہیں چاہتا۔ کہ وہ مجھے اس حالت میں دیکھے۔ خدا چاہے مدائن میں جاکر دیکھوں گا۔ مہر نگار کی خاطرداری کرو آزردہ نہ ہو اور مدائن تک اس کے ہمراہ جاؤ۔ وہاں اس کے پہنچنے کی خبر لاؤ۔ کہ مدائن میں داخل ہوں۔

جس وقت امیر نے عمر کو رخصت کیا۔ اس وقت اُفلیمون نے کہا۔ اے بابا! نوشیرواں کی سرکار میں نوشدارو ہے تم تھوڑی سی لینے آنا۔ اس کے کھانے سے امیر کو صحت ہوگی۔ پر نوشدارو کے لئے اپنی اصلی صورت تبدیل کرکے جانا۔ نہیں تو دشمن جانیں گے حمزہ کی خاطر ہے تو نہ دیں گے۔ عمر امیر سے رخصت ہو کر روانہ ہوا۔ اور مہر نگار کے پاس آیا اور وہ گریہ و بکاہ میں تھی۔ ملکہ کے پاس عمر پہنچا۔ اس کے آنے سے کچھ طبیعت بحال ہوئی۔ کہنے لگی۔ اے عمر امیر نے مجھے کیوں نہیں بلایا؟ عمر نے کہا۔ وجہ یہ ہے کہ امیر کو تم نے حالت تندرستی میں دیکھا تھا۔ اب زہر کھانے سے وہ بہت کمزور ہے۔ اس واسطے تمہارے روبرو نہ ہوئے۔ اگر خدا نے چاہا تو مدائن میں بخوبی ملاقات ہوگی۔ ملکہ رو کر خاموش ہوگئی اور اس بات کا جواب نہ دیا۔

غرض وہاں سے کوچ کرکے منزل بمنزل مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔ جب شہر کے پاس پہنچے تو بادشاہ کئی کوس تک پیشوائی کے لئے آیا اور مہر نگار و سلطان بخت مغربی کو خلعت سراپا امداد کرکے سرفراز کیا۔ لیکن اب عمر عیار کا حال عرض کرتا ہوں۔ جو ان کے ہمراہ نوشدارو کے لئے آیا تھا۔ یہ ایک دہقان کی صورت بناکر شہر میں آیا اور ایک قصاب کی دوکان پر جاکر دو سپاٹ پیسے کہ جن میں سکہ کی علامت کا کہیں نام تک نہ تھا۔ اس کے روبرو رکھ دیئے۔ اور کہا۔ اس کا نوشدارو دے۔

وہ یہ دیکھکر حیران ہوا۔ اور کہا۔ کہ میں نے تو اس کا نام کبھی نہیں سُنا۔ کسی اور سے معلوم کر۔ پھر عمر ایک بنیئے کی دوکان پر آیا اور اس سے بھی یہی کہا۔ یہ بنیا نوشدارو کے حال سے

واقف تھا۔ کہا میرے پاس نہیں بادشاہ کی زنجیر ہلا۔ البتہ بادشاہ تمکو بلا کر دیگا۔ عمر وہاں جاکر زنجیر عدالت ہلانے لگا۔ جونہی اسکی صدا بلند ہوئی تو بادشاہ نے اسے طلب کیا اور پوچھا تو کون ہے۔ اور کیا مُراد رکھتا ہے؟ عمر نے پاس جاکر بادشاہ کو سلام کیا۔ اور دو نوں پیسے نکال کر بادشاہ کے تخت پر رکھدیئے۔ اور کہا کہ میں فلاں گاؤں کا رہنے والا ہوں اور میرے بیٹے کو سانپ نے کاٹا ہے۔ سو وہاں کے حکیم نے بتلایا ہے کہ تین مثقال نوشدارو اگر ہو۔ تو البتہ یہ اچھا ہوگا۔ میں نے گاؤں کے لوگوں سے معلوم کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ مدائن سے ملے گی۔ میں یہاں کئی دوکانوں پر گیا مگر کسی نے نہ دی۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ کے یہاں سے ملے گی۔ اس لئے یہاں آیا ہوں۔ پیسے لیجئے اور نوشدارو دیجئے۔ کہ وزن میں کم نہ ہو پورا تولیں۔

بادشاہ اور حاضرین اس حرکات سے بے اختیار ہنسے۔ یہ ہر چند درباریوں سے کہتا۔ کہ پیسے اُٹھاؤ۔ گو میں غریب ہوں لیکن بغیر قیمت دیئے کسی سے کچھ نہیں لیتا۔ بادشاہ کو اس پر رحم آیا اور بزرجمہر کی طرف دیکھکر فرمایا۔ کہ اسے خزانے میں لے جاؤ اور تین مثقال نوشدارو دو۔ بزرجمہر اسے خزانے میں لے گئے اور ایک صندوق میں سے ایک ڈبہ مرصع نکالا اور اس سے تین مثقال نوشدارو دی۔ اور تین تولے الگ رکھی۔ کہ علم رمل میں امیر کا زہر پینا اور عمر کا ضرور آنا معلوم کیا تھا۔ جب صندوقچہ بند کرکے باہر چلے تو عمر نے دامن پکڑ لیا اور کہا۔ وزیر ہوکر بادشاہ کی سرکار میں خیانت کرتے ہو۔ یہ نوشدارو جو تم نے رکھی ہے مجھے دو نہیں تو تمہیں رسوا کروں گا۔

یہ سُن کر بزرجمہر ڈر گئے۔ اور خیال کیا۔ کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسرا سُن لے۔ فوراً عمر کے حوالے کی اور دروازے پر آگئے۔

اب بختک کا حال سُنیئے۔ کہ اسے تو امیر کی معلوم تھی جی میں کہا۔ کہ بزرجمہر نے حمزہ کے واسطے نوشدارو ضرور چھپا رکھی ہوئی۔ بادشاہ کو ورغلایا اور کہا کہ بزرجمہر خائن ہے۔ اس نے نوشدارو ضرور چھپا لی ہے۔ اسے چوری پکڑنے کی غرض سے بادشاہ کے پاس لایا اور بزرجمہر کی تلاشی لی۔ ان کے پاس نوشدارو نہ نکلی۔ بادشاہ نے بختک پر غصہ کیا۔ اور بزرجمہر سے معذرت کی۔ بزرجمہر سمجھ گیا کہ وہ عمر تھا جس کو نوشدارو دی تھی۔

عمر جب نوشدارو لیکر روانہ ہوا۔ اور شہر سے باہر نکلا تو اپنی اصلی صورت اختیار کر لی۔

چھبیسویں داستان

راوی بیان کرتا ہے کہ عمر نوشیروان سے نوشدارو لیکر امیر کی طرف روانہ ہوا مگر امیر کا حال بھی ملاحظہ ہو۔ کہ عمر کے جانے کے بعد ایک روز اپنی حالت دیکھکر خوب روئے۔ کیونکہ بدن میں طاقت بالکل معلوم نہ ہوتی تھی۔ ایسی زندگی سے مرنا بہتر ہے۔ اسی افسوس میں سو گئے۔ اور عین خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آکر مدد کی اور فرمایا۔ اے فرزند! خدا نے تیرا مرض دور کیا۔ اُٹھ اور سجدہ کر۔ امیر نے مارے خوشی کے جنبش کی تو آنکھیں کھل گئیں۔ دیکھا تو مشک و عنبر کی خوشبو آرہی ہے۔ معلوم کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مجھ پر نظر رحمت ضرور کی ہے۔ خیال کیا تو پہلے کی نسبت زور اور بازو میں قوت زیادہ ہے۔ اُٹھکر شکرانہ کی نماز ادا کی اور پلنگ پر بیٹھے۔

اسی روز عمر بھی آیا اور حمزہ کو دیکھکر حیران ہوا۔ کہ یہ کون ہے۔ امیر کے روبرو جاکر کھڑا ہوا۔ اور کہا۔ اے جوان تو کون ہے اور حمزہ کہاں گیا؟ امیر نے فرمایا۔ میں اولاد بن مرزبان کا بھائی ہوں اور اپنے بھائی کی قید کی خبر سنکر آیا ہوں اور حمزہ کو میں نے مار ڈالا۔

عمر یہ سنتے ہی آگ بگولہ ہو گیا اور دوڑ کر خنجر مارنے لگا۔ امیر نے روک کر خنجر عمر کے گلے سے لگا کر کہا۔ میں حمزہ ہوں۔ عمر نے [illegible] شادی [illegible] بہت خوش ہوا [illegible] خوشخبری سنائی۔ [illegible] مرزبان [illegible] ہندوستان [illegible] حاضر ہوئے اور امیر پر زرنثار کرتے تھے۔ اور لشکر میں فرحت حاصل ہوئی۔ اسی روز سے کئی روز تک جشن رہا۔ بعد اس کے امیر بجلوس شاہانہ اسی ہزار سواری جمعیت کے ساتھ کوچ کرکے مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔

اب کچھ حال بہرام گرد خاقان چین کا عرض کرتا ہوں اور پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ کہ جب امیر ہندوستان کو روانہ ہوئے۔ تو راہ میں طوفان آیا تھا اور بہرام اپنے چار ہزار سوار جمعیت کے ساتھ ٹھیک چھ ماہ تک دریا میں سرگردان رہکر سراندیپ میں پہنچا اور وہاں جہاز کو تباہ کرکے اسباب [illegible] کے ساتھ خشکی پر اترا۔ جب شہر کے قریب پہنچا تو وہاں ایک عظیم الشان [illegible] ہوئی تھی۔ [illegible] ایک کمان اور [illegible] نہایت زور [illegible] ڈالا ہے۔

بہرام وہاں گیا اور پوچھا۔ کہ یہ کمان اور تو ڑالیا ہے۔ تب لوگوں نے کہا کہ یہاں کا بڑا عالم ہندی

سرکش ہے اور اس کا بھائی کوہ ہندی لخت نہایت زور آور جو اپنے برابر کسی کو نہیں مانتا اور یہ کمان اسی لئے رکھی ہے۔ کہ جو اس کو کھینچے یہ توڑے لے۔

بہرام نے خوش ہو کر کہا۔ کہ خدا نے یہ فتوح غیبی مفت دی ہے اسی شوق میں وہ اسکی چوکی کے پاس گیا اور کمان کے قبضہ کو پکڑ کر تا بگوش کھینچا جتنے لوگ دیکھنے تھے حیرت میں رہ گئے اور کوہ لخت ہندی کو خبر کرنے لگے بہرام نے وہ توڑا اُٹھا کر اپنے آدمیوں کو دیا یہ خبر سرکش ہندی کے پاس پہنچی اس نے اپنے آدمیوں کو کہا کہ اس مسافر اور لخت کی کمان کو لے آؤ تو بہرام اس کمان کو لے کر سرکش ہندی کے پاس گیا اور السلام علیک کی کہ وہ مسلمان تھا۔ اور لندھور کی طرف سے اس شہر کی حکومت اس کو ملی تھی۔ اُس نے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ تو نے کمان کھینچی ہے لیکن میرے روبرو کھینچو۔ اس نے اس کے روبرو کھینچی تو وہ ٹوٹ گئی۔ وہ اسکی قوت کو دیکھکر حیران ہوا اور اس کیواسطے کرسی منگوائی۔

بہرام نے دیکھا کہ اس کے پہلو میں ایک کرسی فولادی زرکوب کی بچھی ہے اور اس پر غاشیہ پڑا ہے۔ بہرام اس پر سے غاشیہ اُٹھا کر اس پر بیٹھا۔ ایک گھڑی نہ گذری تھی کہ بارگاہ کے دروازے پر سے لخت مانند شیر کے غراتا ہوا آیا اور اپنی کرسی پر اسے بیٹھا دیکھکر آگ ہو گیا اور کمر سے خنجر نکال کر یہ کہتا ہوا اس پر دوڑا کہ ایک تو تو نے میری کمان توڑی، دوسرے میری جگہ پر بیٹھا ہے۔ برابر آکر خنجر مارا۔ بہرام نے اس کو روکا اور خنجر چھین لیا اور کمر میں ہاتھ ڈال کر لپٹ گیا۔ غرض دونوں کی کشتی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ وہاں کا تمام فرش ابتر ہو گیا۔ سرکش نے سوچا کہ فساد برپا نہ ہو۔ آپ نے اُٹھکر دونوں کو چھڑا دیا اور صلح کرائی۔ کوہ لخت اور چوکی منگوا کر بیٹھا۔ سرکش نے بہرام کی ضیافت کی اور بزم میں جام شراب اور ساقی آیا اور صراحی کے قہقہہ کی آواز بلند ہوئی۔

سرکش ہندی نے بہرام سے کہا سچ کہو کہ تم کون ہو۔ بہرام نے اپنی تمام حقیقت امیر کے ساتھ سے طوفان کے سبب جدا ہونے کی بیان کی۔ وہ اس حال کو سُن کر آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور ایک آہ ماری۔ بہرام نے اسکی وجہ پوچھی۔ کہا امیر کی ملاقات کا مجھے بڑا اشتیاق تھا۔ لیکن تمہارے سے کئی روز پہلے اس کا کوچ ہو گیا ہے۔ اور گستہم نام کا ایک شخص یہاں آیا تھا۔ اس نے ہر چند کہا میں نے اس واسطے دروازہ شہر کا نہ کھولا اور اندر نہ آنے دیا۔ اس نے حمزہ اور لندھور کا سر یہاں سے نوشیرواں کے پاس بھیجا ہے۔

جب یہ بات بہرام نے سُنی تو گریبان پھاڑ ڈالا اور ایک دو ہتڑ اپنے سینہ پر مار کر اسی وقت کھڑا ہوا۔ اور سرکش سے کہا [illegible] آرام کرنا حرام ہے۔ اب حمزہ کے بغیر زندگی

اچھی نہیں اس سے مرنا بہتر ہے۔ جانتا ہوں اگر ایران میں جاکر چار ہزار سوار سے نوشیروان کی سلطنت کو اُلٹ نہ دیا اور حمزہ کے خون کا بدلہ نہ لیا۔ تو مردان عالم میں نام نہ پاؤں گا۔ ہرچند سرکش نے کہا۔ کہ میں نے سراندیب سے خبر منگائی ہے اسے دریافت کر لوں۔

بہرام نے کہا۔ تم نے گستہم کا نام لیا مجھے یقین ہوا۔ وہ بڑا بدذات ہے۔ اس نے موقع پاکر حمزہ کو مارا ہوگا میں ضرور جاؤں گا تب سرکش نے چھ مہینے کا خرچ جہازوں میں بھر دیا۔ بہرام رخصت ہوا۔ پانچ مہینے تک دریائے شور میں چلتا رہا۔ اور چھٹے مہینے ایک جزیرے میں پہنچا۔ اور خشکی پر اُترا اور چار ہزار اتریک سے نوشیروان پر چلا۔ یہ خبر ہرکاروں نے بادشاہ کو سُنائی۔ کہ بہرام باغی ہو کر آپ سے لڑنے کو آتا ہے۔ بادشاہ نے اشک بن گستہم کو دس ہزار سوار دیکر بہرام سے لڑنے کو بھیجا۔ جب وہ بہرام کے نزدیک پہنچا تو نامہ لکھکر کہ حمزہ زندہ ہے۔ تم چل کر بادشاہ کی اطاعت قبول کرو۔ اور یہ باتیں دل سے دُور کرو۔

بہرام نے جواب میں لکھا کہ تم لوگوں کے مکر سے میں خوب واقف ہوں۔ ایسی باتیں میں نہیں مانتا میدان میں جو ہوگا دیکھ لوں گا۔ اشک نے طبل جنگ بجوایا اور دوسرے دن صبح کو میدان میں نکل کر بہرام کو طلب کیا تو وہ مانند شیر مست میدان میں نکلا۔ اشک نے اسے دیکھتے ہی نیزہ فولاد پکڑ بہرام کی چھاتی پر مارا۔ بہرام نے ہاتھ ٹھہرا کر وہ نیزہ چھین کر اس کے سینہ پر اس زور سے مارا کہ نیزہ کی نوک اشک کی پشت کیطرف سے نکل آئی اور چار ہزار اتریک سوار ساسانیوں پر ٹوٹ پڑے۔ غرض دس ہزار ساسانیوں میں سے پانچ ہزار بچکر نوشیروان کی طرف بھاگے۔ اور باقی مارے گئے۔ تب بہرام نے اپنے سپاہیوں کو کہا۔ کہ تم جس بستی میں پہنچو وہاں کے لوگوں کا قتل اور لوٹ وغیرہ ہم نے تمکو معاف کیا۔ اسی طرح یہ قزاقی کرتا ہوا مدائن کو چلا۔ جب یہ خبر بادشاہ کو ہوئی تو وہ نہایت پریشان ہوا۔ چوتھے دن بہرام کا لشکر آیا اور قلعہ کو گھیر لیا۔ لوگوں نے بہت کہا۔ کہ امیر زندہ ہے۔ اور تو بادشاہ سے بے ادبی کرتا ہے یہ اچھی بات نہیں۔ مگر بہرام نے کچھ پرواہ نہ کی۔ تب تو بادشاہ بہت گھبرایا۔ اور بہرام قلعہ کے دروازے کے پاس پہنچا اور قریب تھا کہ دروازہ توڑے۔ کہ قدرت تما صحرا کی طرف سے دفعۃً گرد پیدا ہوئی اور اس گرد میں سے علم اژدہا پیکر نمودار ہوا۔ اور طبل سکندری کی آواز آئی۔ بہرام نے دیکھا۔ تو صاحبقران کا لشکر معلوم ہوا۔ تو بے اختیار دیوانہ وار اس طرف دوڑا اور جاکر امیر کی رکاب چومی اور امیر گھوڑے سے اُترکر بہرام سے بغلگیر ہوئے اور لندھور سے بھی امیر نے مُلاقات کرائی۔ بہرام خسرو اور امیر باہم کھڑے باتیں کرتے تھے کہ بادشاہ کے پاس سے دو ناقہ سوار آئے۔ اور امیر سے کہا۔ کہ بادشاہ نے آپکو

دعا فرمائی ہے۔ اور ارشاد کیا کہ آج اپنا لشکر یہیں ٹھہرائیں۔ کل ہم استقبال کرکے اپنے ہمراہ لائیں گے۔ صاحبقران نے موافق حکم لشکر لیے پایاں وہیں اُترے اور مقام کیا۔

جب دوسرا دن ہوا تو صبح کو امیر فوج ہندو غرب واریک و یمنی ہمراہ لیے ہوئے شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ نوشیروان بھی مع تمام ساسانیوں کے سوار ہوکر مدائن سے کئی کوس تک استقبال کو آئے۔ امیر نے جب شاہ کی سواری دیکھی تو مرکب سے اُترکر پیدا ہوئے اور مجرا کرکے پایۂ تخت کو بوسہ دیا تو بادشاہ نے نہایت سرفرازی کی اور ہمراہ لیکر شہر کو چلے۔ جب دروازے کے پاس پہنچے۔ تو بادشاہ نے امیر سے فرمایا۔ کہ اپنے لشکر کو حکم دو۔ کہ وہ اپنی قدیم جگہ نشاد کام پر اُترے اور تم شہر چلو۔ امیر نے معدی کرب کو حکم دیا تب لشکر اپنی قدیم جگہ پر اُترا اور امیر بادشاہ کے ہمراہ شہر میں داخل ہوکر بارگاہ خسروی میں آئے۔ بادشاہ اپنے تخت پر اور امیر رستم کی کرسی پر بیٹھے۔ غرض بادشاہ نے سرفرازی فرمائی۔

جب دربار برخاست کا وقت آیا تو امیر رخصت ہوکر اپنی بارگاہ میں گئے۔ اور صحبت نشاط ہوئی۔ اب بختک کا حال سنئے۔ کہ وہ رات کے وقت کئی ہزار ساسانیوں کو ساتھ لیکر حضور میں گیا اور [illegible] کی کہ جب حمزہ [illegible] تھا تو [illegible] مشکل تھا [illegible] اس کے رفیق ہوئے [illegible] بادشاہ کو بہت [illegible] پوچھا۔ کہ [illegible] کیا [illegible] صبح کو حمزہ [illegible] آپ سے [illegible] بادشاہ [illegible] فرمایا [illegible] پہنچ کر۔

صبح کو امیر حضور میں [illegible] بیٹھے۔ جب تمام سردار و امرا بیٹھ گئے تو اس وقت بختک نے امیر سے کہا کہ بادشاہ [illegible] خسرو کا مرطب کیا تھا کہ اس کو حضور کے پاس لاؤ۔ بادشاہ کی خوشی [illegible] اسکی گردن کاٹ کے سر اس کا [illegible] جائے۔ امیر یہ سنتے ہی [illegible] ہوگئے۔ اور [illegible] کہ [illegible] قبول کی۔ اگر بادشاہ کو [illegible] دست [illegible] وہ ہو جب [illegible]

[illegible]

[illegible] نہیں ہوں۔ اس لیے مجھے کچھ عذر نہیں۔ جو ان کی خوشی ہے وہی میری [illegible] [illegible]

یہ سُن کر عمر ہنسا۔ اور کہا خسرو کی کیا مجال ہے جو تجھ پر نگاہ بد کر سکے۔ پس لندھور فیل پیکر سوار
ہوا۔ اور گرز گراں کاندھے پر رکھ کر چلا جس وقت بارگاہ خسروی کے جلاد خانہ میں آیا تو گرز گراں کو ہوا
میں اچھالنے لگا۔ تو جتنے لوگ وہاں تھے۔ وہ شور مچانے لگے کہ تم یہ کیا کرتے ہو۔ اگر ابھی ہاتھ سے چھوٹ جائے
تو کتنے آدمی دب کر مر جائیں۔

اس شور کی آواز جب اندر گئی تو بادشاہ نے پوچھا۔ کہ یہ شور کیسا ہے؟ لوگوں نے عرض
کیا۔ کہ لندھور اس طرح سے آتا ہے۔ یہ باتیں کرتے ہی تھے کہ وہ اندر آیا اور امیر کے روبرو ہاتھ باندھ کر کھڑا
ہوا لیکن جس نے لندھور کی وضع دیکھی تو وہ کانپ گیا۔ قریب تھا۔ کہ بادشاہ تخت سے کود کر بھاگ جائے
بختک نے امیر سے کہا۔ اب کیا دیر ہے۔ فرمایا کچھ دیر نہیں۔ امیر نے لندھور کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔ کہ
بادشاہ کو تمہارا سر درکار ہے۔ جلاد خانے کے صحن میں جا کر بیٹھو اور بادشاہ کے امر سے سر نہ اٹھاؤ۔

لندھور نے کچھ جواب نہ دیا اور جلاد خانے میں گیا اور گرز کو زمین پر رکھا اور اسی سے تکیہ
کر کے بیٹھ گیا۔ بارگاہ میں اس وقت تمام شہریار حاضر تھے۔ کہ صاحبقران نے پہلوان عادی کو کہا۔ کہ
خسرو کا سر کاٹ لا۔ عادی بموجب حکم امیر کے باہر نکلا۔ لندھور کے پاس گیا۔ اور دیکھا۔ کہ بیٹھا ہوا ہے۔
اور یہ کہہ رہا ہے۔ کہ "خدا کا شکر ہے جو میرا سر امیر کی رضامندی میں جاتا ہے۔

عادی نے یہ بات سنتے ہی جی میں کہا۔ کہ ایسے شخص کو مارنا مجھ سے نہ ہوگا۔ یہ خیال کر کے
خسرو کے برابر خاک پر بیٹھا۔ کہ جو اس کا سر کاٹنے کو آئیگا جب تک وہ میرا سر نہ کاٹ لے گا اس تک نہ جانے دونگا
عمر بھی اس میدان میں ایک کونے میں کھڑا ہوا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ کہ جس وقت یہ خبر امیر کو ہوئی۔ کہ عادی
اس کے پاس جا بیٹھا ہے تو امیر بہت ناراض ہوئے اور سلطان بخت مغربی کو بھیجا کہ تم جا کر لندھور کا سر کاٹ
لاؤ۔ یہ وہاں سے آیا تو لندھور کے پاس آ کر جہاں عادی بیٹھا تھا۔ یہ کہہ کر خاک پر بیٹھ گیا۔ کہ امیر یہ جلادی کا
حکم کسی اور کو دیں۔ ہم خسرو کے ساتھ مارے جائیں گے۔ یہ خبر بھی امیر کو پہنچی۔ پھر بہرام گرد خاقان چین کو بھیجا
وہ بھی جا کر وہیں بیٹھ گیا۔ تب کئی سردار جاتے گئے اور جو گیا اس نے یہی حرکت کی۔ تب بختک نے امیر سے
کہا۔ جو بادشاہی جلاد ہیں ان میں سے کسی کو کیوں نہیں بھیجتے؟

فرمایا تم مختار ہو جس کو چاہو بھیجو۔ بختک نے ایک جلاد کو اشارہ کیا۔ وہ پکارا کہ کس کا
آفتاب زردی میں آیا ہے۔ حکم ہوا ابھی اس کا سر جدا کرو۔ کہا۔ لندھور کی گردن مارو۔ عمر جو جلاد خانے میں
کھڑا تھا۔ دیکھا۔ کہ ایک شاہی جلاد شیر کی کھال پہنے ہوئے اور پوست بز کوہی کی کلاہ سر پر رکھے ہوئے نکلا
اور لندھور کی طرف چلا۔ عمر نے معلوم کیا۔ کہ یہ لندھور کے پاس آتا ہے۔ تو خدا سے دعا مانگنے لگا۔ لندھور

اس وقت سر جھکائے بیٹھا تھا اور جلاد بھی نزدیک پہنچ گیا۔ کہ یکایک اہتمام کی آواز آئی۔ دیکھا تو ادھر سے ملکہ زرانگیز بانو کی سواری آتی ہے جو ایک محافظ پر خود اور دوسرے محافظ پر مہرنگار سوار ہیں۔ یہ صبح باغداد میں گئیں اور اب واپس آئیں۔ محافہ کے اندر سے زرانگیز بانو کی جونہی نگاہ لندھور پر پڑی تو دریافت کیا۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ کہ یہ لندھور ہے اور بادشاہ نے اسکی گردن مارنے کا حکم دیا۔ کہا۔ جاؤ چھڑالاؤ۔ اور اس کے لانے کو گئے۔ اور جلاد نے مزاحمت کی۔ زربانو نے کہا۔ کہ جلاد کے کان اور ناک کاٹ کر جلاد خانہ سے باہر نکال دو۔

یہ سنتے ہی خدمتگار لندھور کو باہر لے گئے۔ ملکہ کی سواری محل میں پہنچتے تک حکم کی تعمیل کر کے خواجہ سراؤں نے جا کر خبر دی کہ لندھور حاضر ہے۔ فرمایا کہ ہمارے ہاں سے خلعت دیکر رخصت کرو کہ لشکر میں جائے۔ تب لندھور رخصت ہو کر لشکر اسلام میں گیا۔ اور اپنی بارگاہ میں بیٹھا۔ یہ خبر بادشاہ کو ہوئی۔ فرمایا کہ ملکہ نے بے مصلحت یہ حرکت نہ کی ہوگی۔ ہم جا کر معلوم کریں گے۔

تب بادشاہ دیوان برخاست کر کے سوار ہو کر شبستان حرم کی طرف گئے۔

ستائیسویں داستان

دوشنبہ کو قصہ یہاں تک پہنچا تھا۔ کہ بادشاہ زرانگیز بانو کے پاس گئے۔ کہا۔ تم جو لندھور کو لے آئیں اس کا سبب کیا ہے؟ کہا۔ کہ وہ ہندوستان کا بادشاہ ہے۔ بادشاہ بادشاہوں کو اس طرح نہیں مارتے۔ کہ بدنامی کا باعث ہے۔ دوسرے یہ کہ تمہیں مارنے سے کیا حاصل۔ اگر ایسا ہی قتل کرنا منظور ہے تو پہلے حمزہ کو مارو نہیں تو اس کے مارنے سے فساد برپا ہوگا۔ کیونکہ حمزہ اس کا خون ضرور لے گا۔ میں نے یہ جان کر اس کو چھوڑ دیا۔ نوشیروان نے کہا۔ تم نے خوب کیا لیکن حمزہ کو کس طرح سے دفع کروں۔ کوئی تدبیر نہیں کہ وہ دفع ہو اور درد جاتا رہے۔

زرانگیز بانو یہ بات سن کر خاموش ہو گئی کہ کیا جواب دوں۔ اتفاقاً اس وقت بختک کی ماں سفر غار وہاں موجود تھی بادشاہ سے کہنے لگی۔ کہ اگر آپ کی مرضی مبارک ہو تو لونڈی اس کا سہل علاج کرتی ہے۔ فرمایا۔ کیا کرے گی۔ عرض کی کہ آپ خاطر جمع کیجئے۔ کہ میں حمزہ سے جا کر یہ کہوں گی۔ کہ تمہاری شادی ہوگی۔ تم تیار رہو۔ وہ اسی خوشی میں رہے اور میں بھی مہرنگار سے یہی کہہ کر ایک تہہ خانہ میں چھپا رکھوں گی اور اوپر سے یہ افواہ اڑاتی رہوں کہ مہرنگار بہت بیمار ہے۔ بعد پانچ روز کے

مشہور کر دوں گی کہ مہرنگار مر گئی ۔ پس یہ خبر تمام شہر میں مشہور ہوگی اور حمزہ یہ سن کر اپنے آپکو مار ڈالے گا۔ بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا ۔ اور کہا واقعی اس سے بہتر کوئی تجویز دفع کرنے کی نہیں ہے ۔ پھر بادشاہ باہر تشریف لائے ۔ دوسرے دن امیر بھی دربار کے وقت حضور میں آئے۔ تو بادشاہ نے امیر سے فرمایا کہ اسباب شادی کا تیار کرو ۔ اگلے ہفتے تمہاری شادی ہوگی ۔ امیر رخصت ہو کر اپنے لشکر میں گئے تو تمام چھوٹے بڑے نے مبارک باددی۔ امیر جشن میں بیٹھے اب حال سنو غار کا ملاحظہ فرمایئے۔ کہ مہرنگار کے پاس گئی ۔ اور کہا کہ ملکہ مبارک ہو کہ تمہاری شادی کی لگن رکھی ہے۔ اب چل کر کئی روز کے لئے سب سے کنارے ہو بیٹھو۔ کہ آپکی رسم یہی ہے ۔ مہرنگار کو بیجا کر کئی معشوقان ماہرو کے ساتھ ایک جگہ بٹھایا اور صحبت نشاط مہیا کی اور کہدیا کہ اتنے روز یہاں سے باہر نہ نکلنا۔ ملکہ کو وہاں بٹھایا اور آپ کام میں مشغول ہوئی ۔

اس کے بعد دوسرے دن افواہ اڑادی کہ مہرنگار کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ تو اس خبر سے امیر کو نہایت تشویش ہوئی کہ ایک مرتبہ چار پانچ دن کے بعد شبستان حرم سے آواز ماتم اور رونے کی بلند ہوئی سارے شہر میں اس آواز سے غل پڑ گیا ۔ اور مہرنگار کے مرنے کی دھوم پڑ گئی ۔ امیر نے عیاروں کو خبر کیواسطے بھیجا تو انہوں نے جاکر یہ خبر دی کہ ملکہ مہرنگار کے مرنے کا شور ہے ۔ امیر نے یہ سنتے ہی ایک آہ ماری اور زندگی تلخ ہونے لگی ۔ پیشتر اسکی بیماری کا حال سن ہی چکے تھے یقین ہوا۔ کہ ضرور یہی مر گئی ہوگی۔ جی میں کہا کہ اب اس زندگی سے مرنا بہتر ہے ۔ ارادہ کیا۔ کہ خنجر نکال کر اپنے پیٹ میں ماریں ۔ مہرنگار کے مرنے کا حال سن کر تمام سردار مثل خسرو ہندوستان و بہرام کرقاقان بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے ۔ ہر چند خنجر تلاش کیا۔ مگر اس کو کوئی ہتھیار نہ ملا۔ بلا اختیار اپنے آپکو خاک پر گرایا اور گریبان پھاڑ ڈالا۔ تمام امرا سمجھانے لگے۔ کہ صبر کر کے بیٹھیئے ۔

امیر نے کہا یہ سچ ہے مگر مذہب عشق میں یہ کب مناسب ہے۔ کہ وہ مر جائے اور میں زندہ رہوں ۔ عمرو نے جب امیر کی یہ حالت دیکھی ۔ تو امیر سے کہا کہ اے نامدار خدا کیواسطے تو صبر کر کہ میں وہاں جاکر اس حال کو معلوم کراؤں ۔ شاید کہ دشمنوں جھوٹی افواہ اڑادی ہو ۔ بمشکل امیر کو راضی کر کے چلا اور مدائن میں جاکر شبستان کے دروازے پر پہنچا تو لوگوں سے دریافت کرنا شروع کیا۔ کہ خواجہ سراؤں نے زر انگیز بانو کو خبر دی کہ عمر حمزہ کے پاس سے خبر لینے کو آیا ہے ۔ سنو غار نے چپکے سے زرانگیز بانو کے کان میں کہا۔ کہ اس کا بلانا ضروری ہے کہ اندر آکر یہاں کے ماتم کا حال دیکھ لے اور حمزہ کو جاکر خبر کرے ۔ وہ اگر یہ سنے گا تو اپنے آپکو ضرور ہلاک کر یگا۔

اس مشورہ سے عمر کو اندر بلایا۔ جب یہ اندر گیا۔ تو دیکھا۔ کہ تمام ساساتی اور دیگر سرداروں کی عورتیں سیاہ پوش حرم میں جمع ہیں اور اس طرح سے ماتم کر رہی ہیں۔ کہ انکو دیکھکر کیسا ہی سنگدل کیوں نہ ہو اس کا دل بھی کباب ہو جائے۔ عمر اس حال کو دیکھکر ایک جگہ بیٹھ گیا اور خوب رویا اور مہر نگار کے غم والم سے ان سب میں سے کسی کو حرم میں روشنی کا ہوش نہ تھا۔ اندھیرے میں ہی ماتم ہو رہا تھا۔ اور جہاں زر انگیز بیٹھی تھی۔ عمر اس کے سامنے دور بیٹھا۔ دیکھا کہ وہ بھی رومال منہ پر رکھے رو رہی ہے۔ عمر روتا اور دور سے دیکھتا کہ سنقر غار آئی اور زر انگیز یا نوں کے کان میں کچھ کہکر چلی گئی۔ عمر نے معلوم کیا کہ جو اسرار ہے اس مکارہ کے پاؤں کے پیچھے ہے۔ اس کا حال دریافت کرنا چاہیئے۔ کہ یہ اسکی تاڑ کہاں جاتی ہے۔ عمر نے اپنے آپکو ایک بڑھیا کی صورت بنا کر عصا ہاتھ میں لیکر اس کے پیچھے چلا۔ سنقر غار شبستان سے ایک طرف کو گئی اور دیوار کے پاس ایک باغیچہ میں گئی۔ کہ عمر بھی اس کے نزدیک جا پہنچا۔ اور ایک باریک آواز سے کہا۔ اے خاتون ذرا آہستہ چلو۔ یہ سُن کر حیران ہوئی۔ کہ کون آیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی اس حال سے مطلع ہو۔ پھر دیکھنے لگی۔ عمر نے کمند اس کے گلے میں ڈال کر مار ڈالا اور درختوں کے نیچے خشک پتوں کے ڈھیر تلے چھپا دیا۔ آپ اسکی صورت بنا کر جدھر جا رہی تھی اس طرف روانہ ہوا۔ لیکن حیران تھا۔ کہ کس طرف کو جاؤں؟ تھوڑی دور گیا کہ سامنے سے مہر نگار کی ایک خورد سال کنیز شمع ہاتھ میں لے کر آئی۔ اس کو دیکھکر کہا۔ بی بی سنقر غار اتنی دیر کیوں لائی۔ ملکہ نے کئی بار یاد کیا ہے۔ جواب دیا کہ زر انگیز کے پاس بیٹھی تھی اس لئے دیر ہوئی۔

یہ کہکر اس کے ہمراہ تہ خانہ میں گیا۔ مہر نگار مانند صد نگار رشک گل شگفتہ ایک مسند پر لباس عروسانہ پہنے بیٹھی اور جام صراحی روبرو رکھے ہوئے خوشی میں ہے۔ اور گھر کی ہرگز خبر نہیں۔ عمر نے سلامت دیکھکر خدا کا شکر ادا کیا۔ اور ملکہ کو دعا اور ثنا کہنی شروع کی۔ ملکہ نے اس وقت سنقر غار کو نہایت کرم و محبت سے دیکھکر فرمایا کہ تو اس طرح کی محبت مجھ سے کیوں نہیں رکھتی۔ عرض کیا۔ اے گلزار وفاداری و میوہ نخل خسار حسن وفا میری جان تجھ پر قربان ہے لیکن میرا بیٹا تم سے درپردہ عداوت رکھتا ہے۔ ازبسکہ میں بھی آپکی جان کی دشمن ہوں۔ اس خاطر آپ سے زیادہ گستاخ نہیں ہوئی۔ شائد تم مجھکو بھی سمجھو۔ میں مسلمان ہوں پر اپنے تئیں ظاہر نہیں کرتی۔

ملکہ یہ سُن کر نہایت خوش ہوئی اور کئی ہزار تمن کی خریدکا ایک ہار اپنے گلے سے اُتار کر اس کے گلے میں ڈال دیا اور کہا۔ اے سنقر غار خوشی میں کیا دیتی ہے۔ اس وقت عمر نے اپنے آپکو ظاہر کیا۔ اور کہا کیسی عمر کی اور کیسی شادی ہے؟ تمہارے مرنے کی افواہ اُڑی ہے۔ اگر میں جلد خبر لیکر نہ جاؤں تو امیر بیٹے آپکو مار ڈالے گا۔ اور پوچھا کہ تم جو یہ [illegible] عرض کی کہ سنقر غار کو مار [illegible] اس کی صورت بنا کر یہاں پہنچا ہوں۔ تمہارا بیٹا پانچ ہزار

تمن زر سرخ کے عمر کو انعام دیئے اور کہا۔ کہ امیر کو جلد خبر کر۔

عمر نے کہا دستاویز دو۔ وہ میرے کہنے کا اعتبار نہ کریں گے۔ تب مہر نگار نے رقعہ محبت آمیز اپنے ہاتھ سے لکھکر عمر کو دیا۔ تو عمر رقعہ لیکر وہاں سے باہر آیا اور اصلی صورت میں ہوکر لشکر اسلام کی طرف روانہ ہوا۔

اٹھائیسویں داستان ۲۸

سب کو قصہ یہاں تک عرض کیا تھا۔ کہ عمر یہ خبر لے کر چلا۔ اور بارگاہ دانیال میں امیر کو مہر نگار کی سلامتی کی خبر دی اور وہ رقعہ دکھایا۔ امیر نے دوڑکر عمر کو گلے سے لگایا اور دس ہزار تمن بخشے۔ عمر نے کہا اب میں جو عرض کروں آپ اسے قبول کیجئے۔ وہ یہ کہ آپ مع جمیع سرداروں کے سیاہ پوش ہوکر چلئے۔ کہ بغیر آپ کے گئے جنازہ نہ آئیگا۔ جب جنازہ آئے آپ جنازہ کے ہمراہ ہو لیجئے۔ دیکھئے میں ان کا مکر کس طرح کھولتا ہوں۔ کہ انکو اس بات کی سراسر شرمندگی رہے۔

امیر اپنے یاروں سمیت سیاہ پوش ہوئے اور خسرو بہرام و سلطان بخت مغربی و مقبل ان سب کو ساتھ لیکر بارگاہ خسروی کی طرف گئے۔ اور جاکر دیکھا۔ کہ سارا لشکر پژمردگی میں ہے اور بادشاہ سیاہ پوش بیٹھے ہیں۔ امیر بھی الٹے جا بیٹھے اور سوگواری میں مشغول ہوئے۔ جب ایک پہر گذرے قریب دن آیا۔ امیر نے بادشاہ سے کہا۔ اب جنازہ نکلوانا چاہیئے۔ بادشاہ نے اندر کہلوا بھیجا۔ وہاں سے زرانگیز بانو نے کہا۔ کہ آج مہر نگار کی لاش یہاں رکھیں گے۔ اور صبح کی نماز کے بعد جنازہ میں رکھکر بھیجیں گے۔

غرض تمام روز بادشاہ مع سرداروں کے خاک پر بیٹھے رہے۔ اور جتنے برہمن و کشیش اور زنار دار تھے اپنی اپنی پوتھی کی رو سے خدا کے نام جپا کئے۔ سنکھ بجاتے اور چرخ مارتے رہے۔ جب شام نزدیک ہوئی تو محل میں جنازہ کی تیاری ہونے لگیں۔ سفر غار کو تلاش کیا۔ تو وہ نظر نہ آئی۔ تب زرانگیز بانو نے اس کے تلاش کرنے کا حکم دیا۔

غرض پتوں [illegible] سے اسکی مردہ لاش نکال کر زرانگیز بانو کے پاس لائے اور اس کو مہر نگار کے نقلی جنازہ میں بند کرکے باہر بھیجا۔ جب بختک کو یہ خبر ہوئی۔ کہ تیری ماں ایکایک مر گئی۔ تو وہ سیاہ پوش ہوکر اس تابوت کے آگے آگے ماتم کرتا ہوا چلا۔ جب جنازہ بارگاہ میں آیا تو اسکی قوم کے جتنے لوگ تھے سب جمع ہوئے اور اپنے پرائے دوست خدا سے مہر نگار کے لئے آمرزش مانگنے لگے۔ عمر انکی وضع

دیکھکر آپ بھی ایک چمڑے کی قبا پہن کر مثل انکے تیار ہوا۔ اور طرح بطرح کی حرکتیں کرنے لگا۔ چنانچہ شعلیں باندھیں۔ صدائے ناقوس کے آگے انکے ساتھ آپ بھی ذکر لات منات کا کرنے اور ان برہمنوں میں خرچ کھانے اور انکے طریق کے مطابق ایک ایک سے بغلگیر ہونے لگا۔ لیکن بغلگیری کے وقت آتشبازی چھچھوندر ایں چلاکر ہر ایک کے گریبان میں چھوڑ دیتا۔ غرض کئی طرح سے اپنے تیئں بختک کے پاس پہنچایا۔ اور اس کو گلے لگاکر اس کے گریبان میں چھچھوندر چھوڑکر اس قدر پکڑے رہا کہ بختک کا سینہ جلنے لگا۔ بختک نے ایک آہ ماری اور کہا اے عمر چھوڑ دے کہ میرا سینہ جلتا ہے۔ عمر نے کہا کیوں نہ جلے تیری ماں جو مر گئی لیکن میرا جی جلتا ہے۔ غرض وہ آگ بختک کے سینہ سے پشت پر پہنچی۔ کہا۔ اے عمر اب میری پیٹھ بھی جلتی ہے۔ غرض اس وقت عجیب ہنگامہ تھا کہ تابوت کے آگے آگے ان برہمنوں کا اپنی کتابوں کو بلند آواز سے پڑھتے ہوئے چلنے اور امیر کی وضع پر پنہاں تبسم کرتے ہوئے چلے جاتے تھے کہ بختک کے گریبان سے یکایک آگ کا شعلہ بھڑکا۔ تب تو بختک نے ہزار مشقت سے اپنے آپکو عمر کے پنجے سے چھڑایا اور بھاگ کر ایک حوض کے پانی میں جا گرا اور ان برہمنوں نے بھی پانی میں گر کر آگ کو بجھایا۔

غرض ایسا تفرقہ پڑا کہ ہر ایک بھاگنے لگا۔ راوی لکھتا ہے کہ بادشاہ اس وقت رومال کے اندر ایک گٹھلی پیاز کی لئے ہوئے تھا جب رومال آنکھوں پر رکھتا تو پیاز کی تیزی سے آنکھوں کا پانی نکلتا۔ اور لوگ جانتے کہ بادشاہ روتا ہے اور بادشاہ کو روتا دیکھکر تمام سردار بھی روتے۔ اس وقت عمر کی حرکتیں دیکھکر بادشاہ مع تمام سرداروں کے ہنستا ہوا وہ پیاز گر گیا۔ بادشاہ اس وقت شرمندہ ہوا عمر نے بادشاہ کی طرف دیکھکر کہا حیف ہے تجھ سا بادشاہ مکاروں کا ہمنام ہو کر ایسی حرکتیں کرے۔ بادشاہ نے مسکراکر کہا۔ بابا قیس نے یہ مکر کیا تھا وہ اپنی سزا کو پہنچا۔ میرا قصور نہیں۔ یہ کہکر امیر کو چھاتی سے لگایا اور اس کا عذر کیا۔

امیر نے عرض کی بندہ اپنے آپکو حضور میں ایک ادنیٰ غلام جانتا ہے۔ اور آپ خداوند ہیں۔ لیکن عدالت کا کام فرمادینا بادشاہ کے لئے لازم ہے۔ بادشاہ نے امیر کو مع خسرو بہرام خلعت عطا فرمایا۔ بعدہ امیر سوار ہوکر تماشہ دکھا کر کیطرف [illegible] ہوئے اور بادشاہ سوار ہوکر شبستان حرم میں گیا اور مہر نگار کو بلاکر گلے لگایا۔ حقیقت تعزیت عمر کی [illegible] تمام بیان کیں۔ [illegible] یا تو اور مہر نگار بے اختیار [illegible] [illegible] جب [illegible] دن گذرے تو [illegible]

[illegible]

[illegible] سے بادشاہ [illegible]

اور امیر کا پیغام عرض کیا۔ فرمایا بہتر ہے۔ چالیس دن کے بعد تمہاری شادی کریں گے۔ کیونکہ بعض چیزیں تیار نہیں ہیں۔ عمر نے جواب دیا کہ آپ بادشاہ ہفت کشور ہیں۔ جو چاہیں ایک ساعت میں مہیا کر سکیں گے بزرجمہر نے مہلت تین دن کی ٹھہرائی۔ اور دن شادی کا مقرر کیا اور عروسی کی تیاری ہونے لگیں۔ عمر نے بادشاہ سے اقرار نوشتہ لیا۔ کہ پھر کوئی حرکت درمیان میں نہ آئے۔ اور حضور سے رخصت ہو کر امیر کے پاس آیا اور وہ نوشتہ صاحبقران کو دیا۔ تو امیر نہایت خوش ہوئے۔ لیکن اب بختک کا بھی حال ملاحظہ فرمائیے کہ جب بادشاہ کے اقرار کو پانچ دن گذر گئے تو اس نے سنا کہ بادشاہ نے تین دن کا شادی کا اقرار کیا ہے بے تاب ہوا اور باوجود اس کے جو جسم آگ سے جلا تھا اس کے زخم بھی اچھے نہ ہوئے۔ کہ سوار ہو کر کے بادشاہ کی خدمت میں گیا۔ اور بعد مجرا کے کہا۔ آپ نے مہر نگار کی شادی کا اقرار کیا ہے۔ اگر یہی منظور تھا۔ تو یہ مکر اور حیلہ کیوں کیا۔ اب نوبت یہاں تک پہنچی کہ تمام ملکوں میں یہ بات مشہور ہو گئی۔ کہ بادشاہ کا ارادہ حمزہ کو داماد بنانے کا نہیں ہے۔

پس آپکو لازم ہے کہ اپنے مذہب کا بھی پاس رکھئے۔ غرض اسی طرح کی باتیں کہیں کہ نوشیرواں نے کہا کہ میں ناچار ہوں۔ کیا علاج کروں۔ بختک نے کہا آپ خاطر جمع رکھیں میں نے اس کی تدبیر سوچ لی ہے۔ فرمایا کیا تدبیر ہے۔ عرض کیا۔ آج تیسرے دن جب بارگاہ میں تمام خورد و کلاں حاضر ہوں اور حمزہ بھی ہو تو اس روز دربار میں بالکل ہیں اس وقت میں دو تین آدمی کو ناک کان کاٹ کر ان کو سکھلا کر بھیجوں گا۔ وہ زنجیر عدالت کو ہلائیں گے اور فریاد کریں گے کہ ہم نوشیرواں کے نوکر ہیں اور حضور کی طرف سے سفارت ملک ہند میں گئے۔ اور وہاں کا خراج ہر سال مدائن میں پہنچتا تھا۔ اب وہاں سے خبر پہنچی ہے کہ بادشاہ نے سفیروں کو باہر نکال دیا ہے۔ پس یہ خبر وہاں کے بادشاہوں کو بہت بری معلوم ہوئی اس لئے انہوں نے ہمکو یہ صورت بنا کر نکال دیا ہے۔ کہ اسی طرح تم نوشیرواں کے پاس جاؤ۔ اب ہم خراج نہیں دیں گے۔ اگر بادشاہ کو نعل بندی بھی منظور ہے تو اپنے داماد کو بھیجو کہ ہم سے خراج لے لیں۔ پس حمزہ غیرت سے فوراً جائیگا۔

نوشیرواں نے اس مشورہ کو پسند کیا اور جب دو دن گذر گئے تو بادشاہ نے امیر کو واسطے بزم جشن کے طلب کیا اور تمام سردار اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے اور مجلس میں طعام و شراب حاضر کیا گیا بختک نے قیدیوں میں سے کئی آدمیوں کو روپیہ دیکر سکھلایا۔ اور ان کے ناک کان کاٹ کر عدالت میں بھیجا۔ انہوں نے جا کر عدالت کی زنجیر ہلائی۔ جب آواز بلند ہوئی تو بادشاہ نے فرمایا۔ دریافت کرو کہ کون ہے۔ تب چوبداروں نے ان کو حضور میں پیش کیا۔ وہ پانچ آدمی کان اور ناک کٹے تھے انہوں نے

فریاد کی اور جو مضمون بختک نے سکھلایا تھا وہ بیان کیا۔ ان کی یہ باتیں سن کر امیر کو بہت غصہ آیا اور فرمایا کہ اگر ہفت ملک میں جا کر ان سے بزور خراج نہ لیا تو بادشاہ کا داماد نہ کہلایا۔ ازبسکہ بادشاہ نے فرمایا۔ کہ اے امیر انہوں نے اپنے واسطے برا کیا۔ کہ یہ حرکت کی تم اپنے کام میں رہو۔ اگر یہی منظور ہے تو شادی کر کے چلے جاؤ امیر نے قبول نہ کیا۔ اور کہا۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک وہاں کا خراج نہ لاؤں شادی نہ کرونگا۔ اس وقت پہلوان عادی کو امیر نے کوچ کا حکم دیا۔ بادشاہ نے امیر سے فرمایا اگر یہی مرضی ہے تو اپنے سرداروں میں کسی کو چھوڑ جاؤ کہ تمہارے آنے تک مہر نگار کا نگہبان رہے۔

امیر یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کو دعا دیکر کہا۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ کہ بہرام حضور میں رہے۔ بادشاہ نے امیر کو خلعت دیا اور سات نامے شاہان ہفت کشور کے نام اس مضمون کے لکھوا دیئے۔ کہ میں نے اپنے داماد کو واسطے خراج کے بھیجا ہے جو کوئی خوشی سے نہ دیگا یہ اس سے بزور شمشیر لیگا اور سوائے اس کے بادشاہ نے ایک سردار قارون دیوبند کو جس کی چوکیدار پر امیر زخمی ہوا تھا۔ بارہ ہزار سوار لیکر امیر کے ہمراہ کر دیا۔ کہ وہ راہ میں امیر کی معاونت کرے۔ امیر نے عرض کی کہ اسکی عوض کسی اور کو بندہ کے ہمراہ کیجئے۔ کیونکہ یہ تمام ساتھیوں میں بزرگ ہے۔ نیز آپ سے رشتہ رکھتا ہے۔ اور میرے اس سے اور اسکی مجھ سے کئی مرتبہ تکرار اور بے مزگی ہوئی ہے۔ پس اگر راہ میں کوئی حرکت ایسی کرے تو اس کا کیا علاج کروں؟

بادشاہ نے قارون سے کہا۔ اس کا علاج بتاؤ۔ اس نے کہا میں لکھے دیتا ہوں۔ کہ ایک بھی حرکت بیجا مجھ سے سرزد ہوئی تو لائق سزا کے ہوں۔ امیر نے تو شقہ لیکر فرمایا۔ تو نے ایک خطا کو لکھا ہے میں تم کو دو مرتبہ معاف کرونگا۔ لیکن تیسری خطا پر ضرور سزا دونگا۔ بادشاہ نے قارون کو خلعت دیا اور رخصت کیا کہ امیر وہاں سے دلشاد کام بر لشکر اسلام میں جا کر طبل کوچ کا بجوایا۔ لیکن عمر نے امیر سے کہا کہ تم مہر نگار پر عاشق نہیں ہو بلکہ لڑائی پر عاشق ہو۔ پس تم جاؤ۔ ہفت ملک اور میں مکہ کو جاتا ہوں۔ تمہاری فتح کے بعد ملوں گا۔ امیر نے فرمایا۔ بہت اچھا۔ آپ نے خط لکھ کر مع بہت سے تحائف کے عمر کو دیا اور عمر یہ سب کچھ لیکر مکہ کو روانہ ہوا۔ یہاں امیر کے چلے جانے کے بعد بادشاہ نے سات خط اور لکھوا کر قارون کو دیئے۔ جن میں یہ لکھا تھا۔ کہ میں نے حمزہ کو وہاں بھیجا ہے جس طرح ہو قابو پاتے ہی مار ڈالنا۔ اور سات مثقال زہر قاتل بھی قارون کو دیا ہے۔ کہ جہاں موقع ملے حمزہ کو پلا دینا۔ کہ مر جائے۔ جب اس طرح کا سامان کر لیا تو وہ بادشاہ سے رخصت ہو کر امیر کے پاس آیا اور ان کے ہمراہ مدائن سے ہفت ملک کی طرف کوچ کر کے روانہ ہوئے۔ اور سات دن پے در پے منزل بمنزل چلے گئے۔ اور

آٹھویں منزل میں دوپہر کے وقت قارن نے اپنے گھوڑے کو کھڑا کیا اور صحرا کی طرف دیکھنے لگا۔ تو امیر نے فرمایا۔ اے برادر کیا دیکھتا ہے؟ عرض کیا۔ کہ یہاں سے دو راستے ہفت ملک کو جاتے ہیں۔ آپ جس راہ سے فرمائیں اسی راہ سے چلیں۔ ایک راہ تو بیس دن کی ہے اور دوسری تین دن کی۔ جو ہفت ملک کے پہلے شہر کے پاس جا پہنچتی ہے۔ امیر نے فرمایا ایسی نزدیک کی راہ چھوڑ دور کی راہ سے جانے کی کیا ضرورت ہے؟

قارن نے کہا۔ کہ اس تین منزل میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ملتا۔ لشکر کو حکم دیا۔ کہ تین روز کیلئے پانی اپنے ہمراہ لے لیں۔ ایک روز امیر نے وہاں مقام کیا۔ اور فوج کو پانی اٹھانے کا حکم دیا۔ دوسرے دن صبح کوچ کر کے اور جس راہ سے قارن نے کہا تھا۔ اسی راہ سے روانہ ہوئے۔ تین روز تو بآرام چلے گئے۔ مگر چوتھے روز پانی ختم ہو چکا۔ اور صحرائے بے آب سامنے نظر آیا۔ دوپہر تک تو لوگوں نے پانی کا انتظار کیا اور دوپہر کے بعد تو تمام سپاہ مارے پیاس کے اس ریگستان میں تڑپنے لگی۔ امیر ان تمام کی یہ حالت دیکھکر آپ بھی گھوڑے سے اتر کر زمین پر بیٹھ گئے۔ اور قارن سے فرمایا کہ۔ تو کہتا تھا کہ تین روز کے بعد پانی ملے گا۔ آج چوتھا روز ہے تیرے کہنے کے برخلاف ظہور میں آیا۔ عرض کیا۔ کہ میں بارہ سال کے بعد اس راہ میں آیا ہوں۔ جہاں جہاں پانی تھا وہاں ریت کے ڈھیر ہو گئے ہیں۔ اس وجہ سے پانی نہیں ملتا۔ اگر فرمائیں تو بندہ تلاش کرے۔

فرمایا۔ اچھا۔ یہ گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر میں آیا اور اس نے اپنے لشکر میں پانچ دن کا پانی اٹھایا ہوا تھا اس لئے تمام آسودہ تھے۔ اس نے اپنی سپاہ سے کہا۔ کہ گھوڑوں پر سوار ہو کر تیار رہو میں جاکر حمزہ کو زہر دیتا ہوں۔ جب دیکھو کہ حمزہ نے میرے ہاتھ سے جام پی لیا۔ تو تم سب کو مار ڈالنا۔ اس نے یہ کہکر امیر کے پاس گیا۔ اور کہا غلام نے تمام صحرا کو ڈھونڈا لیکن پانی کہیں نہیں ملا۔ اگر بے ادبی نہ ہو تو بندہ کی چھاگل میں شائد ایک پیالہ پانی ہے وہ حاضر کروں۔ فرمایا کہ اس وقت بڑی ہے۔ اس نے پہلے سے ہی زہر ملا رکھا تھا۔ جام بھر کر امیر کے آگے لے گیا۔

امیر نے اس کے ہاتھ سے جام لیکر پینے کا ارادہ کیا۔ تو جی میں خیال گذرا۔ کہ یہ مروت سے بعید ہے کہ میں پیئوں اور بھی تو سب رفیق ہیں۔ تب وہ جام لندھور کو دیا اور فرمایا۔ میں مرد صحرا نشین ہوں پیاس کو برداشت کر سکوں گا اور تمکو ایسا اتفاق کم ہوا ہے۔ پس اسے تم پیئو! خسرو اس وقت امیر کی یہ مروت دیکھکر حیران ہوا۔ اور آپ نے نہ پیا اور پہلوان عادی کے حوالے کیا۔ عادی نے کہا۔ اس سے میری پیاس ذرا بھی کم نہ ہو گی۔ غرض وہ جام سلطان بخت مغربی کو دیا۔ اسی طرح وہ جام

دست بدست پھر کر آخر مقبل وفادار کے ہاتھ آیا۔ اس نے افسوس کیا۔ اور کہا نا واجب ہے جو تو پانی پیئے اور تیرا خاوند پیاسا رہے۔ لوگ یہ بات سن کر کیا کہیں گے۔ وہ اس جام کو پھر امیر کے روبرو لایا اور امیر نے اسے لب پر لگایا۔

۲۹ انتیسویں داستان

اب عمر کا حال بیان کرتا ہوں کہ وہ امیر کا خط اور سوغات مکّہ میں پہنچا کر وہاں سے لشکر اسلام کی طرف روانہ ہوا۔ اور راہ میں دیکھا کہ بزرگ پیر مرد آگے چلا جاتا ہے۔ عمر نے ہزار طرح اپنا قدم تیز کیا مگر اس کے پاس نہ پہنچ سکا۔ تب تو پکار پکار کر قسمیں دیں کہ اے بزرگ قسم ہے تمہیں اپنے مذہب کی ذرا کھڑا ہو۔ وہ سوگند سن کر کھڑا ہوا۔ جب نزدیک جا کر دیکھا تو خضر علیہ السلام ہیں۔ قدمبوس ہوا اور شکریہ ادا کرنے لگا۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا۔ اس وقت قارن دیو بند نے امیر کو زہر دیا ہے۔ اور امیر ابھی لب کے پاس لے گئے ہیں اور پیا چاہتے ہیں۔ یہ وقت دیر کرنے کا نہیں ہے تو جلد جا اور جام امیر کے ہاتھ سے پھینک دے۔ لیکن یہیں سے کہتا جا کہ نہ پینا۔ تیری آواز کو فوراً پہچانے گا۔ عمر یہ جو اس ہوا اور یہی کہتا ہوا دوڑا۔ وہاں کا حال ملاحظہ فرمائیے۔ امیر نے چاہا کہ اس جام زہر آمیز کو پیئیں کہ صحرا کی طرف سے آواز پیدا ہوئی کہ نہ پی۔ یہ سن کر امیر نے ہاتھ روک لیا اور میدان کی طرف دیکھنے لگا۔ اور اس آواز کو سن کر سب حیران ہوئے۔

قارن نے عرض کی کہ یہ صحرا عجائب و غرائب ہے۔ یہاں بہت سے غول بیابانی رہتے ہیں کسی کی آواز ہوگی۔ آپ اس کا خیال نہ کریں۔ امیر نے چاہا کہ پی لے۔ دوبارہ پھر وہی آواز آئی۔ امیر نے ہاتھ کو پھر روک لیا اور صحرا کی طرف دیکھا۔ تو ایک بارگی گرد پیدا ہوئی اور دامن گرد متفرق باد سے تائیہ گریبان جو نہی چاک ہوا۔ تو دیکھا کہ عمر آ رہا ہے۔ اور یہی کہتا ہے کہ مت پینا امیر اس کی طرف دیکھ کر متعجب ہوئے۔ عمر نے پاس آ کر حلیم کے ہاتھ سے وہ جام لیکر پھینک دیا تو اس کا پانی جہاں پڑا وہاں کی زمین پھٹ گئی اور ایک شعلہ امیر کے مونہہ پر گرا۔ کہ مونہہ کے چمڑے کو توڑ کر لپٹ پا پار ہوا۔ اور لپٹ پاس سے گذر کر تلوے کی راہ سے نکل گیا۔ تب سب نے جان لیا۔ کہ یہ زہر تھا۔ قارن یہ دیکھ کر اپنے لشکر میں بھاگ گیا۔ اور بارہ ہزار سوار نے امیر کو گھیر لیا۔

یہ دیکھتے ہی خسرو نوج ہند کو لیکر اور گرز کو ہاتھ میں پکڑ کر قارن کی فوج کو ملنے لگا۔

قارن نے ایک نیزہ لندھور کو مارا تو خسرو نے وہ نیزہ اس کے ہاتھ سے چھین کر اس کے پیٹ میں اس زور سے مارا کہ وہ گھوڑے سے گر کر بے ہوش ہوا اور بہت سے لوگ مارے گئے۔ قارن کو گرتا دیکھکر چاروں طرف سے اس کے آدمی دوڑے اور اس کو اٹھا کر جنگل کی طرف بھاگے۔ عمر اپنی فوج کو لیکر اس چشمہ پر لایا جو اس کو خضر علیہ السلام نے بتلایا تھا۔ لشکر وہاں اترا اور تمام نے پانی پیا اور لندھور نے عمر کو گلے سے لگایا اور بہت خوش ہوئے اور کچھ انعام دیا۔ اور امیر نے لندھور سے فرمایا۔ تم نے خوب کام کیا۔ کہ ملعونوں کو مار کر دفع کیا۔ نہیں تو وہ سب کا کام تمام کر چکا تھا۔ لشکر نے کئی روز وہاں قیام کیا۔ پھر امیر نے عمر سے فرمایا کہ کوئی بدرقہ پیدا کرنا چاہیئے کہ اس سے ہفت ملک کی راہ معلوم ہو۔

عمر یہ حکم پاکر لشکر سے باہر نکلا اور بدرقہ کی تلاش میں گیا تو ایک چھوٹا سا قصبہ نظر آیا جب اس کے اندر گیا تو وہاں کے لوگ اسے دیکھکر بھاگنے لگے۔ تب عمر حیران ہوا۔ اور ایک شخص کو دوڑ کر پکڑا اور بھاگنے کی وجہ معلوم کی۔ کہا کہ پرسوں ایک جماعت اسی راہ سے گذری تھی۔ اس کے ہاتھ سے یہاں کے لوگوں نے ایذا پائی کہ انہوں نے ایک ایک کو باندھا اور روپے لئے۔ عمر نے معلوم کیا کہ وہ قارن تھا۔ اس کا تمام حال عمر نے اس سے بیان کیا۔ اور کہا۔ کہ ہم لوگ ایسے نہیں کہ ہم سے کوئی تکلیف پاوے۔ بلکہ کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ جا اور اپنے لوگوں کو سمجھا۔ وہ گیا اور سب کو عمر کے پاس لایا۔ عمر نے تسلی دی اور اپنے ہمراہ لیکر امیر کے پاس آیا۔ امیر نے سب پر مہربانی کی اور انعام دیا۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ امیر نے ان کے سردار کو خلعت دیا اور اس سے پوچھا کہ یہ بیابان کہاں تک ہے اور ہفت ملک کا پہلا شہر یہاں سے کتنی دور ہے اور اس کا کیا نام ہے۔ اور یہاں سے ہم کو کس راہ سے جانا اور کتنے دنوں میں پہنچیں گے۔

اس نے جواب دیا کہ بیابان بارہ کوس تک ہے۔ اس کے بعد میٹھا پانی مل سکے گا اور وہاں بائیس منزل چل کر لقا کی بیٹھک ہے اور نام تام فرہاد کا حاکم بیس ہزار سپاہ اپنے ہمراہ لیکر آپ جس طرف کوچ کریں بندہ کو ساتھ لیے چلیں۔ میں وہاں تک پہنچا دوں گا۔ امیر نے اس کو سارے بیابان اور نواح کا حاکم مقرر کیا۔ اور پہلوان عادی سے فرمایا کہ پیش خیمہ روانہ کرو۔ اس نے بارگاہ کے تمام خیمے اونٹوں پر لدوا کر روانہ ہوا اور صبح کو امیر بھی سوار ہوئے اور لشکر کا کوچ ہوا۔ اور ڈیڑھ پہر دن چڑھے خیمہ میں داخل ہوئے۔

اس کے بعد آپ بیابان کی طرف پانی بھرنے چلے۔ ان لوگوں کے ساتھ کچھ گھوڑے بھی تھے۔ وہ دوڑ کر ان سے پہلے پانی پر جا گھسے اور پیتے ہی مر گئے۔ یہ لوگ انکو دیکھکر حیران ہوئے اور صاحبقران کو خبر دی تو امیر سوار ہو کر اس پانی کے نزدیک گئے اور معلوم کیا کہ اس میں زہر ہے پس لوگوں سے منع کیا۔ کہ یہاں

کا پانی نہ پئیو۔ تب نئے چشمے کھدوائے اور ان سے تمام لشکریوں نے پانی پیا۔ یہ حرکت قارن کی تھی۔ کہ جہاں جہاں آبِ شیریں تھا اسمیں زہر ڈال کر چلا۔ کہ اس راہ سے امیر کا لشکر آئیگا اور یہ پانی پی کر مر جائے۔ غرض صبح کو امیر نے کوچ کیا تو تیسرے دن التطاکیہ کے قلعے کے پاس پہنچے اور دیکھا کہ یہ قلعہ ایک پہاڑ کے اوپر بنا ہوا ہے۔ کمند وہم بھی وہاں تک نہ پہنچے۔ اسکی دوسری طرف دریا تھا لشکر اس کے کنارے اترا۔ اب قارن کا حال ملاحظہ فرمائیے کہ وہاں سے بھاگ کر راستے کے ہر چشمہ میں زہر ڈالتا ہوا قلعہ التطاکیہ میں آیا اور نوشیروان کا خط ہام کو دیا اور کہا امیر ہفت کشور کا خراج لیا چاہتا ہے۔ نوشیروان کا حکم ہے کہ اس کو فریب سے قابو میں لا کر مار ڈالو۔

اب وہاں کی کیفیت سنئے کہ دس بارہ کوس کی تفاوت سے تین قلعے ہیں۔ ان قلعوں میں بھائی بادشاہ ہیں اور تینوں کا نام التطاکیہ رکھا ہے۔ اور پہلے قلعہ کا نام ہام۔ دوسرے کا نام سام اور تیسرے کا مہد زرین تھا۔ لیکن قارن ان تینوں سے کہتا ہوا چوتھے کیطرف روانہ ہوا۔ اور یہاں سے ہام نام نے اپنے بھائیوں سے کہا۔ کہ حمزہ آیا ہے اور میرے پاس دس ہزار سوار ہیں کس طرح مقابلہ کروں اگر تم بھی آؤ تو تیس ہزار سوار سے اس کا مقابلہ کریں۔ اگر یہ قلعہ اس نے لے لیا تو پھر تمہارے قلعوں کا لینا آسان ہے۔ تم جلد آؤ۔ وہ یہ سن کر مع فوج التطاکیہ میں آئے اور مشورہ کرنے لگے۔ ایک نے کہا کہ اس سے بہتر کوئی بات نہیں کہ ہمارے پاس تیس ہزار سوار ہیں۔ باہر نکل کر مقابلہ کے لئے طبل جنگ بجوائیں اور لڑ کر اسے ماریں۔ دوسرے نے کہا کہ عقل سے بعید ہے کیونکہ اس کے ساتھ کئی شاہ اور سردار ہیں۔ چنانچہ لندھور بن سعدان کے روبرو ہونا ہی مشکل ہے۔ رات کو شبخون مار کر اس کا کام تمام کیجئے۔ ہام سب سے بزرگ اور عقلمند تھا اس نے کہا۔ یہ تمام نادانی ہے۔ جو تم بکاتے ہو میرے خیال میں سب سے بہتر یہ ہے کہ یہاں سے تحائف اور پیشکش لیجایئے۔ اگر وہ عزت اور حرمت کے ساتھ پیش آیا تو کیا مضائقہ ہے اس کو خراج دیجئے۔ اور اس سے ملاقات کیجئے۔ کیونکہ اکثر سردار اسکی رفاقت میں ہیں۔ آپ بھی حاضر رہیئے۔ اور اگر اس نے آپکی توقیر کی تو اپنے قلعہ میں چلے آیئے۔ میں دس ہزار سے قلعہ داری کروں گا۔ اور تم بیس ہزار سے ہر روز شب خون مارنا۔ یہاں تک کہ وہ ہلکان ہو کر چلا جائے۔

یہ سن کر سب نے اس مشورہ کو پسند کیا اور بہت سے تحفے لے کر قلعہ سے باہر نکلے اور امیر کے لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔

تیسویں داستان

اب امیر کا حال سُنیئے کہ وہ لشکر میں بیٹھے ہوئے اس قلعہ کے لینے کی فکر کر رہے تھے۔ کہ ایکایک عادی نے آکر خبر دی کہ انطاکیہ کا بادشاہ مع اپنے بھائیوں کے ملازمت کو آتا ہے۔ امیر بہت خوش ہوئے اور کئی سرداروں کو استقبال کے لیے آگے بھیجا۔ انہوں نے آکر مجرا کیا اور جو تحائف بغرض ہدیہ لائے تھے نذر گذارا۔ امیر ان تمام سے بغلگیر ہوئے اور نہایت سرفرازی ان پر کی اور بیٹھنے کا حکم دیا امیر کا یہ سلوک دیکھکر بدرجہ ممنون ہوئے۔ امیر نے ان کے واسطے شربت طلب کیا اور محفل آراستہ کی۔ تین روز تک انہیں جشن میں رکھا، پھر خلعت مخفول منگوا کر انہیں اپنے ہاتھ سے پہنایا۔ اور کہا۔ افسوس ہے کہ تم ایسے بہادر ہو کر خدا کو نہیں پہچانتے۔

امیر نے انہیں گلے سے لگایا۔ اور کہا۔ اگر تمہارے خزانہ میں روپے کی کمی ہے تو بادشاہ کو میں اپنے پاس سے دوں گا۔ مجھکو تمہارے ملک و مال سے کچھ کام نہیں فقط دوستی کا طالب ہوں اور یہ عزت جو میں نے پیدا کی ہے دوستوں ہی کے سبب سے ہے۔ ان بادشاہوں نے نوشیرواں کے خطوط جو قارن دے گیا تھا امیر کی خدمت میں گذارے۔ ان میں یہ مضمون تھا۔ کہ جس طرح پاؤ امیر کو مار ڈالو۔ امیر نے اس خط کو پڑھکر نہایت آزردہ ہو کر خیال کیا۔ کہ شائد یہ جعلی نہ ہوں۔ وہ خطوط مقبل کو دیئے۔ اور کہا۔ تم اپنے ساتھ کے لوگوں کو ساتھ لیکر کوچ کر کے جاؤں اور یہ خط نوشیرواں کو دوں۔

امیر کی یہ بات سُنتے ہی ان تینوں بادشاہوں نے کہا۔ کہ ہمارے تینوں مُلکوں کا خراج بھی حاضر ہے آپ کے ہاتھ بھیجد ینگے۔ امیر نے انکو پھر خلعت دیا۔ اور پوچھا۔ کہ یہاں سے آگے کون سا شہر آئے گا۔ غرض کہ یہاں سے پندرہ روز کی منزل کے لیے شہر علانیہ آئیگا۔ اور وہاں کے حاکم کا نام انیس ہے امیر نے فرمایا کہ اب تم اپنے مُلک میں رہو اور بادشاہت تمہاری تمہی کو مبارک رہے۔ ہم کل یہاں سے علانیہ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ کہ ہم جب تک زندہ ہیں آپ کے قدم سے جدا نہ ہوں گے۔ انہوں نے تینوں ملکوں کا خراج خزانے میں جمع کیا اور اپنے اپنے شہر میں نائب چھوڑ کر امیر کے ساتھ ہوئے صبح کو امیر نے کوچ کیا اور علانیہ کی طرف چلے۔ منزل اور مراحل طے کرتے ہوئے نزدیک سے دو فرلانگ پر اُترے۔ اور مقام کیا۔ قارن نے امیر کے آنے سے پہلے نوشیرواں کا خط انیس کو دیکر حلب کی طرف روانہ ہو گیا۔ انیس ساہ نہایت بدذات تھا جو لشکر لیکر باہر آیا اور طبل جنگ بجوا کر مبیدان میں کھڑا ہو کر امیر کو للکارا۔ امیر اس کی

آواز سُن کر مثل شعلہ آتش سامنے آئے۔ وہ امیر کو دیکھکر گھوڑے سے نیچے اُتر کھڑا ہوا۔ اور امیر کی رکاب کو بوسہ دیا اور کہا امیر کیا مقدور ہے جو آپ سے لڑوں۔ لیکن یہ مجھ سے خطا ہوئی ہے معاف کیجئے۔

امیر نے پیدل ہو کر اسے گلے سے لگایا اور لشکر میں لائے۔ لیکن دل میں کینہ رکھے ہوئے کئی روز تک امیر کے پاس رہا۔ ایک روز امیر سے کہا۔ بندہ نے ایک حمام نہایت عمدہ بنوایا ہے۔ اگر حکم ہو تو گرم کراؤں۔ امیر نے پہلے تو انکار کیا۔ پھر اس کے اصرار سے فرمایا اچھا۔ انیس شاہ نے حمام کی تیاری کا حکم دیا۔ انیس شاہ کو بندگان خدا سے از بسکہ بغض باطنی تھا۔ اس غرض سے یہ حمام بنایا تھا۔ کہ شائد میں کسی سے لڑائی میں ہار جاؤں تو اس سے صُلح کر کے اس حمام میں اسے ماروں۔ اس حمام میں ایک خلوت خانہ تھا۔ اُسکی چھت کو لوہے کے چار ستونوں کے سہارے پر الگ رکھا تھا۔ اور ستونوں کے نیچے زنجیریں باندھی تھیں کہ جب زنجیریں کھینچیں تو اس مکان کی چھت جو اس کے اندر بیٹھا ہو اس پر گرے۔ پس اس نے اسی خیال سے حمام بنوایا اور امیر کو مع تمام سرداروں کے اس میں لے گیا۔ اس کے باہر ستونوں کے پاس چار حبشی غلام زور آور کھڑے کئے کہ جب حمام میں تاسہ ماروں کہ اس کی آواز سُن کر تم ان زنجیروں کو کھینچنا کہ حمام خدا پرستوں کے سر پر گرے اور وہ مریں۔

حبشیوں کو سمجھا کر وہ امیر کو لے کر حمام میں گیا۔ اور امیر اور تمام سرداروں نے دیکھا کہ حمام نہایت گرم اور دلچسپ ہے۔ اور فرحت بخش نظر آیا اور پوشاکیں اُتار کر نہانے میں مشغول ہوئے۔ عمر اور عادی کو ہر چند بلایا مگر وہ حمام میں نہ آئے۔ کہا کہ ہم نگہبان ہیں ہمارے متعلق یہی کام ہے۔ ایک ساعت کے بعد عمر کے جی میں یہ خیال گذرا کہ تو حمام کے اندر تو نہیں گیا۔ اس کو باہر سے تو دیکھ لیجئے۔ تب اُٹھا اور حمام کے گرد پھرا۔ حمام کے پیچھے جا کر کیا دیکھا کہ ایک ستون بستادہ ہے اور اسمیں زنجیریں لگی ہوئی ہیں اور چار حبشی پاس کھڑے ہیں۔ عمر حیران ہوا کہ یہ کیا ہے؟ تب فوراً ایک بھٹیارے کی صورت بنا کر حال معلوم کرنے کیلئے پاس گیا۔ تو ایک حبشی نے کہا۔ اے بڈھے تو یہاں سے جلد بھاگ کہ کوئی دم میں حمام گریگا۔ اور خدا پرست تمام مر جائیں گے۔ ہم صرف تاشہ کی آواز کے منتظر ہیں۔

عمر یہ سُن کر پھر اپنی اصلی صورت میں ہو کر امیر کے پاس آیا اور اپنی زبان میں تمام حال کہہ دیا کہ انیس نے یہ تدبیر کر رکھی ہے۔ آپ اس خلوت خانہ میں ہرگز نہ جانا اور کوئی ایسی صورت کرو کہ پہلے وہ آپ اندر جائے کہ اس کے سر پر چھت گرا دوں۔ امیر جب حمام سے فراغت پا چکے تو انیس نے کہا۔ اب خلوت خانہ میں چلئے۔ دیکھئے آپکیں مجھ سے کس صورت کیجئے ہیں۔ فرمایا پہلے تم جا کر میرے زمین پر رکھو پھر ہم آکر کھاتے ہیں۔ وہ اندر گیا اور عمر نے تاشہ کو زمین پر مارا تو ان حبشیوں نے زنجیریں

کھینچیں تب وہ چھت انیس شاہ پر گریں اور وہ اسی جگہ ہلاک ہوا۔ امیر نے عمر کو گلے سے لگایا اور آفرین کی اور باہر نکل کر قلعہ میں آئے اور انیس شاہ کے تمام سرداروں کو زیر کر کے سرفرازی خلعت دی اور انیس شاہ کے خوردسال بچے کو بجگہ باپ کے گدی نشین مہد زرین کر کے حوالے کیا۔ کہ اسکی ترکیب کرو تاکہ یہ اپنی ریاست سنبھالے۔ آپ وہاں کا بھی خراج لیکر سابقہ خراج کے خزانے میں داخل کیا اور وہاں سے کوچ کر کے حلب کیطرف روانہ ہوئے۔ حلب کی حکومت کا یہ حال تھا۔ کہ حدیث نامی ایک شخص شاہ حلب کو قید کر کے خود بادشاہت کرتا تھا۔ اب کارن کا حال سنئے کہ اس نے نوشیروان کا خط امیر کے پہنچنے کے پہلے حدیث کو دیا اور کہا۔ کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ جو حمزہ کو مار یگا مجھ پر احسان کریگا۔ یہ پیغام دیکر یونان کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ کہ حدیث نے کہا۔ کہ دیکھئے میں اس کو میدان میں کس طرح زیر کرتا ہوں۔ قارن نے کہا۔ کہ یہ خلاف عقل ہے کہ میدان میں اس سے کوئی برسر آئے۔ ایسا خیال کرنا بیسود ہے۔ حدیث نے کہا۔ اگر ایسا ہے تو میں اور فکر کرتا ہوں۔ پوچھا۔ کیا کریگا۔ کہا۔ کہ خراج حلب میں پیش کروں گا۔ اور کئی روز بعد حمزہ سے چوگان بازی کا سوال کروں گا۔ میرے میدان کے قطر میں ایک کنواں بیس گز عرض کا ہے جس میں برچھیاں گڑی ہیں۔ امیر کو مع گھوڑے کے اس کے اندر گراتا ہوں۔ اور بیس ہزار سوار میرے ساتھ ہے اور دس ہزار سوار تیرے ساتھ ہیں۔ اس تیس ہزار سوار کے ساتھ اس کے لشکر کو قتل کرونگا قارن نے یہ تدبیر پسند کی اور صبر کر کے بیٹھا۔

جب امیر لشکر حلب کے پاس پہنچا تو حدیث شاہ خراج لیکر آیا اور امیر سے ملاقات کی۔ امیر نے اسکی ضیافت کی اور کئی روز جشن میں رکھا۔ تیسرے روز اس نے عرض کی کہ غلام آپ سے چوگان بازی کرنے کیلئے امیدوار ہے۔ نیز حدیث نے پہلے لوگوں سے کہا ہوا تھا۔ اگرچہ یہ ادنیٰ ہے لیکن سپاہ قیطاس کی گرد پا سے فیض حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

فرمایا۔ اچھا کل صبح کو۔ یہ سن کر واپس آیا اور اپنے اراکین سے کہا۔ کہ میدان ہموار کرو۔ اور کل صبح کو مسلح تیار ہو کر مع سپاہ قارن کے ساتھ میدان میں کھڑے رہو۔ جب دیکھو کہ امیر کنواں میں گرا۔ تو تم فوج اسلام پر حملہ کرو اور سب کو مار ڈالو۔

یہ کہکر سب کو تیار کیا اور آپ صبح میدان میں آ کر کھڑا ہوا اور امیر بھی پہلوانوں کے اسلاح پہن کر مع سپاہ میدان میں آئے۔ حدیث شاہ نے پہلے آ کر امیر کی رکاب کو بوسہ دیا۔ پھر میدان میں نکل کر عرض کیا۔ کہ آپ پہلے ابتدا کریں۔ فرمایا میں کسی کام میں پیش قدمی نہیں کرتا۔ اول تم چوگان گیند پر لگاؤ۔ تب وہ آداب بجا لایا اور گیند لیکر چلا۔ جب پھر نکل گیا۔ تب امیر نے اپنے مرکب کو دوڑا کر

گیند اس سے لیا اور جس طرف وہ جاتا تھا اسی طرف کو میدان میں چلے اور پیچھے رہ گیا۔ کنوئیں کے پاس جا کر گھوڑا رکا اور امیر نے حضرت صالح نبی کا تازیانہ نکال کر مارا تو گھوڑا کودا دونوں پچھلے پاؤں کنواں میں رہے۔ امیر اس کی پیٹھ سے کود کر الگ ہوئے۔ جب حدیث نے دیکھا۔ تو سمجھا کہ امیر کنوئیں میں گر رہے تیس ہزار جوان خونخوار سے امیر کے لشکر پر آ پڑے لیکن یہاں امیر نے اپنے مرکب کو گردن سے پکڑ کر باہر کھینچا اور اس پر سوار ہوئے۔ امیر کی نگاہ قارن پر پڑی اور اس نے بھی امیر کو دیکھا۔ تب وہ کوہستان کی طرف بھاگا۔ اور امیر نے اس کے پیچھے گھوڑا ڈالا۔ چونکہ حدیث شاد مع فوج لشکر امیر پر یکایک آ گیا تھا۔ اس لئے اس کے ہاتھ سے امیر کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ آخر لندھور نے اس کی فوج کو شکست دی۔ لیکن دیکھا۔ کہ امیر کا پتہ نہیں۔ تب عمر سے پوچھا۔ کہ امیر کہاں گئے۔ جواب دیا۔ قارن کے پیچھے گئے ہیں تم لشکر پر خبردار رہو۔ میں امیر کی خبر کو جاتا ہوں۔ یہ کہکر گھوڑے کے سموں کے نشان پر روانہ ہوا۔

اب امیر کا حال سنئے۔ کہ وہ قارن کے تعاقب میں گئے اور دو پہر کے وقت فالیز کے جزیرہ میں پہنچے۔ فالیزبان نے ایک بڑا سا خربوزہ امیر کو دیا۔ جب امیر نے اس کی پھانکیں کاٹیں اور اس کے کھانے کا ارادہ کیا۔ تو اس مرد نے کہا اب مجھے تجھ پر رحم آتا ہے۔ تو اسے مت کھا۔ امیر نے وہ نہ کھایا اور اس سے وجہ معلوم کی۔ بتایا کہ تجھ سے ایک گھڑی پہلے ایک سوار ادھر سے بھاگا ہوا آیا تھا۔ اس نے اس خربوزہ میں کچھ ملا کر مجھے دیا ہے۔ اور کہہ گیا۔ کہ ایک شخص میرے پیچھے آتا ہے اسے یہ خربوزہ دینا اور کھلانا۔ میں تجھے سو اشرفی دوں گا۔

امیر نے دیکھا۔ کہ اسمیں زہر ملا ہوا ہے تو ہاتھ سے پھینک دیا اور کہا۔ اس نے ایک سو اشرفیاں دینی کی تھیں۔ میں ہزار اشرفی دوں گا۔ امیر نے کہا۔ بتلاؤ وہ کہاں گیا ہے؟ کہا۔ کہ اسی پہاڑ کے درے میں گیا ہے۔ اسمیں دوسری راہ نہیں ہے یہیں ہوگا۔ امیر ادھر کو گئے اور اسکی تلاش کرنے لگے کہ ایک شیر اس پہاڑ سے نکل کر دوڑا اور امیر نے اس کو پکڑ لیا۔ اور زور کرنے لگے۔ اس وقت قارن چھپا ہوا تھا اور امیر کو دیکھ رہا تھا۔ امیر کی یہ حالت دیکھکر موقع پایا تو تلوار نکال کر امیر پر چلانی شروع کی۔ جونہی نزدیک آیا تو امیر نے اس شیر کو اٹھا کر قارن کے اس زور سے مارا کہ شیر مر گیا اور قارن بھی گر پڑا۔ امیر اسکی چھاتی پر سوار ہوئے۔ اور خنجر نکال کر چاہا کہ اسے ماریں۔ اس نے کہا اے امیر اگر مجھے نہ مارے تو میں تین چیزیں ایسی دوں کہ بادشاہ ہفت کشور کے سرکار میں نہ نکلیں۔

امیر نے چھوڑنے کا اقرار کیا۔ تو اس نے پہلے خنجر نکال کر امیر کو دیا۔ کہ یہ طہمورس دیوبند کی کمر کا ہے۔ اور ایک بازوبند دیا۔ کہ اسمیں بارہ لعل شب چراغ لگے ہیں۔ اور ہر لعل وزن میں چالیس

منتقال تھا۔ اور تنبیر اس پہاڑ میں دفینہ ہے۔ کہ جس میں بے شمار مال ہے۔ یہ کہہ رہا تھا۔ کہ عمر بھی آ پہنچا۔ امیر نے اس کے ہاتھ باندھکر عمر کے حوالے کیا۔ کہ دفینہ بتلا دیئے۔

اکتیسویں داستان ۳۱

عمر نے قارن سے کہا۔ کہ دفینہ کہاں ہے۔ اس نے کہا۔ میرے ساتھ چل میں بتا دوں گا۔ عمر نے اس کو ساتھ لیا۔ قارن نے عمر کو خوب پھرا۔ عمر نے کہا۔ کہ کہاں ہے وہ دفینہ۔ قارن زور کر کے کمند توڑنے لگا۔ عمر نے اس کی چھاتی میں خنجر ایسا مارا۔ کہ پشت توڑ کر پار ہو گیا۔ وہ اسے مار کر امیر کے پاس آیا۔ امیر نے پوچھا۔ کہ وہ کہاں ہے؟ عرض کیا میں نے اسے مار دیا۔ فرمایا۔ میں نے اسے چھوڑنے کا اقرار کیا تھا۔ عرض کیا۔ کہ مجھکو اس بات کی خبر نہ تھی۔ غرض امیر لشکر میں آئے اور حلب میں داخل ہوئے۔ حلب کا وہ بادشاہ جو صدیث شاہ کی قید میں تھا۔ پھر اس کو حلب کا مالک کیا۔ اور خراج وہاں کا خزانے میں جمع کیا۔ اور قارن نے جو بدذاتیاں کی تھیں وہ ایک عرضی لکھا بعنوان خطوط کے جو قارن نے شاہ کیطرف سے یہاں بادشاہوں کو دیئے تھے وہ ملفوف کر کے پانچوں شہروں کا خراج سمیت شتر باربرداری مقبل کے حوالے کیئے اور اسے مدائن کی طرف روانہ کیا۔

اس کے دوسرے دن کوچ کر کے یونان کی طرف چلے اور یونان کے قریب پہنچے تو فریدوں شاہ یونان بہت سے تحائف و نذرانے لیکر مع اپنے بھائی آصف کے جو وزارت کا کام کرتا تھا آیا اور ملازمت کی۔ امیر نے اسے خلعت سرفرازی امداد کی اور واسطے اس کے شربت و طعام منگایا اور جام شراب گردش میں آیا۔ عمر نے فریدوں شاہ سے پوچھا۔ کہ کس ارادے پر آئے ہو۔ اس نے جواب دیا۔ کہ چند مشکلات میرے درپیش ہیں۔ صاحبقران نے اس سے پہلے لوگوں کی مشکلات حل کی ہیں۔ اگر ان کو آسان کریں تو بہتر ہے۔

امیر نے فرمایا۔ اسے بہادر کیا مشکل ہے۔ فریدوں نے عرض کیا۔ کہ ایک اس سرزمین میں کئی برس سے ایک پہاڑ کے اوپر ایک اژدہا پیدا ہوا ہے۔ جس سے خلقت بہت تنگ ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک زنگی نے یہاں آکر پہاڑ کے اوپر کئی فرسنگ تک قلعہ بنایا ہے۔ اور دو سال میں ایک مرتبہ شہر پر آفت لاکر غارت کرتا ہے۔ تیسرے یہ کہ میں ایک لڑکی رکھتا ہوں آپ قبول کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اژدہا اور زنگی کا دفع ہونا تو آسان ہے لیکن شادی کا ہونا دشوار ہے۔ کیونکہ ہم نے عہد کیا ہے

اقرار کیا ہے کہ اسکی شادی کے بعد البتہ کروں گا۔ فریدوں شاہ نے کہا جو آپکی مرضی ہے منظور ہے۔ یہ رات مجلس میں گذری۔ صبح کو امیر مع سپاہ نصرت شعار فریدوں شاہ کے ساتھ اژدھا مارنے کو روانہ ہوئے جب سواری ایک فرسنگ بڑھی تو فریدوں شاہ نے امیر سے عرض کیا کہ اب وہ مکان یہاں سے تین فرسنگ ہے کسی کا مقدور نہیں کہ آگے بڑھے۔ فرمایا کہ ہمارے سردار یہیں رہیں صرف عمر کو لیکر گئے۔ آگے جاکر دیکھا تو اس اژدہا کی آتش سے تمام جنگل سیاہ ہو رہا ہے۔ امیر نے گھوڑے کو وہیں چھوڑا اور آپ پیادہ پا روانہ ہوئے۔ تھوڑی دور جاکر ایک سیاہ پشتہ نظر آیا۔ کہ اس سے آگ کے شعلے آسمان کو جاتے ہیں۔

امیر نے سمجھ لیا۔ کہ اژدہا یہی ہے اور وہ آگ اس کا دم ہے۔ اس طرف کو جاکر ایک نعرہ کیا اور وہ امیر پر دوڑا۔ امیر نے دو تیر اسکی دونوں آنکھوں میں ایسے مارے کہ اندھا ہو گیا اور اپنا سر زمین پر مار کر رہ گیا۔ امیر نے عمر کو خبر دی۔ عمر قدمبوس ہوا۔ پھر وہاں سے سوار ہو کر فریدوں کے پاس آ گئے۔ اس کے لوگ مرتے ہوئے اژدہا کو دیکھنے کے لئے گئے۔ اور امیر کی قوت بازو پر شاباش کی۔ فریدوں شاہ نے اس اژدہا کا چمڑا اتروا کر اس میں گھاس بھروائی اور شہر میں منگایا اور امیر پر سے زر و مال نثار کیا۔

امیر نے فرمایا کہ کل سنگا زنگی پر جائیں گے۔ لندھور نے عرض کیا کہ وہ کیا چیز ہے جس پر آپ جائیں گے بندہ جائیگا۔ امیر نے خلعت دیکر لندھور کو اس طرف روانہ کیا اور آپ فریدوں شاہ کو لیکر جشن نوروزی میں بیٹھے۔ وہاں لندھور نے جاکر سنگا دیو زنگی کو مارا اور اس کے قلعہ کو توڑا۔ اور وہاں سے اس قدر مال نکالا کہ جس کی حد نہیں۔ لندھور آکر امیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور فریدوں شاہ نے لندھور پر بہت سا زر و مال نثار کیا اور امیر کو نذر گذاری۔ اور عرض کیا کہ تیسری آرزو پر کیا ارشاد ہوتا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ میں آگے ہی کہہ چکا ہوں کہ مہر نگار کی کتخدائی کے بعد پہنچے گا قبول کروں گا۔

تب فریدوں ناچار ہوا اور وہاں سے شہر میں آیا اور اپنے بھائی سے کہا کہ امیر حمزہ میری لڑکی کی نسبت قبول نہیں کرتا۔ کاش میں نے اس سے نہ کہا ہوتا تو بہتر تھا۔ اب لوگ کہیں گے کہ حمزہ نے فریدوں کو اپنی نسبت کے لائق نہیں سمجھا۔ اس لئے یہ بات نہ مانی۔ اب کیا تدبیر کروں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ اور کوئی صورت ظہور میں نہیں آتی۔ کہ معاملہ طے ہو۔ کوئی شخص ایسا ہو کہ حمزہ کو سمجھائے۔

یہ اپنے دل میں ایسے ہی خیال کرکے پیچ وتاب کھانے لگا۔ کہ اس زندگی سے مرنا بہتر ہے۔ یہ کہکر خنجر نکالا اور چاہا کہ اپنے آپکو ہلاک کرے۔ آصف نے ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا کہ آپ یہ کیا کرتے ہیں۔ جو میں کہوں وہ کیجئے۔

فرمایا کہو۔ عرض کیا۔ کہ عمر کو بلوا کر کچھ دیجئے۔ البتّہ وہ امیر کو راضی کرے گا۔ عمر کو بلا بھیجا۔ عمر جب اس کے پاس آیا تو سروقدم سے تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھایا۔ اور بارہ ہزار تمن رشوت دینا قبول کیا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ عمر نے اس کو تشفی دی اور امیر کے پاس جاکر ناہید بن مریم فریدوں شاہ کی بیٹی کی اس قدر تعریف کی کہ امیر بے اختیار فریفتہ ہو گئے۔ اور کہا بھائی میں نے قبول کیا پر اس شرط پر عقد اس سے کروں گا۔ کہ مہرنگار کی شادی کے بعد منصرف ہوں گا۔ عمر نے کہا۔ اس کا مضائقہ نہیں۔ پھر جاکر فریدوں شاہ کو خبر دی تو وہ نہایت خوش ہوا۔ اور عمر کو بارہ ہزار تمن دیکر فریدوں شاہ یونان نے وہیں جشن کی تیاری کی۔ اور امیر کو مع سپاہ شہر میں لیگیا۔ اور سب کی ضیافت کی۔

جب عقد بندی ہو چکی تو امیر محل میں گئے اور ناہید بن مریم کو دیکھا تو ہزار جان سے عاشق ہوئے۔ چونکہ مہرنگار سے قسم کھائی ہوئی تھی اس لئے مجبور تھے۔ کئی روز تک اس معشوقہ کے جشن میں رہے۔ اور بعد فراغت قارن کے بازو بند میں جو لعل تھے ان میں سے ایک لعل بطور اپنی نشانی کے دیدیا اور محل سے باہر آیا۔

اس کے بعد یہاں کا خراج لیکر شنگا و دہ زنگی کے مال سمیت لندھور کے ہمراہ مدائن کی طرف نوشیرواں کی خدمت میں بھیجا۔ اور عمر کو خسرو کے ساتھ کیا اور آپ لشکر ظفر اثر کو ساتھ لے کر مصر کی طرف تشریف فرما ہوئے۔ اور وہاں خراج لیا۔ اور مہرنگار کی شادی کا مفصل حال دوسرے باب کے آخر میں بیان کیا جاوے گا۔

باب اوّل تمام شُد

باب دوئم

تئیسویں داستان

امیر کا یونان و روم اور مصر کو جانا اور وہاں مع اپنے تمام یاروں کے قید ہونا۔ پھر اپنے یاروں سمیت قید سے خلاص ہو کر مدائن کو جانا اور ملکہ مہر نگار کو ہاتھ میں لانا،

راوی یہ بیان کرتا ہے کہ نوشیروان کو کوئی تدبیر نہ سوجھی اور صاحبقران خراج ہفت کشور لیکر آئے تب بختک بن بختیارک دختر زادہ نفقش بن مارکش سگ کو بلایا اور کہا۔ اسے وزیر با تدبیر کہ آپ کیا مکر و حیلہ کریں کہ امیر دفع ہو۔

بختک نے کہا۔ آپ کچھ اندیشہ نہ کریں۔ میں ایسی تدبیر کرتا ہوں کہ اگر امیر کی ہزار جان بھی ہو تو ممکن نہیں کہ ایک بھی سلامت بچ جائے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ تدبیر کیا ہے؟ بختک نے عرض کی کہ صبح کو بتاؤں گا۔ جب دربار میں کہوں گا۔ کہ تین برس ہوئے یونان، مصر، اور روم سے خراج نہیں آیا۔ تو اس وقت آپ نے فرمایا اس کا کیا سبب ہے؟ تب میں چپ رہوں گا۔ حمزہ آپ ہی عرض کرے گا۔ اگر حکم ہو تو میں جاؤں اور ان کی گوشمالی کر کے وہاں کا خراج لاؤں۔ تب بادشاہ نے فرمایا بہتر ہے کہ جب وقت حمزہ جانے کی تیاری کرے تب وہاں کے بادشاہوں کو لکھنا جس طرح بھی بن پڑے حمزہ کو جان سے مار ڈالیں۔

غرض بختک اور بادشاہ نے یہ بات مقرر کر کے اسی وقت فرمان لکھوائے اور قاصدوں کو دیکر روانہ کئے۔ جب دوسرا دن ہوا تو امیر دربار میں آئے اور دیکھا۔ کہ اہالی موالی

ارکانِ دولت و امرائے عظام از پیر تا جوان سب حاضر ہیں اور دربار معمور ہے۔ امیر بادشاہ کا مجرا کر کے اپنے دنگل میں بیٹھے اور پیالہ گردش میں لائے اور حریف سرمست ہوئے۔ تب بختک نے وزارت کی کرسی پر سے اٹھ کر ولایتوں کے خراج کے کاغذات حضور میں پیش کر کے کہا۔ تین سال ہوئے ان تینوں ملکوں کا خراج نہیں آیا۔ نوشیروان نے کہا ان تینوں ممالک سے خراج نہ آنے کا کیا سبب ہے؟ عرض کی کہ جب تک گستہم زرین کفش تھا تب تک خراج کے آنے میں قصور نہ ہوا۔ کیونکہ وہ ان ملکوں سے لڑ کر خود لاتا۔ اب وہ گستہم تو گیا اس لئے ہر ایک نے اپنے خراج پہنچانے میں تاخیر کی ہے۔ امیر اس بات کو سن کر جوش میں آکر بولے کہ میرے عہد میں قیصر خراج ہونا عجیب ہے۔ تب تک بختک نے کہا کہ امیر کی عمر دراز ہو۔ تمہارے ہوتے خراج میں قصور کیوں ہوگا۔

پس امیر نے فرمایا قسم ہے پروردگار کی جب تک کہ ان ولایتوں سے خراج نہ لاؤں گا تب تک مہرنگار کا نام زبان پر نہ لاؤں گا۔ یہ کہہ کر عمر بن عمیہ ضمیری اور معدی کرب کو تاکید فرمائی کہ تمام لشکر پیکار کو تیار کر کے خیمہ باہر نکالو۔ یہ کہہ کر امیر نے بادشاہ سے عرض کی کہ راہ دکھلانے والا امیر کے ساتھ کرو۔ بختک نے عرض کی فارن دیو بند کے بیٹے کو ہمرکاب کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ان ملکوں کی راہ سے یہ خوب واقف ہے۔

تب بادشاہ کی اجازت سے بختک نے پسر فارن دیو بند کو بلا کر امیر کے پاؤں پر ڈالا۔ اور کہا۔ تم نے امیر کو راہ بتلانے جانا ہے۔ اور ظاہر میں تو یہ بات ہے۔ الگ بلا کر بختک نے دو مثقال زہر ہلاہل دیا اور کہا کہ اے پسر فارن یونان کی راہ دو ہیں۔ ایک نزدیک کی اور دوسری دور کی۔ نزدیک کی راہ میں تین منزل تک پانی نہیں ہے۔ تو امیر کو ہر حیلہ اس راہ سے لیجانا۔ اور صرف اپنے ساتھ پانی لینا اور امیر کو بہر کیف پانی میں زہر ملا کر دینا۔ فارن نے۔ پسر فارن نے یہ بات قبول کی اور امیر کے ہمراہ ہوا۔ جب منزل بمنزل دوراہے پر آئے۔ تو پسر فارن نے امیر سے عرض کی کہ اے امیر! یہ راہ سخت ہے کہ اسمیں تین دن تک پانی نہیں ملتا اور دور بھی ہے۔ اور یہ راہ نزدیک مگر ایک روز کا پانی چاہیئے۔ کہ لشکر اپنے ساتھ اٹھالے کیونکہ اب ایک منزل نہ ملے گا۔ تب امیر نے عرض کی عمر بن عمیہ کو حکم دیا کہ لشکر کو کہو ایک دن کا پانی اپنے ساتھ اٹھالیں۔ پس امیر کے حکم سے تمام لشکر نے ایکدن کا پانی بھر لیا۔ امیر پسر فارن مع لشکر چل دیئے۔ جب ایک منزل گئے تو پانی ختم ہوگیا۔ دوسرے دن کوچ کیا۔ تو سارے راہ میں پانی نہ پایا۔ تب امیر نے فرمایا۔ کہ اے پسر فارن کیا کرنا چاہیئے۔ کہ پانی نظر نہیں آتا۔

تب لپسر قارن نے عرض کی کہ اے امیر اسمیں میرا قصور نہیں ہے آگے ایک مرتبہ اس راہ سے گیا تھا تو بہت سے تالاب اور کنوئیں دیکھے۔ جنکے اسی اعتبار پر پانی کی نسبت ایک دن کیلئے عرض کیا تھا۔ شائد کہ وہ تمام تالاب اور کنوئیں سوکھ گئے ہوں۔ غرض امیر نے وہاں مقام نہ کیا۔ آگے چلے اور لشکر مارے پیاس کے ہلاک ہونے لگا۔ تمام پہلوان عرب کے ایک جگہ کھڑے ہوئے۔ اور عمر پانی ڈھونڈھنے گیا۔ امیر پیاس کے مارے ہلاک ہونے لگے۔ اور لپسر قارن سے فرمایا۔ خبر لو۔ کہ اگر تمہارے ہاں کچھ پانی ہے تو تھوڑا سا منگاؤ۔ اوّل تو لپسر قارن منکر ہوا پھر بعد کچھ دیر کے ایک پیالہ زہر ملے ہوئے پانی کا بھر کر منگایا اور امیر کو دیا۔ جب امیر نے وہ پیالہ لیا تو امیر کا ہاتھ کانپا۔ تب حمزہ نے اس پانی کے پینے سے ہاتھ روکا اور تصدیق فرمائی اور دل میں سوچا کہ جب گستہم کی لونڈیوں نے زہر دیا تھا تو اس وقت بھی میرا ہاتھ کانپا اور اب بھی کانپتا ہے۔

یہ سن لپسر قارن نے کہا۔ کہ پیاس کے سبب سے آپکا ہاتھ کانپتا ہے۔ ان باتوں ہی میں تھے۔ کہ عمر بن عمیہ مشک پانی کی بھر کر لایا۔ اور دور سے پکارا کہ امیر یہ پانی جو لپسر قارن نے دیا ہے اسے ہرگز نہ پینا۔ امیر نے یہ بات سنتے ہی پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا۔ اتنے میں عمر نزدیک آیا۔ اور کہا کہ یا امیر میں جنگل میں ادھر ادھر پانی ڈھونڈتا تھا۔ کہ یکایک ایک بوڑھا آیا اور مجھ سے پوچھا۔ کیا ڈھونڈتا ہے۔ میں نے کہا پانی ڈھونڈتا ہوں۔ کہ امیر لشکر سمیت پیاس سے ہلاک ہوتا ہے۔ تب اس پیر مرد نے اپنا عصا زمین پر مارا فوراً ایک چشمہ پیدا ہوا۔ اور جب میں اس پانی سے مشک بھر کر چلا تو۔ وہ بوڑھا بولا کہ اے عمر امیر سے کہو جو پانی تمہیں لپسر قارن نے دیا ہے ہرگز نہ پینا۔ کہ اسمیں زہر ملا ہوا ہے۔ تب وہ پیالہ پانی کا عمر کے منع کرنے سے امیر نے نہ پیا۔ اور لپسر قارن کو بلا کر فرمایا کہ یہ پانی تو پی۔ یہ سن لپسر قارن نے وہ پیالہ امیر کے ہاتھ سے لے لیا اور کہا کہ لعنت ہے لپسر قارن کی زندگی پر کہ امیر کی اتنی خدمت کی اور اس قدر جانفشانی پر بھی امیر کا دل میری طرف سے صاف نہیں ہوا۔ پس لپسر قارن نے یہ کہکر پانی کا پیالہ زمین پر دے مارا۔

تب امیر نے کہا۔ اے حرامزادے اب تو اپنی حرامزدگی کو چھوڑ۔ لپسر قارن نے کہا کہ میں کیا حرامزدگی کرتا ہوں۔ تب امیر نے کہا۔ ٹھہر کہ میں تیری حرامزدگی ظاہر کرتا ہوں۔ یہ کہکر جس جگہ پیالہ پھینکا تھا وہاں کی مٹی اٹھا کر اسے نچوڑ کر قارن کے غلام کو پلایا۔ وہ غلام اس پانی کے پینے سے وہیں مر گیا اور اس زہر سے اس کا بدن پھٹکر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ تب معدی کرب نے تلوار کھینچکر اس پر دوڑا اور وہ اس وقت امیر کے پیچھے جا چھپا۔ اور کہا۔ امیر میرا گناہ للہ بخشو۔

امیر نے کہا۔ اب تو تیرا گناہ معاف کرتا ہوں۔ لیکن آگے خبردار رہنا۔ غرض امیر کے سارے لشکر نے خوب پانی پیا اور جانوروں کو پلایا اور امیر کے لشکر کا ایک آدمی بھی ہلاک نہ ہونے دیا۔ مگر لیسر قارن کے سو آدمی منزل بمنزل چلنے لگے۔ آخر بعد از قطع منازل طے کر کے یونان میں جا پہنچے اور شہر کے باہر چار کوس کے فاصلہ پر اترے۔ کہتے ہیں کہ یونان کے بادشاہ کو حدیث یونانی کے نام سے اور اس کے دو بھتیجے تھے اور ہر ایک کا قد چار کم چالیس گز تھا۔ ایک کا نام استفتالوس اور دوسرے کا صدقنوش تھا۔ اور یہ دونوں پہلوان حدیث کے کرسیوں پر بیٹھتے تھے۔ اور ہر ایک کے ماتحت دس ہزار سوار تھے۔ امیر نے حدیث یونانی کے نام اس مضمون کا فرمان لکھنا فرمایا۔ کہ

باج و خراج لیکر بارگاہ کردوں اساس میں حاضر ہو تو بہتر ورنہ اس طرح مارونگا
کہ ماہیان دریا و مرغان ہوا تیرے حال پر گریہ وزاری کریں گے پس امیر المومنین
عباس نے اس طرح لکھا کہ بعد حمد خدا لعائے مدح خاندان ابراہیم علیہ السلام
تخت نوشیروان کے پاس نہیں پہنچا۔ اس لئے تمہارے پر تجھے نامہ دکھیا ہے
پس نامہ دیکھتے ہی تین سال کا خراج لیکر اگر حاضر ہو گا تو امان دونگی۔ ورنہ
صبح کو لڑائی کی تیاری ہے۔ طبل جنگ بجوا کر فوج قاہرہ سے یونان کے قلعہ کا
پتھر اکھاڑ دوں گا اور تجھے سولی پر چڑھاؤں گا۔

جب یہ نامہ مرتب ہوا۔ تو امیر نے فرمایا۔ کہ کون لے جائیگا۔ اس وقت لیسر قارن نے عرض کی کہ اگر حکم ہو گا تو میں نامہ لیجاؤں گا۔ اور اسے سمجھا دوں گا۔ امیر نے فرمایا۔ کہ یہ نامہ اس کو دیدو اور ہمارے لشکر کے ایک سو سوار اس کے ہمراہ کردو۔ پس وہ نامہ اور ایک سو سوار اس کے ہمراہ یونان کو گئے اور حدیث یونانی کے دربار میں اترا۔ حدیث یونانی لیسر قارن کو دیکھتے ہی تخت سے اتر کر نیچے آیا اور اس کو گلے لگایا۔ اور بعد ملاقات کے لیسر قارن نے اپنی پگڑی اس کے آگے دے ماری اور کہا۔ داد بیداد کہ یہ عرب کشکینہ خوار پشمینہ پوش جو پالوں اور جنگل میں دودھ سے پلا ہوا ہے کسی کو اپنے برابر نہیں سمجھتا۔ اور اس نے اتنا مرتبہ پاکر اپنے دماغ کو یہاں تک لگا رکھا ہے کہ بادشاہ کی بیٹی کی آرزو رکھتا ہے۔

اس کے بعد ابتدا سے انتہا تک یہ قصہ حدیث سے بیان کیا۔ تب حدیث بولا اے سردار تو خاطر جمع رکھ اگر حمزہ ہزار جان رکھتا ہو گا۔ تو ایک بھی سلامت نہ لیجائیگا۔ یہ کہکر لیسر قارن کو خلعت دیا اور سونے کی کرسی پر بٹھایا۔ اور کہا۔ یہ کہہ کہ ان سواروں کو جو تیرے ہمراہ ہیں تیرے ہیں

یہ میرے نہیں ہیں۔ کہاں سواروں کے حق میں کیا سیاست کروں۔ کہا کہ ایک ایک کو قلعہ کے کنگرا پر چڑھا کر سر کاٹ کے خندق میں گرانا چاہیئے۔ حدیث نے کہا۔ ان کا مارنا مصلحت نہیں۔ پس ہر ایک کا ایک ایک کان اور ایک ایک ہاتھ کاٹ کر چھوڑ دو۔ اس نے کہا جو تیری رائے ہو سو بہتر ہے۔ استقفانوش یہ بات سن کر غصّہ سے جوش میں آیا۔ اور کہا۔ اے پہلوان تو بزرگ زادہ ہے ولیکن نامراد ہے کیونکہ جس نے تیری جان بخشی کی اور تیرے تحمل کے واسطے اپنی رکاب کا جلوس تیرے ہمراہ کیا۔ تو اب اسے بدی کرتا ہے۔ اور ان کے سواروں کے حق میں سیاست کرنے کو فرماتا ہے۔ جب استقفانوش نے یہ بات کہی تو بپسر قارن و حدیث دونوں چپ ہوئے۔ اور ان سواروں نے استقفانوس کو دعا دی اور وہاں سے امیر کے پاس آئے اور تمام حقیقت بیان کی۔

امیر نے استقفانوس کی عقل پر آفرین کی اور ان دونوں کے حق میں فرمایا کہ قسم ہے پروردگار کی کہ جس روز یہ ملیں گے تو میں انہیں بے سلاح ماروں گا۔ کیونکہ ہتھیار مردوں کے واسطے ہیں اور یہ دونوں نامرد ہیں۔ پھر فرمایا کہ نامہ اور لکھو اور عمر کو دو اور عمر یہ خط لیکر حدیث کے دربار میں آیا اور چوبداروں کو کہا کہ خبر کردو کہ عمر بن عمیہ ضمیری آیا ہے۔ عمر کے آنے کی چوبداروں نے حدیث کو خبر دی۔ حدیث نے بپسر قارن سے پوچھا کہ عمر کون ہے۔ بپسر قارن نے کہا افسوس ہے اگر ہزار امیر ہوتے اور یہ ایک عمر نہ ہوتا۔ حدیث نے کہا۔ کہ عمر کو بلالو اور اسے دربار میں آنے دو۔

جب عمر دربار میں آیا اور دیکھا کہ بپسر قارن حدیث کے پہلو میں بیٹھا ہے تب عمر نے استقفانوش کو تسلیم کی۔ حدیث نے کہا۔ اے عیار تو نے میرے پہلوان کو تسلیم کی اور مجھے کیوں نہ کی۔ عمر نے کہا کہ تواضع اور سر جھکانا مردوں کے واسطے ہے۔ تو نامرد ہے۔ اس لئے تجھے تسلیم نہیں کی۔ جب عمر نے یہ بات کہی تو حدیث کو غصّہ آیا اور طیش کھا کر پکارا کہ اس عیار کو پکڑ لو۔ یہ سنتے ہی حدیث کے غلام چاروں طرف سے تلواریں لیکر دوڑے اور عمر نے بھی خنجر نکالا اور شیشہ نفت کا کھول کر کتنے لوگوں کو جلایا اور مارا اور باقی تمام بھاگ گئے۔ اور عمر پھر آکر حدیث کے روبرو بولا۔ کہ اے حدیث میں امیر حمزہ کا خط لایا ہوں۔ تب حدیث ضروری جان کر تخت سے اٹھا اور دونوں ہاتھوں میں لفافہ لیکر پڑھا۔ جب مضمون سے واقف ہوا تو کہا۔ اے عمر جا کر امیر سے کہو سویرے میری اور تیری لڑائی ہوگی۔ تب عمر امیر کے پاس آیا اور ساری حقیقت بیان کی۔

یہ سن حمزہ نے فرمایا کہ ہمارے لشکر میں کہو کہ کچھ کو لڑائی ہے۔ جب یہ خبر لشکر میں ہوئی کہ صبح جنگ مقرر ہے۔ تو جتنے بہادر تھے انہوں نے اچھی اچھی پوشاکیں پہنیں اور روپے و اشرفیاں خیرات

کس کو فخر کو دیکھیں کہ اپنے باپ دادا کا نام کون روشن کرتا ہے ۔ اور کس کی عمر کا پیالہ لبریز ہوتا ہے ۔ اور کون میدان میں امیر کے قدموں پر جان نثار کرتا ہے ۔

یہ اسی گفتگو میں تھے ۔ کہ رات گذر گئی اور صبح کا ستارہ چمکا اور ساری دنیا کو روشن کیا ۔ تب حدیث نے طبل جنگ بجوایا اور میدان میں آ کھڑا ہوا ۔ اور حکم میدان آرائی کا دیا ۔ اور بیلداروں نے آ کر جھاڑ بوٹے کاٹ کر میدان ہموار و صاف کیا ۔ نقیبوں نے صفیں آراستہ کیں اور پکارے کہ مرداں بکوشید تا جامہ زناں نپوشید ۔

ربائی

روز جنگ است جنگ باید کرد ۔۔۔ کوشش نام و ننگ باید کرد

شکم گاؤ و پشت ماہی را ۔۔۔ بہ سر نیزہ رنگ باید کرد

یہ حال دیکھ کر جاسوسان اہل اسلام امیر کے پاس گئے اور دعا جان درازی کی دے کر بولے

ے الٰہی بخت تو بیدار بادا ۔۔۔ ترا دولت ہمیشہ یار بادا

گل اقبال تو دائم شگفتہ ۔۔۔ بچشم دشمنانت خار بادا

شہریار کی عمر دراز ہو ۔ حدیث یونانی میدان میں آیا ہے ۔ یہ سن کر امیر بھی مع یاران میدان میں آئے ۔ جب دونوں لشکر آراستہ ہوئے ۔ تو عیار پکارے کون مرد ہے جو قصد میدان کا کرے اور کون بہادر ہے جو باپ دادا کا نام روشن کرے ۔ یکایک ایک پہلوان حدیث کے لشکر سے باہر آیا اور پکارا ۔ جانتا ہے یا کہ نہیں ۔ میرا نام استفتانوش ہے ۔ یہ سن کر حمزہ نے دائیں اور بائیں ہاتھ کی طرف دیکھا کہ بائیں ہاتھ کے طبل اور نقارے بجے اور علموں کو جلوہ دیا ۔ اور لندھور اپنا ہاتھ بڑھا کر امیر کے سامنے آیا اور اجازت میدان کی چاہی ۔ امیر نے کہا ۔ کہ جاؤ ۔ لندھور اپنے فیل منگوسی پر سوار ہو کر چلا اور استفتانوش کے مقابل میں کھڑا ہوا ۔ استفتانوش بولا کہ اے پہلوان دراز قد تو کون ہے اور نام کیا ہے ؟ کہ بے نام و نشان نہ مارا جائے ۔ لندھور نے کہا ۔ میں بادشاہ ہند ہوں ۔ بیت

جزیرہ ہائے دریا را گرفتم ہندوستان ۔۔۔ اگر نامم بمیدانی منم لندھور بن سعدان

استفتانوش نے کہا ۔ خبردار یہ نہ کہنا ۔ یہ کہہ کر گرز سر سے بلند کیا اور لندھور نے سر کو چھرے کی پناہ کیا ۔ اور استفتانوش نے وہ گرز لندھور کے سر پر مارا کہ اسکی آواز دونوں لشکروں نے سنی اور لندھور کے بدن سے پسینہ جاری ہوا ۔ پھر لندھور نے استفتانوش سے کہا ۔ اب میری باری ہے تب لندھور نے اپنا گرز استفتانوش کے سر پر ایسا مارا کہ ایک شعلہ آگ کا نکلا ۔ لیکن استفتانوش نے

ہنسکر کہا۔ کہ اے لندھور بہت دنوں سے میں تیرا نام سنتا تھا پر ویسا ہی پایا۔ القصہ کہ دونوں پہلوانوں کو لڑتے لڑتے رات ہوئی لیکن دونوں برابر رہے۔ پھر طبل بازگشت بجوایا اور اپنے اپنے لشکر میں پہنچے امیر نے لندھور سے پوچھا۔ کہ استقفانوش کیسا ہے؟ لندھور نے کہا۔ کہ تمام عمر میں امیر کے بعد اس سے کام پڑا۔ غرض وہ رات ختم ہوئی اور طبل لڑائی کا بجا اور دونوں لشکر میدان میں آئے اور استقفانوش نے گھوڑا میدان میں دوڑایا۔ اور پکارا کہ امیر کے سرداروں میں سے کون آسکتا ہے۔ تب امیر نے دائیں بائیں دیکھا تو معدی کرب نے گھوڑے کو لگام دیکر امیر سے اجازت طلب کی۔ تب امیر نے کہا۔ جاؤ خدا کو سونپا۔

عمر معدی کرب گھوڑا گدگداتے ہوئے میدان میں آگئے۔ حریف کے روبرو کھڑے ہوئے۔ تب استقفانوش بولا۔ کہ حمزہ تو ہی ہے۔ عمر کرب نے کہا۔ کہ میں حمزہ نہیں ہوں مگر یاروں میں سے امیر لشکر ہوں اور مجھے معدی کرب کہتے ہیں۔ استقفانوش نے کہا۔ کہ کل اسقدر سے جوگیا وہ مجھ سے برابر نہ آسکا۔ تو اس لوندا اور موٹاپے پر کیسے بر آئیگا۔ یہ سن کر معدی کرب نے کہا۔ کہ بہت لاف زنی مت کر اگر مرد ہے تو حملہ کر۔ استقفانوش نے گرز ہاتھ میں لی اور معدی نے ڈھال سر پر رکھی مگر استقفانوش نے گرز اس زور سے مارا کہ معدی کرب کی تین سو ساٹھ رگ تک پہنچ گئی۔ اور بےصبری ہوئی۔ معدی کرب کا گھوڑا الٹ پلٹ ہیں۔ پھر معدی کرب نے کہا۔ ایک ضرب اور بھی بیچھے دی۔ تب استقفانوش نے دونوں ضرب کرلئے۔ پھر معدی کرب بولا ؎

تو ضربے زدی ضرب ما نوش کن ۔۔۔ غم دین و دنیا فراموش کن۔

معدی کرب نے یہ کہکر استقفانوش کے سر پر ایسا گرز مارا کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ غرض اسی طرح لڑتے لڑتے شام ہوئی نہ فتح نہ ظفر۔ آخر طبل بازگشت بجواکر اپنے اپنے مقامات میں گئے اور نقل شراب و استراحت کی۔ جب رات گذری دن آیا تب دونوں طرف سے طبل جنگ بجے اور فوجیں میدان میں آئیں تو استقفانوش نے اپنے گھوڑے کو میدان میں جولان دیا۔ اور نعرہ کیا۔ کہ حمزہ اپنے یاروں کو بھیجتا ہے اگر مرد ہے تو خود میدان میں آئے۔ تب امیر نے مقبل حلبی سے کہا۔ کہ میرے ہتھیار لاؤ۔ موجب ارشاد ہتھیار حاضر کئے۔ امیر نے پہلے جبہ حضرت ابراہیم کا پہنا اور حضرت اسحاق کا پیراہن گلے میں ڈالا اور نرمی کے واسطے حریری پارچہ زیر بغل کرکے زرہ داؤدی پہن کر کمربند اسحاق نبی کا باندھا اور ہود نبی کا خود نہایت تزک و احتشام سے سر پر رکھا اور حضرت صالح نبی کے موزے پاؤں پر چڑھا کر صمصام و قمقام کمر سے لگائیں اور سیر لیفت پر لٹکا کر خنجر اسحاق

سوار ہوئے۔ اور مگس رانی اور جلو کے ساتھ فوج راست وچپ کا مجرا لیتے ہوئے میدان میں آئے تب استفتا نوش نے کہا۔ کہ اے پہلوان شائد تو ہی حمزہ ہے۔ امیر نے فرمایا کہ ہم ہی ہیں۔ امیر کا یہ جواب سن کر استفتا نوش نے کہا۔ بیت

بیا تا چہ داری زمرزی نشان کمانے کیانی و گرز گراں

امیر نے فرمایا کہ میری اور میرے یاروں کی یہ رسم نہیں کہ حریف پر پیشدستی کریں۔ پہلے تو حملہ کر۔ کہ تیرے دل میں ارمان نہ رہے۔ کہ حمزہ پر حملہ نہ کیا۔ کہ استفتا نوش نے گرز اُٹھایا اور امیر کے سر پر مارا۔ کہ اسکی ضرب سے خنک اسحاقی لغزش میں آیا۔ امیر نے گرز کی روک کی اور فرمایا۔ کہ اے بہادر دو حملہ اور بھی کر۔ استفتا نوش نے اپنی تمام طاقت خرچ کر کے دو حملے اور کئے امیر نے یہ تینوں حملے روکے۔

جب امیر کی نوبت آئی تب امیر نے حشام کے گرز پر ہاتھ ڈالا اور کہا۔ کہ یہ گرز میرا نہیں ہے کسی سے مانگ کر لایا ہوں۔ مگر تم خبردار رہنا۔ یہ کہکر اور دونوں پاؤں رکابوں میں استوار کر کے اور خانہ زین کو خالی چھوڑ کر بہ قوت تمام استفتا نوش کے سر پر مارا۔ کہ اس کے گھوڑے کی کمر ٹوٹ گئی اور استفتا نوش زمین پر گرا اور گرتے ہی سنبھل کر تلوار کھینچی اور قصد امیر کا کیا۔ امیر نے گھوڑے سے جلد اتر کر گھوڑے کو اپنے پیچھے کیا اور تلوار چلائی۔ امیر نے ناز یاٹ کے اشارے سے اسے رد کیا اور تلوار ٹوٹ گئی اور قبضہ اس کے ہاتھ میں رہا۔ پھر وہ قبضہ اس نے امیر کی طرف پھینکا تو زمین پر قبضہ گرا اور عمر نے اُٹھا کر توبرے میں رکھ لیا

یہ دیکھکر استفتا نوش نے کہا۔ کہ دیتا ہے یا نہیں۔ ورنہ ایک تیر سے حلق پر مارتا ہوں۔ عمر نے کہا۔ زیادہ لاف مت کر اگر مرد ہے تو قبضہ مجھ سے لے۔ تب استفتا نوش نے کمان کے چلے میں تیر جوڑا اور عمر نے کا غذ کی ڈال لی۔ استفتا نوش نے تیر چلایا۔ اس کے چلے سے عمر نے جست کر کے ہوا پر جا کر ایک لات استفتا نوش کی گردن پر ماری اور ایک سوٹا اسکی کمر پر ایسا مارا کہ استفتا نوش بیہوش ہو گیا۔ تب اس نے ہوش میں آکر دوسرا تیر چلایا۔ عمر نے وہ بھی بیاستو رد کیا۔ تب امیر نے کہا۔ کہ اے استفتا نوش تو اگر عقل رکھتا ہے تو عمر کے ساتھ لڑائی ہرگز نہ کر۔ کیونکہ اس سے کوئی بر نہیں آسکا۔ استفتا نوش نے کہا کہ تم سچ کہتے ہو۔ یہ کہکر امیر پر دوسری تلوار چلائی۔ کہ امیر کی ڈھال سے اُچٹ کر پیٹھ پر لگی۔ تب امیر کو غصہ آیا اور اوس دوال کو پکڑ کر کہا۔ کہ اے استفتا نوش میں نعرہ کرتا ہوں۔ جواب دیا۔ کہ میں بچہ نہیں ہوں۔ جو مجھے نعرہ سے ڈراتا ہے۔ مجھے تیرے نعرہ کا ذرا بھی ڈر نہیں

ہے۔ تب امیر نے عمر سے کہا۔ اور عمر نے اپنی ٹوپی ہوا میں اڑائی۔ تاکہ اپنا اشارہ لشکر اسلام معلوم کرے۔ کہ امیر نعرہ کرتے ہیں۔ اس وقت تمام لشکر نے اپنے اپنے موزوں سے روئی نکال کر گھوڑوں کے کانوں میں رکھی اور استفتانوش کے لشکر بے خبر تھے۔

عمر کے ہمراہی عیاروں نے مع استفتانوش کے لشکر کی راہ لی اور امیر نے نعرہ کیا۔ تب اس کے گھوڑے اپنے اپنے سواروں کو پٹک کر بھاگ گئے اور عمرو اس کے ساتھیوں نے ان کے گھوڑے پکڑ لئے اور اپنے لشکر میں لے آئے اور امیر نے استفتانوش کو سر پر اٹھایا اور ایسا پھرایا کہ تمام نے دیکھا اور آفرین کی۔ پھر اس کو اوپر سے آہستہ سے اتار کر عمر نے اس کو باندھا تب صد فتوش نے اپنے بھائی کو اس طرح دیکھا اور تلوار کھینچ کر میدان میں آیا اور امیر پر تلوار چلائی۔ امیر نے ایک ہاتھ سے تلوار کو اور دوسرے ہاتھ سے اس کی کمر کی دوال پکڑی اور پاؤں رکاب سے نکال کر اس کے گھوڑے کو ایسی لات ماری کہ گھوڑا اس کے نیچے سے نکل کر چالیس قدم دور جا پڑا اور صد فتوش امیر کے ہاتھ میں رہ گیا تب امیر نے اسے سر پر اٹھا کر زمین پر پٹکا اور عمر نے اسے بھی باندھا اور اس وقت طبل اور نقارے فتح کے بجائے گئے اور دونوں لشکر اپنے اپنے مقاموں پر آئے اور مجلس آرائی کا کام شروع ہوا۔ اور سلطان اپنے دنگل پر بیٹھے اور ساقیان سیمیں ساق اور مطربان خوش آواز صبح کا پیالہ اور جواہر نگار صراحیاں لئے ہوئے حاضر ہوئے اور مجلس میں دور چلنے لگے اور طبلوں پر تھاپ پڑی اور جب دور جام ہمگی کا پہنچا تو اس وقت امیر نے فرمایا کہ استفتانوش اور صد فتوش کو لاؤ۔ تب حسب الارشاد کے دونوں کو حاضر کیا۔ امیر نے پوچھا۔ اے پہلوانو! میں نے تمہیں کیونکر باندھا تھا۔ جیسے مرد مردوں اور شیر شیروں کو پکڑتے ہیں۔ تب امیر نے انکو خلعت دیئے اور عمدہ کرسیوں پر بٹھایا اور عمر بن امیہ نے حلقے دونوں کانوں میں ڈالے۔ امیر نے استفتانوش کو کہا۔ کہ اب حدیث کیا کہیگا۔

استفتانوش نے کہا وہ فقط ہماری قوت پر لڑتا تھا۔ اب تو صلح کریگا۔ یہ قصہ یہاں تک رہا۔ اب ذرا کچھ حدیث کے متعلق سنئے۔ جب لوٹانی میدان سے پھر آئے تو قارن کو بلایا اور کہا۔ مجھے ان دونوں پہلوانوں کی قوت پر مان تھا۔ [illegible] نے کہا کہ آج کی رات لڑائی کی جگہ [illegible] کنواں کھود دینے کا حکم دو [illegible] اور جب صبح ہو تو [illegible] [illegible] [illegible] تب قارن کی [illegible]

کنوئیں تیار کئے گئے۔ جب فجر ہوئی تو نقارہ بجوا کر حدیث میدان میں آیا اور امیر کو بھی خبر ہوئی اور استفنا نوش سے فرمایا کہ تو کہتا تھا کہ حدیث صلح کریگا۔ وہ لڑنے کو آیا ہے۔ استفنا نوش نے کہا کہ پسر قارن اسے مصلحت لڑائی کی دیکر لایا ہے۔ امیر بھی سوار ہوئے۔ دیکھا تو پسر قارن میدان میں کھڑا ہو کر پکار رہا ہے کہ اے حمزہ اگر تو مرد ہے تو میدان میں آ۔ اور مجھ پر حملہ کر۔

امیر نے جب اس کا یہ سخن سنا تب ہتھیار کھول کر اس پر گھوڑا ڈالا اور کنوئیں کے کنارے پر آ کر گھوڑا امیر کا رکا۔ امیر نے ایڑی اور کوڑے مارے تب گھوڑے نے جست کی اور کنوئیں سے پار ہو گیا۔ غرض اسی طرح چھ کنوئیں تو گھوڑا کود گیا۔ لیکن پھر اٹکا اور امیر نے کوڑا مارا اور جست کر کے گھوڑے کے اگلے پاؤں کنوئیں سے باہر پڑے اور پچھلے کنوئیں کے اندر۔ گھوڑا تو نکل گیا مگر امیر کنوئیں کے اندر گر پڑے اور حدیث کے لشکر نے مٹی ڈالدی اور کنوئیں کے کنارے پر پسر قارن نے خنجر اور تلوار گاڑ دیئے غرض لشکر کے لوگ حمزہ پر مٹی ڈالتے تھے اور حمزہ ان پر روکتے۔ خندق پر پانی بھروا دیا۔ یہاں عمر کنوئیں میں اترا تو امیر نہ پایا۔ کیونکہ امیر وہاں سرنگ کھود رہا تھا۔ اور کہتے تھے کہ یا الٰہی یہ سرنگ حدیث کے دربار میں جا نکلے۔

جب عمر نے امیر کو نہ پایا تو کوڑا اٹھا کر ادھر ادھر تلاش کرنے لگا۔ جب بہت جستجو کی تو وہاں ایک راہ نظر آئی اور کھودنے کی آواز سنائی دی۔ تب عمر بھی اس سوراخ میں گھسا اور دیکھا کہ امیر خنجر سے سرنگ کھود رہے ہیں۔ امیر ڈرے کہ یہ کیا بلا پیدا ہوئی ہے۔ امیر نے جمقمقانی کمر سے کھول کر لگانا چاہی اور عمر کو دیکھ کر ہنسے۔ اور کہا اے عیار تو اپنا مسخراپن چھوڑ۔ عمر نے پوچھا آپ یہ کیا کرتے ہیں؟ امیر نے فرمایا سرنگ کھودتا ہوں۔ اور انشاء اللہ یہ سرنگ حدیث کے دربار میں نکلے گی۔ اور میں حدیث کو تخت سمیت پٹکوں گا۔ عمر نے کہا۔ کھودنا میرا کام ہے۔ مٹی تم نکالو۔ تب عمر نے کھودنا شروع کیا۔ اور امیر مٹی نکالنے لگے۔ یکایک عمر کے خنجر کی نوک حدیث کے تخت کو لگی۔ تب عمر تخت کے نیچے چھپا۔ اور امیر باہر نکلے تو حدیث تخت پر اور پسر قارن کرسی پر اس کے آگے بیٹھا لاف زنی کر رہا تھا۔ حدیث نے دیکھا کہ میں نے یہ حیلہ کس واسطے کیا تھا۔ یہ اسی بات میں تھا کہ یکایک پسر قارن کی نظر امیر پر پڑی۔ تو جلدی سے پھر آیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر میدان کا راستہ لیا۔ امیر نے نعرہ کیا اور حدیث کا تخت اٹھا کر زمین پر مارا اور عمر نے دوڑ کر حدیث کو باندھا اور یہ شور تمام شہر میں ہوا اور دشمن کے پہلوان دوڑے اور قلعہ کا دروازہ توڑ کر اندر گئے۔

امیر نے کہا اے یارو! خبردار ہو کہ پسر قارن کہیں جانے نہ پائے۔ اتنے میں یہ خبر

پہنچی۔ کہ لپسر قارن شہر سے باہر گیا ہے۔ یہ سنتے ہی ایک کھلی پیٹھ کے گھوڑے پر سوار ہو کر امیر دوڑے۔ اور عمر بھی ہمراہ ہوا۔ تھوڑی دُور جا کر دیکھا کہ ایک چرواہا بھاگا جا رہا ہے۔ عمر نے کہا مت بھاگ کھڑا رہ۔ اس نے کھڑا رہ کر کہا کیا کہتے ہو۔ امیر نے کہا۔ کہ کوئی سوار اس راہ سے گیا ہے۔ اس نے کہا۔ ایک سوار ابھی ادھر سے آیا تھا اور مجھے کئی کوڑے مار کر میری روٹیاں چھین لیں اور چلا گیا۔ اس واسطے میں تمہیں دیکھ کر بھی بھاگنے لگا کہ خدا جانے تم بھی میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔

امیر نے کہا۔ کہ تو میرے ہمراہ چل کہ میں تیری روٹیاں دلاؤں۔ غرض کہ چرواہا و عمر اور امیر ایک ساتھ چلے۔ اور لپسر قارن قریب دس کوس گیا تھا تو دل میں خیال کیا کہ اگر امیر نے میرا پیچھا کیا تو چار کوس سے زیادہ نہ کریگا۔ اور میں دس کوس آ چکا ہوں۔ یہ خیال کر کے ایک حوض کے کنارے اُترا اور کپڑے اُتار کر نہانے لگا۔ عمر و امیر اور چرواہا یہ تینوں وہاں آ پہنچے اور کہا اے کافر تو کہاں جائیگا۔ پسر قارن نے کہا۔ کہ مجھے کپڑے پہننے اور ہتھیار لگانے دو۔ امیر نے اس کے کپڑے اور گھوڑا اور ہتھیار اور روٹی چرواہے کو دی اور اسے قید کر کے ہمراہ لیا اور چرواہا کپڑے پہن کر اور ہتھیار لگا کر گھوڑے پر سوار ہو کر امیر کے ساتھ چلا اور راہ میں عمر سے پوچھا۔ کہ یہ کون ہیں؟ کہا کہ امیر حمزہ بن عبدالمطلب ہیں تب چرواہا دوڑ کر امیر کے پاؤں پر گرا۔ تب امیر نے پوچھا۔ کہ کیا چاہتا ہے۔ عرض کیا۔ کہ میں گاؤں کے ایک پٹیل کی بیٹی پر عاشق ہوں۔ لیکن جب وہاں جاتا ہوں تو پٹیل کے نوکر مجھے مارتے ہیں۔ امیر نے کہا۔ کہ تو اس پٹیل کے گھر کا راستہ بتادے۔ اس نے امیر کو پٹیل کے گھر کا رستہ بتا دیا۔ جب امیر اس پٹیل کے گھر گئے تو پیچھے پیچھے یہ آپ بھی گیا۔ اس بستی کے لوگ اس کو اس حال میں دیکھ کر متعجب ہوئے۔ پٹیل کو امیر کے آنے کی خبر دی گئی۔ پٹیل باہر آیا اور امیر کے پاؤں پر لوٹ گیا۔ امیر نے فرمایا کہ تو اپنی بیٹی اس چرواہے کو دے۔ اس نے اپنی بیٹی چرواہے کو دی۔

امیر نے عمر سے کہا۔ کہ جا کر لشکر یہاں لے آؤ۔ القصہ عمر جا کر تمام لشکر کو یہاں لایا اور وہاں خیمہ برپا کیا۔ امیر نے اپنے پہلوانوں کو کہا کہ حدیث کو حاضر کرو۔ جب حکم کے حدیث کو حاضر کیا۔ امیر نے کہا۔ اے حدیث کہو خدا ایک ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین برحق ہے۔ حدیث نے کہا میں یہ بات ہرگز نہ مانوں گا۔ تب امیر نے حکم دیا۔ کہ اسے استفنا نوش کے حوالے کرو۔ پس استفنا نوش نے تلوار نکال کر تن سے سر جدا کیا۔ اور امیر نے دوسرے دن یہاں سے رخصت ہو کر روم کا راستہ لیا۔

تینتیسویں داستان

امیر با توقیر جب سرحد روم میں پہنچے تو امیر المومنین عباس رضی اللہ کو فرمایا۔ قیصر روم کو خط لکھو۔ غرض حضرت عباس رضی کو لکھا۔ کہ حمزہ بن عبد المطلب کی طرف سے قیصر روم کو معلوم ہو کہ تین سال کا خراج زیر پایۂ تخت نوشیروان عادل نہیں پہنچا۔ اس واسطے مجھے تم پر نامزد کیا ہے کہ باز دو جبر لو۔ سو یونان میں جاکر وہاں کے پہلوانوں کو قابو میں کیا۔ اب تیرے شہر میں آیا ہوں اور تجھے خبر کرتا ہوں کہ بادشاہ ہفت کشور کا یہ حکم ہے تین برس کا خراج اپنی گردن پر لیکر بارگاہ گردوں اساس میں حاضر ہو ورنہ جو حال حدیث کا ہوا ہے وہی تمہارا ہوگا۔

جب یہ نامہ مرتب ہوا تو عمرو بن امیہ کے حوالے کیا گیا۔ اور عمر نامہ لیکر قیصر روم کے دربار میں گیا اور کہا۔ قیصر روم کو خبر دو کہ قاصد امیر حمزہ کا آیا ہے۔ دربان دوڑے قیصر روم کو خبر دی۔ قیصر نے حکم کیا کہ اسے بلاؤ۔ پھر جب حکم قیصر عمر کو بلایا اور عمر نے خط حمزہ کا قیصر کے روبرو پیش کیا۔ قیصر روم نے لفافہ کھول کر خط پڑھا اور پھاڑ کر پھینکا۔ تب عمر نے کہا اے کافر تیری مجال ہے۔ کہ امیر کا نامہ پھاڑ دے تب قیصر روم نے کہا اس مسخرے کو پکڑ لو۔ قیصر کے حکم سے چوبدار دوڑے۔ تب عمر نے خنجر نکالا اور بہتوں کو مارا اور کود کر دربار سے نکلا۔ اور اپنے لشکر میں آکر امیر کے روبرو تمام حقیقت بیان کی۔ دوسرے روز قیصر روم دس لاکھ سوار سے میدان لڑائی میں آیا۔ تب جاسوسوں نے جاکر امیر کو دعا دی اور کہا۔

رُباعی

بادشاہا بارگاہ ہیبت از فلک پرنور باد ۔۔۔ داد عدلت در سرائے آخرت مشہور باد

اے فریدوں ہمت و رستم دل و جمشید فر ۔۔۔ تیغ او بر فرق دشمن ناصر و منصور باد

عمر دراز ہو شہریار عالم کی قیصر روم نے نقارہ لڑائی بجواکر خود میدان میں آیا۔ تب امیر نے فرمایا کہ ہمارے لشکر میں جاکر حکم دو کہ وہ بھی نقارہ لڑائی بجواکر خود میدان میں جائیں۔ جب دونوں لشکر میدان میں گئے اور صفیں آراستہ ہو چکیں تو نقیبوں نے پکارا۔ کہ کون مرد ہے جو میدان آکر اپنا اور اپنے باپ دادا کا نام روشن کرے۔ اتنے میں قیصر کے لشکر سے استقلان پہلوان نکلا اور میدان میں آکر نعرہ کیا کہ جسکی آرزو ہے مرگ ہے وہ میدان میں آئے۔ تب استقلا نوش امیر سے رخصت ہو کر میدان

میں آیا تب استقلال نے پوچھا تجھے کیا ہوا تھا جو تو نے اپنے چچا کو مارا۔ اور عرب کی غلامی کا حلقہ اپنے کان میں ڈالا۔ استفتا نوش نے جواب دیا کہ میرا چچا مسلمان نہ ہوا۔ اس لئے میں نے اسے مارا اور حلقہ غلامی کا اس واسطے کان میں ڈالا ہے کہ حمزہ سے کوئی پہلوان بڑا نہیں ہے اور اس عرب غلامی کا مجھے کیا عیب ہے بلکہ فخر ہے تب استقلال نے کہا کہ اے استفتا نوش تو نے اپنے باپ دادا کا نام کھو یا ہے جواب دیا کہ تجھے اس سے کیا کام ہے۔ اگر لڑنے کو آیا ہے تو جو ضرب رکھتا ہے لا سے۔

بیا تا چہ داری زمردی نشاں کمان کیانی و گرز گراں

تب استقلال نے گرز اٹھایا اور استفتا نوش نے بھی ادھر گرز اٹھایا۔ غرض دونوں پہلوانوں کو لڑتے لڑتے شام ہوئی اور آفتاب بحر فلک میں غرق ہوا تو اس وقت دونوں پہلوانوں نے تلواریں نکالیں اور حربان میں ان کی دھاریں آرہ ہوئیں۔ لیکن دونوں سے فتح ہوئی نہ ظفر۔ آخر کار دونوں لشکر اپنے اپنے مقاموں میں آرام پذیر ہوئے۔ جب دوسرا روز ہوا تب استقلال رومی آیا اور نعرہ کیا۔ کہ اے عرب اگر مرد ہے تو میدان میں آکر مجھ سے دست بدستی کرونگا۔ تب امیر نے یہ آواز سنی تو آپ ہتھیار لگائے اور خنگ ہنر اسحاق سوار ہو کر اور سپاہ راست وچپ کا مہر ہوئے۔ استقلال نے کہا اے پشت قد تو کون ہے؟ میں نے امیر حمزہ کو بلایا ہے تو کیوں آیا ہے۔ تب امیر نے فرمایا کہ میں نے اس قدر و قامت خداداد سے ساری دنیا کے پہلوانوں کو زیر کر کے ان کے کانوں میں غلامی کے حلقے ڈالے ہیں۔ اور تمام دنیا میں پہلوانی کا شہرہ حاصل کیا ہے۔ میں ہی حمزہ بن عبدالمطلب ہوں۔

اس پر استقلال نے کہا۔ کہ شاید تو جادوگر ہے جو اس قد پر تمام دنیا کو زیر کیا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ جادوگروں پر خدا کی لعنت کرتا ہوں۔ صرف خدا العالمین ہی نے امیر کو جادوگروں اور کافروں کو مارنے کا حکم دیا ہے اور یہ طاقت بخشی ہے۔ کہ ان پر فتح پاؤں۔ اور تو بھی جو ضرب رکھتا ہے وہ لا۔ استقلال نے گرز کو اور امیر نے سپر کو اٹھایا۔ تب عمر نے عربی زبان میں کہا کہ قیصر روم کے دس لاکھ جوان ہیں۔ خدا جانے ان میں کتنے پہلوان ہیں۔ اگر آپ دو دو اور تین تین سے لڑیں تو بھی بر نہیں آئیں۔ اور ملک بھی فتح نہ ہوگا۔ امیر نے فرمایا خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھ کہ کیا ہوتا ہے۔ القصہ استقلال نے گرز امیر پر مارا تو حمزہ نے سپر کی ادا وہ پر جس سے اسے روکا اور پھر تیو قت ہاتھ بڑھا کر اس کی کمر کی دوالی پکڑلی اور رکاب سے پاؤں نکال کر اس کے گھوڑے کو ایسی لات ماری کہ استقلال کے نیچے سے گھوڑا نکل کر بیس قدم دور جا پڑا۔

امیر نے نعرہ مار کر استقلال کو اٹھایا اور سر پر پھرایا۔ پھر زمین پر پٹکا۔ عمر نے دوڑ کر اسے

باندھا اور اپنے لشکر میں جا پہنچایا۔ استقلان کے چھوٹے بھائی کا نام بھی استقلان تھا۔ اس نے جب اپنے بھائی کو بندھا دیکھا تو تلوار کھینچ کر امیر پر دوڑا۔ امیر نے ایک ہاتھ سے اس کی تلوار روکی اور دوسرے ہاتھ سے اس کی گردن پر مکا ایسا مارا کہ وہ گھوڑے پر سے زمین پر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ تب عمر نے اسے بھی باندھا جب قیصر روم نے یہ حال دیکھا تو پکارا کہ اس عرب کو مل کر مار دو۔ تب تمام لشکر نے چاروں طرف سے یک بیکبارگی حملہ کیا۔ امیر نے بھی ہاتھ میں تلوار لی اور لشکر میں جیسے شیر بکریوں کے ریوڑ میں آتا ہے گھس گئے تلوار جس کے سر پر مارتے تھے تو لاش زمین کے نیچے اترتی تھی۔ اور جس کی کمر پر مارتے تھے تو مثل خیار تر کے مارتے تھے۔ اور اپنے تمام لشکر میں حکم دیا کہ ہمارے کہے بغیر کوئی نہ آئے۔ تب کھڑے ہو کر وہ تماشہ دیکھنے لگے۔

القصہ چار گھڑی تک سپاہ روم کی امیر سے لڑی آخر شکست پائی۔ جب امیر نے دیکھا کہ تمام رومی بھاگ رہے ہیں تب اپنے لشکر کو آواز دی کہ ان کافروں کو مارو جو یہاں سے جانے نہ پائیں۔ یہ سنتے ہی پہلوانان لشکر امیر نے گھوڑے اٹھائے اور دوڑے اور رومیوں کے لشکر میں گھس کر کافروں کو مارنے لگے۔ اور عمر معدی کرب جو حمزہ کے لشکر کا بڑا سردار تھا جب لڑتا ہوا قیصر روم کے پاس پہنچا تو نعرہ کر کے اس کے گلے میں کمند ڈالی اور کھینچ کر زمین پر پچھاڑا اور باندھ کر امیر کے پاس لایا۔ امیر نے جب قیصر روم کو دیکھا تب معدی کرب پر بہت آفرین کی اور خلعت دیا۔ اور شادیانہ بجاتے ہوئے لشکر میں آئے۔ اور پہلوانوں کی گردن پر بیٹھے۔ اور فرمایا قیصر روم مع پہلوانوں کے لاؤ۔

تب مع حکم حاضر کیا تب امیر نے فرمایا کہو خدا ایک ہے اور دین حضرت ابراہیم خلیل اللہ برحق ہے۔ قیصر روم نے مع پہلوانوں کے منظور کیا۔ تب امیر نے فرمایا کہ ان کے بند کھول دو اور ان کے کانوں میں غلامی کے حلقے ڈالو۔

پس امیر کے ارشاد کے بموجب ویسا ہی کیا گیا۔ پھر قیصر روم کو خلعت شاہانہ پہنایا اور دوسرے پہلوانوں کو بھی خلعتیں دیکر بہت مہربانی فرمائی۔ پس قیصر روم نے امیر کی یہ نوازش دیکھ کر شادمانی کی اور مع پہلوانان عرب کی دعوت کی اور اپنے گھر کو لے گیا۔ اور بشکر اللہ جہانداری بجا لایا اور تین برس کا خراج ادا کیا۔ اس کے بعد حمزہ نے مقبل سے فرمایا کہ روم اور یونان کا تین سال محصول نوشیروان کے پاس بھیجا اور میں مصر کا مال لیکر آتا ہوں۔ غرض مقبل نے بموجب حکم روم یونان کا مال لیکر مدائن کی راہ لی۔ اور منازل طے کر کے مدائن میں پہنچا۔ اور نوشیروان کو خبر کی۔ تب نوشیروان نے مقبل پر نوازش فرمائی اور امیر کا حال پوچھا۔

بعدہ امیر نے مصر کی راہ لی اور قیصر روم کو وہیں چھوڑا اور استقلال کو ساتھ کیا۔ اور مصر میں پہنچے اور عزیز کو امیر کے آنے کی خبر ہوئی۔ کہ امیر روم فتح کر کے اب ادھر آیا ہے۔ تب عزیز نے وہاں کے اکابروں کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ کہ کیا کرنا چاہیئے۔ سب نے یہ صلاح ٹھہرائی کہ۔ دل میں نفاق رکھکر حمزہ کا مطیع ہونا چاہیئے۔ اور ضیافت کے بہانہ سے اسے گھر میں لاکر شراب اور کھانے میں دوا بیہوشی دیکر امیر کو مع اس کے پہلوانوں کے باندھ لینا۔

پس یہ مشورہ طے کر کے عزیز مصر ہدیہ اور پیشکش لیکر مصر سے باہر آئے اور امیر سے ملے۔ امیر نے اسکی بہت خاطر داری کی اور خلعت دیا۔ اس وقت عزیز نے کہا۔ کہ اے امیر جیسا کہ اپنی مہربانی سے قیصر روم کو سرفراز کیا ہے اسی طرح سے مجھے سرفراز کر کے میرے غریب خانہ میں تشریف لاؤ۔ غرض بعد سماجت بسیار امیر نے قبول کیا اور دونوں یونانی پہلوانوں کو لشکر میں چھوڑ کر آپ تمام پہلوانوں سمیت شہر میں داخل ہوئے اور عزیز کے دربار میں اترے اور عزیز نے دسترخوان بچھوا کر کھانا منگوایا اور کھانے سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد شراب کا دور چلا۔ عزیز کے حکم سے شراب میں بیہوشی کی دوائی ملائی سو پیتے ہی تمام یاروں کو بیہوشی پیدا ہوئی۔ اس عرصہ میں عمر معدی کرب نے کہا۔ کہ اے لندھور دیکھ تمام ڈیرے کے بالس کیوں تھراتے ہیں۔ لندھور نے کہا۔ کہ یہ تیرے اوپر گرے گا۔ یہ کہتے ہی لندھور گر پڑا اور عمر معدی کرب ہنسا اور لوٹنے لگا۔

امیر نے جب یہ حال دیکھا۔ تو کہا۔ اے عمر یہ میں جان لے کہ یہ حرکت ہوئی تب عمر [illegible] سے اٹھکر بھاگا اور عمر اس کے پیچھے دوڑا اور اس کو پکڑنے مگر عمر کے پاؤں نہ اٹھ سکے اور گر پڑا۔ اور بیہوش ہوگیا اور امیر دم بخود بیٹھے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ جب عزیز نے حکیموں سے کہا۔ کہ عرب کے تمام پہلوان تو بیہوش ہوئے۔ مگر حمزہ ابھی تک بیٹھا ہے۔ تب حکیموں نے کہا۔ کہ امیر کو حرکت دینی چاہیئے تب بیہوش ہوگا۔ اس وقت عزیز مصر نے کچھ پہلوانوں کو حکم دیا۔ کہ تم حمزہ پر یکبارگی حملہ کرو۔ جب حمزہ پر حملہ کیا تو امیر نے چاہا کہ ایک ایک کو پکڑ کر ماریں۔ تب تو آپ بھی لوٹنے لگے اور بیہوش ہوگئے۔ یہ دیکھکر عزیز نے کہا۔ کہ امیر کو اس کے پہلوانوں سمیت باندھ لو۔ پس اسی وقت امیر اور اس کے پہلوانوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق بغلوں میں خاردار لٹھ لگائے گئے۔ اور راتوں رات جزیرہ حلب میں پہنچایا۔ یہ مصر سے تین کوس پر ہے۔

تب عزیز مصر نے نوشیرواں کو ایک کاغذ لکھا کہ اے بادشاہ ہفت کشور تیرے حکم سے حمزہ مع یاروں کے باندھا ہے۔ اب ان کے لئے کیا حکم ہے؟

جب یہ خط نوشیرواں کو ملا تو بختک سے کہا کہ اب اسکی کیا تدبیر کریں۔ بختک نے کہا کہ عزیز کو لکھو کہ حمزہ کو یاروں سمیت یہاں بھیجدو۔ یہ سُن کر نوشیرواں فکرمند ہوا اور بزرجمہر کی طرف دیکھا اور کہا کہ عزیز مصر نے دغا سے پکڑا ہے اور مجھے لکھا ہے کہ اگر حکم ہو تو مار ڈالوں۔ بزرجمہر نے عرض کی کہ خدا نے حمزہ کی عمر ایک سو پچانوے برس دو پہر تک لکھی ہے۔ اس لئے اُسے کوئی نہیں مار سکتا۔ آپ اپنی طرف سے عزیز مصر کو لکھیں کہ وہ حمزہ کا سر آپ کے پاس بھیجدے۔ گو بادشاہ خط پہنچنے سے پہلے خدا تعالےٰ امیر کو رہائی ہی کیوں نہ دے۔

پس یہ بات سُن کر نوشیرواں نے کتنے ونتک صبر کیا۔ کہ خدانخواستہ جو بزرجمہر کہتا ہے سو ویسا ہی ہوا تو حمزہ کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ میں نے اس کے مارنے کو فرمایا ہے۔ تب تو کام بہت سخت ہوگا۔ لہٰذا ازاں نوشیرواں نے عزیز کو لکھا۔ کہ امیر کو بہت حفاظت سے وہیں رکھو۔ کہ میں بھی وہیں آتا ہوں۔ اور سب یاروں کو اپنے حضور میں جان سے مرواؤں گا۔ جب عزیز کو یہ خط پہنچا تو وہ مضمون سے واقف ہوکر بادشاہ کے حکم پر کاربند ہوا۔ مقبل حلبی جب مدائن سے چلا تو اس نے راہ میں امیر کے قید ہونیکی خبر سنی تب تو وہ جلد کوچ بہ کوچ کرتا ہوا مصر میں پہنچا تو دیکھا کہ استقفانوش اور صد فنوش مصر کے قلعے سے مورچہ لگائے لڑتے ہیں مقبل نے کہا۔ اے پہلوانان میں نے سُنا ہے کہ امیر کو حلب کے بندی خانہ میں قید رکھا ہے۔ حلب دو دریائے نیل کی ندی کے درمیان ہے اور وہاں لڑنیکی جگہ نہیں ہے۔ تم جہاں جیسا لڑ رہے ہو لڑو۔ اور میں یہاں سے جزیرہ حلب کو جاتا ہوں۔ اور دیکھتا ہوں کہ خدا کیا کرتا ہے۔ تب مقبل سوداگر کا لباس پہن کر اور بہت سا سامان لیکر سوداگری میں مشغول ہوا اور بندی خانہ کے جمعدار سے خوب آشنائی پیدا کی۔ لیکن بندی خانہ میں یہ اسیر تھے۔ اس جزیرہ کا مالک عزیز مصر کا داماد تھا اور عزیز مصر کی بیٹی کا نام زہرا بانو تھا۔

ایک رات زہرا بانو نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کا دروازہ کھلا ہے اور اوپر سے ایک تخت اُترا جس پر ایک بوڑھا شخص بیٹھا ہے۔ زہرا بانو نے پوچھا کہ تو کون ہے۔ تب اس نے کہا کہ میں ابراہیم خلیل اللہ ہوں اور تجھے مقبل حلبی کی عورت بناتا ہوں۔ زہرا بانو نے پوچھا کہ مقبل حلبی کون ہے اور کہاں ہے؟ تو فرمایا کہ مقبل حلبی میرا فرزند ہے اور امیر حمزہ بن عبدالمطلب کا یار ہے۔ اور اس شہر میں فلاں جگہ دکان سوداگری کی کر رکھی ہے۔ جب فجر ہوئی تو زہرا بانو ہوشیار ہوئی اور حضرت خلیل اللہ کے نشان کے مطابق کپڑے خریدنے دکان پر گئی اور مقبل کو ساتھ لیا اور بندی خانہ کی طرف گئی جب دروازے پر پہنچی تو وہاں کے جو کیداروں کو بلایا اور کہا۔ اے چوکیدارو میں نے خواب دیکھا ہے کہ تم میری بات

کے شریک ہو گئے تو میں تمہیں امیر سے حکومت دلاؤں گی اور اس وقت ایک مٹھی بھر دینار بھی اس کو دیئے اور سرفراز کیا اور مقبل نے بھی چوکیداروں سے پہلے ہی سے آشنائی پیدا کر رکھی تھی۔ اور خاصکر اس بشارت سے وہ بہت خوش ہوئے۔ لہذا زہرہ بانو نے ایک سیڑھی لاکر باندھی اور مقبل کو اس پر بٹھایا اور مقبل کے ہاتھ میں سوہن دیا تو بندی خانے کے اندر اُتارا۔

جب امیر اور اس کے یاروں نے روشنی دیکھی تو انہیں یقین ہوا۔ کہ ہمارے قتل کے لئے آئے ہیں۔ جب مقبل کو دیکھا تو تب بہت خوش ہوئے۔ تب مقبل امیر کے پاس آکر پاؤں پر گرا۔ اور رو دیا پھر چاہا کہ پہلے امیر کے بند کاٹوں یا کیاروں کے۔ امیر نے فرمایا کہ پہلے یاروں کے کاٹو۔ تب یاروں کے بند کاٹے اور امیر کے بند اسی خوشی کے سبب تمام خود بخود ٹوٹ گئے۔ مقبل نے امیر سے کہا۔ کہ آج تک یہ بند آپ نے کیوں نہیں توڑے تھے۔ امیر نے فرمایا۔ میں نے توڑنے کیلئے بہت زور کیا لیکن نہ ٹوٹتے تھے۔ اب تھوڑی قوت سے ٹوٹ گئے۔ پہلے مقبل باہر نکلا۔ پھر ایک ایک کرکے تمام پہلوان باہر آئے اور سب سے بعد میں امیر نکلے اور خدا کا شکر کیا۔ تب زہرہ بانو نے کہا۔ پہلے یہاں کے حاکم کو مارنا چاہیئے۔ عمر معدی کرب نے کہا۔ اے زہرہ بانو ہم بھوکے ہیں اگر ہمیں کھانا کھلاؤ تو بہتر ہے۔

زہرہ بانو نے کہا۔ کہ یہ چرچا عام ہے کہ میرا باپ تمہارے قتل کیلئے صبح آئیگا۔ اس لئے کھانا پکا کر اس کے واسطے تیار رکھا ہے۔ تو چلو وہ کھانا کھا لو۔ امیر اور تمام پہلوان زہرہ بانو کے ہمراہ باورچی خانہ میں آئے۔ اس وقت امیر نے کہا۔ کہ کوئی عزیز کے داماد کو میرے پاس لائے تب کھانا کھائیں گے۔ زہرہ بانو نے کہا۔ یہ کام میرا ہے امیر ہنسے اور رضا دی۔ تب زہرہ بانو اپنے خاوند کے پاس گئی اور نیند سے اُٹھایا۔ جب اُس نے اسے مردانہ لباس میں دیکھا۔ تو پوچھا کہ اے معشوق کیا حال ہے؟ زہرہ بانو نے کہا۔ اے کافر اُٹھ کہ امیر حمزہ دروازے پر کھڑا ہے اگر تو آتا ہے تو میں تیری بخشی کرا دیتی ہوں۔ اس کے خاوند نے چوکیداروں کو پکارا۔ کہ اس گیسوئے بریدہ کو پکڑ لو۔ زہرہ بانو نے تلوار کھینچ کر اپنے مرد کا سر قلم کیا اور امیر کے پاس لے گئی امیر نے اسے بہت آفرین کی اور کہا۔ فجر ہونے تک ہم مصر پہنچیں لیکن میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں۔ زہرہ بانو نے کہا کہ آپ کھانا کھایئے یہ فکر بعد میں کرنا۔ تب سب نے کھانا کھایا پھر امیر نے فرمایا کہ اب ہتھیار نکلاؤ۔ کہا کہ اے امیر یہاں ایک کوٹھڑی ہتھیاروں کی ہے جس میں سام بن نریمان کا ایک گرز بھی ہے جس کا وزن ایک ہزار من ہے۔ امیر نے کہا کہ جاکر جلد لاؤ۔ کیونکہ گرز میرے لائق ہے۔ زہرہ بانو نے کہا اسے

کون اٹھا سکتا ہے۔ وہاں تک آپ ہی چلئے۔

غرض امیر وہاں گئے اور بہت سے ہتھیار لوٹے۔ ایک صندوق کو کھولا تو سب میں سے سام بن نریمان کا گرز لیا اور باہر آئے۔ امیر نے اس گرز کو بوسہ دیا اور اٹھا کر کاندھے پر رکھا اور کہا کہ اس گرز سے مصر کے قلعہ کی دیوار گرے گی۔ امیر مع اپنے یاروں کے مصر کی طرف روانہ ہوا۔ اور عزیز کے دربار میں آئے۔ زہرہ بانو جو عزیز مصر کی بیٹی تھی باپ کے گھر گئی اور باپ سے تمام حقیقت کہی۔ عزیز نے کہا برا ہوا۔ پھر کہا اس برے کام کرنیوالے کو پکڑ دو۔ یہ سنتے ہی زہرہ نے تلوار کھینچ کر ماری اور تن سے سر جدا کر کے امیر کے پاس لائی۔ امیر نے زہرہ بانو کے سر پر بوسہ دیا اور فرمایا جسے خدا راہ راست پر لائے اس کے ہاتھ سے ایسے ہی کام بنتے ہیں۔ غرض جب فجر ہوئی تو امیر کے آنے کی خبر تمام مصر میں بلند ہوئی تب دونوں یونانی پہلوان شہر کو فتح کر کے امیر کے پاس آئے اور پاؤں پر گرے۔ عزیز مصر کا ایک بھائی ناصر شاہ نامی تھا کہ جس نے کپڑے کا نشان بدن پر رکھا اور کفنی پھاڑ کر گلے میں ڈالی اور زہرہ بانو کے ہمراہ امیر کے پاس آیا۔ زہرہ بانو نے اسے پیش کر کے عرض کی کہ یہ عزیز مصر کا بھائی ہے۔ امیر نے فرمایا آنے دو۔ جب ناصر شاہ حضور میں آیا تب امیر نے فرمایا کہو خدا ایک ہے اور دین ابراہیم خلیل اللہ برحق ہے۔ ناصر شاہ نے اقرار کیا۔ اور صدق دل سے قبول کیا۔ تب امیر نے اسے سرفراز کیا اور سونے کی کرسی پر بٹھایا۔ دوسرے روز امیر کو یاروں سمیت اپنے گھر لے گئے اور شرائط مہمانداری بجا لائے اور چالیس روز وہاں رکھا اور جشن کیا۔ اور ناصر شاہ کی بیٹی ایسی حسین تھی اور اس کے حسن کی شہرت تمام زمین پر تھی اور کئی بادشاہ اس پر عاشق تھے اور ناصر شاہ نے زہرہ بانو سے کہا۔ کہ اگر امیر میری بیٹی کو قبول کرے تو میں بیاہ دوں گا کہ اس کے لائق ہے۔ زہرہ بانو نے تمام حقیقت امیر سے عرض کی۔

یہ سن امیر نے فرمایا کہ میرے اور مہر نگار کے درمیان یہ اقرار ہے۔ کہ اس کے بغیر کسی عورت کو گھر میں نہ لاؤں گا اور نہ میرے سوا وہ کسی کے ساتھ نکاح کرے گی۔ زہرہ بانو نے کہا کہ بات سچ ہے لیکن آپ اس بات کو قبول فرماویں کہ جب مہر نگار سے شادی ہو چکے تو اس پر کبھی تصرف کرنا۔ غرض امیر نے یہ بات قبول کی اور وقت مبارک جان کر نیک ساعت کو عقد کیا۔ اور اسے اپنے محل میں لے گئے۔ کئی روز مصر میں عیش و آرام کیا۔ الغرض ایک رات حمزہ اپنے مکان میں آرام فرماتے تھے کہ یکایک احتلام ہوا۔ ایک رومال سے امیر نے اپنا بدن صاف کیا اور رومال اپنے بچھونے میں رکھا۔ اور آپ غسل کرنے کو باہر گئے۔ قضارا اس آدھی رات کو ناصر شاہ کی بیٹی جاگ اٹھی اور اپنے من میں کہا۔ کہ دیکھوں امیر اس وقت کہاں گئے اور کیا کرتے ہیں۔ غرض ایک دائی جو ہمراز تھی اس کو ساتھ لیکر امیر کے مکان پر آئی۔ امیر

دروازہ کھول کر اندر گئی اور دیکھا کہ امیر کا پلنگ خالی ہے تب گھڑی بھر بیٹھی رہی نیند نے غلبہ کیا تو وہیں سو رہی۔ اتفاق سے اسے بھی احتلام ہوا۔ جب نیند سے ہوشیار ہوئی اور اپنا بدن رومال سے صاف کیا کہ جس سے امیر نے کیا تھا اور وہ رومال لیکر اپنے گھر چلی گئی۔ جب امیر غسل کرکے آئے تو مقبل سے کہا۔ کہ وہ رومال جس سے ہم نے اپنا بدن صاف کیا تھا لاؤ۔ تب مقبل نے اسے ڈھونڈا مگر نہ پایا۔ امیر متعجب ہوئے اور یہ خبر تمام لشکر میں بلکہ ناصر شاہ کو بھی ہوئی۔ غرض اسے بہت ڈھونڈھا مگر نہ ملا۔ آخر امیر وہاں سے کوچ کرکے مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔ اور مصر کی بادشاہت ناصر شاہ کے حوالے کی۔ اور جزیرہ حلب کی حکومت وہاں کے چوکیداروں کو مرحمت فرمائی اور وہاں سے کوچ کرکے منزلیں طے کرنے لگے۔

چونتیسویں داستان

اب گستہم کا حال سنو کہ جاسوسوں نے ترکستان میں یہ خبر پہنچائی کہ حمزہ مدائن کیطرف سلامت آیا۔ تب گستہم اور مغلوں کا بادشاہ ژوبین گاؤمیش آپس میں ملے اور گستہم زرین کفش نے ژوبین سے کہا۔ کہ تو مدائن کو چل اور حمزہ کو مار۔ تب ژوبین نے گستہم سے پوچھا۔ کہ اگر میں حمزہ کو مارونگا تو بادشاہ مجھے کیا دیگا۔ دامادی میں قبول کریگا یا نہیں۔ گستہم نے کہا۔ کہ یہ میرا ذمہ ہے۔ تو چل کر نوشیروان سے مل اور حمزہ کو مارے تو میں بھی تجھے مدد دونگا۔

غرض ژوبین نے مدائن کی راہ لی۔ راوی لکھتا ہے۔ کہ ژوبین گاؤ لشکر جہاں اترتا تھا تو بیس کوس کی گرد پانی نہ رہتا تھا۔ اور یہ حکم دیتا تھا۔ کہ جہاں اچھے دانہ اور گھاس دیکھو لوٹ لو۔ اس عالم سے عالم تک ویران و خراب کرتا ہے۔ بعد ازاں گستہم نے نوشیروان کو لکھا کہ ژوبین کو مع لشکر لایا ہوں۔ جب یہ خبر نوشیروان کو ہوئی تو وہ حیران ہوا کہ تو کہا۔ اے بزرجمہر یہ بدبخت ہمارے ملک میں بری بلا ہے۔ اس عرصہ میں بختک نے کہا کہ اے بادشاہ اگر حمزہ ہزار جان بھی ہو تو اس لشکر کے ہاتھ سے ایک بھی سلامت نہ جائیگی۔ تب بزرجمہر نے کہا۔ کہ خدا کے حکم سے حمزہ اس لشکر کے اتنے آدمی ماریگا۔ کہ جنکی گنتی بھی نہ کی جائے گی اور کئی شہر خراب ہوں گے۔

القصہ بادشاہ نے فرمایا کہ اس لشکر کو عراق کے ہرے جنگل میں اتار دو۔ بعد ازاں نوشیروان

مع لشکر مدائن سے سوار ہوکر زوبین گاؤمیش کے استقبال کو گیا اور یہ خبر ہوئی کہ بادشاہ نوشیروان زوبین کے استقبال کو آتا ہے۔ تب زوبین گاؤمیش اور سارے مغل سوار ہوئے اور نوشیروان کی سواری کا تماشہ دیکھنے لگے۔ پھر ایک شور پیدا ہوا۔ زوبین نے گستہم سے کہا کہ یہ آواز کیسی ہے گستہم نے کہا نوشیروان ہفت کشور کی سواری آتی ہے یہ انکے ہمراہیوں کی آواز ہے۔ سات سو ہاتھی سونے کی عمارت کے داہنے ہاتھ اور سات سو بائیں ہاتھ اور سات سو پیچھے اور ایک سو بیس چھتر کے سایہ میں نوشیروان بن قباد آتا ہے اور بزرجمہر وزیر داہنی طرف اور بختک بائیں طرف اور ستر ہزار غلام زرین چپ وراست ہیں۔ جب زوبین نے بادشاہ کو دیکھا تو گھوڑے سے اُترا۔ نوشیرواں نے اُترنے کا ارادہ کیا مگر بزرجمہر کے کہنے سے کہ جب تک زوبین دوڑکر بادشاہ کی رکاب کو بوسہ نہ دے تب تک اُترنا مصلحت نہیں اور بختک نے کہا۔ مصلحت یہ ہے کہ جلدی اُترو۔

آخر کار نوشیرواں نے بزرجمہر کا کہنا کیا۔ اور گھوڑے سے نہ اُترا۔ القصہ جب زوبین نزدیک آیا اور اپنا ہاتھ بادشاہ کے پاؤں کی طرف دوڑایا تب بادشاہ اُترا اور اس کے بھائیوں کو گلے لگایا اور خلعت دیئے اور دوسرے مغلوں کو بھی عطا کیئے۔ جب انکی خلعت پر نظر پڑی تو سر ہلانے لگے کہ بادشاہ یہ ہے۔ اور تمام مسخرے ہیں۔ ان کے بعد ہزار رکھنے کا خیمہ اور چالیس ستون کی بارگاہ آگے کھڑی ہوئی اور بادشاہ آکر اس تخت جمشیدی پر بیٹھا۔ تمام ڈیرے اطلسی اور سونے کی میخیں اور ریشم کے رسیاں دیکھکر زوبین نہایت متعجب ہوا اور پھر زوبین ڈیرے میں آیا اور تسلیمات بجالایا۔ بادشاہ نے کرسی پر بیٹھنے کو فرمایا۔ پھر ایک غل ہوا زوبین نے پوچھا یہ شور کیسا ہے؟ لوگوں نے کہا۔ کہ کھانا لاتے ہیں۔

اتنے میں زربفت کا سفرہ بچھاکر اس پر دسترخوان بچھایا۔ اور سونے چاندی کے طباق اور زرزوزی پیالے اور رکابیاں رکھیں اور کھانا چنا۔ کھانے بہت قسم عمدہ عمدہ کھانے تھے جب مغلوں نے اس شان و شوکت کے سفرہ کا منہ دیکھا تو دیوانے ہوگئے اور کھانا گوناگوں میوہ ہائے بوقلموں اور انواع و اقسام کی نعمتیں کھائیں اور سفرہ کا منہ دیکھا بعد شراب کی سنہری و بلوری پیالے ساقیان ماہوش و معشوقان دلکش گردش میں لائے اور مطربان خوش آواز نے چنگ و نائے و ڈھول اور طبلے اُٹھائے۔ بیت

صد حجاب از چشم مرداں برگرفت   چشم ساقی بادہ احمر گرفت

ساری مجلس شراب سے بدمست ہوئی اور حکایت حمزہ کی نکالی اور پوچھا کہ حمزہ کہاں ہے۔ بختک نے

کہا کہ حمزہ مصر میں ہے شاید کہ اینک اسے مارا ہوگا نہیں تو تیرے ہاتھ سے جان بچا کر کہاں جائیگا۔ تب گستہم اُٹھا اور بادشاہ کے تخت کو بوسہ دیا اور عرض کی کہ زوبین کو دامادی میں قبول کرو کیونکہ بیٹی کا گھر رکھنا نہیں ہے اور زوبین سے بہتر دامادی میں کوئی نہ ہوگا۔

بختک نے گستہم کی مدد کی۔ بادشاہ اس بات سے سانپ کی طرح پیچ و تاب کھا کر غصہ کے جوش میں چپ رہا اور کچھ بول نہ سکا اور آہستہ بزرجمہر سے کہا کہ اے بزرجمہر اس وقت زوبین کو دامادی میں قبول نہ کروں تو بروے مصلحت بہتر نہیں ہے۔ کیونکہ کام خراب ہونے سے ڈرتا ہوں۔ اگر قبول کروں تو بیٹی کو کیونکر دوں۔ تمام بادشاہ مجھے کیا کہیں گے۔ بزرجمہر بولے کہ آپ تو قبول کر پھر مہر نگار جس کے بازو سے لگ کر بیٹھے گی وہ خود سمجھ لیگا۔

غرض بادشاہ نے گستہم کی بات قبول کی تب گستہم نے زوبین کو بادشاہ ہفت کشور کے پاؤں پر گرا اور نوشیرواں نے اسے گلے سے لگایا۔ تب زوبین نے کہا۔ کہ کسی کو مدائن کو روانہ کرنا چاہیئے کہ مہر نگار کو یہاں لے آئے۔ کیونکہ شہزادی یہاں آئے تو بہتر ہے۔ آخر قباد نے گستہم کو بھیجا۔ اور وہ گیا۔ جب مہر نگار نے یہ خبر سُنی تو بہت غمگین اور اسی فکر میں تھی۔ کہ یہ خبر بھی آئی۔ کہ امیر آتے ہیں۔ اور مدائن سے چار کوس پر اُترے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی قباد مدائن سے بھاگا۔ اور دوسرے وزیر امیر مدائن میں داخل ہوئے اور تمام حقیقت معلوم کی اور اپنے بخیریت آنے سے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور مہر نگار کے محل میں تشریف لے گئے۔ اور دونوں آپسمیں مل کر بیٹھے۔ فرد

دیدار یار غیب دانی چہ ذوق دارد ابرے کہ در بیابان بر تشنگان ببارد

مدائن کی طرف کی ساری حقیقت سُن کر امیر کو غصہ آیا اور اپنے لشکر کو حکم دیا کہ مدائن کو لوٹ لو اور آدمیوں کو مت مارو۔ جب پہلوانوں نے حکم کا پایا تو لوٹ مچا دی۔ قضارا عمر معدی کرب گستہم کے گھر گیا اور اس کی لڑکی پر عاشق ہوا اور اس کو بغل میں پکڑ کر اپنے خیمہ میں لایا اور کہا میں تجھکو اپنے عقد میں لاؤں گا۔ تو مجھے قبول کر۔ اس نے کہا کہ اگر تو آدمی ہوتا تو میں قبول کرتی۔ لیکن تو دیو ہے۔ میں کیونکر قبول کروں۔ غرض اس نے قبول نہ کیا۔ دوسرے روز یہ عمر بن تھیہ بختک کے گھر آیا اور اسکی بیٹی کو اپنے خیمہ میں لے گیا اور اس سے پوچھا کہ میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ یہ خبر امیر کو پہنچی کہ ہر ایک نے بموجب حکم امیر لوگوں کے گھر لوٹے اور عمر و معدی کرب نے ایسا کام کیا ہے۔ امیر نے ان دونوں کو بلایا اور کہا۔ کہ میں نے لوگوں کے گھر لوٹنے کو کہا تھا اور یہ کہا تھا کہ آدمیوں کو مت مارنا۔ پر تم نے لوگوں کی بیٹیاں پکڑ لا کر کیوں زبردستی کی؟

عمر بن عمیہ نے کہا ۔ کہ نجتک کی دختر نے مجھے رضا و رغبت سے قبول کیا ۔ لیکن گستہم کی بیٹی عمر معدی کو قبول نہیں کرتی تو میں کیا کروں ۔ امیر نے فرمایا اس لڑکی کو یہاں لے آؤ عمر معدی کرب نے کہا ۔ کہ اگر وہ لڑکی بالغہ ہے اور مجھے قبول نہیں کرتی ۔ امیر نے فرمایا بہتر ہے مار لو ۔ پھر امیر ہنسے ۔ بعد اس کے امیر نے اس لڑکی کو بلایا اور سمجھایا کہ لے لڑکی عمر معدی کرب کو کیوں قبول نہیں کرتی ؟ امیر نے فرمایا کہ وہ میرا بھائی ہے اور داہنے بازو کے رہنے والا ہے ۔ گستہم کو بھی اس کی دامادی سے شرم نہ ہوگی اور مہر نگار نے بھی عمر معدی کرب کی سفارش کی غرض گستہم کی بیٹی نے قبول کیا اور امیر نے اچھی ساعت دیکھکر ان کا عقد کیا اور عیش میں مجمع لشکر مشغول ہوا ۔

جب یہ خبر نوشیروان کو پہنچی تو نجتک نے گستہم سے کہا ۔ اے حرامزادے تیری دامادی کے لائق عمر معدی کرب ہے ۔ اور گستہم نے کہا ۔ اے نجتک تو اپنی کہہ جس کا داماد عمر بن عمیہ ہے تمام مجلس اور لشکر کے لوگ ہنسے اور یہ دونوں شرمندہ ہوئے تو بوبین نے کہا ۔ اے نجتک تو خاطر جمع رکھ کہ میں اس کا امیر سے بدلا لوں گا ۔

پینتیسویں داستان

روایت ہے ۔ کہ جب امیر جشن سے فارغ ہوئے اور معدی اور عمر عمیہ کے نکاحوں سے فراغت ہوئی اور مدائن سے کوچ اور مہر نگار کو بھی ساتھ کیا تو بادیہ خضر کی راہ لی ۔ جب دو تین منزل گئے تو یاروں نے مصلحت کی کہ ہم نے سراندیپ کو جانا ہے ۔ مہر نگار کو ساتھ لیجانے میں خطرہ ہے ۔ بہتر تو یہ ہے کہ مہر نگار کے ساتھ عمر عمیہ اور عمر بن معدی کرب کی عورتیں اور مقبل حلبی کو ان کے ہمراہ بھیجدیں ۔ یاروں نے اس صلاح کو پسند کیا ۔ مقبل تب مہر نگار کو چالیس ہزار غلام اور خوجے اور باندیاں دیکر مکہ کو روانہ کیا اور مقبل کو چالیس ہزار سوار دے کر ساتھ بھیجا اور آپ نے بھی وہاں سے کوچ فرمایا اور منزل بمنزل کوچ بہ کوچ کرتے ہوئے چلے اور کافروں کے لشکر کے نزدیک پہنچے اور عباس کو فرمایا کہ نوشیروان کو ایک خط لکھو تب عباس نے اول حمد خدا کی الخ لکھی اور بعد الخ لیت خاندان حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے یوں لکھا کہ

حمزہ بن عبدالمطلب کی طرف سے معلوم ہو کہ تو بادشاہ ظالم ہو کر عادل کہلاتا ہے۔ اور اپنا خطاب عادل معین کرتا ہے۔ بتلا کہ میں نے تیری کیا تقصیر کی ہے جو تو نے اوّل کہا۔ کہ لندھور کا سر لانے پر تجھے مہرنگار دوں گا۔ اس لیئے لندھور کو میں زندہ پکڑ کر لایا اور تیرے حوالہ کیا اور تو نے اپنی بیٹی مرزبان کو دی اور گستہم کے ہاتھ سے مجھے زہر دلوایا اور بعد اس کے مصر یونان و روم کو بھیجا اور وہاں بھی خطوط لکھ کر حیلہ و مکر کرایا۔ خدا تعالیٰ نے مجھے وہاں سے بھی خلاصی دی۔ پھر بھی تو اپنی بیٹی مغلوں کو دینے کے لیئے تیار ہے۔ بارے خدا تعالیٰ نے مجھے غیب سے پہنچایا اور مہرنگار کو مغلوں کے چنگل سے بچایا۔ تب میں نے لاچار ہو کر مکہ کو بھیجدیا ہے اور دشمنوں کی آنکھوں میں خاک ڈالدی ہے اور اب میں تیرے پاس اس لیئے آیا ہوں کہ اپنے کیئے سے پشیمانی اٹھا کر توبہ کر کے میرے ساتھ صلح کرلے اور مہرنگار اپنی رضامندی سے مجھ پر حلال کرے تو بہتر ہے۔ ورنہ کعبہ کی سوگند ہے کہ تمہارے ساتھ خلاف وعدے کے سبب اتنے کافروں کا قتل عام کروں گا۔ کہ حساب خدا کو معلوم ہو گا۔

یہ نامہ جب تمام ہوا تو عمر بن عمیہ کو دیا اور عمر لیکر روانہ ہوا اور نوشیروان کی راہ لی۔ جب نزدیک پہنچا تو ایک ٹیلے پر جا کر نظر کی۔ اور دیکھتے ہی دل میں خیال گذرا۔ کہ جب نوشیروان کے پاس جاؤں گا تو مجھے دیکھتے ہی کہیگا کہ پکڑو اس عیار کو۔ سوائے بھاگنے کے چارہ نہیں ہے۔ مگر اس لشکر میں بھاگ کر کدھر جاؤں گا؟

وہ دل میں یہ خیال کر کے پھر وہاں سے امیر کے پاس آیا اور تمام حقیقت بیان کی۔ امیر نے وہ نامہ لیا اور فرمایا۔ کہ میں یہ نامہ نوشیروان کو میدان میں دوں گا۔ امیر ابھی باتوں میں تھے۔ کہ استقفانوش آیا اور امیر نے یہ حال سنایا۔ اس نے کہا۔ کہ خدا کے نام پر اور حضور کے اقبال سے میں جاؤں گا۔ اور یہ نامہ دوں گا۔

امیر نے ہر چند منع کیا۔ لیکن اس نے نہ سنا۔ غرض امیر نے ناچار ہو کر کہا۔ کہ اچھا جاؤ اور اپنے ہتھیار میرے پاس لاؤ۔ تب وہ اپنے ہتھیار امیر کے پاس لایا۔ امیر نے جو استقفانوش کے ہتھیاروں پر جو صحیفہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ پر اترا تھا پڑھ کر پھونکا اور وہ ہتھیار دیئے اور روانہ کیا۔ اور کہا کہ تجھے خدا کو سونپا۔ تب استقفانوش سوار ہو کر چلا۔ کہ نوشیروان کے دربار میں نہیں پہنچا کہ رات ہو گئی اور رات کو لشکر میں چلنا ٹھیک نہ سمجھا۔ یہ رات پھر یہیں گذاری کہ جب صبح ہو گی تو نوشیروان کے دربار میں جاؤں گا۔ تب ایک جگہ کھڑے ہو کر دائیں بائیں دیکھا تو ایک ڈیرا نظر آیا۔ تب لوگوں سے پوچھا کہ یہ ڈیرا کس کا ہے؟ انہوں نے کہا ہرستانی کا ہے۔ اور اسے

لہراسپ بن یوس کہتے ہیں۔ استقنا نوش نے کہا۔ کہ اسے خبر دو کہ ایک پہلوان امیر حمزہ کے پاس سے پیغام نوشیروان کے پاس لیکر آیا ہے۔ سو رات ہونے کے باعث تمہارے ڈیرے میں آیا ہے۔ اگر تم رضا دو تو تمہارے ڈیرے میں رات کی رات رہ کر صبح چلا جائیگا۔ یہ خبر سن کر لہراسپ جلد باہر آیا اور استقنا نوش کا ہاتھ پکڑ کر ڈیرے میں لیگیا اور اپنے پاس بٹھلایا اور کہا سچ جان کہ میں جس روز سے امیر کی تعریف سنتا ہوں اسی روز سے حمزہ کی مردانگی اور بہادری کا عاشق بار ہوں اور پچاس ہزار سوار غرق آہن میرے ہمراہ ہیں۔ اگر نوشیروان نے دربار میں تم سے زیادتی کی تو میں اسے سمجھوں گا۔

استقنا نوش یہ بات سن کر بہت خوش ہوا اور خدا کا شکر بجالایا اور تمام رات لہراسپ کے ساتھ عیش میں رہا۔ فجر ہوئی تو وداع ہوا اور چلا جب راہ طے ہوا تو دوپہر کو نوشیروان کے دربار میں پہنچا اور نیزہ گاڑ کر گھوڑا باندھا اور دربانوں سے کہا۔ کہ نوشیروان کو خبر دو کہ ایک شخص امیر کے پاس سے آیا ہے۔ یہ سن کر دربان دوڑے اور بادشاہ کو خبر کی۔ بادشاہ نے کہا۔ آنے دو۔ تب استقنا نوش دربار کے اندر گیا۔ اور کہا سلام میرا بزرجمہر کو ہے۔ اور بزرجمہر نے کہا وعلیکم السلام اے فرزند خوش رہو۔

یہ سن بختک نے کہا۔ کہ خوش تو آیا لیکن عجب ہے کہ خوش جائے۔ بزرجمہر نے کہا اے حرامزادے کیوں خوش نہ جائیگا؟ تب نوشیروان نے کہا۔ اے یونانی جو پیغام حمزہ کا لایا ہے وہ دے۔ استقنا نوش نے امیر کا خط دیا اور اپنا ہاتھ تلوار کے قبضہ پر رکھکر جواب کا منتظر رہا اور بادشاہ خط پڑھنے میں مشغول ہوا۔ کہ بختک نے ژوبین سے کہا۔ کہ کسی سے کہو کہ پیچھے سے اگر اس یونانی کو اچانک ایسی تلوار مارے۔ کہ اس کا کام تمام ہو۔

تب ژوبین نے ایک سخت مغل کو اشارہ کیا۔ سو استقنا نوش کو تو فوراً ہی معلوم ہوگیا کہ میرے پیچھے حریف آتا ہے۔ پہلوان پھرا اور اس مغل کو ایسی تلوار ماری کہ دو ٹکڑے ہوا۔ ژوبین نے اپنے تمام لشکر کو حکم دیا۔ کہ مارو اس عرب کو۔ یہ سنتے ہی ہزار مغل نامدار تلوار کھینچکر استقنا نوش پر آگرے اور استقنا نوش نے بھی اپنے آپ کو مغلوں میں ڈالا۔ ہر چند کہ نوشیروان منع کرتا تھا۔ کہ پیغام لانے والے سے کیوں لڑتے ہو پر کسی نے نہ سنا۔

جب لہراسپ کو یہ خبر ہوئی۔ کہ استقنا نوش مغلوں سے لڑ رہا ہے۔ تو پچاس ہزار سوار سے لہراسپ ژوبین اور نوشیروان کے دربار میں استقنا نوش کی مدد کو لڑنے لگا اور استقنا نوش

کو اپنے لشکر میں پہنچایا اور مغلوں سے بچا کر اسے سلامت لیگیا۔ تب سارے مغلوں نے شرمندہ کیا۔ کہ لہراسپ استقفانوش کی حمایت کرتا ہے۔

جب یہ خبر امیر کو ہوئی کہ استقفانوش اور لہراسپ پچاس ہزار سوار سے آتے ہیں۔ تو امیر بھی پہلوانوں سمیت سوار ہوئے اور استقفانوش کو گلے لگایا اور خلعت دیا۔ پھر لہراسپ امیر کے پاؤں پر گرا امیر نے اسے بھی گلے لگایا اور خلعت دیا اور بہت مہربانی فرمائی۔ پھر دونوں اپنے اپنے ڈیرے میں اُترے اور عیش میں رہے۔ جب دوسرا دن ہوا تو نوشیروان نے نقارہ جنگ بجوا کر نوشیروان اور ژوبین میدان میں آ کر امیر کے آنے کی انتظار میں رہے۔ امیر نے بھی فرمایا کہ ہمارے نقارہ بجانے کے لئے کہدو اور آپ بھی مع پہلوانوں کے سوار ہوئے اور جب نزدیک پہنچے اور انکو خبر ہوئی کہ حمزہ آتے ہیں۔ تب ژوبین نے کہا۔ کہ امیر مجھے دکھادو۔ اتنے میں لشکر کی گرد پیدا ہوئی۔ جب گرد کم ہوئی تو اس میں عمر معدی کرب نشان لئے ہوئے پیدا ہوئے اور چونسٹھ گز کا آدمی نظر آیا۔ کہ جس کا پیٹ گھوڑے کی عیال سے آگے بڑھا ہوا تھا۔ اپنے چوالیس بھائیوں اور چار سو سواروں کے ساتھ میدان میں آیا تب ژوبین نے پوچھا۔ کہ حمزہ یہ ہے؟ بختک نے کہا۔ کہ یہ نہیں یہ معدی کرب ہے۔ یہ حمزہ کے لشکر کا بڑا سردار اور عادیوں کا بادشاہ ہے۔ اسے دیکھکر سب حیران ہوئے۔ ژوبین نے پوچھا کہ حمزہ نے اس قد کے آدمی کو کیونکر پکڑا۔ بختک نے کہا کہ ایک گرز مار نے سے۔

یہ انہی باتوں میں تھے کہ لندھور کی سواری آئی۔ کہ سات سو ہاتھی داہنی طرف اور ایک سو بیس چھتر کے سایہ میں۔ ایک سو دس گز کا اور فیل میگوشی پر سوار ہو کر آیا۔ ژوبین نے کہا۔ کہ شائد یہ حمزہ ہے۔ بختک نے کہا یہ حمزہ نہیں ہے یہ لندھور ہے۔ سرندیپ کے ہزار جزیرے کا شہزادہ ہے۔

ژوبین نے کہا۔ کہ ایسے پہلوانوں کو حمزہ نے کیونکر مسخر کیا؟ بختک نے کہا۔ کہ اسکی کمروال پکڑ کر اُٹھالیا اور سر پر پھرا کر پھرایا اور زمین پر دے مارا اور باندھا۔ ژوبین نے کہا کہ اسے گستہم حمزہ کشکینہ خوار۔ پشمینہ پوش ہے جس کے ہاتھ سے ایسے کام ہوتے ہیں اور اس کے یار و غلام اتنا تحمل رکھتے ہیں۔ بختک نے کہا کہ پھر اسے کشکینہ خوار کیوں کہتے ہو؟ گستہم نے کہا کہ امیر نے جادو سے باندھے ہیں اور تحمل بڑا ہے۔ ژوبین ہنسا اور کہا۔ آخر آدمی سے بیاہ ہے پھر کیوں ایسا بولتا ہے۔ لندھور کے بعد دوسری سواری آئی کہ سات سو چھتر کا سایہ اور مراتب کے ساتھ۔ ژوبین نے کہا۔ کہ یہ کون ہے؟ بختک نے کہا۔ کہ یہ جے پور بن شہپال چھترا بھائی لندھور کا ہے۔ بعد

از لشکر پیدا ہوا اور اس کے ساتھ بھی چھتر ہیں۔ زوبین نے کہا۔ یہ کون ہے؟ بختک نے کہا کہ شہزادہ بنگال ہیں۔ ایک کا نام اورنگ اور دوسرے کا نام گورنگ ہے اور یہ لندھور کے سالے ہیں۔ اس کے بعد بیست ہزار سوار اور چھتر کے نشان باندھے ہوئے ہیں۔ زوبین نے کہا۔ یہ کون ہیں۔ بختک نے کہا۔ کہ شہزادہ ہند ہیں اور اس کے بھائی بھی ہیں۔ اس کے بعد بیس ہزار سوار چھتر مرصع بکار پیدا ہوئے۔ زوبین نے کہا کہ یہ کون ہیں؟ بختک نے کہا۔ کہ آواز عمر کے عیاروں کی ہے وہیں عمر پیدا ہوئے اور اس کے بعد بارہ ہزار غلام زرین کلاہ زرین کمر اور گھوڑے تازی ہاتھ میں لئے ہوئے یہ لشکر پیادہ کیوں ہے؟ بختک نے کہا کہ صاحب ان کا پیادہ ہے اسلئے وہ بھی پیادہ ہوں گے۔ پس عمر بن عمیہ اور اسکی فوج کو دیکھکر ہنسے اور حیران ہوئے۔ گستہم نے کہا۔ کہ اے زوبین اگر حمزہ ہزار ہوتے تو نہ ڈرتا مگر یہ درزیک پارہ ہوتا تو کیا ہنستا ہے۔ اب معلوم ہوگا کہ اس کے بعد آواز اژدہا پیکر نشان کی آئی۔ زوبین نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بختک بولا۔ کہ آواز نشان بزرجمہر نے جادو سے بنایا ہے یہ بزور ہنسے اور بولے۔ کہ حرامزادے جادوگروں پر خدا کی لعنت ہے۔

اتنے میں مشرق مغرب کا آفتاب امیر حمزہ بن عبدالمطلب پیدا ہوا اور اس کے پیچھے تین ہزار کی رومی، ہندی، زنگی، حبشی غلام دکھائی دیئے۔ تب زوبین نے حمزہ کو نہ قد لے اتنے بڑے بڑے پہلوانوں کو تیار کیا۔ تب نقیب پکارے کہ کون مرد اب میدان کا تصور کرتا تھا۔ امیر خنگ پر سوار ہوکر میدان میں آئے اور گھوڑا قازے پر لگایا۔ اور گھوڑے کے قدموں کی خاک آسمان پر پہنچی۔ تب امیر پکارے کہ کوئی جانتا ہے تو جانے نہیں تو اب پہچانے حمزہ میں ہوں اور جس کی موت کی آرزو ہے تو میدان میں آئے۔ تب زوبین نے بختک سے کہا کہ میں نے آج تک امیر کی لڑائی نہیں دیکھی۔ اگر تمہارے پہلوانوں سے کوئی جاکر امیر سے لڑے تو میں دیکھوں کہ لڑائی میں حمزہ کا وزن ہے۔ پھر دوسرے روز امیر سے میں لڑوں گا۔ بختک نے کہا کہ گستہم سے زیادہ اور کوئی پہلوان نہیں جو حمزہ سے جنگ کرے۔ بختک نے ایران و توران کے پہلوانوں کے نام لئے اور کہا کہ اس کے مقابلہ کرنے والا نہیں ہے۔ تب گستہم نے دل میں کہا۔ کہ بہتر ہے کہ اس جنگ سے مرنا۔ غرض ضروری جان کر دل میں کہا کہ لڑائی میں زندہ پھروں گا تو بختک کو جان سے ماروں گا۔

پس گستہم میدان میں آیا۔ جب امیر کی نظر گستہم پر پڑی تو ہتھیار رکھ لئے گئے۔
تب زوبین نے نوشیروان سے پوچھا۔ کہ امیر کیوں ہتھیار رکھ لیتا ہے۔ نوشیروان نے کہا۔ کہ بغیر ہتھیاروں کے کیونکر لڑیگا۔ بادشاہ نے کہا کہ میں تعجب میں ہوں۔ دیکھوں کہ کیوں لڑتے ہیں۔ القصہ

جب امیر کو گستہم نے دیکھا وہیں تلوار کھینچکر دوڑا اور امیر پر ماری۔ امیر نے ہاتھ بڑھا کر اس کی تلوار کا قبضہ پکڑا۔ ہر چند گستہم نے زور کیا لیکن تلوار امیر کے ہاتھ سے نہ چھڑا سکا اور بہت عاجز ہوا۔ تب امیر نے ایسا زور کیا کہ ہاتھ گستہم کا کانپا اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ پس امیر نے تلوار اس سے لیکر گھوڑا دوڑایا تب گستہم نے بھی سپر سر پر لیا۔ امیر نے تلوار ایسی ماری کہ ڈھال کے دو ٹکڑے ہو کر سر پر سے اتر کر سینہ صاف کرتی ہوئی ناف پر سے گزرگاہ سے نیچے جا کر قاش زین کٹھراتی ہوئی تنگ کے نیچے کو نکل کر زمین پر پہو دیا اور گستہم مع گھوڑے چار ٹکڑے ہو کر زمین پر گرا۔

جب گستہم کے لڑکے نے باپ کا یہ حال دیکھا۔ تو وہیں اپنے لشکر کو دوڑایا۔ امیر نے بھی زرہ جلدی سے پہنی اور عمر سے کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ لشکر اپنی جگہ سے ہلے۔ میں اکیلے ہی اس سے لڑونگا تم تمام کھڑے رہ کر تماشہ دیکھو۔

یہ کہکر گستہم کے لشکر میں دھنسے اور دونوں ہاتھوں سے تلواریں مارنے لگے غرضیکہ دو دستی تلواریں ایسی مارتے تھے کہ لشکر کو زیر و زبر کئے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جہاں گستہم کا بیٹا کھڑا تھا اپنے آپکو وہاں پہنچایا اور اُبھر کر ایسی تلوار ماری کہ اس کا سر گیند کی طرح سو قدم کے فاصلے پر دور جا پڑا۔ اس کے بعد گستہم کا دوسرا بیٹا فارن نامی جہاں تھا امیر وہاں بھی پہنچے اور تلوار مار کر اس کو بھی مع گھوڑے کے چار ٹکڑے کر گئے۔ جب اس کے لشکر نے یہ حال دیکھا تب تو بے تامل بھاگنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ میدان میں ایک بھی نہ رہا اور امیر میدان میں کھڑے رہے۔ ژوبین کا تمام لشکر اور مقبل یہ دیکھکر حیران تھے۔ جب ژوبین نے نوشیرواں سے کہا کہ آج کے دن طبل بازگشت بجوانا اور کل سویرے پھر آ کر لڑنا بہتر ہے کیونکہ اب امیر بہت لڑ چکا ہے۔ اگر اب میں اس سے لڑوں تو امیر اور تمام لوگ کہیں گے کہ وہ لڑتے لڑتے سست ہو گیا تھا۔ تھکے ہوئے سے لڑنا کوئی بہادری نہیں۔

غرض طبل بازگشت بجوا کر دونوں لشکر اپنے اپنے مقام پر اترے۔ جب بادشاہ روز و شب نے خواب سے سر اٹھایا یعنی آفتاب خوش رنگ نے رات کو سیاہ نہنگ سے آسمان کے دریائے سبز رنگ میں سر نکال کر تمام ظلمت کو منور کیا تو پہلوانوں نے قبائیں درست کیں اور چار آئینہ پارچہ صفائی کے آراستہ کئے اور دوالوں سے کمر کو مضبوط باندھا۔ اور لڑائی کا نقارہ بجایا اور دونوں لشکر میدان میں آئے اور مست ہاتھی کی طرح ٹکرانے لگے۔ تب امیر کے چالیس سواروں نے جا کر امیر کو دعائے جان و دل زبانی بہادری کی دی۔

بادشاہ با بارگاہ ہست از فلک پیروز باد
داد عدالت در سرائے آخرت محمود باد

اے فریدوں ہمت و رستم دل جمشید فر تیغ تو برق و دشمن ناصر و محمور باد

شہریار عالم کی عمر دراز فوجوں نے آراستہ ہو کر صفیں باندھیں اور نقیب پکار رہے ہیں کہ کون مرد ہے جو میدان میں آئے اور اپنے باپ دادا کا نام روشن کرے حمزہ کے نمک کا حق ادا کرے۔

اتنے میں شاہ مردان و مرد میدان و تاج بخش سلطان و حلقہ فگن گوش گردن کشان عم رسول آخر زماں یعنی امیر کشور گیر جہاں ستان نے اپنے بدن پر اصلاح آراستہ کئے اور خنگ ہتھر اسحاق پر سوار ہوئے اور تمام دست چپ راست کا مجرا لیتے ہوئے چالیس قدم سرداری کے بڑھ کر کھڑے ہوئے تھے۔ کہ زوبین کے لشکر سے تیس گز قد کا ایک سوار دو سو من کا گرز اٹھائے ہوئے آیا اور امیر کے سامنے کھڑا ہوا۔ امیر نے پوچھا کہ اے جوان تیرا نام کیا ہے؟ تاکہ بے نام و نشان نہ مارا جائے اس نے کہا کہ مجھے مرد افگن زابلی بولتے ہیں۔ اے حمزہ اگر تو ہزار جان بھی رکھتا ہے تو ایک بھی سلامت نہ بچا سکیگا۔ امیر نے کہا کہ مردانہ ہو اور جو ضرب رکھتا ہے لا۔

بیت

بیا تا چہ داری ز مردی نشان گمان کیانی ز گرز گران

غرض افگن زابلی یا کنہ گرز لے گیا اور اسے اٹھا کر سر سے بلند کیا اور امیر نے سپر اوپر کر کے جناب کبریا میں دعا کی کہ تیرے سوا اس گرز سے پناہ نہیں اور یہ سپر صرف ظاہری کیلئے اٹھائی ہے۔ غرض مرد افگن نے امیر کے سر پر ایسا گرز مارا کہ اسکی آواز تمام بیابان میں پہنچی اور شعلہ آتش فشاں کی طرح آسمان تک بلند ہوا۔ غرض اس کا یہ حملہ رد کیا۔ جب مرد افگن زابلی پھرا اور امیر کو اژدہا کی طرح خشمناک دیکھا تو کہا کہ اے امیر آفرین ہے تیری ماں پر جس نے تجھے دودھ پلایا۔ کہ میرا ایسا حملہ رد کیا۔ تب امیر نے کہا۔ بیت

تو ضرب زدی ضرب ما نوش کن غم دین و دنیا فراموش کن

جب امیر کی نوبت آئی تو ایک ہزار من کا گرز ایسا مارا کہ اس کے گھوڑے کی کمر ٹوٹ گئی اور مرد افگن زمین پر گرا۔ اور خنگ کو مارنا چاہا کہ امیر نے جلدی اتر کر گھوڑے کی پشت پیچھے کر کے اپنا گرز مرد افگن کے سر پر ایسا مارا کہ اس کے بدن سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ غرض امیر نے اس سے دوپہر تک لڑائی کی آخر امیر نے فرمایا کہ اب میں نعرہ کرتا ہوں۔ تب مرد افگن نے کہا کہ میں شیر خوار بچہ نہیں ہوں جو تیرے نعرے سے ڈر دوں گا۔ عمر بن حمید نے نعرے کا اشارہ ادا کیا۔ اس وقت امیر کے سواروں

نے موزوں سے روئی نکال کر گھوڑوں کے کانوں میں رکھی تب امیر نے نعرہ کیا اور مرد افگن کو زمین سے اُٹھایا اور سر پر لیجا کر پھرایا اور زمین پر مارا۔ تب عمر نے اُس کو محکم باندھا اور لشکر میں لے آیا اور کئی ہزار گھوڑے جنہوں نے سواروں کو گرایا اور جنگل کی راہ لی تھی عمر کے ہمراہی یاروں نے سب کو پکڑا اور اپنے لشکر میں پہنچایا۔ امیر کے نعرے نے کئی آدمیوں کو بے ہوش کر دیا۔ بعدہ طبل بازگشت بجایا اور دونوں لشکر اپنے مقاموں پر اُترے۔ تب امیر نے مجلس آرائی کا حکم دیا اور بموجب حکم کے ساقیان سیمین ساق اور مطربان خوش آواز حاضر ہوئے اور مجلس میں دور چلنے لگا۔ اس وقت مرد افگن کو امیر نے طلب کیا جب وہ حاضر ہوا تو امیر نے فرمایا میں نے تجھے کس طرح زیر کیا؟ کہا جس طرح مرد مردوں کو اور شیر شیروں کو زیر کرتے ہیں ویسا ہی تم نے زیر کیا۔

تب امیر نے فرمایا کہ اب ایمان لا۔ کہا ہم سات بھائی ہیں ہم کوئی کام بغیر اتفاق رائے کے نہیں کرتے۔ پس وہ جب تک تجھ سے نہ لڑیں تب تک موقوف اور معذور رکھو۔ تب امیر نے فرمایا کہ اسے قید رکھو القصہ جب صبح ہوئی تب دونوں لشکر تیار ہوئے اور نقارہ بجا کر میدان میں آئے۔ اور مردان عالم تیار ہوئے اور نام دیکھا کرنے لگے۔ پس ایک لشکر تو خدا پرست تھا دوسرا لات منات کا۔ غرض دونوں لشکر مقابل کھڑے ہوئے۔ تب حمزہ میدان میں آیا اور امیر پر حملہ کیا۔ امیر نے حملہ روکا اور ہاتھ دراز کر کے اس کا کمر بند پکڑ کر گھوڑے پر سے اُٹھایا اور سر سے بلند کر کے پھرایا اور زمین پر دے مارا۔ عمر نے دوڑ کر اسے باندھا اور لشکر میں لائے۔

راوی کی حکایت ہے۔ کہ امیر حمزہ اس روز چھ برادر شیر افگن زابلی باندھے تب امیر نے پہلوانی کی کرسی پر بیٹھ کر ساتوں بھائیوں کو بلایا اور معافی منگوائی۔ امیر نے ان کے بند کھلوائے اور خلعت سے سرفراز فرمایا اور کرسیاں عنایت فرمائیں اور عمر نے حلقہ غلامی کا نشان ڈال دیا اس کے بعد مرد افگن زابلی کے ہمراہ جو سات ہزار سوار تھے بموجب حکم اپنے خاوند کے ثروبین کو لیکر لشکر طرف میں آئے اور جب صبح ہوئی تو دونوں لشکروں نے لڑائی کے نقارے بجائے اور تیار ہوئے اور میدان میں صف آرائی ہوئی۔ تب امیر نے اپنے گھوڑے کو جولان کیا اور پکارے اگر کسی کو آرزوئے جہنم کی سیر کی ہے تو میدان میں میرے سامنے آئے۔ تب ثروبین نے کہا۔ کہ حمزہ کے مقابل میں جاتا ہوں اگر وہ غالب ہوا تو میں اشارہ کروں گا تب تم سب امیر پر یکبارگی حملہ کرنا۔

ثروبین یہ کہہ کر میدان میں آیا۔ اور حمزہ کے مقابل آکر کھڑا ہوا۔ امیر نے فرمایا۔ کہ خوش آمدی۔ تب ثروبین نے گھوڑا دوڑا کر اپنے گرز کی ایک ضرب امیر کے سر پر ماری۔ امیر نے اس کا

حملہ ردکیا۔ فرمایا دو حملے اور بھی تجھے دیئے بیفکر مار۔ تب زروبین نے دو گرز بقوت تمام مارے۔ جنگ مہتر اسحاق چلایا اور امیر کی ڈھال میں سے آگ کے شعلے نکل کر آسمان پر گئے۔ جب امیر کی باری آئی تب امیر نے گیارہ سو من کا گرز زروبین کے سر پر مارا۔ کہ زروبین کی کمر ٹوٹ گئی اور زمین پر گرا جب چولداروں نے دوڑ کر اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے اور دوسرا گھوڑا لاکر اسے سوار کیا۔ زروبین نے سوار ہو کر اپنے لشکر کو اشارہ کیا۔ تب تمام کافروں نے امیر پر یکبارگی گھوڑے اٹھائے اور امیر نے بھی اس لشکر بیحد میں گھوڑا ڈال دیا۔ اور دشمنوں کے سر پر حملے شروع کیے۔ بس ان کے سر مانند گوئے غلطاں اور تن مثل ہیکلوں کے تھے اس وقت دو کی تلواریں آپس میں مارتے تھے۔ کہ مریخ فلک ڈر کر آسمان میں چھپ رہا اور خون کی ندیاں جاری تھیں۔ اور سر حباب کی مانند اس میں تیرتے۔

امیر نے اس وقت عمر سے فرمایا کہ تم میری پشت پر نگہبان رہو اور ہمارے لشکر میں لوگ تم اس بیحد لشکر میں آکر مارے نہ جاؤ اور ایک بلندی پر کھڑے ہو کر تماشہ دیکھو۔ اور پہلوانوں کو کہو۔ کہ مردوں کی مانند لڑو اور جو زخمی ہوں زیر نشان جائیں۔

تب عمر نے کہا۔ یہ لشکر بڑا ہے اور تمام پہلوان جدا جدا ہو گئے۔ آپکی زندگی کی خبر کیونکر ہوگی۔ تب امیر نے فرمایا۔ میں صبح و شام نعرہ کروں گا۔ غرضیکہ عمر بن عمیہ نے تمام لشکر کو بڑی دانائی سے جمع کیا اور تمام لشکر ایک جگہ ٹھکانے لیجا کر کھڑا کیا اور آپ حمزہ کے پیچھے ہو کر رفت کے شیشے سے کافروں کو جلا کر جہنم میں پہنچاتے چلے جاتے تھے۔ امیر بارہ روز تک شب و روز بدستور جنگ کرتے رہے لیکن بیخور و خواب تھے اور کانپتے اور لشکر میں جا کر کھا کر تازہ ہو آتے تھے اور باری باری فوج لاتے تھے اور زروبین بختک بھی مع لشکر بھاگتے اور پھر تازہ ہو کر لشکر لے آتے۔ مگر امیر نے اس قدر مارے تھے کہ ان کا حساب سوائے خدا کے کسی دوسرے کو معلوم نہ تھا۔

جب امیر ان کے نشان تک پہنچا تو زروبین بیدین کی نظر امیر پر پڑی اور دیکھا کہ حمزہ کی پگڑی گلے میں پڑی ہے اور منہ سے کف جاری ہے۔ یہاں تک کہ زین کا تمام ہرنہ سفید ہو رہا ہے اور اپنی خبر نہیں رکھتے۔ اور دونوں ہاتھوں سے تلواریں مارتے ہیں۔ راوی لکھتا ہے کہ امیر بے خبر ہوتے تو منہ سے کف جاری رہتا اور سر برہنہ رہتا اور مانند دیوانوں کے تلواریں مارتے۔ زروبین نے بختک سے کہا کہ حمزہ کو پیچھے سے مارنا چاہیئے۔ بختک نے کہا کہ اس کی پیٹھ سے عمر جدا ہو تو البتہ مر سکیگا۔ زروبین نے لشکر سے کہا۔ کہ کسی طرح امیر کو پیٹھ سے جدا کرو۔ تب بہت سے کافر عمر پر گرے اور عمر کو حمزہ سے جدا کیا۔ تب زروبین نے دغا سے نامردوں کی طرح پیچھے سے ہو کر امیر کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ چار انگشت

کے برابر زخم ہوا ۔ پھر حمزہ ہوش میں آئے اور دشمن کو مارنا چاہتے تھے کہ وہ نامرد بھاگ گیا اور اپنے لشکر میں جا گھسا اور تمام چھوٹے بڑے سے کہا کہ میں نے ایسی تلوار ماری کہ حلق تک اتر گئی اور تمام لشکر میں مشہور ہو گیا۔ اور عربوں نے یہ خبر سن کر دلاوری سے جنگ کی اور بہت متفکر ہوئے ۔ اور ادھر امیر کے زخم سے خون جاری ہوا اور آنکھوں میں اندھیرا آیا ۔ اس وقت امیر نے اپنے دونوں بازو گلے میں ڈال دیئے اور گھوڑے سے لپٹ کر فرمایا کہ اے خنک مجھ کو مکہ پہنچا ۔

بس یہ فرما کر بے ہوش ہو گئے ۔ اور خنک نے جانا کہ حمزہ جنگ سے بیکار ہے تب اس نے مکہ مکرمہ کی راہ لی ۔ اور جو کافر پیچھے لگے تھے خنک نے جانا کہ مجھے پکڑنے آتے ہیں تب لاتوں اور ٹاپوں سے مارتا ہوا ۔ اور کسی کو منہ سے کاٹتا ہوا ۔ غرض کہ اسی طرح وہ اس لشکر بے شمار سے باہر آیا اور مکہ مکرمہ کو روانہ ہوا اور صبح ہوتے ہی مکہ میں پہنچا اور تمام شہر مکہ میں شور پڑا ۔ پس امیر کو چارپائی پر لٹایا اور لشکر میں جب امیر کے نعرے کی آواز نہ آئی تو عمر اور تمام لوگ متفکر ہو کر تلاش کرنے لگے ۔

تب عمر خنک کے پاؤں پہچانتا ہوا مکہ کی طرف روانہ ہوا ۔ ہنوز امیر کو پلنگ پر لٹایا نہیں گیا تھا ۔ کہ عمر نے پہنچ کر اور استرہ نکال کر زخم کے گرد کے بال مونڈے اور مرہم کی بتی بنا کر چڑھا دی اور مقبل حلبی کو کہا کہ جلدی امیر کے ہتھیار لگا کر خنک پر سوار ہو کر میرے ہمراہ چل ۔ مقبل عمر کا حکم بجا لایا ۔ اور دونوں کافروں کی طرف چلے اور پہنچ کر عمر نے فرمایا کہ مارو ان کافروں کو ۔ تب کافر مقبل کو بجائے امیر کے تازہ دیکھ کر حمزہ تصور کر کے بولے کہ امیر تو جانتے تھے کہ مارے گئے یہ تو پھر تازہ ہو کر آیا ہے ۔ اور یہ کہہ کر بھاگنا شروع کیا ۔

اس وقت بختک سگ ناپاک نے کہا کہ حمزہ تو مرا ہے اور یہ مقبل حلبی ہے ۔ مت بھاگو ۔ تمام کافر پھر ایک جگہ جمع ہوئے ۔ اور امیر کے لشکر کا دنبالہ کیا ۔ آخر امیر کا تمام لشکر مکہ مکرمہ کو روانہ ہوا ۔ عرب کے جوان امیر کے واسطے سینہ سے آہ سرد پر درد نکالتے تھے ۔ تب عمر بن عمیہ نے کہا کہ سب خاطر جمع رکھو کہ امیر صحت و تندرستی سے ہیں ۔ مگر تم تمام اتفاق سے جنگ کرو ۔ اور دیکھو خداوند کریم کیا کرتا ہے ؟ غرض تمام لشکر دلیری سے جنگ کرنے لگا اور مقبل بطور امیر کے سب سے آگے تھا ۔ جب ایک گھڑی رات گذری اور بہت کافر مارے گئے تب آپس میں کہنے لگے کہ بختک ہمارا دشمن ہے وہ ہم تمام کو مروانا چاہتا ہے ۔

یہ کہہ کر تمام بھاگنے لگے ۔ تب ژوبین بیدین بیدین مانع ہوا ۔ لیکن وہ نہ ٹھہرے بلکہ تلواریں لیکر ژوبین پر دوڑے ۔ مگر ژوبین نے دم نہ مارا اور نقارہ آسائش کا بجوا کر اترے ۔ اس کے بعد

چودہویں رات کو امیر کا لشکر مع شریف کے قلعہ میں آیا اور دروازے مستحکم کر کے خندقیں پانی سے بھر دیں اور بہادر قلعہ پر جڑھ گئے۔

دوسرے دن کافروں کے لشکر نے بھی آ کر قلعہ کو گھیرا اور مورچے لگا دیئے۔ اور قلعہ کے مورچوں پر تیر چلانے شروع کئے مگر کافر قلعہ کی دیواریں نہ توڑ سکے اور ادھر امیر سات دن تک بیہوش رہے اور آٹھویں روز آنکھیں کھولیں اور مہر نگار کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ مجھے کیا ہوا تھا؟ یہ سن کر مہر نگار نے تمام حال حقیقت عرض کی۔ امیر نے کہا کہ کھانا جلد لاؤ۔ کیونکہ اس وقت مجھے نہایت بھوک لگی ہوئی ہے۔ جبکہ غلہ لشکر میں داخل ہوا تھا مہر نگار نے تمام لشکریوں کو بانٹ دیا اور مودی خانہ میں ایک دانہ تک نہ تھا۔ ہر چند کہ شہر میں ڈھونڈا پر مطلق نہ پایا اور تمام کافر قلعہ کو گھیرے ہوئے تھے اس وجہ سے رسد بھی نہ آسکی تھی۔

پس مہر نگار امیر کے کھانا نہ ملنے اور غلہ نہ ہونے سے نہایت شرمندہ ہوئی اور امیر سے عرض کی کہ صبر کرو۔ القصہ جب رات ہوئی تو مہر نگار نے دل میں سوچا کہ امیر کھانا مانگیں اور حیف ہے کہ میسر نہ ہو۔ تب ایک مردانہ جوڑا پہن کر اور تیر کمان تیغ و سپر لگا کر جیسی دروازے پر معدی کرب تھا وہاں جا کر کہا۔ کہ میں تیغ تیار ہوں۔ دروازہ کھول دو کہ میں کافروں کے لشکر میں جا کر کھانا لا کر تمکو دیتا ہوں۔ جب عمر معدی کرب نے کھانے کا نام سنا تو خوش ہو کر دروازہ کھول دیا۔ تب مہر نگار زوبین کے باورچی خانہ میں گئی اور کتنی دیگیں اچھے اچھے کھانے کی اٹھائیں اور تمام کو باندھ کر پیٹھ پر رکھ کر قلعہ کی راہ لی۔ چلتے چلتے ایک پاؤں میں ٹھوکر لگی اور گرتے ہی پشتارے سمیت وہ زمین پر گری اور شور ہوا۔ کہ چور آیا۔ زوبین نے حکم دیا کہ جس وقت شور چور کا ہوا تمام لشکر میں مشعلیں لگا دیں جب یہ مشہور حکم تمام کافر جمع ہوئے اور سمجھے کہ یہ عمر عیار ہے۔ اگر ہم نزدیک جائیں گے تو قیامت آئیگی اس خوف کے مارے کوئی نزدیک نہ جاسکا۔

ادھر مہر نگار بھی تیر چلے میں لگائے ہوئے اور ڈھال سامنے رکھے ہوئے کھڑی تھی۔ پھر زوبین نے کہا۔ کوئی عمر کو پکڑے گا میں اپنی بہن اس کے نکاح میں دوں گا۔ باوجود اس بات کے اس کے نزدیک کوئی نہ آیا۔ قضارا اس رات کو عمر بھی باہر آیا ہوا تھا۔ جب یہ شور سنا تو کہا۔ کہا اللہ یہ کون ہے۔ جو میرے نام سے چوری کو آیا ہے۔ تب عمر نزدیک آیا اور خوب طرح دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ مہر نگار ہے تب حیرت کی انگشت دانتوں میں دی۔ پگڑی لگا کر اپنی صورت بدل کر ایک نرالی شکل بنا کر زوبین کے پاس آیا تو کہا۔ اے زوبین اگر عمر کو میں پکڑ دوں تو مجھے کیا دیگا۔ زوبین نے کہا۔ کہ اپنی

بہن تیرے نکاح میں دوں گا۔ عمر نے خوش ہو کر تسلیم کی اور مہر نگار کی طرف آیا۔ مہر نگار نے تیر مارا۔ عمر نے اسے خطا کیا۔ جب مہر نگار نے بغور دیکھا تو کہا۔ کہ یہ عمر ہے اور چور کون ہے جو آیا ہے۔ خلیل جلانے کیا ماجرا ہے یہ ان باتوں میں تھی کہ عمر نزدیک آیا اور مہر نگار سے عربی زبان میں کہا کہ میں عمر ہوں۔ تم یہاں کھڑی رہو تو میں تمکو اپنی گردن پر سوار کروں گا اور تمکو لیجاؤں گا۔

جب مہر نگار نے معلوم کیا۔ کہ یہ عمر ہے تب وہاں کھڑی رہی اور عمر بن عمیہ اسی وقت آئے اور اپنے کاندھے پر مہر نگار کو بٹھایا اور پکارا کہ کوئی جانتا ہے تو جانے نہیں تو خبردار ہو کہ امیر المومنین نے آنکھیں کھولی ہیں اور کھانا مانگا ہے۔ بلکہ مہر نگار سے طلب کیا تھا۔ جب مہر نگار نے کھانا تلاش کیا اور وہاں نہ پایا تب کھانے کی تلاش میں وہ یہاں آئی سو خدا نے سب کو اندھا کیا اور مجھے جلدی یہاں پہنچایا۔ اب میں اسے لئے جاتا ہوں۔ اگر تم میں کوئی مرد ہے تو میرے ہاتھ سے لیوے۔

پس یہ کہکر عمر تاریکی کی طرح اڑا۔ جب ژوبین نے یہ سنا تو اپنا تاج زمین پر دے مارا۔ اور کہا۔ کہ افسوس و ہزار افسوس۔ جس کے واسطے اتنی خونریزی ہوئی سو وہ آپ ہی آئی ولیکن بخت یاری نہ کی۔ نوشیرواں نے جب یہ سنا تو شکر ادا کیا اور عمر بن عمیہ کو بہت آفرین کی۔ جب دروازے پر پہنچا تو مہر نگار سے پوچھا کہ تم کس دروازے سے باہر آئی ہو؟ مہر نگار نے کہا کہ معدی کرب کے دروازے سے۔ عمر بن عمیہ بھی اسی دروازے پر گیا اور پکارا کہ معدی کرب کے واسطے کھانا لایا ہوں۔ جب کھانے کا نام سنا تب جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ تب عمر بن عمیہ مہر نگار کو لیکر قلعہ میں گیا۔ اور عمر معدی کرب سے پوچھا کہ تم اسے پہچانتے ہو یا نہیں۔ اس نے کہا پہچانتا ہوں کہ فتح عیار ہے۔ تب عمر نے ایک گھونسا معدی کرب کی گردن پر مارا۔ اور کہا۔ اے پیٹ کے کتے یہ فتح عیار نہیں ہے یہ مہر نگار ہے کہ امیر کے واسطے کھانا لینے کو گئی تھی اور اپنی جان فدا کرنیکا قصد کیا تھا اور اپنے آپکو مثل پروانہ عاشق شمع پر فدا ہونے گئی تھی۔ اس دامن اوڑھنے والی کی ہمت کو دیکھو کہ اپنے آپ کو دشمن کے بیچ میں لیگئی اور جان کی کچھ پرواہ نہ کی۔ قادر کریم نے اسکی وفا کے سبب اسے دشمنوں سے بچایا۔

جب معدی کرب نے مہر نگار کا نام سنا تب افسوس کا ہاتھ ماتھے پر مارا اور عمر کے قدموں پر گرا۔ اور کہا کہ امیر سے یہ ظاہر نہ کرنا کہ مہر نگار عمر معدی کرب کے دروازے سے گئی تھی۔ غرض عمر بن عمیہ نے مہر نگار کو تھوڑا کھانا دیکر اندر روانہ کیا اور آپ پھر ژوبین کے مطبخ میں گیا اور خاصہ لنجینیں اور خوب طرح کا کھانا نکال کر معدی کرب کے حوالے کیا۔ اور کہا۔ کہ اسے حفاظت سے رکھو۔ میں پھر آکر تقسیم کرتا ہوں۔

عمر معدی کرب نے قبول کیا اور تمام دیگیں رکھیں اور منتظر عمر کا رہا۔ کہ عمر پھر اور کئی دیگیں اٹھا لایا اور دیکھتا کیا ہے کہ اول کی لائی ہوئی دیگیں عمر معدی کرب کے گڑھے کے پیٹ میں جا پڑیں۔ عمر نے اپنی محنت پر افسوس اور معدی کرب کے پیٹ پر لعنت کر کے کہا۔ کہ اے بڑے پیٹ کے اتنی دیگیں کیا کیں۔ وہ بولا۔ کہ اس میں سے تھوڑا سا گوشت میں نے کھا کر دیکھا تھا۔ کہ نمک درست ہے یا نہیں؟ عمر بن عمیہ بولے پھر اب کیسے نہ کھا جاتا۔

پس یہ کہہ کر عمر تو پھر لشکر زوبین میں گیا اور عمر معدی کرب نے دل میں کہا۔ زوبین کے باورچی خانے میں بہت سا کھانا ہوگا۔ پس بہر صورت اسے خرچ میں لانا خوب ہے۔ یہ کہہ کر وہ دیگیں بھی تمام کی تمام پیٹ کے ایک کونے میں چھپائیں۔ جب عمر نے آ کر دیکھا تو دوبارہ کی لائی ہوئی دیگیں بھی خالی پڑی ہیں۔ اور ان میں نشان ایک گری کا بھی نہیں۔ تب عمر بن عمیہ معدی کرب پر بہت ناراض ہوا۔ تب عمر معدی کرب نے کہا۔ کہ ایسا کھانا کھانے سے پیٹ کیونکر بھرے۔ ابھی تو ناشتہ کیا ہے اب جا کر غلہ لا کر اسے پکا کر شکم پر کروں گا۔

عمر عمیہ اور معدی کرب زوبین کی جائے دربار میں آئے اور اس کے خیمہ میں جا کر بیٹھے دارو بیہوشی اسکی ناک میں رکھی۔ جب اس نے اوپر کو دم کھینچا اور دوائے بیہوشی اسکی ناک سے دماغ میں چڑھ گئی اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ عمر نے اسے بچھونے میں باندھا اور اٹھا کر معدی کرب کے حوالے کیا۔ اور دوسری مرتبہ بدستور نوشیرواں کو باندھا۔ اور تیسری مرتبہ بختک کو باندھا اور معدی کرب اسے لیے گیا۔ جب فجر ہوئی تو تینوں کو امیر کے حضور میں لے گیا۔ امیر نے فرمایا۔ کہ اے چور مکار ان کو کس لئے لایا ہے؟ عمر بولا کہ انکو جان سے مارتا ہوں تا کہ شر مٹ جائے۔ تب امیر حمزہ نے فرمایا۔ کہ مارنا مناسب نہیں ہے کیونکہ جوانمرد لیں گے۔ کہ امیر بڑا نامرد ہے۔ کہ عیار کو کہہ کر فریب سے بادشاہوں اور پہلوانوں کو مارتا ہے۔ اس طرح نام بدنام ہو جائیگا۔

یہ سن کر عمر بن عمیہ بولے جان سے نہ ماروں گا تو مکہ میں لا کر قید اور لاٹھیاں مارونگا پس مہر نگار نے کہلا بھیجا ہے۔ کہ نوشیرواں کو مت تصدیع دو۔ امیر نے بھی منع کیا۔ کہ تم نوشیرواں کو رنج مت دو صد تحسین و ہزار آفرین حمزہ کے رحم اور اخلاق پر کہ وہ سنگدل بادشاہ دشمنی کرتا رہا تو بھی امیر نے اس پر رحم کیا۔ عمر عمیہ نے ان تینوں کافروں کو امیر کے حضور میں پیش کیا۔ یہ مرد ملاعنہ قید کے کافروں کا مرغ روح قید قفس سے اڑنا چاہتا تھا اس وقت مہربانی کی دیکھ کر اور اپنے آپ کو مقید پا کر متحیر اور متعجب ہوئے۔ پھر عمر بن عمیہ بولے۔ کہ ان تینوں کو قلعہ کے دروازے پر لیجاتا ہوں۔ تو

امیر حمزہ نے پوچھا کہ وہاں جاکر کیا کرے گا۔ تو عمر نے کہا ان کو سولی چڑھاؤں گا۔ ادھر کے لشکر میں شور پڑا کہ شاہ معہ وزیر زروبین گم ہوا۔ سب کافر پریشان تھے۔ کہ کیا ہوا؟ یہاں زروبین نے کہا۔ کہ اے عمر تو آج مجھے چھوڑ دے۔ قسم ہے لات و منات کی۔ کہ پھر صبح کو یہاں پانی نہ پیوں گا۔ نوشیرواں اور بختک نے بھی آزار کیا۔ تو عمر نے کہا کہ اگر میں تمہیں چھوڑ دوں تو تم مجھے کیا دوگے؟ وہ بولے۔ کہ تم جو چاہو سو لو۔ عمر نے کہا کہ اگر ہر ایک آدمی ہزار اونٹ غلے کا نے اور ہزار نعمتوں کے اور چار چار ہزار دینار دے تو چھوڑ دوں گا۔

غرض تینوں نے لشکر میں کہلا بھیجا اور تمام اسباب جلد منگا دیا۔ اس کے بعد زروبین کو کھڑا کر کے دو سو لکڑیاں ماریں۔ اور بختک کو تین سو لکڑیاں ماریں اور آدھی ڈاڑھی اور ایک مونچھ مونڈ کر اور سروں کے پیچھے کاٹ کر چھوڑ دیا۔ جب یہ کافر اپنے لشکر میں آئے۔ تو جو کوئی ان کو دیکھتا ہنستے ہنستے بے ہوش ہو جاتا۔ تو زروبین نے کہا۔ کہ بختک اب میں جاتا ہوں کیونکہ ایک مرتبہ تو عمر نے زندہ چھوڑ دیا ہے۔ اگر پھر دوسری مرتبہ لے جائیگا تو زندہ رہنا محال ہوگا۔ بختک نے کہا۔ تو بے فکر رہ حمزہ جان سے ہرگز نہ مارے گا۔

یہ سن کر زروبین نے کہا۔ کہ اگر ایسا ہے تو پھر ہر لشکر کو ساتھ لائے بغیر نہ جاؤں گا۔

القصہ جب غلہ مکہ معظمہ کے قلعہ میں آیا تب امیر کا لشکر بیفکر ہوا۔ اور امیر کا بدن دن بدن اچھا ہوتا گیا پس ہر روز کعبہ میں جاکر عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

۳۶

چھتیسویں داستان

راویان روایت کرتے ہیں۔ کہ کوہ قاف میں ایک شہر سونے کا شہرستان زرین کے نام سے مشہور ہے۔ اور وہاں کی بادشاہی اسما نام کی ایک پری کرتی تھی جس کے ماتحت میں نوے ہزار پریاں تھیں اور کوہ قاف کے اطراف میں عفریت نام ایک دیو بادشاہی کرتا تھا۔ ایک روز اس کو خیال ہوا۔ کہ میں شہرستان زرین پریوں کو کیوں چھوڑوں۔ بنا بریں اس خیال سے مجھ نو ہزار دیوؤں کے چڑھ آیا۔ اور پریوں سے جنگ کرنے لگا۔ اور وہ پریاں دیوؤں کی بدی سے لڑنے کی طاقت نہ لا سکیں اور شہر کو اس پر چھوڑ دیا اور نہایت حیران اور پریشان حالت میں تھیں

اس اسما نام پری کا سلاسل نام وزیر علم رمل نجوم بےمثل تھا۔ اسما پری نے کہا۔ کہ رمل دیکھکر بتا کہ ہماری دولت اور ملک ہمکو ملے گا یا نہیں؟ وزیر نے اس بات کا قرعہ ڈالا اور غور و خوض کر کے دیکھا اور کہا البتہ ضرور ملے گا۔ اسما پری نے کہا۔ کہ کس طرح؟

وزیر بولا۔ کہ آدمی کیطرف سے ہماری دولت ہمکو ملے گی۔ اسما پری نے پوچھا کہ وہ کون ہے؟ تب وزیر نے حقیقت بیان کی۔ کہ شاہ پریوں کے یہاں ایک فرزند پیدا ہوا ہے جس کا نام رعد شاطر رکھا ہے اس وقت شاہ پریوں نے کہا۔ کہ میرے فرزند کے مقابل دنیا میں کوئی بچہ نہ ہوگا۔ تب میں نے کہا۔ کہ جس وقت آپکے گھر فرزند پیدا ہوا۔ تو اسی روز ایک عرب کے گھر میں ایک لڑکا ہوا جو ایسا خوبصورت ہے کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ شاہ پریوں نے فرمایا کہ وہ فرزند ہمیں دکھا۔ تب میں نے رعد شاطر کو ہمراہ لیا اور عرب کو گیا اور اس بچہ کو گہوارہ میں سوتا پایا۔ تب شاہ پریوں نے اپنے فرزند کو گہوارہ میں سُلا کر اس بچہ کو گود میں لیا اور دیکھا اور فرمایا کہ سچ ہے۔ یہ بچہ بھی فرزند سے اچھا ہے۔ تب وہ رونے لگا۔ کہ شاہ پریوں نے اُسے آپ دودھ پلایا۔ پھر شاہ پریوں کا فرزند رونے لگا تب امیر کی والدہ نے اُسے دودھ پلایا۔ پھر میں مع شاہ پریوں اور رعد شاطر کے چلے۔ اب وہ بچہ آدمیوں میں بڑا پہلوان ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اب اس کا ثانی دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ اگر وہ یہاں آئے تو ہمارا مُلک ہمکو دلائے گا۔ اور ان کی موت عنقریب ہی خدا نے اس کے ہاتھ سے لکھی ہے۔

یہ سُن اسما پری نے کہا۔ کہ وہ یہاں کیونکر آسکتا ہے؟ تب سلاسل نے کہا۔ کہ اس کا لانا میرے ذمہ ہے۔ لہذا اس کے رعد شاطر اور چند پریوں کو مع نامہ و تحفہ کے اپنے ہمراہ لیکر وزیر مکہ کو گیا۔ اس وقت امیر بیت اللہ شریف میں عبادت کر رہے تھے تب تمام پریاں آداب بجا لائیں اور وہ تحفہ روبرو امیر کے رکھدیا اور غائب ہوگئیں۔ امیر یہ تماشہ دیکھکر متعجب ہوئے اور عمر کو بلا کر فرمایا۔ کہ یہ میوہ تقسیم کرو۔ حضرت حمزہ نے پریوں کو دیکھا تب پریاں پھر آئیں تو ان کو سوگند حضرت سلیمان کی دی تب پریوں نے ظاہر ہو کر اپنا حال بیان کیا۔ دوسرے روز موافق معمول امیر عبادت میں مشغول ہوئے اور پریاں آئیں اور آداب بجا کر پھر جانا چاہا تو امیر نے ان کو حضرت سلیمان کی قسم دی اور پریاں کھڑی رہیں۔ اور سلاسل نے رعد شاطر کا ہاتھ پکڑ کر امیر کے قدموں پر ڈال کر کہا۔ کہ ہم پریاں ہیں۔ اور یہ آپ کا بھائی ہے۔ حمزہ نے فرمایا کہ میں آدمی اور تم پریاں پھر یہ میرا برادر کیونکر ہوا؟۔

تب سلاسل نے تمام قصہ امیر کے روبرو عرض کیا۔ امیر نے فرمایا مطلب تمہارا کیا ہے تب پریوں نے کہا کہ آپ کے فرقہ کو دیکھنے آئی تھیں۔ یہ کہکر چلی گئیں۔ امیر نے یہ حقیقت والدہ کے حضور میں عرض کی۔ وہ بولی سچ ہے ایک رات ہم سوئے تھے اور میں نے دودھ پلایا مگر صورت جو دیکھی تو تمہاری یہ تھی۔ میں اس وقت حیران تھی کہ یہ احوال کسی سے ظاہر نہ کیا۔ امیر نے بیان سُن کر پریوں کی عرض کو تحقیق جانا۔ پھر دوسرے روز موافق معمول کے امیر بیت اللہ شریف میں بیٹھے تھے اور پریاں بھی حاضر ہوئیں اور آداب بجا کر دست بستہ کھڑی رہیں۔ انہوں نے بیت اللہ شریف میں طواف بھی کیا۔ تب سلاسل نے اسماء پری کی پریشانی کا اور عفریت کے ظلم کی داستان بیان کی۔ امیر نے فرمایا خدا کے فضل سے میں اسے اور دیوؤں کو مار سکتا ہوں

یہ سُن کر سلاسل نے عرض کی۔ اللہ شانہٗ کے فضل سے آپ اُسے ماروگے۔ امیر نے فرمایا کہ میری وجہ سے تمہارا تخت ملتا ہے تو میں آؤں گا۔ لیکن کہاں کوہ قاف اور کہاں میں۔ آنے اور جانے میں مدت چاہیئے۔ اور لشکر میرا تمام پراگندہ ہوگیا ہے۔ پریاں بولیں کہ ہم اٹھارہ روز میں تمہارے یاروں سے تمہیں ملا دیں گے۔ امیر نے کہا۔ یہ بات صبح میرے یاروں سے کہو تو میں ان سے اجازت لوں گا۔ جب صبح ہوئی تو امیر نے اپنے دربار میں رونق افروز ہوکر معہ یاران وفادار جشن فرمایا۔ تو پریوں نے آکر اپنا حجاب ظاہری دور کیا اور امیر نے ان کی تمام حقیقت بیان کی۔ تب یاروں نے بعد سماجت بسیار ومنت بے شمار نہایت عذر و معذرت سے امیر کو پریوں کے گھر جانے کی رضا دی اور پریوں کو تاکید فرمائی۔ کہ جلد امیر کو لاؤ۔ فرمایا غم مت کرو اٹھارہ روز میں آتا ہوں۔ مگر انشا اللہ زبان پر نہ لائے اس وجہ سے خدا تعالےٰ نے اٹھارہ روز کو اٹھارہ سال سے بدل دیا۔ پس امیر نے سب یاروں کو فرمایا۔ کہ میری جگہ عمر بن عمیہ اور مہر نگار رہیں۔ میری تعظیم و تکریم ان سے ادا کرو اور میں اپنی امانت تمہارے سپرد کرتا ہوں۔

یہ بات سب یاروں نے قبول کیا۔ مہر نگار نے بصد غم و الم حمزہ کو وداع کیا۔ امیر نے فرمایا ذرا توقف کرو۔ کہ میں کافروں کو مار کر اس حد سے نکال دوں۔ تب پریوں نے فرمایا کہ یہ ہمارا کام ہے آپ دیکھتے رہیں۔

تب پریاں تلواریں پکڑ کر کافروں کو مارنے لگیں اور یہاں تک مارا کہ کافروں کے سرتن سے اُڑ گئے اور مارنے والے نظر نہ آتے تھے۔ تب تمام کافر بولے کہ عربوں کا خدا مارتا ہے یہ کہکر سب کے سب بھاگ گئے۔ تب پریاں امیر کی خدمت میں آئیں اور آداب بجا لائیں۔

امیر نے فرمایا کہ کچھ سواری لاؤ۔ چھ پاں ایک جھاڑ اُکھاڑ کر لائیں۔ امیر اس پر سوار ہوئے اور جھ پاں لیکر اڑیں۔ حمزہ کے تمام یار دیکھتے تھے۔ جب امیر نظروں سے غائب ہوئے تو سب یاروں کو اداسی ہوئی۔ وہیں بزرجمہر کا عذر آیا کہ۔ اے فرزندار جمند عمر بن عمیہ جان لے کہ امیر کو کوہ قاف میں اللہ تعالیٰ اٹھارہ سال رکھے گا۔ کیونکہ امیر حمزہ نے زبان پر انشاء اللہ کا لفظ نہ نکالا تھا اس لئے اٹھارہ سال ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے دیو جو کوہ قاف میں ہیں تو ان کو حمزہ مار کر شہر تنجہ میں تم سے آملے گا۔ اور تم یہاں سے کوچ کر کے شہر تنجہ میں جاؤ۔ خدا حمزہ کو تم سے ملائے گا۔ یہ سنکر تمام یاروں نے شور کیا اور عمر نے سب کو دلاسہ دیا۔ کہ رونے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم صبر کرو ؎

بو دنی بود ہر چہ خواہد بود   غم بہ دل داشتن ندارد سود

اب بہتر یہ ہے کہ دشمن اس بات کو نہ سنیں۔ تب تک ہمیں یہاں سے باہر جانا اور مغرب کی طرف چلنا ہے پھر آگے جو خدا کریگا وہ ہوگا۔ پس مہر نگار کو ہمراہ لیکر ساعت سعید میں مکہ سے مغرب کو روانہ ہوئے اور کافروں نے یہ حال سن کر بولشکران کا پیچھا کیا۔ عرب بھی لڑتے اور منزلیں طے کرنے لگے۔ اور مہر نگار کو مہتر اسحاق کے خنگ پر سوار کر کے چالیس ہزار غلام اور بہت سی لونڈیاں ہمراہ دیکر اور مقبل حلبی کو مع چار ہزار لشکر کی پشت پر نگہبان رہنے کو کہکر پہلوان عرب کافروں سے جنگ کرتے ہوئے روانہ ہوئے اور عمر نے اپنے عیاروں کو حکم دیا کہ دریافت کرو کہ کوئی شہر نزدیک ہے یا نہیں؟ تب سارے عیار جا کر خبر لائے۔ کہ یہاں سے تین کوس پر شہر نبیتان ہے تب عمر بختک کی صورت بنا کر اور گھوڑے سوار لیکر گھوڑے پر سوار ہو کر نبیتان کے قلعہ کے دروازے پر گئے اور دربانوں سے بولے۔ کہ یہاں کے قلعدار کو خبر کرو کہ نوشیرواں کا وزیر بختک آیا ہے۔ اور مہر نگار کو عربوں سے چھین لایا۔ سو عرب پیچھا کئے چلے آتے ہیں۔ اگر تم دروازہ کھولو تو مہر نگار کو اندر لاویں۔

اس قلعدار نے دروازے پر آکر دیکھا۔ کہ بختک کھڑا ہے۔ تب یہ بولا۔ کہ میں نوشیرواں کا غلام ہوں۔ مہر نگار کو جلد اندر لے آؤ۔ عمر نے عیاروں کو روانہ کیا۔ عیار گئے اور مہر نگار کو غلاموں اور لونڈیوں کے اندر لائے اور عمر بن عمیہ کے حکم سے قلعدار کو مار لیا اور تمام لشکر اندر داخل ہوا۔ اور اندر سے قلعہ کے تمام دروازے بند کئے اور عربوں نے فصیلوں پر سے کافروں کو مارا۔ اس قلعہ کے اندر تین سال کے لئے راشن وغیرہ کافی سامان تھا سو شکر خدا تعالیٰ کا بجا لائے۔ اب ذرا دو کلمے

داستان امیر حمزہ کے سننے

جب پریاں امیر کو اڑا کر لے گئیں تو دوپہر کو کوہ قاف کے ایک دامن میں اتار کر میوہ اور شراب کھلایا پلایا اور امیر نے ایک دو گھڑی آرام کیا۔ اس کے بعد پریاں امیر کو لیکر پھر اڑیں اور دوسرے روز کوہ قاف میں جا پہنچیں۔

پریوں نے امیر کو اتار کر عرض کی۔ کہ اے امیر شہرستان زرین یہی ہے۔ امیر نے فرمایا۔ کہ تمام دیو کہاں رہتے ہیں؟۔ وہ بولیں کہ دیو کی بو سے ہمکو آگے جانے کی طاقت نہیں ہے۔ تمہیں دور سے دکھا دیتی ہیں۔ پس امیر نے وضو کر کے دوگانہ شکر ادا کیا اور شہرستان زرین کو گئے اور دیکھا۔ کہ شہر دیوؤں سے خالی ہے۔ تب ہر کوچہ و بازار میں پھرے اور دیو کا نام و نشان نہ پایا کیونکہ عفریت بھوت شکار کو گیا۔ امیر وہاں سے باغ کی طرف گئے اور ایک دیو کو دیکھا۔ کہ باغ کو پانی دینے آتا ہے۔ تب اس نے امیر کو دیکھکر نعرہ کیا اور ایک بہت بڑا پتھر اٹھایا اور امیر کے سر پر حملہ کیا۔ امیر نے جلدی سے جست مار کر وہ حملہ رد کیا اور دیو کو تلوار ماری اور وہ زخمی ہوکر زمین پر گرا۔ اور کہا۔ اے آدمی ایک وار اور کر کہ جان جلد نکلے۔ تب امیر نے دوسرا وار کیا تو وہ دیو تازہ ہوکر کھڑا ہو گیا اور یہاں تک لڑائی ہوئی کہ دوپہر ہو گئی اور دونوں کو تھکان معلوم ہوئی اور اس دیو نے ایک جھاڑ کے نیچے آرام کیا اور امیر بھی ایک جھاڑ کے نیچے جا بیٹھے۔

پس وہیں ایک بزرگ نمودار ہوا۔ امیر نے انکی خدمت ادا کی تو حضرت علیہ السلام نے امیر کو گلے لگایا اور امیر نے دریافت کیا۔ کہ آپ کون ہیں؟۔ کہا میں خضر ہوں اور تمہیں پند سکھانے آیا ہوں۔ اور دیوؤں کو ایک مرتبہ مارنا کافی ہے۔ کیونکہ دوسری بار کے مارنے سے وہ درست ہو جاتے ہیں۔ پھر خضر اور حمزہ نے کھانا تناول فرمایا اور امیر کو حضرت خضر علیہ السلام نصیحت کر کے غائب ہو گئے۔ امیر نے دیکھا۔ کہ دیو سوتا ہے تب اس کو ہوشیار کیا اور کہا موذی اٹھ۔ تب دیو نے اٹھکر امیر پر پھاوڑہ چلایا۔ امیر نے اس کو روکا۔ اور ایک پتھر مارا۔ کہ اس کی پیٹھ سے جا لگا اور زمین پر گرا۔ اور پکارا۔ کہ ایک وار اور کر۔ تب امیر نے فرمایا کہ اول میں جانتا نہ تھا۔ اب استاد سے سیکھ آیا ہوں۔ اب تجھے ہرگز نہ ماروں گا۔ تب وہ زمین پر پڑا رہا اور یہ بول بول کر کہ ایک وار اور بھی کر سر پٹک کر مر گیا۔ اور امیر نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ کہ اتنے میں اور دوسرے دیوؤں کی آواز آئی۔ پس جو دیو آتا امیر کو دیکھکر پکارتا۔ کہ آدمی آیا ہے۔

اس کے بعد دیوؤں کا بادشاہ عفریت آیا۔ اور کہا۔ کہ تم میں سے کوئی جا کر اس آدمی

کو پکڑ کر کھائے تب ایک دیو چکی کا پاٹ پہاڑ سا کاندھے پر اٹھا کر امیر پر پھینکا۔ تب امیر تو جست کر کے کھڑے ہو گئے اور وہ پتھر زمین پر پڑا۔ پس اس دیو نے چاہا۔ کہ پھر پتھر اٹھائے۔ امیر نے اس کی کمر میں ایک ایسی تلوار ماری کہ اسکی آدھی کمر کٹ گئی۔ تب وہ دیو زمین پر گرا اور پکارا کہ اے آدم زاد ایک وار اور بھی مارنا کہ جان نکل جائے۔ تب امیر نے دوسری تلوار نہ ماری اور وہ مر گیا۔ پھر دوسرا دیو میدان میں آیا اور امیر پر پتھر چلایا۔ امیر نے اس کو رد کیا اور اس کی کمر میں ایسی تلوار ماری کہ بدستور یہ بھی مردار ہو گیا۔

اس کے بعد ایک اور دلیر امیر کے مقابل میں آیا اور وہ بھی جہنم میں گیا۔ پھر تو کسی دیو کو میدان میں آنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ غرض عفریت نے کہا۔ کہ کوئی جا کر اس آدمی کو مارے۔ ایک بڑا بوڑھا دیو بھی اس مجلس میں تھا وہ بولا۔ کہ اے عفریت میں نے حضرت سلیمان سے سنا تھا۔ کہ آخیر زمانہ میں اللہ تعالٰے ایک مرد کو کوہ قاف میں لائیگا اور اس شجاع کا نام امیر حمزہ ہوگا۔ اور یہاں کے تمام دیوؤں اور بلاؤں کو تلوار سے فنا کریگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شائد یہ وہی ہے۔

عفریت نے جب یہ بات سنی تو جوش میں آ کر اس بوڑھے اجل رسیدہ دیو کو ایک پتھر سے مار ڈالا اور آپ امیر کے مقابل آ کر کھڑا ہوا اور ایک پتھر پہاڑ سا اٹھا کر امیر پر چلایا۔ امیر نے ڈھال سر پر لی اور خدا سے پناہ مانگی اور ایسے زور سے تلوار ماری کہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرا۔ پھر تو لاکھ ہزار دیوؤں نے اپنے بادشاہ کو مردار اور بے جان دیکھ کر امیر پر یکبارگی حملہ کیا اور امیر نے دو دستی تلواروں سے دیوؤں کو ایسا مارا۔ کہ ان کا حساب خدا جانتا ہے۔ ؎

انسان دیوؤں سے ایسا لڑا — کہ مریخ احسنت کہنے لگا

جب دیوؤں نے دیکھا۔ کہ اپنے ہم جنسوں کو مرے پڑے ہیں۔ اور امیر ہنوز اچھا ہے تب تو سب کے سب یکبارگی غائب ہو گئے۔ امیر نے حق سبحانہٗ تعالٰے کا شکرانہ ادا کیا اور حوض میں ہتھیار اور بدن وغیرہ دھوئے اور دوگانہ ادا کیا۔

اس کے بعد دس ہزار پریاں وہیں حاضر ہوئیں اور سر خدمت میں رکھ کر سجدات نیاز بجا لائیں اور قسم قسم کی نعمتیں اور میوہ جات گونہ گوں حاضر لائیں۔ غرض بعد تناول طعام کے ہر طرح کی شراب جواہرات کے پیالوں میں بھر بھر کر دینے لگیں اور خوبصورت پریاں اپنا ناچ رنگ سناتی اور دکھاتی تھیں۔ امیر بدستور شبانہ روز عیش و عشرت میں مشغول رہ کر پریوں کا ناچ ملاحظہ کرتے رہے۔

اس کے بعد تین روز امیر حمزہ نے سلاسل وزیر سے فرمایا کہ بفضل کریم العظام تمہاری مہم تو فتح ہوئی اب مجھے میرے یاروں میں پہنچاؤ۔ وزیر سلاسل نے قبول کیا۔ اور اپنے دیوؤں کو بلا کر کہا۔ کہ حمزہ کو کتنے دنوں میں ملک آدمزاد میں پہنچاؤ گے؟ کسی نے کہا تین شبانہ روز میں کسی نے دو شبانہ روز میں۔ ایک نے کہا۔ کہ ایک روز و شب میں اسی دیو زاد کو سلاسل نے سفر کہا اور ارض پری نے امیر سے عرض کی آپکو ہمارے خزانہ میں جا کر کوئی چیز قبول کرنی چاہیئے۔ تو ہمارے لئے عین سعادت ہے۔

تب امیر نے خزانہ کا ملاحظہ فرمایا اور مقبول کوئی چیز نظر نہ آئی۔ تب امیر نے پریوں سے فرمایا کہ میرے خزانہ میں یہ تمام اشیاء موجود ہیں۔

سینتیسویں داستان

جب پریوں نے عاجزی سے عرض کیا کہ ہماری خاطر سے کچھ قبول فرمایئے۔ تب پوچھا کہ یہ ٹوپی اور کوڑا کس کا ہے؟ سلاسل وزیر نے عرض کی یہ ٹوپی اور کوڑا حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہے کہ وہ حضرت جس وقت دیوؤں پر خفا ہوتے تھے تو اس کوڑے سے مارتے تھے۔ اور جب دیوؤں کو اپنے پر ملال و رنجیدہ دیکھتے تو یہ ٹوپی پہن لیتے اور وہ دیوؤں کو دکھائی نہ دیتے۔ پس دونوں میں یہ صفت ہے تب امیر نے پریوں سے فرمایا۔ کہ یہ دونوں چیزیں مجھے دو۔ تب پریوں نے عرض کی۔ کہ ہماری سعادت ہے آپ ضرور لے لیں۔ اور ان دونوں چیزوں پر کیا موقوف ہے جو چاہو سو لو۔

اس وقت امیر نے دل میں خیال کیا۔ کہ یہ ٹوپی عمر ؑ کو دوں گا۔ اور کوڑا میرے لائق ہے۔ القصہ پریاں ایک کھٹولا لائیں اور امیر اس پر سوار ہوئے اور دیو جلد اس کھٹولے کو سر پر لیکر اشد تیار سے گئے ... جب امیر کو شہر آئی تب امیر نے کہا کہ اب دوپہر ہوئی ہے مجھے اتارو میں سوار ہوں ... کی ... امیر یہ مطلب دیوؤں کا ہے یہاں اترنے میں خلل ہوگا۔ امیر نے اس دیو اطلاع سیدھا کو تھما طلاق ... اور ناچار ہو کر دیو نے امیر کو وہاں اتارا اور امیر نے وہ ٹوپی سر پر رکھی اور کپڑا بچھا کر سو گئے۔ اور دیوؤں کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ وہ دیو امیر کو دیکھ کر متعجب

ہوا۔ ناگاہ دیوؤں کی فوج وہاں پیدا ہوئی انہوں نے دیکھا اور ایک دیو کھٹولے اور اس لشکر کا سردار ہرنا نام کا دیو عفریت کا بیٹا تھا جو شہرستان زرین کو جاتا تھا کہ اپنے باپ کا بدلہ لے۔ تب لشکر کے دیو اس کھٹولے اور دیو کو ہرنا دیو کے پاس لے گئے۔ تب اس نے پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں جاتا ہے اور جیار پائی پرکس کو لئے جاتا ہے۔ تب اس نے مفصل حقیقت بیان کی۔

یہ سنتے ہی ان موذیوں نے اس دیو کو مار کر اس کھٹولے کو توڑ ڈالا۔ اور دو دیوؤں کو وہیں بٹھایا کہ اگر حمزہ بھی آئے تو اسے بھی مار ڈالو۔ تب وہ دیو وہاں حمزہ کے منتظر بیٹھے۔ کہ ہرنا دیو نے جا کر پریوں سے شہرستان زرین کو چھین لیا اور آپ تخت پر بیٹھا۔ ادھر پریاں اپنے دیو کی منتظر تھیں کہ امیر کو چھوڑ کر کب آئے گا۔ اتنے میں حمزہ اپنی نیند سے بیدار ہوئے اور ٹوپی اتار کر دیکھا۔ کہ اپنا دیو مرا پڑا ہے اور کھٹولہ ٹوٹا پڑا ہے۔ امیر اس وقت مغموم ہوئے۔ اتنے میں وہ دونوں پیچھے سے آ کر لپٹ گئے۔ امیر نے ان دونوں کو زمین پر پچھاڑا اور خنجر سے مارنا چاہا۔ تب دیو نے معافی مانگی۔ تب امیر نے فرمایا۔ کہ تم مجھے پھر شہرستان زرین تک لے چلو جب تمہیں معاف کروں گا۔ ورنہ مار ڈالوں گا۔ پس وہ رہبر ہوئے اور آگے چل کر جب وہ پہاڑ نمودار ہوئے تب امیر نے عقل سے سوچا کہ یہ موذی دغابازی پر آئے ہیں۔ یہ جان کر امیر نے انہیں تلوار سے مار کر چل دیئے اور ناگاہ ایک دریا کے کنارے پہنچے اور دیکھا کہ سوائے کشتی کے پار ہونا مشکل ہے۔ تب امیر نے سوکھا ہوا جھاڑ تلوار سے کاٹا اور اس کی کشتی بنا کر اس میں میٹھا پانی اور میوہ وغیرہ رکھ لیا۔ اور بر توکل خدا سوار ہوا۔ چند روز میں پانی اور میوہ خرچ ہو گیا تب امیر نے ایک کھارے پانی کا پیالہ پیا اور بیہوش ہو گئے۔ اور موجوں نے وہ کشتی دریا کے کنارے پر لگا دی تب امیر ہوشیار ہوئے اور کنارے پر اترے اور کیچڑ میں پھنس گئے۔ اور جتنا زور اوپر کو کرتے اتنا ہی نیچے کو جاتے۔ آخر آلت آسمانی سے عاجز ہو کر چپ رہے اور دعا کرنے لگے کہ یا مجیب الدعوات یا دافع البلیات اس بلا سے رہائی دے۔ تب امیر کا تیر دعا نشانہ اجابت پر پیوست ہوا۔ یعنی ازص پری نے وزیر سلاسل سے پوچھا کہ امیر کو زبولیگیا تھا دل میں دیکھو اب تک وہ کیوں نہیں آیا؟ ۔

تب سلاسل رمل پھینک کر بولا۔ کہ افسوس! امیر اس وقت سخت مشکل میں گرفتار ہے۔ تب تو ہزار پریاں تلاش کرنے کو اڑیں اور امیر کے پاس آئیں اور کیچڑ سے نکال کر تمام بدن پانی سے دھویا تب امیر نے ان پریوں سے فرمایا کہ مجھے پھر شہرستان زرین میں لے چلو۔ تب پریوں نے امیر کو اٹھا کر اول جگہ پر اتارا اور پریاں غائب ہو گئیں۔

امیر نے اپنے تمام ہتھیار درست لئے اور گیارہ سو من کا گرز کاندھے پر رکھا اور قلعہ کے پاس آ کر نعرہ کیا کہ سولہ کوس تک آواز گئی اور زمین و آسمان، کوہ و بیابان جنبش میں آئے اور امیر کے نعرہ سے تمام دیو کانپ گئے اور تمام لشکر قلعہ سے باہر نکل آیا۔ تب ہرنا دیو نے کہا۔ کہ کوئی دیو ایسا ہے جو اس آدمی کو پکڑ لائے تاکہ میں اس سے اپنے باپ کا بدلہ لوں۔ تب ایک پہاڑی دیو نے مقابلہ میں آ کر ایک بڑا پتھر امیر پر مارا۔ امیر نے جست کی کہ وہ پتھر زمین پر ایسا گرا کہ زمین ہل گئی۔ دیو اس پتھر کے بیٹنے کو پھر جھکا۔ امیر نے تیغ بدریغ ایسی ماری کہ حمائل اتار ڈالی اور دیو زمین پر گرا۔ اور کہا۔ کہ اے آدمی! اور ایک مرتبہ مار کہ مر جاؤں۔ تب امیر نے دوسری مرتبہ مارنا ضروری نہیں سمجھا۔ اتنے میں وہ موذی اپنا سر پتھر پر مار کر مر گیا۔

دوسرے روز تمام دیوؤں نے یکبارگی امیر پر حملہ کیا اور امیر بھی یکبارگی دو دستی مارنے لگے۔ امیر نے جس کے سر پر تلوار ماری تا بہ کمر اتاری اور جس کی گردن پر ماری تو سر مانند گیند کے اڑا اور خون کی ندیاں بہ گئیں۔ غرضیکہ اسی طرح تین شبانہ روز بدستور جنگ کرتے رہے۔ آخر دیو تاب نہ لا کر غائب ہو گئے۔ امیر نے پانی کے پاس جا کر بدن صاف کر کے دوگانہ شکر ادا کیا۔ تب وہاں نو ہزار پریاں حاضر ہوئیں اور امیر کو بیٹھا کر کھانا کھلایا اور دور شراب شروع ہوا اور امیر مست ہو کر پریوں کا ناچ دیکھنے اور شاہ پری کی بیٹی یا نجی سہا پری بھی موجود تھی جو تمام پریوں سے خوبصورت اور صاحب حسن و جمال تھی۔ امیر کی نظر ناگاہ اس پر پڑی تب اس کے عشق کا تیر امیر کے جگر میں جا لگا۔ اس حال میں تمام پریاں مل کر تجویز کرنے لگیں کہ اگر امیر اسما پری کو نکاح میں لائیگا تو اس کے سبب سے امیر کا رہنا یہاں ہوگا یہ سب سے افضل ہے۔

غرض سلاسل نے امیر کے حضور میں عرض کی۔ کہ پہلوان جہانگیر اگر اسما پری کو عقد میں لاویں اور کنیزگی میں قبول کریں تو بہتر ہے۔ اور ہم سب کو سعادت دارین ہے۔ امیر نے وزیر کا کہنا قبول کیا۔ تب انہوں نے اپنی رسم کے مطابق اسما پری کا نکاح کیا۔ اس کے بعد کئی شبانہ روز عیش و عشرت میں رہے اور یہاں سے امیر کے لشکر کا حال بغور و تامل سنو۔ کہ تین سال تک لشکر خوش حال رہا اور جب حلوہ ختم ہوا تب وہاں سے باہر نکلے اور کافروں سے لڑتے ہوئے مغرب کی طرف چلے اور کئی روز کے بعد شہر حلب میں پہنچے۔ تب مقبل حلبی نے اپنے بھائیوں کو لشکر حقیقت لکھی تو نقیب کے تینوں بھائی ناصر حلبی، عادل حلبی و زرین ہزار سوار سمیت باہر آئے اور دشمنوں کی فوج کو مار کر ہٹایا اور عمر بن تمیمہ کی فوج مع مہر نگار کے قلعہ کے اندر داخل ہوئیں اور دروازے [illegible]

اور خندقیں پر آب کیں اور فصیلوں پر سے لڑتے رہے ۔ اور تین سال کے لئے غلہ جمع کرکے دلجمعی سے لڑتے رہے۔ جب غلہ تمام ہوا تب عرب کا لشکر دشمنوں کے لشکر پر جا پڑا اور کتنے ہی دشمنوں کو مار کر مُردار کیا اور مغرب کی طرف روانہ ہوئے ۔ تیسرے روز شہر سفری کے پاس جا پہنچے ۔ اس شہر میں دو بادشاہ تھے ۔ ایک کا نام محراب سفر اور دوسرے کا روشیر سفری تھا ۔ تب وہ بادشاہ حمزہ کے لشکر کی حقیقت سُن کر بولے ۔ کہ نوشیروان نے بوڑھا ہوکر عقل گم کی ہے ۔ کہ پہلے اپنی بیٹی رضامندی سے امیر کو دی ۔ اب حمزہ کی غیبت کافروں کے سامنے اپنی دختر کی فضیحت کرتا ہے اگر حمزہ کی کمک کو فوج لیکر یہاں نداری کی شرط بجالاویں اور مہر نگار کو فضیحت سے امن دیں تو بہتر ہے ۔ نیز جب امیر آئے تو ہمارے پر لطف کریگا ۔

یہ کہکر پگڑیاں سروں پر باندھکر دشمنوں پر جا گرے اور امیر کے لشکر میں لیجا کر دروازے محکم کئے اور کافروں نے قلعہ پر مورچے لگائے ۔

اڑتیسویں داستان

جب امیر دیووں کو مار کر اسماپری کے ساتھ عیش میں تھے تو چھ ماہ کے بعد خدا کی قدرت کاملہ سے حمل رہا ۔ بعد ایام معمور کے لڑکی آفتاب کی صورت مں کر سیرت پیدا ہوئی تو امیر نے اس کا نام قریشیہ رکھا ۔

ایک روز امیر مع اسماپری خلوت میں تھے تو اس وقت امیر نے مہر نگار کو یاد کرکے سینہ پر درد سے آہ سرد نکالی وجوش غم سے آنکھوں سے خون بہ نکلا تو اسماپری نے امیر کی یہ حقیقت دیکھکر پوچھا۔ کیا سبب ہے کہ آپ روتے ہیں؟ امیر نے فرمایا ۔ کہ میرا مرغ دل مہر نگار کے دام زلف میں قید ہے ۔ اس کے فراق کی آتش میرے جسم کو جلاتی ہے ۔ اور اس کے ناز و غمزہ مجھے رُلاتے ہیں اور وہ دختر ہفت کشور کی ہے ۔ اسماپری کے دل میں اور کسی کے نام سے آتش عداوت بھڑکی اور بولی کہ تمہارا حال امیر کے جی میں آرزدی ہے آدمیوں میں جاؤں یا نہ جاؤں ۔ امیر نے فرمایا یہاں کیا کروں پری بولی آپکی ہڈیاں اسی زمین میں دفن ہوں گی ۔ اب باہر جانے کی اُمید چھوڑ دو ۔

پس یہ سُن کر امیر کو غصہ آیا تب چاہا کہ تلوار سے پری کو ماریں ۔ غرض وہ بھاگ گئی

اور امیر خفا ہو کر شہر سنان سے نکل کر متوجہ آبادی مع ہمراہ مردمان مع ہتھیاروں کے ہوئے۔ تب ارض پری مع لشکر اور وزیر بسلاسل آکر امیر کے پاؤں پر گرے اور آنجناب سے بہت منت کر کے عرض کی اور کہا کہ واپس ہو جیئے۔ امیر نے پریوں کا کہنا نہ مانا اور چلنے پر تیار ہوئے اور پریاں نا امید ہو کر عاجز ہو رہیں امیر نے انسانی دنیا کی راہ لی۔ دوپہر تک چلے تو زمین گرمی سے مثل آتش ہو رہی تھی۔ کہ امیر ایک جھاڑ کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں خضر علیہ السلام ظاہر ہوئے۔ اور حضرت خضر نے امیر کو گلے لگایا اور سینہ سے ملایا۔ تب امیر نے خضر علیہ السلام سے پوچھا حضرت آبادی میں کیونکر جاؤں گا؟ اور دیا رود سے کیونکر ملوں گا؟

حضرت خضر نے فرمایا خاطر جمع رکھو اللہ تعالیٰ تم پر سامان کریگا اور منزل مقصود پر پہنچائے گا۔ اور تم اس راہ سے چلے جاؤ۔ مگر جہاں کہیں دھواں نکلے وہاں دیو ضرور ہوں گے تم وہاں جاؤ اور کنوئیں کے اندر اتر کر دیوؤں کو فنا کرو۔ امیر نے عرض کی کہ اندر کس طرح اتروں؟ تب خضر علیہ السلام نے ایک کمند دیو بند عنایت کی۔ امیر نے بوسہ دیکر کمند ترکش میں رکھی۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے جتنا لمبا کرو گے اتنی ہی بڑھے گی۔ تب حضرت خضر علیہ السلام نے سفرہ بچھایا اور نعمتیں رکھ کر دونوں نے کھانا کھایا۔ تب امیر نے پوچھا۔ کہ ان دیوؤں کے نشان کیا ہیں؟ تو خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ باغ یا چمن یا جائے بہتر دکھائی دے۔ تو جانو کہ وہ جگہ دیوؤں کی ہے۔ یہ فاکر حضرت خضر غائب ہوئے اور امیر بھی وہاں سے راہی ہوئے۔ تب ایک ٹھکانے پر آکر دیکھا۔ کہ ایک پتھر کے تخت پر رعد چینی بیٹھا ہے۔ اتنے میں ایک دیو نے دوڑ کر رعد کو امیر کے آنے کی خبر دی کہ ہم ایسی بلا سخت سے زمین میں چھپے ہیں تو بھی یہ ہمارے درپے ہے۔

رعد مع دیو اسی فکر و تجویز میں تھا۔ کہ امیر نے اندر اتر کر اوپر کا پتھر اٹھایا اور کمند لگا کر دیوؤں کے اوپر جا گرے۔ رعد چینی نے ایک پتھر اٹھا کر امیر کے سر پر چلانا چاہا۔ تب امیر نے ایک تلوار ایسی ماری کہ اس کافر کی کمر کٹ گئی اور وہ زمین پر جا گرا۔ امیر نے دوسرے دیوؤں کو بھی مار کر فنا کیا اور اللہ تعالیٰ کا شکرانہ ادا کیا۔ اور باہر نکل کر حوض میں ہتھیار خونخوار اور جسم مبارک دھویا پھر دوگانہ شکر ادا کیا اور کوئی حلال جانور کباب کر کے کھایا۔ اور وہاں سے کتنی ایک منزلیں طے کیں تو ایک کنواں دیکھ کر اس کا قصد کیا اور کمند نکال کر کمر باندھ کر اندر اترے اور دیکھا کہ رزق اپنے تخت پر بیٹھا ہے۔

امیر نے اس کو دیکھتے ہی نعرہ مارا اور اس موذی نے پتھر نکال کر امیر پر چلایا۔ امیر نے اس کی

ضرب روکی اور ایک تیر ایسا مارا۔ کہ پیٹھ سے پار ہوگیا۔ اور موذی جہنم میں گیا۔ پھر اس کے ملازموں کو بھی مردار کرکے اس کی خدمت کیلئے جہنم میں بھیجے۔ پھر کنوئیں سے نکل کر ایک روز وہاں آرام کیا۔ اب حمزہ کے لشکر کی حقیقت سنو۔ جب یہ لشکر شہر سفری سے باہر نکلا اس نے کافروں کو جہنم میں پہنچایا تو اتنے میں یکایک گرد پیدا ہوئی۔ تب عیاران عمر خبر لائے۔ کہ شیر پایا کا لشکر نوشیرواں کی مدد کو آ رہا ہے۔ یاران امیر اس سے سننے سے گھبرائے۔ تب عمر بن عمیہ نے فرمایا خیر آنے دو پر خدا پر بھروسہ رکھو ہمکو کچھ غم نہیں۔

اتنے میں وہ کافر نزدیک آیا تو دیکھا۔ کہ اس کا قد و قامت بیس گز ہے مگر عمر بن عمیہ دشمنوں کو مارتا ہوا مغرب کی طرف چلا جاتا ہے اور شیر پایا کے فرزند کا نام شیر پایک شیروانی تھا۔ جب کاؤس شیروانی نے حمزہ کے لشکر کی بے سروسامانی کی حقیقت سنی تو تجویز کی کہ اگر ہم لشکر عرب کی مدد کریں گے تو جب امیر کو خدا لائیگا البتہ ہم پر لطف و کرم کریگا۔ یہ سوچ کر چالیس ہزار سوار سے باہر نکلا اور کافروں کو مارتا ہوا امیر کے لشکر کو قلعہ میں لیگیا۔ اور عمر بن عمیہ اور حمزہ کے یاروں کے سامنے کئی سال کے لئے غلہ رکھواتا تھا۔ تب پہلوان عرب کمال شے سے بیفکر ہوکر جنگ کرنے لگے۔ جب وہاں کا غلہ تمام ہوا تو وہاں سے پھر باہر نکلے اور کافروں کو مردار کرتے ہوئے مغرب کیطرف جاتے تھے۔ بعد از قطع منازل و طے کے ایک شہر میں پہنچے۔ کہ وہاں کا بادشاہ مشتقال مغربی تھا۔ جب مشتقال مغربی نے امیر کے لشکر کی کیفیت سنی تب خود باہر آکر کافروں کو مار کر امیر کے لشکر کو شہر میں لایا اور شرط مہمانداری بجا لایا۔ وہاں سے پھر نکل کر تنجہ شہر میں پہنچے یہاں کے بادشاہ کا نام ریحان تنجہ تھا۔ جب اس نے سنا کہ جہاں امیر کا لشکر گیا ان کی پشت پناہی کرکے لشکر کی مہمانداری کی۔ تب قرار دیا کہ مجھے بھی لازم ہے کہ یاران حمزہ اور لشکر عرب کو امان دوں کہ جب حمزہ آئے تو وہ بھی مجھے پناہ دیگا۔ یہ خیال دل میں کرکے مع لشکر باہر آیا اور کافروں کو مارا اور لشکر عرب کو قلعہ میں لایا اور جو ذخیرہ تھا حاضر کیا۔

پس اسی وقت بزرجمہر کا کاغذ آیا۔ عمر نے وہ خط فیض نمط کھول کر دیکھا کہ بعد حمد خدا اور نعت ابراہیم خلیل اللہ کا مضمون یہ ہے۔ کہ

اے فرزند ارجمند سعادتمند عمر بن عمیہ تمکو حکیم بزرجمہر کی طرف سے
بعد دعا و سلام کے معلوم ہو کہ تم یہاں سے ہرگز باہر نہ جانا خداوند
کریم اپنے کرم سے امیر حمزہ کو یہاں لا دیگا

بعد مطالعہ مضمون کے تمام یار جو مغموم تھے سب مسرور ہوئے۔ اور مہر لگا کر رکھا یہ عالم تھا کہ سعادت ساعت

انگلیوں پر حساب کرکے دیکھتی۔

اب ذرا کلمۂ داستان امیر کی سُنیئے۔ جب حمزہ نے ارزق چینی کے مارنے سے فراغت اور فرصت پائی اور دوسرے موذیوں کو بھی پردۂ فنا سے چھپایا اور آگے بڑھے اور ایک ساعت میں ایک باغ دیکھا۔ جس کا نام ارم تھا۔ پس امیر وہاں گئے اور ہتھیاروں کو اتار کر بدن کو دھویا اور گرد و غبار سے صاف کیا۔ صورت امیر کی ایسی ہوگئی جیسے بدلی سے چاند نکل آتا ہے۔ تب ایک گورخر کو مارکر کباب بنا کر کھا کر رزاق کا شکر ادا کیا اور وہاں ایک قصر دیکھ کر تصور کیا۔ کہ البتہ یہاں کوئی آدمی رہتا ہوگا۔ اس خیال میں تھے کہ وہاں سے دو سر کا دیو باہر آیا اور امیر کے آگے سر زمین پر رکھا۔ اور کہا۔ کہ میں ارض پری کا دیو ہوں جیسے آپ نے قدم رنجہ فرمایا تو مجھے آپ کی خدمت گذاری واجب ہوئی۔ غرض ایسی باتیں بنا کر امیر کو محل میں لے گیا اور کھانے میں دارو بے ہوشی ملائی امیر بجرد کھا کر بے ہوش ہوگئے تب دیو نے ایک جھاڑ سے باندھکر ہوشیار کیا اور لکڑی سے مارنے لگا۔ اور اتنا مارا۔ کہ امیر کا تمام بدن زخمی ہوگیا۔ پھر ایک اونٹ کو مار کر اس کا چمڑا اتار کر اس میں امیر کو باندھ کر ایک جھاڑ پر رکھا۔ القصہ وہاں ایک سیمرغ آیا اور چمڑے کو اپنی غذا تصور کرکے جنگل میں لیجا کر اپنے بچوں کو لایا اور آپ پھر روزی کی تلاش میں گیا۔ تب سیمرغ کے بچوں نے اس چمڑے کو پھاڑ کر دیکھا۔ کہ اس میں ایک آدمی ہے۔ تب سیمرغ نے کہا یا امیر! آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے پھر باغ مذکور میں لیجا کر چھوڑ دو تو عین کرم ہے۔

تب سیمرغ نے کہا کہ یا امیر میری پیٹھ پر بیٹھ میں اس دیو کے باغ میں چھوڑتا ہوں۔ امیر نے آہستہ سے رات کے وقت اپنے ہتھیار جھاڑ سے کھول کر تن پر باندھے اور اس دیو کے محل میں جاکر نعرہ کیا۔ تب وہ دیو براز مکر حمزہ کی آواز جان سوز سے دلگیر ہوکر باہر آیا اور امیر پر پتھر سے حملہ کیا۔ پھر امیر نے خبت کرکے پتھر کو رد کیا اور تلوار سے اس کافر کو مردار کرکے بہت روز وہاں آرام کیا۔ پھر وہاں سے روانہ ہوئے اور راہ میں ایک بہت بڑا کنواں امیر نے دیکھا۔ تب حمزہ پتھر اُٹھا کر اور اس میں کمند باندھکر اندر اُترے۔ پھر پتھر رکھکر سوراخ میں نظر کی تو دیکھا۔ کہ سموم نامی دیو پتھر کے تخت پر بیٹھا ہے اور یہ موذی دیوؤں میں صفت عیاری رکھتا تھا۔ امیر نے وہ سوراخ دار پتھر بھی اُٹھایا اور اندر اُترے۔ امیر کو دیکھتے ہی وہ دیو دوڑا اور امیر کے پاؤں پر گرا اور دُعا دی اور امان امان کہنے لگا۔

تب امیر نے فرمایا۔ کہ کس طرح سے تو امان مانگتا ہے۔ اس نے عرض کی کہ آپ

جو فرمائیں گے غلام بسر و چشم بجا لائیگا۔

امیر نے فرمایا کہ کوہ قاف میں چل اور تمام دیوؤں کو تابعدار کر کے قریشیہ کی خدمت میں حاضر رہ۔ وہ اگر تمہیں قبول ہے تو امان دوں گا۔ ورنہ دوزخ میں بھیجوں گا۔ سموم نے کہا یا امیر یہاں سے تین روز کے رستہ پر کوہ قاف ہے اور وہاں تمام دیو جمع ہیں اور وہ رستہ شہرستان زرین کو جاتا ہے آپ انکو زیر کیجئے میں نہیں جا سکتا۔ تب امیر نے فرمایا بجز اس کے امان نہ ملے گی۔ غرض سموم باہر نکلا اور امیر نے اس کے گلے میں کمند دیو بند ڈالی اور لے چلے۔ جب رات ہوتی تو دیو کو جھاڑ سے باندھ دیتے اور صبح کو کھول کر چلتے۔

غرض جب منزل مقصود پر پہنچے کہ ہم قریشیہ کے حضور میں جائیں۔ پس امیر نے اس کے دونوں کان کاٹ لئے اور چھوڑ دیا۔ پھر آگے بڑھے اور پہاڑ پر چڑھکر نظر کی تو دیکھا کہ ہزاروں دیو جمع ہیں۔ تب امیر نے نعرہ مارا تو دیو امیر کو دیکھکر کہنے لگے۔ کہ اول اس کو مار کر پھر شہرستان زرین کو جانا ہے۔ امیر نے بھی قصد جنگ کا کیا۔ جب وہ دیو امیر پر آ گرے تب امیر نے بھی دونوں ہاتھوں میں تلواریں پکڑ کر دیوؤں کو مارنا شروع کیا اور بہت سے دیوؤں کو مارا۔ غرض تین دن لڑائی کی تب تمام دیو جمع ہو کر ایک جگہ پر اترے اور امیر بھی ایک درخت کے نیچے بیٹھکر آسودہ ہوئے۔

اتنے میں جنگل کی طرف سے گرد پیدا ہوئی اسمیں وہ سوار آ پہنچا اور امیر کے قدموں پر سر رکھکر کہا۔ کہ میں آپکی کنیز ہوں۔ تب امیر نے پہچانا کہ میری بیٹی ملکہ قریشیہ ہے۔ عرض کی اے قبلگاہ ہمارے قاصد ہمیشہ آپ کی خدمت میں خبر کے واسطے جاتے تھے۔ چنانچہ آج سننے میں آیا ہے کہ آپ پر بڑی مشکل پڑی ہے۔ اس لئے یہ بندی حاضر ہوئی۔ قریشیہ بولی کہ آپ نے اپنے دیوؤں کو مارنا شروع کیا۔ اب کنیز کی تیز دستی دیکھیئے۔

یہ بات کہکر قریشیہ سلطانہ تلوار کھینچکر دیوؤں کو مارا اور ایسا مارا کہ شجاعت کی داد دی تب دیوؤں نے یہ حال دیکھکر کہا۔ کہ جب امیر تنہا تھا تو کسر نہیں رکھی اور اب تو اس کے ساتھ دوسرا مددگار ہوا ہے۔ اب کہاں جان چھپاویں کہ چھپنے کی جگہ کہیں نہیں ہے۔ غرض سب دیو غل و شور کر کے وہاں سے یکبارگی غائب ہو گئے۔ تب حمزہ نے فرمایا کہ اے نور چشمی! دیوؤں کے مارنے میں کچھ کوتاہی نہیں ہوئی۔ اس لئے اب میں شہرستان زرین سے بے فکر ہوا ہوں۔

یہ فرماکر امیر نے دعا دی۔ کہ یا اللہ میری بیٹی کی عمر دراز کر۔ اتنے میں ہاتف نے آواز دی کہ جب تک حسین ابن خلافت پر نہ بیٹھیں تب تک قریشیہ سلطانہ بھی نہ مرے گی۔ یہ آواز

سُن کر قریشیہ سُلطانہ کو وداع کیا۔

اُنتالیسویں ۳۹ داستان

جب قریشیہ سلطانہ کو امیر نے وداع کیا اور آپ آگے بڑھے۔ تب دیکھتے کیا ہیں۔ کہ ایک دیو کی عورت ایک صندوق آگے رکھکر رو رہی ہے۔ کہ یا اللہ حمزہ کو پیدا کر۔ تب حمزہ نے پوچھا۔ کہ اے عورت تو امیر کو کیوں یاد کرتی ہے؟ وہ بولی۔ کہ اگر حمزہ آئے تو میرے فرزند کو اس صندوق سے رہائی دے۔ تب امیر نے فرمایا کہ تیرے فرزند کو کس نے قید کیا ہے؟ وہ بولی۔ کہ حضرت سُلیمان نے اس صندوق میں قید فرمایا تھا۔ کہ میرے فرزند کو چھڑا کر اس سے نشانی لے۔ تب امیر نے فرمایا کہ کوہ قاف کے دیوؤں نے تین دفعہ زور لگایا کہیں کھول نہ سکے۔ تب امیر نے بسم اللہ پڑھکر ہاتھ میں صندوق لیکر کھول دیا تب دیو اس میں سے باہر نکلا اور امیر کے قدموں پر گرا۔ اور عرض کی کہ اے جہانگیر آپ جو فرمائیں گے بجا لاؤں گا۔ امیر نے فرمایا کہ مجھے آبادی مردماں میں پہنچا۔ تب اس دیو نے کہا کہ تم میری گردن پر بیٹھو۔ تب امیر اس کی گردن پر بیٹھے تب دیو ہوا میں اُڑا اور آسمان پر لے چلا۔ جب اوپر گیا تب اس نے کہا کہ اے امیر دنیا کیسی دکھائی دیتی ہے؟ تب امیر نے کہا۔ ایک تھال جیسی تب وہ موذی اور اوپر گیا اور جاتے جاتے امیر سے پوچھا۔ کہ اب کہو آپ کو دُنیا کیسی معلوم ہوتی ہے؟۔ امیر نے کہا۔ کہ ایک پیالہ سا دیکھتا ہوں۔

تب دیو دغا باز نے کہا۔ کہ اے امیر بولو تمکو پہاڑ پر پھینکوں یا دریا میں۔ امیر نے خیال کیا۔ کہ دیو اُلٹی سمجھ کے ہوتے ہیں۔ اگر پہاڑ پر کہوں گا تو دریا میں گرا دے گا۔ اگر پہاڑ پر گرا تو امید زیست نہیں۔ اگر پانی میں گروں تو اُمید زیست کی ہے۔ امیر نے کہا اے دیو میں نے تجھے بند سے خلاصی دی ہے اور تو بدی کرنا چاہتا ہے دیو نے کہا کہ اے امیر دیو اُلٹی مت کے ہوا کرتے ہیں۔ نیکی کا بدلہ بدی کی ادا کرتے ہیں۔ تب امیر نے فرمایا کہ اے موذی تو مجھے پہاڑ پر ڈال کہ جان جلد جائے۔ تب دیو بولا۔ کہ میں دریا میں ڈالوں گا۔ تیرا گوشت مچھلیاں کھا کر جان لیں کہ یہ بول کر دیو نے امیر کو دریا میں ڈال دیا۔ امیر نے اللہ کو یاد کر کے آنکھیں بند کر لیں۔ تب اللہ نے فرشتوں کو فرمایا۔ کہ میرے دوست کو امان سے زمین پر اُتارنا۔ تب فرشتوں نے بلا حرکت و تکان امیر کو زمین پر اُتارا۔ امیر نے شکرانہ ادا

گیا پھر وہاں سے آگے بڑھے دیکھا۔ کہ وہی دیو ایک حوض میں آکر پانی پینے لگا۔ دیکھا۔ کہ وہاں کتنی ایک پریاں غسل کر رہی ہیں۔ تو ان میں دیو نے ایک پری کو پکڑ لیا اور چھوڑنا نہ چاہتا تھا۔

امیر اس موذی کو مارنا چاہتا تھا۔ تب دیو نے عرض کی کہ یا امیر آپ چپ رہیں کیونکہ حضرت سلیمان نے کہا تھا کہ تیری نسل سے دیو زاد گھوڑا پیدا ہوگا۔ اور حمزہ اس پر سواری کریگا۔ اگر آپ پری کو مجھ سے چھڑا دیں گے تو آپکو میں گھوڑا کیسے دوں گا؟ تب امیر چپ ہوگیا اور وہ دیو پری کے عیش و عشرت میں مشغول ہوا۔ چند روز دیو اور پری و امیر ایک جگہ رہے۔ جب پری حاملہ ہوئی تو ایام مہودہ کے بعد پری سے بچہ (گھوڑا) پیدا ہوا۔ اور یہ گھوڑا پیدا ہوتے ہی دوڑ کر امیر کے پاس آیا اور امیر کے قدموں پر سر رکھا۔ امیر نے اس کے سر کو بوسہ دیا اور پری کو اسکی پرورش کے لیئے تاکید فرمائی اور اس کا نام اشقر دیوزاد رکھا۔ کتنے روز کے بعد ایک دن امیر نیند میں تھے تو دیو نے پری سے کہا کہ تو اگر گھوڑا نہ جنتی تو امیر حمزہ کیونکر سوار ہوتا؟

پری نے کہا کہ تو دیو زاد اور میں پری زاد پھر گھوڑا نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا؟ اب یہ گھوڑا پیدا ہوا۔ تو ایسے جہانگیر مرد کی سواری میں کام آیا کہ تیری میری عزت سعادت ہوئی۔ دیو نے کہا کہ میں تو اپنے فرزند ارجمند کو حمزہ کی سواری میں نہ دوں گا۔ بلکہ حمزہ کو مار ڈالوں گا۔ بچے نے یہ باتیں سنیں اور ٹاپیں مارنے لگا۔ یہاں تک کہ دیو کو مردار کر دیا اور پری ڈر کر بھاگ گئی۔ جب امیر نے دیکھا کہ دیو مرا پڑا ہے اور پری غائب ہے تو اپنے دل میں خیال کیا۔ کہ دیو نے اشقر نے کچھ کہا ہوگا اس وجہ سے اشقر نے مار ڈالا ہے۔ اشقر کو بہت آفرین اور تحسین کی۔ تب امیر آگے بڑھے اور اشقر بھی ہمراہ چلا جب رات ہوئی تو آرام کیا۔ اور پری آکر اشقر کو دودھ پلاتی۔

جب اشقر بڑا ہوا اور گھاس چرنے لگا تو پہاڑوں کی زمین میں چلتے چلتے اشقر کے سُم گھس گئے اور زخمی ہوگئے۔ امیر تو اس کے زخموں کو دیکھ کر غم و الم میں ہوئے۔ اتنے خضر علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور امیر خضر کے قدموں پر گرے۔ انہوں نے حمزہ کو گلے لگایا۔ تو امیر نے عرض کی کہ گھوڑا بغیر نعل کے چل نہیں سکتا۔ تب حضرت خضر نے اشقر کے پاؤں میں چار نعل اپنے ہاتھ سے باندھے۔ امیر نے حضرت خضر سے عرض کی کہ چار نعل اور بھی عنایت فرمایئے۔ اگر یہ نعل نکل جاویں تو میں انکو پھر باندھوں۔

اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا دوسرے نعل کی ضرورت نہیں۔ جب تمہاری قضا آئے گی۔ یہ نعل تب نکلیں گے۔ یہ فرما کر خضر علیہ السلام غائب ہوگئے۔ تب امیر نے آگے کی راہ لی اور دور سے ایک قلعہ دکھائی دیا۔ یہ قلعہ سبز پوش پریوں کا تھا۔ جب انہوں نے امیر کے آنے کی خبر سنی تو بہت عزت

وزیر نے امیر کا استقبال کیا اور ایک اچھے مکان میں اتارا اور شرائط مہمانداری کی بجا لائیں۔ امیر نے بھی آرام و استراحت کی۔ جب رات دوپہر گذری تو امیر ہوشیار ہوئے اور آہ سرد کی ایک آواز امیر کے کان میں آئی۔ پس امیر حمزہ نے اس کا قفل توڑا اور اندر جا کر دیکھا۔ کہ دو مرد آہ آہ کر رہے ہیں۔ امیر نے ان دونوں کو باہر نکالا اور پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے اور کون قوم ہو؟ اور یہاں کیوں آئے ہو؟ وہ بولے ایک کا نام ملاح آشوب اور دوسرے کا نام بہلول نقاش ہے۔ ہم سوداگری کے لئے جہاز پر سوار ہو کر دنیا میں چلے تھے۔ کہ طوفان قہر نے ناگاہ ہمارے جہاز کو غارت کیا اور ہم بھی قریب نزع کے تھے۔ اتنے میں پریاں آئیں اور ہمکو یہاں لا کر تین روز سے قید کر رکھا ہے۔

جب صبح ہوئی تو سبز پوش پریوں کا بادشاہ امیر کے پاس آیا اور آداب بجا لایا۔ امیر نے فرمایا۔ کہ یہ دونوں آدمزاد ہمارے ہم جنس ہیں انہیں میرے تابع کرو۔ اس نے عرض کی آپ بے فکر رہیں اور لے لیں۔ ہماری زہے سعادت ہے۔ پھر امیر نے آگے چلنے کی تیاری کی کہ اتنے میں آشوب ملاح نے کہا۔ کہ اے امیر پریوں سے ایک کشتی طلب فرمایئے۔ امیر نے ویسا ہی کیا اور دریا پار ہونے کے لئے امیر مع اشقر اور دونوں یاروں کے سوار ہو کر دریا میں چلے۔ اتنے میں ایک جانور آیا۔ امیر نے فرمایا۔ کہ یہ سیمرغ ہے۔ تب یہ سیمرغ کشتی کو جنگل میں لیکے ہوا پر اڑا۔ امیر نے کمان پر تیر لگا سیمرغ کے سینہ میں ایسا مارا کہ وہ زخمی ہو کر گرا۔ اور کشتی ریزہ ریزہ ہو گئی اور امیر مع یاران سلامتی سے کھڑے رہے۔ پھر امیر نے بہلول نقاش کو فرمایا کہ اس سیمرغ کے پر نکال کر اس کی تصویر کھینچو اور ایک پر ہمراہ لو۔ نقاش مذکور نے بموجب حکم ویسا ہی کیا۔ پھر وہاں سے چلے تو ایک باغ نظر آیا تب امیر نے دونوں ایک جھاڑ پر چڑھا گئے اور اشقر نیچے کھڑا رہا۔

امیر نے باغ میں جا کر دیکھا۔ کہ ہر جھاڑ کے نیچے ایک ایک دیو بڑے بڑے سینگوں والا بیٹھا ہے۔ جب ان دیوؤں نے امیر کو دیکھا تو وہ اپنے اپنے سینگ جھکا کر امیر کے اوپر دوڑے اور حملہ کیا اور امیر بھی دیوؤں پر حملہ آور ہوئے۔ غرض کہ بہت سے دیوؤں کو مارا اور باقی بھاگ گئے۔ اور بھاگتے ہوئے دیوؤں کو دیکھکر بہلول اور آشوب کے مرغ روح نے قفس تن سے پرواز کرنا چاہا۔ اور اشقر جو نیچے کھڑا تھا اس نے جس وقت دیوؤں کو بھاگتا دیکھا تو ٹاپوں سے مارنا شروع کیا۔ غرض جو دیو امیر سے بھاگتا اور اشقر کی ٹاپوں سے مارا جاتا۔

جب امیر باغ سے باہر آئے تو دیکھا کہ بہت سے دیو مرے پڑے ہیں۔ امیر نے متحیر ہو کر پوچھا۔ کہ ان دیوؤں کو کس نے مارا تب بہلول اور آشوب نے کہا۔ کہ جب دیو باغ میں سے آئے

تھے تو ہماری جان ان سے ڈرتی تھی۔ مگر اشتقر نے تمام کو ٹاپوں سے مار ڈالا۔ امیر نے اشتقر کی پیشانی پر بوسہ دیا اور وہاں سے آگے کو چلے اور پھر ایک باغ دیکھا۔ تب امیر نے یاروں سے کہا کہ تم ایک جھاڑ پر چڑھا ہوا اشتقر کو زیر شجر چھوڑ کر آپ آگے بڑھے اور دیکھا۔ کہ گھوڑے کے سر والے دیو بیٹھے ہیں۔ انہوں نے امیر پر حملہ کیا۔ امیر نے تلوار خونخوار سے بہت سے دیوؤں کو مارا اور باقی بھاگے۔ سو اشتقر نے ٹاپوں سے مارا اور باقی جب امیران موذیوں کو مردار کر کے فارغ ہوئے اور آگے چلے تو دیکھا کہ کتے کے سر کے دیوؤں میں پہنچے ان کو بھی مردار کیا اور پھر آگے بڑھے تو جنگل میں ایک شیطان سا آدمی پال بیٹھا ہے اس سے پوچھا۔ کہ تو کون ہے؟

یہ سن کر اس موذی نے امیر کے دونوں بازو پکڑ کر زور کیا۔ لیکن خود عاجز ہو گیا۔ امیر نے اس کو زمین پر گرایا اور خنجر اس کے گلے میں پھیرا۔ لیکن اس کا گلا ہرگز نہ کٹا تب ہاتف نے آواز دی کہ اے امیر یہ وہ دجال کا خربان ہے۔ بجز زمانہ آخر کے اس کی موت نہیں ہے۔ تب امیر نے اسکی آنکھ میں خنجر مارا اور داہنی آنکھ کانی کر دی اور وہ چلاتا ہوا دوڑا۔ تب خربان نے گدھے کو پکارا تب ایک کالا پہاڑ سا گدھا کہ جس کے دیکھنے سے شیروں کو لرزہ پیدا ہو۔ وہ گدھا منہ کھول کر امیر پر حملہ آور ہوا۔ اور وہ گدھا توانا قوی اور موٹا چار کوس میں سماتا تھا۔ تب امیر نے اس کی آنکھ میں خنجر مارا اور اس کی داہنی آنکھ کانی کی اور دونوں کان کاٹ کر چھوڑ دیا۔

جب خر اور خربان غائب ہوئے تب دجال پیلا قوال پیدا ہوا اور ایک قدم آگے بڑھا کر امیر کے روبرو آیا۔ تب امیر نے اس کے بازو پکڑے اور نیچے گرایا۔ اور تب سے نام اس کا کانا دجال مشہور ہے۔ اور روایتوں میں لکھا ہے۔ کہ اس شیطا اور خربان کی داہنی آنکھ کانی ہے

سنہ ۴۰

چالیسویں داستان

جب امیر المومنین حضرت حمزہ دجال سے فارغ ہو کر وہاں سے چلے تو ہاتھی کے کانوں والے آدمیوں کے شہر میں پہنچے۔ وہاں کے بادشاہ کا نام قریشی تاجدار تھا۔ اور اس قوم کی صورت آدمیوں کی تھی مگر کان ہاتھی کے تھے۔ جب قریشی تاجدار نے حمزہ کے آنے کی خبر سنی تو استقبال کو آیا اور امیر کو عزت و تکریم سے اپنے محل میں لے گیا اور شرائط مہمانداری بجا لایا۔ تب

امیر نے آدمیوں کی صحبت سے شکرانہ خدا تعالے کا ادا کیا اور قریشی سے پوچھا۔ کہ یہاں سے دُنیا کتنی دُور ہے ؟

اس نے عرض کی کہ اے پہلوان جہانگیر ابھی تو سات دریا سے پار ہونا ہے۔ ایک دریا پانی دوسرا آگ تیسرا دھواں چوتھا ہو۔ پانچواں جوش چھٹا قلزم ساتواں عمان ہے۔ جب ان سات دریا سے پار ہوں گا تب جانئے کہ کوہ قاف سے وداع ہوئے۔ امیر نے فرمایا کہ میں ان دریاؤں سے کیونکر پار جاؤں گا ؟ قریشی نے کہا۔ کہ پہلے دریا کے کنارے ایک عورت ملک سیرت صفائے باطن عبادت بنا کر رہتی ہے۔ جب وہاں جاؤ گے تو وہ عورت تم کو ایک دریا بلکہ تمام دریاؤں سے پار کرے گی اور حضرت خضر علیہ السلام اس عورت کو اکثر والدہ کہتے ہیں اور وہ بڑی بزرگ اور صالح ہے۔ امیر نے فرمایا۔ کہ ہمارے ہمراہ ایک رہبر دو کہ وہ ہمیں اس صالحہ عورت سے ملا دے۔ تب عرض کی کہ آپ کا گھوڑا لے زین ہے۔ زین تیار کرنے تک صبر فرمائیے۔

امیر نے قبول کیا اور چند روز وہاں رہے۔ کہ ایک قاصد نے خبر کی کہ بادشاہ کی دختر کو سموم لے گیا ہے۔ امیر نے پوچھا کہ سموم دیو یہاں کب سے آیا ہے ؟ تب قریشی نے کہا۔ کہ یا امیر اس موذی نے تھوڑے دنوں سے یہاں کے جنگل میں رہنا شروع کیا ہے۔ اور اس حرامزادے کے ہاں بچہ ہوا اور ماں اس کی جہنم میں گئی۔ تب وہ ہمارے شہر سے ایک عورت کو لیجاتا ہے۔ آج میری بیٹی کو لے گیا ہے۔ امیر اُٹھا اور اشقر کو بھی ہمراہ لیا اور ایک کنواں اس سِل سے بند نظر آیا۔ امیر نے اس سِل کو اُتار کر کنوئیں کے منہ پر اشقر کو کھڑا کیا اور آپ کمند باندھ کر کنوئیں میں اُترے اور ایک سوراخ سے دیکھا کہ سموم تخت پر بیٹھ کر حکم واحکام میں مشغول ہے۔ امیر نے وہ سوراخ دار پتھر اُٹھایا اور اس موذی نے امیر کو دیکھا۔ تو مارے ڈر کے ایک طرف جا بیٹھا۔ تب امیر نے اسے نیزہ مارا اور دیو زمین پر گرتے ہی مر گیا۔ امیر نے باقی دیوؤں کو مع بچے کے گہوارہ زمین میں سُلا کر قریشی کی دُختر ہمراہ لے کر اوپر آئے اور جو دیو کنوئیں میں سے باہر بھاگے انکو اشقر نے ٹاپوں سے داخل جہنم کیا۔

غرض امیر یہ حال دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور شہر میں آئے۔ تو قریشی بہت ممنون ہوا اور امیر کی منّت و معذرت کی اور ہزار تعظیم وتکریم سے مہمانداری میں مشغول ہوا۔ پھر کئی دن کے بعد زین زرین تیار ہوئی اور امیر کے حضور میں حاضر کی اور امیر نے ایک رہبر ہمراہ لیا اور عورت باصفا کے پاس آئے اور اس کا باغ مانند بہشت کے تھا جس میں ایک درخت سرو کا کاٹا اور اس کی شاخیں کاٹ کر ہاتھ کا عصا بنا کر اس ملک سیرت کے روبرو آئے۔ اور سلام اس بی بی سے کیا۔ اس نے اُٹھ کر امیر کو گلے لگایا اور سینہ بکینہ

سے ملایا اور شرط مہمانداری کی ادا کی اور امیر سے فرمایا۔ کہ فرزند ارجمند اس باغ میں مرغ سمندر آتے ہیں انکو مار کر اور ان کا چمڑا اُتار کر اپنے اور اپنے یاروں اور اپنے گھوڑے کا لباس تیار کرو تاکہ آتش دریا تم پر کارگر نہ ہو۔ پس امیر تیر و کمان لیکر باغ میں گئے اور جانوروں کو مار کر سب کے لئے بہلول اور آشوب سے پوستین تیار کرائیں۔ اور مع گھوڑے سب نے پوشاکیں ایسی پہنیں کہ سوائے آنکھ کے کوئی اعضا کھلا نہ رہا۔ تب اصفائے باصفا ہاتھ میں عصا لیکر ان کے آگے امام ہوئی۔ امیر مع یاراں مقتدی جیسا اوّل دریا کے پاس آئے تب اس عورت باصفا نے ایک عصا پانی پر مار کر پانی دو ٹکڑے کیا اور امیر کو فرمایا۔ کہ تم بے فکر میرے برابر چلے آؤ۔

امیر مع یاران و اشقر اس دریا سے پار ہوئے۔ غرض ساتوں دریا بدستور پار ہوئے تب اصفائے باصفا نے مصلے بچھا کر سجدہ حق میں اپنی جان درگاہ الٰہی میں تسلیم کی۔ تب امیر اسکی تجہیز و تکفین کی فکر کی تو ہاتف نے آواز دی کہ اے حمزہ تو یاروں سمیت اس لاش کی طرف سے منہ پھیر لے۔ تب امیر نے بدستور منہ پھیر لیا۔ خدا کی قدرت وہ مغفور ناپید ہوئی تب حمزہ نے شکر حق ادا کیا اور روانہ ہو کر منزل در منزل طے کرنے لگے۔ اب حقیقت حمزہ کے لشکر کی سنو۔ کہ نتیجہ میں سب غلہ ختم ہوا۔ اور لشکریوں نے گھوڑوں کو شروع کیا تو عمر معدی کرب بھوک کی برداشت کی تاب نہ لا کر عمر کے پاس آکر بولا۔ کہ میں تو آتش فاقہ سے جل کر کباب ہوا ہوں۔ اگر حکم ہو تو اور ملک میں جا کر وہاں کے حاکم کو مطیع کر کے غلہ وغیرہ روانہ کروں۔ میں بھی خوب کھاؤں۔

عمر نے کہا۔ اے عزیز ذرا صبر کر کے امیر کے آنے کے ایام قریب ہیں۔ اگر ایسے وقت میں جدا ہو کر جاؤگے تو بے وفا کہلاؤ گے۔ اب اٹھارہ برس تمام ہونے پر آئے ہیں اتنے دنوں کی شفقت و محنت تمہاری برباد ہو جائیگی۔ عمر معدی کرب نے عمر بن عمیہ کا کہنا ہرگز نہ مانا اور جنگل کی راہ لی۔ جنگل میں ایک کاروان اُترا تھا وہاں کے قافلہ سالار سے کہا۔ کہ میں بھوکا ہوں کھانا جلد کھلاؤ۔ کاروان سالار اس کے قد سے ڈرا اور ایک آدمی سے غلہ جمع کر کے سات برتن کھانا پکا کے لایا۔ عمر معدی کرب نے کھانا گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے کھایا اور بولا۔ کہ اے سالار کاروان یہ تو ناشتہ ہوا۔ اب زیادہ کھانا جلد لاؤ۔ وہ کاروان کھانا پکوا کر تین سات برتن لایا۔ عمر معدی کرب نے وہ بھی تمام کھایا اور کہا۔ کہ اے نادان کاروان سالار تم نے مسخری میرے ساتھ کی ہے۔ کہ ذرا سا کھانا لا کر دیا ہے۔ پس اتنی خوراک سے میرا پیٹ نہیں بھرتا اور کچھ بکریاں لا کر کباب بنا۔

یہ سُن کر کاروان سات بکریاں لائے تب معدی کرب نے گھوڑے سے اُتر کر ان بکریوں

کو ذبح کر کے ایک جھاڑ جڑ سے اُکھاڑ کر جلایا اور ان بکریوں کو اُس پر بھون کر کھایا اور جا کر ایک حوض عظیم پر مُنہ لگایا اور اس کا تمام پانی پیا۔ تب پیٹ بھرا اور گھوڑے کا سامان اُتار کر چرنے کو چھوڑا اور ایک جھاڑ کے تلے آپ زین بچھا کر سویا۔ جب آدھی رات ہوئی تب کاروانیوں میں ڈاکہ پڑا اور غل ہوا کہ کارواں لوٹا۔

عمر معدی کرب یہ سن کر ہوشیار ہوا اور تمام چوروں کو مار کر کاروان کا مال و جان بغیر نقصان کے بچایا۔ تب کاروان بولے۔ کہ اس شخص نے جو کھایا وہ اسکی مدد کے آگے کیا چیز ہے۔ صبح کو جاتے وقت اس کو ہمراہ لیا اور ایک شہر میں پہنچے۔ یہاں کا بادشاہ مر گیا تھا اور ارکان دولت ہما کو اُڑاتے تھے کہ جس کے سر پر بیٹھے اسی کو دولت دنیا دیں اور بادشاہ بنا دیں۔ اس شور و غل میں عمر معدی کرب بھی کھڑا تھا۔ وہ ہما عمر معدی کے سر پر بیٹھا۔

بس عوام اور امرا وزرا عمر معدی کرم کو ہزار تکریم و تعظیم سے لیجا کر تخت پر بیٹھایا اور ملک کے حکم احکام سنائے۔ اتنے میں عمر معدی کرب کو وزیر باورچیخانہ کے داروغہ نے طعام لذیذ لا کر سفرہ چن دیا۔ عمر معدی کرب نے بعد کھانے کے شراب پی کر سیر شادہ ہو کر وزیر سے کہا۔ کہ عورت لاؤ کہ میں نکاح کروں۔

وزیر نے عرض کیا۔ کہ اے جہان پناہ اس شہر کی رسم ہے کہ اگر عورت مرے تو مع خصم دفن کرتے ہیں۔ اگر مرد مرے تو مع عورت مدفون ہو اگر اس طریق کو حضور قبول کریں تو بندہ نوازی ہے کہ بندہ اپنی دختر کو کنیز گی میں دے۔ غرض عمر معدی کرب تو نشہ میں بے فکر تھا وہ طریقہ قبول کر کے کہا تو وزیر اپنی دختر اجل رسیدہ کو عمر معدی کرب کے نکاح میں لایا اور معدی کرب نے اس سے مجامعت کی تو وہ بیچاری اتفاقاً مر گئی۔ تب وزیر نے صبح کو آ کر موافق رسم اس نوتہ کی قبر تیار کی اور نہلا کر کفن وغیرہ دیکر مع مجمع قبرستان کی طرف چلا۔ جب نزدیک گئے تو وزیر نے عرض کی کہ اے جہاں پناہ اب آپ تابوت لیکر قبر میں جائیں۔

تب عمر معدی کرب نے فرمایا۔ کہ تو وحشی ہے کہیں زندہ آدمی زمین میں دفن ہوتے ہیں۔ تب وزیر نے عرض کی کہ آپ فدوی کی عرض اور طریق بستی کو قبول فرما چکے ہیں۔ پس اپنے وعدہ و اقرار سے عبدل مناسب نہیں۔ عمر معدی کرب بولے کہ میں ایسی رسم اپنے ملک میں جاری نہیں کرتا یہ بولا۔ کہ مجھے اس وقت بھوک لگی ہے کھانا لاؤ۔ تب وزیر نے اس وقت کو غنیمت جان کر کھانے میں داروے بیہوشی ملا کر عمر معدی کرب کے روبرو لا رکھا کہ عمر کھانے کے بیہوش ہوا۔ تب وزیر نے

سر سے پاؤں تک زنجیریں باندھکر ہوشیار کیا۔ اور کہا۔ اے بادشاہ تابوت دانتوں میں پکڑ کر قبر میں رکھو۔ عمر معدی کرب نے ہرگز قبول نہ کیا اور وزیر نے مارنے کو فرمایا کہ اتنے میں بفضل خدا امیر حمزہ بھی اس سورش میں وہاں آئے اور حقیقت دریافت کی اور بطور تمسخر فرمایا کہ اے شخص مرد خدا جو اقرار کرتے ہیں وہ ادا کرتے ہیں۔ تم کیوں ادا نہیں کرتے۔ عمر معدی نے حمزہ کو نہ پہچانا اور بولا۔ کہ اے وحشی میں نے تو اقرار نہیں کیا جو ادا کر دوں۔

وزیر نے کہا۔ کہ اگر تم اقرار نہ کرتے تو میری لڑکی نہ مرتی۔ تب حمزہ نے پوچھا۔ کہ اے شخص تیرا کیا نام ہے۔ تب عمر معدی کرب نے اپنے نام سے آگاہ کیا اور یہ بھی کہا۔ کہ میں سردار لشکر امیر حمزہ کی فوج کا ہوں۔ امیر نے فرمایا تم لشکر سے کس طرح جدا ہوئے؟ عمر معدی کرب نے کہا۔ کہ لشکر مع جہانگار نیچے میں ہے اور میں بھوک سے عاجز ہو کر ان سے بیوفائی کر کے آیا ہوں اور اس نتیجہ کو پہنچا۔ جب امیر نے یہ کلام سعادت التیام عمر معدی کرب سے سنا تب آپ اشک بار ہوئے اور گھوڑے سے اتر کر عمر معدی کرب کے بند دور کئے تب معدی نے وزیر کو مع تمام عالم کے مارنے کا ارادہ کیا اور امیر نے منع کیا۔ مگر ان کی ایک نہ سنی تب تمام عالم پکارا کہ مرد اجنبی تو نے ہی اس ہول بیابانی کو چھوڑا ہے۔ اور تم ہی پھر باندھو۔ ہم تمکو یہاں کا بادشاہ بنا دیں گے

تب امیر نے عمر معدی کرب سے کہا [illegible] اس کو اٹھا دیا کہ عمر معدی کرب عاجز ہو گیا اور کہا۔ اے شخص تو کون ہے؟ تب امیر نے فرمایا میں امیر کا قاصد ہوں اور [illegible] سے آیا ہوں۔ عمر معدی کرب نے کہا۔ کہ حمزہ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ تمہاری یاد میں مشغول ہیں۔ عمر معدی نے پوچھا۔ کہ امیر نے ہمیں بھی یاد کیا ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ مہر نگار و عمر بن امیہ اور دوسرے یاروں کو یاد کرتے ہیں۔ تمہارا کبھی زبان پر نام تک نہیں لیا۔ عمر معدی کرب نے کہا۔ افسوس کہ وہ عرب مجھے یاد نہیں کرتا۔ تب امیر نے کہا۔ کہ اگر تو حمزہ کو دیکھے تو پہچان لے۔ تب عمر معدی نے کہا کہ اگر تو حمزہ کو دیکھے تو پہچان لے۔ تو عمر معدی نے کہا۔ نادان ہیں اور حمزہ بچپن سے ساتھ ہی ایک جگہ پرورش ہوئے کیوں نہ پہچانوں گا۔ تب امیر نے فرمایا جو شکل میری ہے سو حمزہ کی ہے۔ عمر معدی نے کہا کہ تو خلاف کہتا ہے۔ حمزہ کی ڈاڑھی نکلی ہے [illegible] اور عمر معدی اس خال کو جو امیر کی گال پر تھا دیکھ کر پہچانا اور دوڑ کر امیر کے قدموں پر گرا۔ تب امیر نے معدی کرب کو گلے سے لگایا اور دونوں مل کر اتنے روئے کہ مرغ و ماہی آہ و زاری سے بیقرار ہو کر رو دئیے اور وہاں کے وزیر اور لوگوں نے عقل سے دریافت کیا۔ کہ امیر حمزہ یہی ہے۔

پس امیر کو ہزار العظیم و تکریم سے شہر میں لیجا کر شرط مہمان نوازی بجا لائے اور دوسرے روز امیر نے معدی سے حقیقت مہر نگار اور عمر بن عمیہ اور مقبل وفادار اور باقی غمگسار کی دریافت کی۔

اکتالیسویں داستان

دوسرے روز امیر نے معدی کرب و آشوب و بہلول سمیت شہر نیج کی راہ لی اور راہ میں ایک ندی نظر آئی جس میں ایک صندوق جا رہا تھا۔ امیر نے آشوب ملاح کو فرمایا۔ کہ وہ صندوق جلد لاؤ۔ آشوب بموجب ارشاد تیر کر گیا اور اس صندوق کو کنارے پر لایا مگر امیر تک نہیں لا سکا کیونکہ وہ وزن دار تھا۔ عرض کیا تو امیر نے عمر معدی کو فرمایا کہ تم جا کر صندوق لاؤ۔ تب معدی نے آکر صندوق میں وزن دیکھ کر خیال کیا۔ کہ اس میں کوئی شے ہے۔ بہ خیال کر کے وہیں کھولا تو اس میں سے ایک دیو بد شکل نے نکل کر معدی کرب کا گلا ایسا پکڑا کہ معدی کی آواز بند ہوئی اور اتنا نا طاقت ہوا کہ امیر کو اطلاع نہ کر سکا۔

اتنے میں ایک بزرگ پیدا ہوا تو عمر معدی نے ان سے تمام حقیقت کہی۔ تب اس نے کہا کہ اتنا بڑا دیو ایسے چھوٹے صندوق میں کیونکر سمایا یہ بات جھوٹ ہے۔ دیو نے کہا کہ اگر جھوٹ جانتے ہو تو اب میں پھر صندوق میں جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر دیو صندوق میں گیا۔ تب اس بزرگ نے صندوق کو بند کیا اور معدی کرب نے شکر یزدی ادا کیا۔ اور صندوق کو امیر کے حضور میں لایا اور حقیقت گذشتہ مفصل عرض کی۔

تب امیر نے فرمایا کہ اے معدی کرب تم مع آشوب بہلول صندوق آہستہ لاؤ اور میں آگے جاتا ہوں۔ یہ فرما کر امیر تو آگے بڑھے اور اس روز مہر کا دل فگار ہوئی آج تو تاریخ اٹھارہ سال کی ہوئی۔ آج امیر حمزہ آئے تو بہتر ہے۔ نہیں تو زہر جو ہر کا کھایا ہوا کھا لوں گی۔ یہ کہہ کر دل میں تصور کیا اور محل کے بالاخانہ سے کوہ قاف کی طرف دیکھنے لگی [illegible]

[illegible] ~~~ [illegible] صبا را شکستہ

پس اسی وقت [illegible] پر [illegible] جاتے تھے تو مہر نگار انہیں دیکھ کر بولی۔ کہ اگر امیر ان دونوں کو [illegible] کرے تو سمجھ جاؤں گی کہ امیر آج آئیں گے اور خطا ہوئی تو [illegible]

پس بہ نیت کرکے تیر چلایا تو تیر نے دونوں جانوروں کو چھیدا اور وہ جانوروں کے امیر کے روبرو زمین پر آ گرے اور حمزہ نے وہ تیر مہر نگار کا پہچان کر آنکھوں پر رکھا اور اشقر پر سے اتر کر جانوروں کے پروں کو صاف کرنے لگے۔ کہ عمر بن عمیہ ان جانوروں کو لینے کیلئے قلعہ سے باہر آئے تو دیکھا کہ ایک شخص پوستین پہنے ہوئے جانوروں کو صاف کر رہا ہے۔ عمر بن عمیہ بولا کہ اے مرد وحشی یہ جانور تو میری ملک کے ہیں تو ان کے پر کس لئے نکالتا ہے؟ بھلا چاہتا ہے تو مجھے دے۔ جب عمر بن عمیہ کو امیر حمزہ نے دیکھا تو دل میں مسرور ہوئے اور شکرانہ خدا کا ادا کیا۔ مگر عمر کی بات کا جواب نہ دیا۔

تب عمر نے نزدیک آ کر کہا۔ کہ یہ جانور میرے ہیں۔ تب امیر نے فرمایا۔ کہ اللہ نے میرے روبرو ڈالے تجھے ہرگز نہ دوں گا۔ عمر نے کہا۔ کہ مہر نگار نے تیر سے مارے ہیں۔ پس تیرے مارنا ہی شکار ہے جلد دو۔

امیر نے فرمایا مہر نگار کون ہے؟ عمر نے کہا وہ امیر حمزہ کی عورت نوشیرواں کی بیٹی۔ تب حمزہ نے کہا۔ کہیں بھی حمزہ کے پاس سے چل کر مہر نگار کے پاس کوہ قاف سے آیا ہوں۔ تب عمر نے پوچھا کہ حمزہ کس شغل میں ہے۔ امیر نے فرمایا کہ شہرستان زریں میں اسماپری سے عیش میں مشغول ہے اور مہر نگار کے پاس مجھے بھیجا ہے اور حمزہ کی حقیقت مہر نگار کے روبرو بیان کروں گا۔ عمر نے فرمایا کہ سوار ہو میں تجھے مہر نگار کے پاس لے چلتا ہوں۔ امیر سوار ہو کر عمر کے ساتھ چلے جب کافروں کی نظر امیر پر پڑی نوشیرواں نے بزرجمہر سے کہا۔ اے خواجہ تو نے کہا تھا کہ امیر حمزہ کوہ قاف سے اٹھارہ سال کے بعد آئیگا۔

پس اٹھارہ برس آج تمام ہوئے اب حمزہ کہاں ہے؟ بزرجمہر نے کہا۔ دیکھو وہ سوار آتا ہے سو وہ حمزہ ہے۔ نوشیرواں نے کہا۔ یہ سواری امیر کی نہیں ہے یہ تو کوئی اور ہے پس امیر حمزہ جب خندق کے پاس آئے تو اشقر پر سے جست کر کے خندق سے پار ہوئے تو اشقر سے کہا جب میں جاؤں گا تب تو آئیو۔ پس زوبین نے دیکھا اور کہا کہ یہ گھوڑا جو امیر خندق پر چھوڑ گیا ہے جلد جا کر پکڑ لاؤ۔ تب مغل دوڑے اور اشقر کو گھیرا تو اشقر مغلوں پر دوڑا کسی کو لات ماری کسی کو دانتوں سے کاٹنے لگا۔ جب بہت سے مغل مارے گئے۔ پھر اشقر کودا اور قلعہ میں گیا تب نوشیرواں اور تمام کافر بولے کہ اگر حمزہ کا گھوڑا ایسا نہ ہوتا تو اسے ایسی دلاوری کہاں سے ہوتی۔ گھوڑا ہاتھ نہ آنے سے زوبین اور بختک شرمندہ ہوئے اور امیر اشقر پر سوار ہو کر مہر نگار کے محل میں گئے اور عمر نے اندر جا کر مہر نگار سے

کہا کہ حمزہ کوہ قاف سے قاصد کو روانہ کیا ہے۔ سو وہ کہتا ہے کہ حمزہ کا حکم ہے کہ پیغام مہر نگار کے کان میں دوں غیر نہ سنے۔ مہر نگار نے کہا۔ وہ حقیقت کیا ہے دریافت کر کے آؤ۔ تب عمر نے کہا اے دیوانے مہر نگار نے آج تک کوئی مرد نہیں دیکھا۔ تیرا گذر وہاں کیونکر ہو گا؟ امیر نے کہا کہ میں سوائے مہر نگار کے اور کسی سے نہ کہوں گا۔ تب تو ناچار ہو کر پردہ باندھ کر ادھر مہر نگار کو کھڑا کیا ادھر امیر حمزہ کو۔ یکایک امیر دوڑے اور مہر نگار کو سینہ فراق دیدہ سے لگایا اور مہر نگار امیر کے قدموں پر گر پڑی۔ اتنے میں عمر جلدی سے پوستین و کلاہ نکال کر دیکھتے ہیں کہ امیر ہیں۔ محل میں عشرت و فرحت کا آوازہ اور شور پیدا ہوا۔ اور سب کے دل میں دریائے خوشی اُبلنے لگا اور عاشق و معشوق مل کر خوب روئے اور حرف فراق دل کے دفتر سے دھوئے اور دیر تک عذر و معذرت میں مشغول رہے۔ غرضیکہ نہالِ خزاں دیدہ فراق چشیدہ نے نسیم وصل سے سیرابی تازہ شادابی بے اندازہ حاصل کی۔ بعدہٗ امیر نے حقیقت کافروں کی معلوم کر کے مع فوج ظفر سوار ہو کر میدان کو عزت بخشی اور نقارے جنگ بجوائے اور اشقر سوار نے گھوڑا میدان میں دوڑایا اور فرمایا کہ جو کوئی جانتا ہو تو جانے نہیں تو اب پہچانے کہ میں امیر حمزہ بن عبدالمطلب ہوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے یہ توفیق رفیق دی ہے۔ کہ کوہ قاف میں جا کر میں نے گھوڑوں۔ ہاتھیوں، گینڈوں اور اونٹوں کے سر والے دیوؤں اور بلاؤں کو گرفتار کیا اور خدا نے مجھے سلامت پہنچایا۔ پھر عمر معدی کرب کے پاس جو صندوق تھا وہ منگوا کر معدی کرب سے کھلوایا۔ اور اس میں سے ایک دیو پہاڑ کی مانند نکل کر بیٹھا گا۔ امیر نے اشقر پر دوڑ کر ایسی تلوار ماری کہ اس کا سر گیند کی مانند اُڑا دیا۔ تب امیر نے وہ کافروں کے لشکر میں پھینکا۔ بہت سے کافروں کی کمر ٹوٹ گئی اور بہت سے کافر سوار ہو کر بھاگے۔ تب امیر نے پکارا کہ کون ہے جو میدان میں آئیگا؟

یہ سن کر زوپین کا بھائی میدان میں آیا اور امیر پر تلوار چلائی۔ امیر نے ایک ہاتھ سے اسکی ایک پنڈلی پکڑ کر اٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے دوسری پنڈلی پکڑ کر خدا کا نام لیکر اسے چیر کر دو ٹکڑے کر کے کافروں پر پھینکے۔ اور دونوں ہاتھوں سے تلوار مارنے لگے۔ اور ایسا مارا کہ خون کی ندیاں بہائیں اور ان ندیوں میں کافروں کے سر حباب کی مانند تیرنے لگے۔ غرض مارتے مارتے نوشیرواں تک پہنچے۔ تب تو نوشیرواں اور زوپین آگے نکل کر بھاگ گئے۔

یہ دیکھ کر امیر نے اپنے لشکر کو کہا کہ مار دو ان بھاگنے والوں کو۔ ہر عرب کی تلوار پڑنے سے تو اتنے کافر مارے کہ پشتوں کے پشتے بندھ گئے اور لاشوں پر لاشیں اور لہو کی ندیاں جاری ہوئیں۔ اللہ کا حساب خدا کو معلوم تھا کہ مُردوں کی کیا تعداد تھی۔ تب اسباب و خیمے لٹے دو ہزار چوبی دریچے

اور بارگاہ چہل ستون مع مال و متاع لوٹ میں مددا ور کوس تک ان کا تعاقب کیا اور بعد فتح کے نقارے بجاتے ہوئے پھرے اور پاکیزہ مقام دیکھکر ڈیرہ مذکور لگایا۔ امیر اسمیں اُترے اور مجلس آرائی کا حکم دیا۔ تب ساقیان سیمیں ساق و مطربان خوش آواز حاضر ہوئے اور بعد تناول طعام کے پیالہ گردش میں آیا اور تمام یاران حمزہ خوشی سے جشن میں مشغول ہوئے اور نوشیروان بھاگ کر دمشق کو گیا۔ وہاں کا بادشاہ ہوم دمشقی تھا کہ چالیس من سولہ کی اینٹ میدان میں رکھکر اس پر سے کھڑا رہتا اور چار سوار پہلوان مل کر زور کرتے لیکن ہوم کا پاؤں ذرا نہ ہلا سکتے اور جب ہوم اپنا پاؤں جھٹکتا تو وہ تمام پہلوان دور جا پڑتے جب ہوم دمشقی کے پاس نوشیروان جا اُترا تو بختک کو کہا۔ کہ تو جاکر ہوم دمشقی کو لا۔ تب بختک ہوم کے پاس گیا اور سجدہ نیاز ادا کیا۔ اس حرکت سے ہوم نے کہا۔ کہ جس بادشاہ کا وزیر یہ ہو البتہ وہ کیوں سرگردان نہ رہے۔ بختک نے تمام قصہ حمزہ کے مارنے اور نوشیروان کے بھاگنے کا ابتدا سے انتہا تک عرض کیا۔ تو ہوم نے کہا۔ تو جا اور نوشیروان کو یہاں لے آ۔ اگر امیر یہاں آئے گا تو سزا پائیگا۔

بختک نے وہاں سے جاکر ہوم کی حقیقت نوشیروان سے کہی۔ نوشیروان نے کہا حرامزادے تو نے میرا رتبہ یہاں تک پہنچایا۔ کہ میں یہاں آیا۔ ہوم نے میرا استقبال نہ کیا۔ یہ کہکر بختک کے مارنے کا حکم دیا۔

تب زوبین گاؤ میش نے بزرجمہر کی خدمت میں عرض کی کہ اے وزیر نیک تدبیر آپ ہی دستگیری کریں۔ تب بزرجمہر حسب ضرورت بڑے جاہ و حشم سے ہوم کے دربار میں تشریف لیگئے۔ تب ہوم نے ان کے باعث رعب سے تعظیم لیکر اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کہ اے خواجہ آپ نے کدھر قدم رنجہ فرمایا؟

یہ سُن کر بزرجمہر نے کہا۔ کہ ہفت کشور کا بادشاہ تمہاری طرف آیا ہے۔ تم استقبال نہ کرو یہ بات نہیں ہے بادشاہ کو جاکر تخت پر بٹھلایا تب ہوم نے بدستور سے وزیر بزرجمہر استقبال کرکے بادشاہ لاکر تخت پر بٹھلایا۔ اور کہا۔ بادشاہ خاطر جمع رکھے۔ کہ اگر حمزہ یہاں آئے گا تو اس کے کان جڑ سے جُدا کردوں گا۔ تب بادشاہ فراغت سے رہنے لگا۔

(باقی داستان فردا شب)

بیالیسویں داستان

جب سلطانہ حلقہ فگن گوش گردن کشاں یعنی امیر کشور گیر جہاں ستان امیر حمزہ نے نوشیروان کو بھگایا اور اس کا تمام مال لوٹا اور تمام پہلوان اپنی اپنی کرسی پر بیٹھے اور چالیس روز خوشی سے جشن میں رہے تو ایک روز امیر نے عمر سے کہا۔ کہ کچھ خبر ہے کہ نوشیرواں نے ایمان کہاں ہے؟۔ عمر نے کہا۔ میں نے سُنا ہے۔ کہ ہوم دمشقی کے ہاں پناہ لیکر آپکا منتظر ہے۔ تب امیر نے بھی کوچ کیا اور بعد قطع منازل و طے مراحل دمشق میں پہنچے اور عباس کو فرمایا کہ ہوم کو نامہ رقم کرو تب عباس بعد حمد خدا و نعت ابراہیم خلیل اللہ کے یہ مضمون لکھا۔ کہ ہوم دمشقی کو معلوم ہو کہ میں حمزہ بن عبد المطلب ہوں اللہ تعالےٰ نے مجھے کوہ قاف میں لیگیا۔ اٹھارہ برس میں نے وہاں کے تمام دیو اور بلائیں فنا کیں۔ اور تیرے لشکر کو ملک یہ ملک پھراتے رہے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے ان کافروں کے قہور کرنے کے لئے مجھے یہاں پہنچایا۔ تب میں نے سب کو مار کر بھگایا۔ اب یہ تمام کافر جمع ہو کر تیرے پاس آئے ہیں اگر تو بھلا چاہتا ہے تو اپنے مال کا خراج اپنی گردن پر لیکر حضور سہا بیت معمور میں حاضر ہو کر دین ابراہیم خلیل اللہ کا قبول کریگا تو امن دوں گا۔ نہیں تو تجھے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اور تیرے قلعہ کی اینٹ اینٹ جدا کر کے گدھے کے ہل پھراؤں گا۔ اور تیرے لشکر کو ایسی خواری سے ماروں گا۔ کہ ماہیان دریا مرغان ہوا گریہ وزاری کریں گے۔

جب یہ خط تمام ہوا تو حمزہ نے عمر کو دیا اور وہ ٹوپی جو دیوستان سے لائے تھے یاد کر کے عمر کو مرحمت فرمائی۔ عمر نے کہا۔ یہ میرے کس کام آئے گی؟ تب امیر نے وہ ٹوپی اپنے سر پر رکھی اور تمام کی نظر سے غائب ہوئے۔ تب تو سب متعجب ہوئے۔ پھر حمزہ نے وہ ٹوپی سر سے اُتاری اور عمر کو دی عمر نے اس کو لیکر بوسہ دیا اور کہا۔ کہ اول نوشیرواں پھر بختک اور زوبین کی بیٹیاں چراؤں گا ہوں۔ امیر نے فرمایا۔ اگر تو ایسا کام کریگا تو میں عالم مرداں میں بدنام ہوں گا۔ میں یہ ٹوپی ہرگز نہ پہنوں گا۔ تب عمر نے کہا کہ ایسا کام نہیں کروں گا اور قسم کھائی۔ تب امیر نے ٹوپی عمر کو عنایت کی۔ پھر خط لیکر ہوم کے دربار میں گیا۔ اور دربانوں نے ہوم کو خبر دی۔

زوبین نے جب عمر کا نام سنا تو کہا افسوس ہے۔ کہ اگر ہزار حمزہ ہوتے اور عمر نہ ہوتا اور کس سے خدا پالا نہ ڈالے۔

یہ سُن کر ہوم نے کہا۔ کہ کیا وہ ایسا جوانمرد ہے۔ کہا۔ بڑے بڑے جوان مردوں کی داڑھیاں مونڈتا ہے اور خراج داڑھی کا لیتا ہے۔ اور جوانمردوں کو لاتیں مار کر سر کے پیچھے نکالتا ہے۔ تب ہوم کے حکم سے اندر بلایا۔ ہوم عمر کو دیکھ کر ہنستے ہنستے بیہوش ہوا۔ تب عمر نے کہا۔ کہ کیوں ہنستا ہے؟ ابھی روویگا۔

تب ہوم نے کہا۔ کہ ایسا کون ہے جو مجھے رُلاویگا۔ عمر نے کہا۔ تُجھے میں رُلاؤں گا۔

تب ہوم نے کہا۔ کہ پکڑو اس عیار کو۔ سپاہیوں نے پکڑنے کا قصد کیا۔ تب عمر نے ٹوپی پہن لی اور سب کی نظروں سے غائب ہوا۔ تب کا قرینہ دیکھ کر حیران ہوئے عمر نے ہوم کی داہنی طرف آ کر بازو پر ایسی لات ماری کہ اس کا بازو کنپٹی تک پھڑکنے لگا۔ اور اس کی طرف ہوم کا وزیر بیٹھا تھا۔ ہوم نے اسکی گردن پر مُکا مارا۔ وزیر نے کہا غلام کا کیا مقدور ہے کہ ایسی نازیبا حرکت کرے۔ وزیر مکا کے پڑتے ہی زمین پر گرا اور حالت غشی ہوئی۔ تب تمام امیر وزیر دیکھ کر گھبرا گئے۔ کہ ہوم کو آج کیا ہو گیا ہے۔ اسی اثنا میں عمر نے بائیں طرف آ کر ایک لات ماری اُس طرف ژوبین بیٹھا تھا۔ ہوم نے کہا۔ اے ژوبین کس نے مارا۔ تب ژوبین نے کہا کہ عمر لات ملکی کریگا مگر کسی کو جان سے نہ ماریگا۔

القصہ عمر نے ایسی لات ماری کی کہ ہوم کا سر پھرنے لگا اور دور جا کھڑا ہوا۔ تب ہوم نے کہا۔ میں تجھ سے کام نہیں رکھتا ہوں۔ حمزہ سے ادرپیچ ہوں۔

عمر نے کہا۔ کہ میرے خط کا جواب دے۔ ہوم نے خط پڑھ کر جواب دیا۔ عمر نے سر سے ٹوپی اُتار کر کھڑے رہے۔ اور کہا کہ اے ہوم میں نے کہا تھا۔ کہ ہنستا ہے ورنہ روویگا۔ کہ بعد جواب دیا کہ حمزہ سے بولنا کہ میری جنگ ہے اور عمر کو ہزار درم دیکر رخصت کیا۔ عمر نے آ کر امیر سے تمام حال عرض کیا۔ تب امیر نے کہا۔ کہ ہوم مجھے دکھا دے۔ عمر نے کہا آؤ تو دکھا دوں گا۔

رات کو حمزہ مع عمر چل کر خندق سے پار ہوئے اور کنگرہ کو کمند لگا کر دیوار سے آگے نکل کر ایک دکان میں سو گئے۔ جب صبح ہوئی تو ہوم کی زور آزمائی کا شور ہوا تو عمر نے اپنی وضع سوداگروں کی بنائی اور حمزہ کو کہا۔ کہ جب میں کہوں گا اسے تو لا دو۔ تب آنا۔ امیر نے قبول کیا اور دونوں یار اس محلے میں گئے۔

ہوم نے سونے کی اینٹ پر پاؤں رکھا۔ اور چار سو پہلوان مل کر زور کرنے لگے۔ مگر ہوم کا پاؤں نہ ہلا سکے۔ تب ہوم نے اپنا پاؤں جھٹکا تو تمام پہلوان دور جا گرے۔ تب عمر ہوم کے سامنے گیا۔ اور کہا۔ اے بادشاہ میرا ایک زبردست غلام ہے اس کو ایذا دیتا ہے۔ تم کو اس

وقت دیکھکر عرض کرتا ہوں کہ آپ اس کو آداب سکھلا دیں۔

ہوم نے کہا۔ بلاؤ اس غلام کو۔ تب عمر نے پکارا۔ کہ اے فلاد آ۔ حمزہ آ گئے تب بختک اور زوبین نے کہا۔ کہ اس سوداگر ڈول اور چال عمر کا ہے۔ اور جب عمر ہے تو حمزہ بھی ضرور ہوگا۔ یہ خیال کرکے لشکر کو تاکید کی کہ سب تیار رہو اور قلعہ کے دروازے بند کرو۔ جب روبرو گئے تو ہوم نے کہا۔ کہ اے سوداگر تیرا غلام غلامی سے منکر ہوتا ہے۔ عمر نے کہا۔ کہ یہ بے ادب ہے ذرا نصیحت کرو۔

تب ہوم نے پاؤں اینٹ پر رکھکر کہا۔ کہ اٹھا۔ امیر نے فرمایا۔ کہ پیشدستی نہیں کرتا ہوں۔ اوّل تو میرا پاؤں اٹھا پھر میں اٹھاؤں گا۔ تب تو کافر کو یقین ہوا۔ کہ حمزہ یہی ہے۔ کہ پیشقدمی نہیں کرتا امیر نے پاؤں اینٹ پر رکھا۔ ہوم نے زور کیا مگر امیر کا سر موتہ ہلا سکا۔ بلکہ ہوم کی انگلیوں سے کئی قطرے لہو کے ٹپکے۔

تب عاجز ہوکر پاؤں چھوڑ دیا۔ اور آپ اینٹ پر رکھا۔ تب حمزہ نے اس کافر کا پاؤں بائیں ہاتھ سے پکڑ کر اور خدا کا نام لیکر اٹھایا اور زمین پر پچھاڑا۔ اور عمر نے سونے کی اینٹ اٹھا کر توبرے میں رکھ لی۔ تب زوبین نے لشکر کو پکارا کہ حمزہ تنہا ہے تمام ہتیار لگی حملہ کرو۔ وہیں کافروں نے امیر اور عمر کو گھیر لیا۔ تب امیر نے بھی تلوار کھینچ کر اپنا نام بتا کر کافروں پر حملہ کیا اور تلوار بے دریغ مارنے لگے۔ اور عمر حمزہ کی پشت پر ہوکر کافروں کو زرقت کے شمشیر سے جہنم کو بھیجنے لگے اور شہر میں شور الامان الامان ایسا اٹھا کہ گویا حشر برپا ہوا۔ اور امیر کے پہلوان بھی قلعہ میں آ گھسے اور مشعل رحمی توڑ کر لوٹنے۔ اور جب امیر بہت بے ہوش ہوگئے۔ تو تھکے ہوکر تلواریں دو دستی مارنے لگے۔ تب بختک نے کافروں کو اشارہ کیا۔ تب تمام کافروں نے عمر پر نرغہ کرکے حمزہ کی پیٹھ سے دور کیا اور ہوم اولاد ثوم نے پیچھے سے آکر تلوار امیر کے سر پر ماری کہ زخم چار انگل کے برابر ہو گیا۔ اور امیر ہوش میں آ کر پھرے تاکہ بیری کو ماریں اور وہ نامرد دوڑ کر اپنے کافروں میں جا چھپا اور امیر لاشوں سے دروازے کو توڑ کر باہر گئے اور خندق کے کنارے بیہوش ہوکر گر پڑے۔

تب عمر نے امیر کو اٹھا کر اپنے لشکر میں لائے اور کافر باہر نکل کر امیر کے لشکر سے لڑنے لگے۔ جب امیر لشکر حلب میں پہنچا تب حلب کے شہزادے باہر آئے اور کافروں کو مار کر امیر کی فوج کو قلعہ میں لیا کر دروازے بند کرکے خندق میں پانی بھرا اور فصیلوں پر سے کافروں کو مارنے لگے اور نوشیروان نے ہوم سے پوچھا کہ حمزہ کے کس قدر زخم لگا ہے؟

تب ہوم نے کہا کہ حلق تک پہنچایا۔ نوشیرواں نے کہا کہ اس قدر زخم لگتا تو حمزہ دروازہ نہ توڑ سکتا۔ حمزہ تو زندہ ہے مگر زخم کاری لگا ہوگا۔ اب کس صورت سے قلعہ فتح ہو۔ بختک نے کہا۔ کہ ہماری مدد کو تمام ملکوں سے لشکر آئیگا کیونکہ سب طرف نامے لکھے گئے ہیں۔ اب روز بروز لشکر جمع ہوتے ہیں۔ جب سب جمع ہوئے تو پھر قلعہ کا لینا ادنیٰ کام ہے۔ نوشیرواں سے یہ کہکر سب ملکوں میں حمزہ کے مرنے کی خبر لکھی۔

چنانچہ جو بادشاہ اسلام تھے یہ حقیقت سُن کر سکدر ہوئے اور ماتم غم والم ادا کیا۔

اب یہ احوال سنو کہ نادرشاہ کی بیٹی نے رومال مذکور سے جو اپنا جسم صاف کیا تھا خدا کی قدرت کاملہ سے وہ حاملہ ہوئی اور اس سے فرزند تولد ہوا اور نام اس بچہ کا ناصرشاہ نے عمر بن حمزہ یونانی رکھا اور تمام عالم اُسے ناصرشاہ کا فرزند کہتا تھا۔ غرض اس ایام میں وہ فرزند چوبیس برس کا ہوا تھا نامہ بختک پہنچے ناصرشاہ نے عمر بن حمزہ کو کہا۔ کہ جاکر بادشاہ کی مدد کرو۔ اور بادشاہ سے کہا کہ حمزہ تیرا والد ہے۔ عمر بن حمزہ نے کہا۔ کیا ہوا جو تھا۔ غرض کہ عمر بن حمزہ اور ناصرشاہ حلب کو روانہ ہوئے اور کتنے دنوں میں کافروں کے لشکر میں پہنچے۔ جاسوسوں نے خبر کی کہ عمر بن حمزہ آیا ہے۔

بختک نے دربانوں کو تاکید کی کہ عمر بن حمزہ کو زندہ نہ چھوڑنا اور ناصرشاہ کو آنے دو۔ غرض کہ جب ناصرشاہ دربار میں آیا اور عمر بن حمزہ کو دربانوں نے منع کیا تب عمر بن حمزہ نے کئی ایک کے چوبدار اجل رسیدہ کو ایسے مارے کہ وہ موذی مردار ہوگئے اور تمام دربانوں میں شور پڑا۔ جب یہ خبر نوشیرواں کو دی گئی تو بادشاہ نے کہا۔ تیرا بیٹا ہمارے چوبداروں کو کیوں مارتا ہے؟ جواب دیا کہ میرا فرزند کیا دیوانہ ہوا ہے۔ چوبداروں نے اسے اندر آنے سے منع کیا ہوگا۔ پس اس نے اس لیے مارا۔ نوشیرواں نے چوبداروں کو اندر بلاکر پوچھا۔ کہ ناصرشاہ کے فرزند کو اندر کیوں نہ آنے دیا۔ بولے کہ ہمیں بختک نے حکم دیا تھا۔ تو ہم نے ادا کیا۔

یہ سُن کر بادشاہ نے بختک کی طرف دیکھا تو اس ملعون نے بادشاہ کے کان میں کہا کہ حمزہ نے مہرنگار سے اقرار کیا تھا کہ دوسری عورت سے کبھی نہ ملوں گا۔ پوچھو کہ یہ فرزند کس طرح پیدا ہوا تب بختک نے رومال کی حقیقت سنائی تب بادشاہ نے عمر بن حمزہ کو بُلاکر بٹھلایا اور وہ آداب بجالاکر بیٹھا۔ اور بادشاہ کو سلام بھی نہ کیا۔ پھر دسترخوان موجود ہوا اور انواع واقسام کی نعمتیں حاضر ہوئیں اور تمام بادشاہوں اور وزیروں نے تناول کیں۔ مگر عمر بن حمزہ نے کھانا نہ کھایا۔ تب بادشاہ نے کہا۔ کہ اے جوان تو کھانا کس لئے نہیں کھاتا ہے؟

تب عمر بن حمزہ نے کہا۔ تُو نے میرے باپ کو مارا ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ تیرے باپ کو ہوم دمشقی نے مارا ہے میں نے نہیں مارا میرا تو صرف نام ہی ہے۔ ہوم دمشقی کا یہیں ہے۔ یہ کہکر بازی نعمتیں منگوا کر اس کے آگے رکھیں۔ اور عمر بن حمزہ نے تناول کیں۔ اور جام مے ہائے ارغوانی کا پینے لگا جب شراب پی کر خوش ہوئے تب ہوم نے کہا۔ اے بختک بول کہ میں نے حمزہ کو کس قدر زخم مارا۔ بختک نے کہا۔ کہ تو ہی بیان کر۔

ہوم نے کہا ایسا زخم لگایا کہ اس کے حلق تک تلوار پہنچی۔ تب عمر بن حمزہ سُن کر جوش میں آیا ادھر ہوم لاف زنی کرنے لگا۔ تب عمر بن حمزہ نے کہا۔ کہ اے کافر حرامزادے چپ رہ نہیں تو ابھی تیرا سر کاٹوں گا۔ ہوم نے کہا۔ کہ یہ جوان کون ہے جو ایسا کہتا ہے؟ بختک مردک نے کہا۔ یہ حمزہ کا فرزند ہے ہوم نے گرز نکال کر عمر بن حمزہ پر چلایا۔ اس نے وہ گرز پکڑ لیا۔ عمر بن حمزہ نے اس کے کان پکڑ کر نوشیروان کے تخت پر دے مارا۔ تب اس کو نوشیروان نے بچا لیا۔ پھر ہوم اجل رسیدہ اُٹھکر عمر بن حمزہ کے سامنے آیا تو عمر بن حمزہ نے تلوار خونخوار نکال کر سر نا ہنجار پر ایسی ماری کہ کافر دار ہو کر برابر دو ٹکڑے ہو کے داخل نار سقر ہوا۔

تب نوشیروان اور زوبین مع لشکر سوار ہوئے۔ عمر بن حمزہ نے نعرہ مارا اور ان کافروں میں پڑ کر ایسی تلواریں ماریں کہ ان کے سر گنبد کی طرح اُڑے۔ اور قد لہو کے دریا میں بہتے تھے۔ اس عرصہ میں امیر کا زخم بھی اچھا ہو گیا۔ وہ ایک دن ملکہ مہر نگار کے پاس بیٹھے تھے۔ کہ اتنے میں عمر بن امیہ نے آکر کہا۔ کہ ایک جوان وفادار مثل شیر ہے۔ جب ناصر شاہ نے عمر کو دیکھا تو اسے گلے لگایا۔ عمر بن حمزہ کے نعرے کی آواز آئی۔ تب امیر نے عمر بن امیہ کو فرمایا کہ جا کر دیکھو کون نعرہ مارتا ہے جلد خبر لاؤ۔ ناصر شاہ نے کہا۔ کہ حمزہ کا فرزند ہے اور حقیقت سب حال کی کہی۔ تب عمر خوش و خورم ہوا اور خدا کا شکر کرتا ہوا امیر کے حضور میں آیا اور عرض کی۔ امیر بھی اسی وقت مع فوج ظفر موج تیار ہو کر باہر آئے اور ہزار چوبی ڈیرہ استادہ کرا کر بیٹھے اور عمر بن حمزہ بھی کافروں کو مار فتح و نصرت سے آکر باپ کی جناب اقدس میں قدمبوسی سے مشرف ہوئے۔

امیر نے فرزند ارجمند کو گلے لگایا اور لب و چشم پر بوسہ دیا اور اپنے ہاتھ سے ناصر شاہ کو خلعت فاخرہ عنایت فرمایا اور خنگ بہتر اسحاق کا فرزند کو مرحمت فرمایا اور شب و روز عیش میں رہنے لگے اور نوشیروان نے داڑھی کو نوچ ڈالی۔ امیر تو مع فرزند عیش میں رہنے اور مہر نگار رنج میں مبتلا کہتی کہ حمزہ کی شرط مجھ سے یہ تھی کہ سوا تیرے صورت نہ کروں گا اور یہ فرزند کہاں سے پیدا ہوا ہے؟

امیر نے عمر بن عمیہ سے کہا۔ کہ تم جا کر مہر نگار سے حقیقت مفصل کہو۔ عمر بن عمیہ نے ہر چند کہا۔ لیکن اس نے ہرگز نہ مانا۔ اور کہا۔ جبتک صحبت نہ کرے کہیں اس طرح بھی فرزند پیدا ہوتے ہیں عمر نے ہر چند قسم ہائے شدید کھا کر کہا۔ لیکن مہر نگار نے نہ مانا۔ تب عمر نے آکر حمزہ سے کہا۔ کہ میرا کہنا ہرگز نہیں مانتی۔ تب امیر نے کہا۔ کہ ناصر شاہ اور عمر بن عمیہ جائیں۔ وہ گئے اور آداب و تسلیمات کر کے حقیقت مذکور عرض کی۔

مہر نگار نے بظاہر قبول کر کے اور باطن میں نا قبول ہو کر خلعت سے رخصت کر کے عادت موجودہ پر مغموم ہو رہی۔ تب امیر نے جا کر فہمائش کی تو مہر نگار بولی۔ کہ جا عرب تیرے لائق ہوں اور تجھ سے کہا وفاداری کرے گا۔ میں نے جیسا کیا ویسا پایا۔ امیر کو یہ بات معلوم ہوئی۔ پس امیر نے فرمایا کہ میں تیرے لائق نہیں۔ اولاد بن مرزبان تیرے لائق ہے۔ یہ فرما کر اولاد بن مرزبان کو بلا کر بند دور کر کے فرمایا کہ میں نے تجھ پر ظلم کر کے تیری عورت چھین لی تھی۔ اپنا بیبی قبول کرلے جا۔ میں اب ظلم سے توبہ کرتا ہوں۔ اور مہر نگار کو لیکر اپنے ملک کو چلا گیا۔

تب تمام یاروں نے کہا۔ کہ اے امیر یہ کیا کہتا ہے۔ اور کیا خیال تجھے آیا ہے؟ امیر نے فرمایا سوگند ہے اپنے پروردگار کی۔ اگر صبح کو مہر نگار یہاں رہی تو جان سے ماروں گا۔ عمر بن عمیہ نے یہ خبر مہر نگار کو پہنچائی۔ تب مہر نگار اپنے کہنے پر پریشان ہوئی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ مہر نگار عمر بن عمیہ سے بولی۔ کہ تم یا مقبل حلبی میرے ہمراہ چلو۔ عمر نے کہا۔ کہ ابھی تو مقبل کو لیجاؤ پھر میں حاضر ہوں گا۔ غرض مقبل حلبی نے آکر امیر سے عرض کی۔ کہ اگر حکم ہو تو میں مہر نگار کے ہمراہ جاؤں۔ تب امیر نے فرمایا جاؤ۔ تب مقبل قدمبوس ہو کر اپنے سواروں سمیت مہر نگار کے ہمراہ روانہ ہوا اور مہر نگار مع اپنے غلاموں اور کنیزوں کے وہاں سے روانہ ہوئے۔ اور اولاد بن مرزبان سے کہلا بھیجا کہ تو ایک کوس دور ہم سے اُتر۔ وہ بولا کہ حمزہ نے کہا ہے کہ مہر نگار سے کبھی جدا نہ رہو۔ مگر یہ جو جان بخشی ہے سو ہی غنیمت ہے۔ میں دو کوس پر جا اُتروں گا۔ اور بدستور دور اُترا۔ جب اپنے شہر کے اندر پہنچا تو پہلے اپنے چھوٹے بھائی کو مہر نگار کے استقبال کے لئے بھیجا۔ تو مقبل نے اُس کے کان میں آہستہ سے کہا کہ اولاد بن مرزبان بوڑھا ہے اور مہر نگار اس پر راضی نہیں ہے اور تو جوان ہے البتہ تجھکو قبول کریگی۔ تو جا اور اولاد بن مرزبان کو مار ڈال۔ تو مہر نگار تیرے نکاح میں آئے گی۔ تب وہ موذی گیا اور اپنے بھائی کا سر کاٹ کر مہر نگار کے دربار میں روانہ ہوا۔ تب مقبل نے اس غلتاں میں اولاد کے چھوٹے بھائی کو بھی خنجر سے مار ڈالا۔ اور تمام شہر اپنے قبضہ میں کر لیا اور فراغت سے رہنے لگے۔ اور امیر کے

غصے ہونے کی خبر سب ملکوں میں مشہور ہو چکی تھی۔ زوبین نے سُن کر دو لاکھ سوار ہمراہ لئے اور فرصت غنیمت جان کر مہر نگار کو ہاتھ میں لانے کے ارادے سے پہنچا۔ مقبل نے قلعہ کا دروازہ مضبوطی سے بند کر کے خندقیں پانی سے بھر کر بہادروں کو جنگ کے واسطے فصیلوں پر چڑھا کر لڑائی شروع کی۔ ان دنوں امیر کا غصہ بھی کم ہوا مگر غیرت کے مارے بول نہ سکتے تھے۔ اور ادھر مہر نگار دل فگار فراق حمزہ سے اشک بار مغموم رہتی تھی۔ اور ادھر حمزہ بھی شب و روز اس غم جان گداز دل سوز بے چین و مغموم و محزون رہتے۔

ایک روز عمر بولے اے حمزہ اتنے روز میں تمہاری خدمت میں رہ کر اب معلوم ہوا کہ تم بے وفا ہو۔ تم سے دور اور الگ رہنا بہتر ہے۔ امیر نے فرمایا کہ تو میرا غلام نہیں ہے کہا نہیں تسلیم کی اور اولاد مرزبان کے شہر کی راہ لی۔ اور دیکھا کہ زوبین نے قلعہ سے ٹکر دیا ہے۔ تب کیفیت معلوم کر کے وہاں سے واپس گیا۔ اور وہاں امیر حمزہ اپنے یاروں سے فرمایا کرتے تھے۔ کہ تم میرے پاس کیوں بیٹھے ہو؟ جاؤ شکار کھیلو۔ تب یاران امیر حمزہ مع عمر بن حمزہ اپنے یاروں کو فرماتے اور شکار کھیلتے تھے۔ عمر بن حمزہ نے دیکھا اور حمزہ کو بلایا اور کہا۔ کہ جلد چلو تم سے مجھے کچھ کام ہے۔ تب عمر آئے اور امیر زادہ پس پشت روانہ ہوئے اور زوبین کے لشکر میں پہنچے۔

تب عمر نے امیر زادہ سے کہا۔ کہ فرزند حمزہ حمزہ بول کر دو دستی تلوار مارنا شروع کرو۔ تب امیر زادہ بدستور تلوار مارتا تھا اور یہاں تک تلواریں ماریں کہ زوبین کے نشان بردار تک کٹ گئے اور اس کو ایک تلوار ماری کہ کمر تک پہنچ گئی۔ پھر قصد زوبین کا کیا۔ وہ ملعون بے ہمت نامرد بے دین بھاگ گیا لیکن ہزار خرابیوں سے بچا تب اس کا لشکر بھاگا۔ تو کوہستان میں جا کر بہمن کی پناہ لی اور حمزہ آزر نوشیروان کا مفصل حال بیان کیا۔ اور عمر بن حمید مہر نگار مع مقبل و عمر بن حمزہ لشکر لیکر وہاں سے نکلے اور امیر کے لشکر سے چار کوس پر اترے اور آپ امیر کے خیمہ میں آ کر مغموم ہو کر بیٹھے۔

عمر معدی نے یہ خبر حمزہ کو دی کہ عمر دربار کے نزدیک غمگین بیٹھا ہے۔ حمزہ نے کہا۔ کہ اس چور کو بلاؤ۔ عمر معدی نے کہا۔ کہ اے عمر امیر بلاتے ہیں عمر نہ آیا۔ تب امیر آپ آئے۔ تب عمر بھاگنے لگا۔ آخر امیر سوار ہو کر عمر کے پیچھے چلے۔ عمر بار بار پھر کر حمزہ کو دیکھتا اور بھاگتا۔ تب امیر نے غصہ ہو کر فرمایا۔ کہ اے چور کھڑا رہ نہیں تو مارا جائیگا۔

یہ کہہ کر تیر و کمان ہاتھ میں لیا۔ تب عمر نے خیال کیا کہ اگر خدانخواستہ مار بیٹھا تو بڑی قباحت

ہے۔ تب دوڑ کر امیر کے قدموں پر گرا۔ امیر نے عمر کو گلے لگا کر پوچھا۔ کہ اتنے روز کہاں رہے۔ عمر نے کہا کہ مہر نگار کے حضور عصمت معمور میں تھا۔ حمزہ نے کہا۔ کہ مہر نگار کہاں ہے؟ عمر بولا۔ کہ آؤ بتاتا ہوں۔ تب حمزہ عمر کے ہمراہ چلے اور مناسب وقت پر یہ شعر پڑھا ؎

پرسد ز دوستان کہ کجا میر ود اسیر　　مستان راچہ پرستی بر بار میر ود

حمزہ جب مہر نگار کے قصر میں گئے تو مہر نگار امیر کے قدموں پر گری اور امیر نے دیوانوں کی طرح گلے لگایا اور جدائی کے دفتر آب دیدہ سے دھوئے۔ اور اتنا روئے کہ چشمے پانی کے جاری ہوئے اور مہر نگار سے بولے ؎

بندہ گناہ کردم دیدم پریشانی　　ہم رنج بسے کردم ہم نیز پشیمانی
عیسیٰ بنا شد از تو کہ برس بہار رود　　مجنوں ز آستانہ لیلیٰ کجا رود
فرد تو خواہی آستین افشاں تو خواہی دامن اندر کش　　مگس گاہے نخواہد رفت از دکان حلوائی

پھر خوشی سے اپنے لشکر میں آئے اور خزاں نصیب دلال نے بہار تازہ پائی اور چالیس روز تک وہاں رہے۔

تینتالیسویں داستان

جب عیش و عشرت کی مدت تمام بفرحت انصرام و مسرت تمام و بعشرت انجام پائی۔ تو یاروں سے مشورت فرمائی۔ کہ میں اب نوشیرواں کے پاس جاتا ہوں۔ اور اس کی رضامندی سے مہر نگار کو نکاح میں لاتا ہوں۔ پس ساعت سعید میں مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔ جب یہ خبر نوشیرواں کو ہوئی تو استقبال کر کے ہزار تعظیم سے بجا کر پہلوان جہانگیر کو کرسی پر بیٹھایا اور بعد تناول اور شراب نوشی کے، عمر جھک کر آداب بارگاہ بردست بستہ کھڑا رہا۔ نوشیرواں نے مخاطب ہو کر پوچھا۔ کہ اے عمر! تیرا کیا مطلب ہے تب عمر بن عمیہ بولے۔ کہ تمہاری رضا سے مہر نگار کا نکاح امیر سے کر دینا مناسب ہے۔ نوشیرواں نے کہا۔ میری رضامندی ہے۔ کہ میں نے اپنی خوشی سے قبول کیا۔ تب دوستان امیر خوش ہوئے اور امیر نے شراب پیتے پیتے آہ کر کے کہا۔ کہ اے بختک اب روئین کہاں ہے۔ بختک نے کہا۔ میں

سُنتا ہوں کہ کوہستان کو گیا اور بہمن لہراسپ کی پناہ لی ۔ تب امیر نے فرمایا کہ افسوس کہ وہ کافر اٹھارہ سال تک میرے حرم کو ستاتا رہا اور اب جان سلامت لیکر چلا گیا ۔ بختک نے کہا اے امیر اب تو اس کا ملک خالی ہے ۔ امیر اگر متوجہ ہو تو عیال و اطفال اس بدخصال کے تمہارے قبضہ میں آئیں گے ۔

امیر نے نشہ کی حالت میں سوگند کھائی ۔ کہ قسم ہے مجھے پروردگار کی ۔ جبتک کہ زن و فرزند ارجمند اس کے میرے ہاتھ نہ آئیں تب تک بیاہ کا نام زبان پر نہ لاؤں گا ۔ عمر نے کہا ۔ کہ امیر نے بے فکر قسم کھائی کہ کچھ بھی اندیشہ نہ کیا فرد ؎

بود نے بود ہر چہ خواہد بود ۔۔۔ غم بیدل داشتن ندارد سود

غرض امیر نے اسی وقت کوچ کیا اور ایک جنگل میں آئے ۔ وہاں شکار بہت تھا ۔ ایک روز شکار کے لئے مقام کیا ۔ جب شکار کے لئے سوار ہوئے تو ناگاہ عمر بن حمزہ نے اس کا پیچھا کیا اور ہرن ٹھکانے پہنچا ۔ عمر بن حمزہ بھی ہمراہ گئے اور دیکھا کہ نیچے ایک لشکر اترا ہے ۔ اتنے میں عمر معدی اور عمر بن عمیہ بھی وہاں پہنچے ۔

امیرزادے نے یہ لشکر ان کو بتا کر فرمایا کہ ہم تین شخص اس لشکر کو بس ہیں ۔ تب تینوں بہادروں نے لشکر کے نزدیک آکر ایک نعرہ مارا اور پوچھا کہ کس کا لشکر ہے ؟ وہ بولا ۔ کہ یہ لشکر ژوبین کے برادروں کا ہے ۔ ایک کا نام نارزنک دوسرے کا نام فارزنک ہے ۔ اور یہ ژوبین کے عیال و اطفال کو لئے ہوئے جاتے ہیں ۔ کیونکہ اس بے دین کے سُنا ہے کہ حمزہ نے قصد کاؤس کا کیا ہے ۔ اگر میرے زن و فرزند اس کے ہاتھ آئیں گے تو فضیحت پائیں گے ۔ یہ خیال کر کے پہلوانان کو بلایا ۔ تو وہ دونوں پہلوان لئے جاتے ہیں ۔

یہ سُن کر ہر سہ دلاوران مثل شیر غران اس گلہ گوسفندان میں پڑے اور نعرہ مار کر تلواریں مارنا شروع کیں ۔ تب نارزنک نے میدان آراستہ کیا اور امیرزادہ بھی اس کے مقابل میں کھڑا رہا ۔ تب نارزنک نے گرز اٹھایا ۔ حمزہ نے سپر سے رد کیا ۔ نارزنک نے گرز مارا تو امیرزادے نے اس کے ہاتھ پھیرتے وقت ہاتھ لمبا کر کے اس کا کمربند پکڑ کر فاش زمین سے اٹھا کر سر سے بلند کر کے پھرایا اور فرمایا کہ تو بول کہ خدا ایک ہے اور دین حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا برحق ہے ۔ اگر نہ کہے گا تو ایسا پٹکوں گا ۔ کہ تیرا جسم کاش زمین سے پیوند ہو جائے ۔

اُس نے معافی مانگی اور امیرزادہ نے آہستہ سے زمین پر اُتارا پھر فارزنک نے

اپنا گھوڑا دوڑا کر امیر زادہ پر حملہ کیا ۔ تو عمر بن حمزہ نے اس کے وار کو رد کیا اور اسے بھی بدستور سر سے بلند کر کے فرمایا کہ بول خدا ایک ہے ۔ غرضیکہ اُس نے بھی معافی مانگی ۔ پھر امیر زادہ زروبین کے لشکر میں آیا اور امیر زادہ کی نظر الفت منظر زروبین کی ہمشیرہ گل چہرہ نامی پر پڑی اور عاشق ہوئے ۔ اور معدی کرب زروبین کی عورت پر عاشق ہوا ۔ اور باقی رہ گئی زروبین کی والدہ تب عمر بن عمیہ بولے ۔ کہ اے یارو ! عجیب تمہارا انصاف ہے ۔ کہ جوانوں کو تم لوگوں نے قبول کیا اور بوڑھی میرے لئے چھوڑ دی جو سات سو برس کی ہے ۔

تب امیر زادہ نے فرمایا ۔ اے عمر بوڑھی کو میرے حوالے کر کہ یہ اپنی دختر کی خدمت کرے گی ۔ تب عمر نے اُسے امیر زادہ کے حوالہ کیا ۔ تب پہلوان نے مع عورتوں و اسباب کے حمزہ کے پاس آ کر حقیقت گذشتہ مفصل عرض کی ۔ امیر نے زروبین کی والدہ سے فرمایا کہ دیکھ تیرے فرزند نے اٹھارہ سال تک میرے حرم کا پیچھا کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مقہور کر کے اس کے حرم و فرزند کو میرے ہاتھ دیا ۔ اب تیری رضا مندی سے تو اپنی دختر کا نکاح میرے فرزند کے ساتھ کر دے ۔ ایسا داماد تمام دُنیا میں نہ ملے گا ۔

یہ سن کر وہ رضا مند ہوئی ۔ امیر نے زروبین کی عورت سے فرمایا کہ ۔ اے نیک بخت عمر معدی کرب تیرے مرد سے جوان مردی میں ہزار حصہ زیادہ ہے قبول کر ۔ وہ بولی اے جہانگیر کیسے آدمی سے منسوب کیجئے ۔ یہ تو دیو ہے زنہار قبول نہ کروں گی ۔ تب مہر نگار نے اسے بہت سمجھایا تو وہ راضی ہو گئی اور معدی کرب کے ساتھ نکاح کیا ۔

تب امیر زادہ نے عمر کو فرمایا کہ جا قاضی کو لے آ ۔ عمر نے باہر جا کر صورت قاضی بنا کر بڑے کروفر سے دستار لمبی اور جامہ پہنے ہوئے ۔ کہ جس کی آستین میں اونٹ کا بچہ آ جائے ۔ اور ایک عصا ہاتھ میں لیکر آئے تو تمام اہل مجلس متعجب ہوئے اور کہا ۔ کہ ہم نے ایسا قاضی تو لشکر میں نہیں دیکھا ۔ امیر نے فرمایا یہ قاضی مردان عجیب سے ہے تب موافق اوج بن ابراہیم عمر بن حمزہ عمر معدی کرب کے نکاح خواں کو امیر نے ہزار دینار دیئے ۔ اتنے میں عمر پھر اصلی صورت میں آ موجود ہوا ۔ بعد ازاں تمام پہلوان جشن میں رہے ۔ پھر امیر کوچ کر کے زروبین کے قلعہ پر پہنچے تو زروبین کی ماں نے امیر سے کہا ۔ کہ امیر قلعہ مضبوط ہے آپ کو لینا مشکل ہے ۔ قلعہ دار کو خبر ہوئی تو دروازہ بند کر لیگا ۔ پہلے میں جا کر قلعہ اپنے قبضہ میں لاتی ہوں تم چند پہلوان بھیج دو ۔

اس کے کہنے سے امیر نے عمر بن حمزہ و عمر معدی و لندھور وغیرہ سات پہلوان

دیئے۔ وہ بوڑھی جب شہر کے پاس آئی تو قلعہ دار نے سُنا کہ غنیم کا لشکر آیا ہے تو فوراً دروازے بند کر کے خندقیں پر آب کیں۔ اتنے میں نارتزک میدان میں آئے۔ اور پکارے کہ ہم زوبین کے یاور ہیں اور زوبین کیسے جاتے ہیں۔ ہم امیر حمزہ کے ملنے سے بھاگ کر آئے ہیں جلد دروازہ کھولو

تب قلعہ دار نے خارترک اور نارتزک کو دیکھتے ہی دروازہ کھولا اور اندر بلایا۔ تب پہلوانان عرب کو ساتھ لیکر معہ خوش دامن عمر بن حمزہ قلعہ میں جھٹ داخل ہوئے۔ قلعہ دار جب پہلوانان عرب کو دیکھا تو زوبین کی ماں کو کہا۔ کہ اے خاتون یہ کون ہیں؟ وہیں عمر معدی کرب نے ایک گرز اس کے سر پر مارا کہ مغز اس کا باہر نکل آیا اور جہنم کی راہ لی۔ اور قلعہ عمر بن حمزہ کے تصرف میں آیا۔ اور قاصدوں نے یہ خبر امیر کو پہنچائی۔ کہ آپ کے اقبال سے قلعہ ہاتھ میں آیا ہے۔

پھر حمزہ معہ لشکر قلعہ میں داخل ہوئے۔ زوبین کی ماں نے کہا۔ کہ شہر قبہ زرین سے آراستہ کرو اہل کار حکم بجا لائے اور امیر پر سے دینار نثار کئے اور نقارے خوشی کے بجائے اور امیر نے شان و شوکت سے لباس شاہی پہنا اور جشن شاہی آراستہ کیا اور مہر نگار کو عروسی بنانا شروع کیا۔

باب دوم۔ ختم شد

باب سوم

چوالیسویں داستان

امیر حمزہ بن عبدالمطلب کا مہرنگار بنت نوشیروان شاہ ہفت کشور سے نکاح کا ہونا اور قباد شہریار بن حمزہ اور سعد بن عمر کا پیدا ہونا۔

روایان اخبار و ناقلان آثار اس طرح روایت کرتے ہیں۔ کہ امیر نے جب ترکستان کا قلعہ لیا تب زوبین کی ماں کو فرمایا کہ یہاں کا مال نکالو۔ پس بموجب حکم مال باہر نکالا گیا۔ تب امیر نے حکم دیا کہ لشکر کے لوگوں کو بانٹو۔ کہ عرب کے لشکر میں کوئی فقیر نہ رہے۔ اس کے بعد مبارک دن اور نیک ساعت دیکھ کر عمر بن عمیہ نے امیر کا نکاح مہرنگار سے پڑھا اور حمزہ مہرنگار کے ساتھ عیش میں رہنے لگے اور اپنی جگہ عمر بن حمزہ کو مجلس میں بٹھایا۔ عمر بن حمزہ عرب کے تمام پہلوانوں کے ساتھ مجلس کرتے اور شراب نوشی کرتے۔ عمر معدی کرب مست ہوئے اور لندھور پر نظر کی۔ اور کہا۔ کہ اے آدمی طلبے تیری کیا قدرت ہے کہ مجھ سے بڑے درجے پر بیٹھے

لندھور نے کہا۔ اے بڑے پیٹ کے مجھے امیر نے اس جگہ پر بیٹھنے کو فرمایا ہے۔ سو میں بیٹھا ہوں اور ہمیشہ یہیں بیٹھتا ہوں تو کون ہے؟ جو منع کرتا ہے۔ اور تیری کیا قدرت جو مجھ سے ایسا بولے۔ عمر معدی کرب نے کہا۔ کہ امیر نے ہرگز بلندی پر بیٹھنے کا حکم نہ دیا ہوگا۔ مگر تو اپنے آپ بیٹھا ہے۔ تب لندھور بولا۔ کہ اے عرب! تو شراب پی کر بدمستی کرتا ہے اور باتیں نا ہنجار بکتا ہے ہوش سے باتیں کر۔ تب معدی نے کہا۔ کہ تو کہتا ہے کہ تیرے پر بدمستی کروں گا۔ یہ کہکر کئی ایک مکے لندھور پر مارے تو لندھور ہنسا اور چپ ہو رہا۔

عمر بن حمزہ نے یہ حال دیکھکر معدی کرب کو پکارا اور کہا۔ اے بے ادب کیا بدمستی کرتا

ہے۔ تب عمر معدی کرب نے کہا تو کون ہے جو مجھ سے اس طرح بولتا ہے۔ چپ رہ ورنہ تمکو بھی مارونگا تب تو عمر بن حمزہ کو تاب نہ رہی اور اپنی کرسی سے اٹھکر کئی ایک مکے معدی کرب کی گردن پر ایسے مارے کہ معدی کرب زمین پر گرا اور سر میں ذرا سی چوٹ لگی۔ تب شور پڑا اور امیر محل سے باہر آئے اور حقیقت معلوم کی عمر بن حمزہ بولے کہ وہ میرے حضور میں بدمستی کرتا ہے جو میں نے کئی ایک مکے اس کی گردن میں مارے۔ امیر نے فرمایا کہ تیری قدرت ہے کہ میرے یار کو مکے مارے۔

عمر بن حمزہ نے کہا کہ اول عمر معدی کرب لندھور کو کئی ایک مکے مارے اور امیر کی اہانت کی اس واسطے مارا۔ امیر نے کہا لندھور چلے اور وہ چلنے۔ اگر لندھور اسے برا مانتا تو اسی وقت وہ آپ ہی مارتا۔ کیونکہ وہ بھی عمر معدی کرب سے بڑا پہلوان ہے اور تو جو میرے پہلوان سے بے ادبی کی سو کیا وجہ ہے عمر بن حمزہ نے کہا کہ عمر معدی نے میرے حضور میں بے ادبی کی اس لئے میں نے اس کو مکے مارے اگر دوسری بار ماریگا تو مکے کیا اس کے کان سر سے اکھاڑ دوں گا۔ امیر نے فرمایا فرزند چپ رہ نہیں تو تجھے زمین پر ایسا دے ماروں گا کہ چھٹی کا دودھ باہر نکلے گا کہ پھر کبھی اس طرح سے بے ادبی نہ کریگا۔ عمر بن حمزہ نے کہا کہ ایسا کون ہے جو مجھے زمین پر گرا دے۔ اگر مرد ہے تو سوار ہو اور مار۔ امیر سانپ کی مانند غصے میں آئے اور پیچ و تاب کھا کر فرمایا کہ اشقر پر زین کر کے لاؤ۔

القصہ امیر لشکر لیکر سوار ہوئے۔ تب شہر میں شور ہوا کہ باپ بیٹے کی لڑائی ہے۔ شہر کے تمام لوگ تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہوئے۔ امیر اور عمر بن حمزہ نے باہر آکر فوج آراستہ کی۔ امیر نے اشقر پر سوار ہو کر اس کو میدان میں جولان دیا اور فرزند کو بلایا اور سامان جنگ کا ارادہ کیا اور خنگ کو آگے چلایا۔ مگر خنگ اپنی جگہ سے نہ ہلا اور نہ ایک قدم آگے بڑھا۔ ہر چند عمر بن حمزہ نے بہت کچھ جدوجہد کی لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ امیر نے فرمایا کہ او کم عقل وفاداری اس جانور چارپایہ سے سیکھ کہ یہ جانتا ہے جو تو میرے سے لڑتا ہے۔ یہ سمجھ کر وہ نہیں چلتا۔ اتنے میں عمر بن حمزہ پیادہ ہوئے اور امیر بھی پیادہ ہوئے تب عمر بن حمزہ دوڑے اور امیر کی کمر کی دوال پکڑی اور ایسا زور کیا کہ انگلیوں سے بس قطرے خون کے ٹپکے تب کمر سے ہاتھ چھوڑا۔ اور کہا اے امیر اب تم زور کرو۔ تب امیر نے ہاتھ بڑھا کر عمر بن حمزہ کی دوال پکڑی اور زور فرما کر سر پر اٹھا کر ایسا پھرایا کہ تمام شہر اور لشکر کے لوگوں نے آفرین کی۔ پھر [illegible] سے فرزند کو اتارا اور گلے لگایا اور [illegible] دیا اور عمر بن حمزہ شرمندہ ہوکے امیر باپ کے پاؤں پر گر پڑے اور کچھ نہ بولے۔

القصہ چند روز رات دن عیش میں رہے جب کتنے روز گزر گئے لولو کل چہرہ کو حمل ہوا

اور ایسا ہی مہر نگار کو بھی۔

جب نو مہینے ہوئے تو دونوں کے فرزند تولد ہوئے۔ پس دونوں لڑکوں کو امیر کے پاس لائے۔ امیر نے دونوں کو بہت پیار سے گود میں لیا اور پوتے کا نام سعد بن عمر رکھا اور اپنے فرزند کا نام رکھنے میں عذر کیا اور کہا۔ کہ نوشیرواں کا نواسہ ہے۔ تب عمر سے کہا۔ کہ اے یار تو شتابی مدائن کو جا اور مہر نگار کے ماں باپ کو خوشی کی خبر پہنچا۔ پس عمر اسی وقت روانہ ہوئے اور چھ ماہ کا راستہ دو روز میں طے کر کے تیسرے دن مدائن پہنچا۔ تمام عالم کو تعجب معلوم ہوا۔ عمر یکایک دربار نوشیرواں میں آئے۔ بادشاہ نے پوچھا۔ کہ اے عمر کیا خبر لایا ہے؟ کہ بڑی جلدی آیا۔ عرض کی کہ نواسہ کی مبارک ہو نوشیرواں سن کر خوش ہوا۔ اور خوشی کی نوبت بجانے کو فرمایا۔ پھر عمر نے نام رکھنے کے لیئے عرض کیا تو نوشیرواں نے کہا۔ کہ اس کا نام قباد شہریار رکھو۔

عمر نے یہ خبر جا کر زرینہ کفش والدہ مہر نگار سے کہی کہ نواسہ کی مبارک ہو۔ زرینہ کفش سن کر بہت خوش ہوئی اور عمر کو اتنا مال دیا کہ حساب اس کا خدا جانے۔ غرض عمر امیر کی خدمت میں آئے اور چھٹی بڑے دھوم دھام سے ہوئی اور سب کو معلوم ہوا کہ نوشیرواں نے قباد شہریار نام رکھا ہے۔ امیر اور تمام یار بہت خوش ہوئے غرضیکہ سونے کے گہوارے میں سُلا کر اچھی طرح سے پرورش کرنے لگے۔ جب یہ دونوں چار چار برس کے ہوئے تو انہیں جو دیکھتا اسکی آنکھ آسودہ ہوتی اور انکی پیشانی پر بادشاہت کا ستارہ چمکتا تھا۔ اور جب امیر ان دونوں کو دیکھتے تو بہت شاد ہوتے۔

پینتالیسویں داستان

راوی نے اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ قباد شہریار جب تولد ہوا اور زردہین کو خبر پہنچی تب اس نے نوشیرواں کو لکھا کہ اے نوشیرواں خوب سمجھ اور واقف ہو کہ حمزہ اپنا شاہی عزت نہیں رکھتا تھا۔ کہ اس کے پیدا ہوا۔ اب ضرور جان کہ جب وہ بڑا ہوا تو تجھکو جیتا ہی معزول کرے گا۔ یا مارا جائیگا۔ اور اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیگا۔ کیونکہ وہ وارث تخت ہے۔

پس میرا یہ خط دیکھتے ہی یہاں آؤ اور یہیں کہتا ہے کہ میں حمزہ کو مارتا ہوں اور یہیں ایسا نامرد نہیں ہے کہ حمزہ اس پر غالب ہو جاویگا تو تیرے ملک کا کانٹا نکل جائیگا اور تیری سلطنت اور یوں

کو بلے گی اور تجتنک اور دوسرے بادشاہ جو نوشیرواں کے منسوب تھے انہیں بھی کاغذ لکھا تو قاصد خط لیکر تھوڑے دنوں میں وہاں جا پہنچا اور نوشیرواں نے وہ خط پڑھا اور کہا۔ کہ حمزہ مجھ سے ہرگز بھی نہ لڑے گا۔

تب تجتنک اور دارا نے کہا زوبین نے جو کچھ لکھا ہے وہ سچ ہے اور بزرجمہر نے کہا۔ کہ یہ بات امیر سے ہرگز نہ ہوگی۔ اس کے بعد تمام کافر موقع پاتے تھے تو نوشیرواں کا دل امیر کی طرف سے پھیرتے تھے اور کوہستان چلنے کی رغبت دیتے تھے۔ آخر انہوں نے نوشیرواں کو باہر نکالا اور لے چلے۔
جب یہ خبر بہمن کو پہنچی کہ بادشاہ ہفت کشور یعنی نوشیرواں عادل حمزہ کے ظلم سے تیری پناہ میں آتا ہے۔ تو اس نے کتنی ایک منزلیں سے بادشاہ کا استقبال کرایا اور عزت و تکریم سے نوشیرواں کو شہر میں لایا اور تخت پر بٹھایا اور کہا۔ کہ حمزہ کو میرا عہد ہے۔ شہنشاہ اس سے خاطر جمع رکھے۔ اس وقت زوبین نے کہا۔ کہ اگر حمزہ کے پاس تو خود جاتا تو بہتر تھا کیونکہ امیر کو کیا غم ہے۔ کہ وہ یہاں آئیگا تب بہمن نے کہا۔ کہ اول اسکی طرف پیغام بھیجنا چاہیئے۔ اگر وہ آیا تو بہتر ورنہ ہم ہی روانہ ہونگے۔ اگر حمزہ کو باندھکر بادشاہ کے حوالے کریں گے۔ بہمن نے وزیروں کو حکم دیا۔ کہ تم امیر حمزہ کو نامہ رقم کرو۔ وزیروں نے نامہ لکھا۔ اول تعریف لات وعزی ومنات کو چک پھر آتشکدہ نمرود وصندوق زرنگار اور بت پرستوں کے نام لیکر یوں لکھا۔ کہ

کہ بہمن ارجاسپ کیطرف سے حمزہ کو معلوم ہو کہ تیرے ظلم تعدی
سے نوشیرواں بادشاہ شہریار زوبین وکاؤس میری پناہ میں
آئے ہیں۔ تو اب مجھے فرض ہوا۔ کہ تجھکو باندھکر نوشیرواں کے
حوالے کروں۔ اگر تو آیا تو بہتر نہیں تو میں تیرے پاس آتا ہوں۔

یہ نامہ جب مرتب ہوا تب بہمن نے ایک قاصد کو دیا اور قاصد خفیہ روانہ ہوا۔ بعد از قطع منازل وطے مراحل بہت مدت کے بعد وہ امیر کے لشکر میں پہنچا اور دربانوں سے کہا کہ حمزہ کو خبر دو کہ کوہستان سے قاصد آیا ہے۔ دربان دوڑے اور خبر کی۔ امیر نے فرمایا کہ اندر بلاؤ۔ جب امیر کی قضا شمشیر سے قاصد روبرو آیا اور خط دیا۔ امیر نے خط کو پڑھا اور کہا کہ بدبخت ازلی ہے اسے ہم کیا کریں میں ہرچند چاہتا ہوں۔ کہ نوشیرواں آرام وآسائش کے ساتھ اپنے ملک میں بیٹھے اور بادشاہی کرے لیکن وہ اپنی بدبختی سے بادشاہی نہیں کرتا میرے ہاتھ سے آپ زحمت کھینچتا ہے۔ اب میرا کیا گناہ ہے جو مجھ سے برگشتہ ہوکر بہمن سپ کے پاس پناہ لینے گیا ہے۔ بعد ازاں قاصد سے مخاطب

ہو کر فرمایا کہ۔ جا بہمن سے کہہ کہ میں وہاں پہنچتا ہوں۔

یہ کہکر عمر معدی کرب سے فرمایا کہ پیش خیمہ باہر نکالو اور یاروں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے ہمارے گھر میں کوئی تخت پر بیٹھنے والا نہیں تھا۔ اب خدا تعالےٰ نے وارث تخت پیدا کر دیا ہے اور نوشیرواں نے بھی بغض پکڑا ہے اور عداوت جانی و دلی رکھتا ہے۔ پس لازم ہے کہ قباد شہریار کو تخت پر بٹھاؤں۔ کیونکہ اسے تخت پہچانتا ہے۔ غرضیکہ تمام بادشاہوں نے تخت آراستہ کر کے اچھے دن نیک گھڑی میں قباد شہریار کو تخت پر بٹھایا اور بہت زر و گوہر نثار کیئے اور امیر اپنی پہلوانی کی کرسی پر بیٹھے اور حکم مجلس آرائی کا کیا۔

پس اسی وقت ساقیان سیم و ساق و مطربان خوش آواز لیتے پیالہ ہائے مرصع کا و صراحیاں جواہر نگار لا کر حاضر کیں اور شراب کا دور چلنے لگا۔ چالیس دن رات یہ مجلس مہیا رہی۔ بعدہٗ کوہستان کی طرف روانہ ہوئے اور منزل در منزل چلنے لگے۔ جب نزدیک پہنچے اور بہمن کو خبر ہوئی۔ کہ حمزہ نزدیک آیا ہے تب مان نامی اپنے فرزند کو بلا کر کہا۔ کہ اے فرزند سنا ہے کہ حمزہ عرب سے آیا ہے اب تو دس ہزار سوار سے جا کر راہ بند کر کہ اس پہاڑ پر نہ چڑھ سکے۔ لشکر کو گرزوں، تیروں اور بانوں سے مار کہ وہ گھاٹ پہاڑ کا وہاں نہ چڑھ سکے۔ غرض کہ ہومان باپ کے حکم سے پہاڑ کے درے میں آیا اور امیر کے لشکر کی راہ باندھی۔ جب معدی کرب کی فوج وہاں پہنچی اور پہاڑ کے نیچے سے اوپر آنا چاہا تب دشمن کا ایک ایک پتھر و تیر و بانوں کی مار ہومان کے لشکر سے ہونے لگی۔ تب عمر معدی پہاڑ کے نیچے کھڑے رہے۔ جب لشکر اسلام کے دوسرے پہلوان آئے اور عمر معدی سے پوچھا تو اس نے کہا کہ ہم جب سے کوہستان میں آئے مخالفوں نے راہ باندھی ہے۔

تب یہ حال سن کر وہ بھی کھڑے رہے اور اس فکر میں تھے کہ کیا کریں۔ کہ اتنے میں عمر بن حمزہ آئے اور لشکر کو کھڑا دیکھکر فرمایا کیا ہے۔ پہلوان نے عرض کی تب عمر بن حمزہ گھوڑے پر سے اترے اور ڈھال سر پر اور تلوار ہاتھ میں لیکر پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ تب استفنا نوش اور لندھور بھی آئے اور امیر زادے کو ہمراہ لے چلے۔ تب انہوں نے اپنے لشکر سے کہا کہ تم تو دو دو تو من کا پتھر ان پر ڈالو۔ تب ہومان کے لشکر نے پتھر ڈالنے شروع کیئے۔ پہلوانان عرب نے ڈھالیں سر پر لیں اور پتھروں کی مار اٹھا کر اوپر چڑھنے لگے۔

غرضیکہ عمر بن حمزہ پہاڑ کے اوپر آئے اور کافروں پر پتھر مارنے لگے۔ اور ہومان پسر بہمن کھڑا لڑتا رہا۔ آخر لڑ نہ سکا تو بھاگ گیا۔ دس سوار سے باپ کے پاس گیا اور باقی مارے گئے

تب بہمن نے پوچھا کہ اے فرزند یہ کیا کیا۔ اس نے کہا کہ اول جا کر عرب کے لشکر کی راہ باندھی کہ اتنے میں سردار لشکر حمزہ کا پیدا ہوا اور ہم نے بہت سے پتھر مارے اور تیر چلائے اور وہیں کھڑا رہا۔ اس عرصہ میں دوسرا سوار آیا وہ بھی وہیں۔ اور پھر تیسرا لشکر پیدا ہوا وہ بھی وہیں کھڑا رہا۔ ان کے بعد ایک مرد کوچھوٹے قد کا آیا۔ اور گھوڑے سے اتر کر ڈھال سر پر لیکر تلوار ہاتھ میں لی اور پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ پھر دو پہلوان عرب کے اور آئے اور وہ بھی ان میں شریک ہوئے۔ پس ہم نے ان پر پتھر تیر اور بان مارے لیکن ذرا اثر نہ ہوا اور ان کی خاطر میں کچھ ملال نہ آیا۔ غرضیکہ ہم ان کو ہٹا نہ سکے۔ اور جب وہ ہم پر آ گرے تو ہمارا لشکر بہت مارا گیا اور لڑائی کی تاب نہ لا سکے اور بھاگے۔ بہمن نے ہومان سے جب یہ باتیں سنیں تو زیر بند منگا کر اس کو مارا اور کہا۔ اے حرامزادے تو اگر میرا اچھا ہوتا تو تین چار عربوں سے منہ نہ پھیرتا۔

یہ دیکھ ژوبین نے کہا۔ کہ اے بہمن! ہومان کا کچھ گناہ نہیں کیونکہ وہ سخت بلا ہے۔ وہ ابھی باتوں میں تھے۔ کہ لشکر عرب نمودار ہوا۔ تب بہمن نے کہا۔ کہ اے بختک مجھے حمزہ کو دکھا۔ بختک نے کہا سوار ہو۔ غرضیکہ بہمن سوار ہوا اور سارے لشکر سے آگے بڑھ کر میدان میں آیا۔ اتنے میں امیر کے لشکر کے نشان پیدا ہوئے۔ اور نشان کے نیچے جو شتی قد کا بیبٹ گھوڑے کے قد پر پڑا ہوا تھا نمودار ہوا اور چودہ ہزار سوار اس کے پشت پیچھے تھے۔ اسی شکل کے چالیس پہلوان آئے۔ پس وہ بختک سے پوچھتا تھا۔ کہ حمزہ یہی ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ بعد اس کے سات سو ہاتھی داہنی طرف اور سات سو بائیں طرف ایک سو دس گز کا قد فیل منگوسی پر پیدا ہوا بہمن نے پوچھا یہ کون ہے؟ بختک نے کہا اسے لندھور کہتے ہیں۔ پھر یونان کے شہزادے آئے بہمن نے پوچھا یہ کون ہیں؟ بختک نے دونوں کا نام بتایا۔ اس کے بعد روم کی سپاہ آئی۔ رومی سات برادر تھے۔ ان کے بعد تار ترک برادر زادہ ژوبین کا آیا۔ پھر حلب کے شہزادے پھر نوشیرواں کی سپاہ آئی اور سردار شبیر بار یک نشیروانی آیا۔ بہمن نے پوچھا یہ کون ہے؟ بختک نے کہا یہ نوشیرواں کا سپہ سالار ہے جو حمزہ سے ملا ہے۔

بہمن نے یہ سن کر سر ہلایا اور کہا۔ کہ حمزہ کوئی چھوٹا آدمی نہیں ہے۔ بعد ازاں مشقال پیدا ہوا۔ پھر ریحان آیا اور ریحان کے ہمراہ مصر کا بادشاہ نظر آیا اور کندن کے جھنڈے کے نیچے عمر بن حمزہ کا فرزند گھوڑا گدگداتے ہوئے آیا۔ بہمن نے پوچھا، یہ کون ہے؟ بختک نے کہا کہ سعد بن عمر بن حمزہ ہے۔ یہ امیر کا پوتا ہے۔ اس کے بعد عمر بن حمزہ بڑے جاہ و جلال سے نمودار ہوئے۔ بعد ازاں

آواز روز کی پیدا ہوئی اور دیکھا کہ بارہ ہزار عیار پیادہ اور ان سب کے آگے کاغذی ٹوپی اور پرندہ کا گز تلپ پہنے ہوئے عمر تھا۔ اور چند بہادر آدمی زرہ لگائے اور کمر بند شمشیر بند ہاتھ میں لئے ہوئے ظاہر ہوئے۔ بہمن نے پوچھا کہ یہ آواز کیسی ہے؟ بختک نے کہا کہ عیاران بلا انگیز آتے ہیں۔ اب بہمن نے دیکھا کہ عمر کو دتا پھاندتا آتا ہے اور اس کے تمام عیار زرد پوش بادل پوش گھوڑوں کی باگ ڈور ہاتھوں میں پکڑے ہوئے آتے ہیں۔ بہمن نے کہا کہ یہ پیادہ کیوں ہیں؟ بختک نے کہا کہ صاحب ان کا پیدل ہوگا اس لئے یہ بھی پیادہ ہیں۔ بہمن ہنسا کہ اتنے میں نشان علم اژدہا پیکر کی آواز پیدا ہوئی بہمن نے کہا۔ یہ آواز کیا ہے؟ بختک نے کہا کہ یہ آواز حمزہ کے نشان کی ہے۔ پس اس کے آتے ہی قباد شہریار اور یاقی شہریاران و اشاہ پہلوان سب نمودار ہوئے اور علم کے پیچھے آفتاب عرب یعنی حمزہ بن عبد المطلب نمودار ہوئے اور اس کے پیچھے گیارہ ہاتھی اور تیس ہزار غلام ترکی و ختنی و حبشی و مصری و رومی و زابلی و چینی و زنگی و ہندی پیدا ہوئے اور تمام پہلوان عرب کے سر جھکائے آرہے ہیں۔

بہمن نے خوب غور سے امیر کو دیکھا کہ حمزہ کوتاہ قد ہے لیکن سامان لڑائی کا اس سے مکمل ہے۔ یہ کہکر نوشیرواں سے بہمن نے کہا۔ کہ شاہ ہفت کشور کہ آج حمزہ کو آزکردم لینے دے کیونکہ حمزہ دور دراز کے سفر سے آیا ہے اور تھکا ماندہ ہے۔ اگر میں اس سے اس وقت لڑوں گا اور فتح پاؤنگا تو لوگ کہیں گے کہ حمزہ سفر کا تھکا ماندہ تھا اس وجہ سے بہمن نے اس پر فتح پائی۔ پس فجر کو نقارہ لڑائی کا بجوائیں گے۔ غرض بہمن کے کہنے سے طبل بازگشتی کا بجایا اور شہر میں آکر اترا اور امیر بھی اپنی بارگاہ کے خیمہ میں آئے اور بھائی عباس کو فرمایا کہ بہمن کی طرف نامہ لکھو۔ تب عباس نے امیر کے حکم سے نامہ لکھا۔ کہ

بعد از حمد خداوند لتعریف ابراہیم خلیل اللہ کے بہمن کو یہ سب کو معلوم ہو کہ میں حمزہ بن عبد المطلب ہوں اور اٹھارہ سال کوہ قاف میں اکیلا گیا تھا اور وہاں کے دیوؤں اور بلاؤں کو خدا نے جو پیدا کی تھیں ان سب کو تہ تیغ کیا اور خدا کے فضل و کرم سے سلامت پھرا ہوں اور شہریاروں کو حلقہ بگوش کیا اور خوب یاد رکھ کہ میں نے نوشیرواں سے کوئی بدی نہیں کی اور اس نے خود اپنی رضامندی سے اپنی بیٹی دی اور میرے پیچھے تزویج اور دوسرے کا دلوں سے حل کر میرے

حرم کا پیچھا کیا اور جب میں کوہ قاف سے پھرا تب بھی اسے معاف کیا اور
مدائن آنے کا قرار دیا تو بھی ژوپین اور بختک کے کہنے سے مجھ سے
پھرا اور میرے تلف کرنے کے واسطے تجھ سے ملا ہے۔ اس کا کہنا
لازم ہے کہ یہ نامہ دیکھتے ہی نوشیرواں اور ژوپین کو باندھ کر بیبہ خراج
کا بلکہ ہماری بارگاہ کر دوں اور اس میں حاضر ہو تو میں تجھکو اپنے لشکر کا
سردار کر دوں گا اور اگر اس شرط سے سر تابی اور گردن اونچی کی تو یہ
جان لے کہ قیامت برپا کروں گا۔ کہ تو نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔

جب یہ خط تمام ہوا تو امیر نے فرمایا کہ یہ خط کون لیجائیگا؟ عمر نے کہا۔ کہ یہ کام میرا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ تجھے بہمن کا خط نہیں لیجانے دوں گا۔ کیونکہ میں سنتا ہوں کہ بہمن مردانہ اور اکھوڑ ہے اور وہاں جا کر اس سے بے ادبی کریگا۔ خط وہ لیجائے جو اپنے پر رنج اٹھائے اور اس سے کچھ نہ کہے تب عمر بن حمزہ اپنی جگہ سے اٹھے اور تسلیم بجا لائے اور کہا۔ کہ اگر حکم ہو تو میں جاؤں اور جواب خط کا لاؤں حمزہ نے وہ خط اپنے فرزند ارجمند کے حوالے کیا۔

پس عمر بن حمزہ اسی وقت گھوڑے پر سوار ہوئے اور بہمن کی طرف اکیلے گئے۔ راستہ میں دیکھا کہ تجی الف اپنے لشکر کے گھوڑے لئے جاتے ہیں اور چرواہا پکار رہا ہے اور ان کے پیچھے جاتا ہے تب عمر بن حمزہ نے چرواہے کو فرمایا کہ فریاد ہے۔ چرواہے نے کہا کہ وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا دور نہیں ہے بہت نزدیک ہے۔ پس عمر بن حمزہ نے جنگ کو تیز رو کیا اور ایک پلک جھپکنے میں اسے دیکھا۔ اور پکارا کہ اے کافر تجھے اگر مرد ہے تو ٹھہر ورنہ نہیں تو میرے ہاتھ سے کہاں جائے گا۔ ہومان نے جب عمر بن حمزہ کو دیکھا تو فوج سے بڑھ کر آگے کھڑا رہا اور کہا۔ کہ تو کون ہے؟ کہا۔ کہ میں امیر حمزہ کا بیٹا ہوں۔ تب ہومان نے کہا۔ یہ نہ کہنا کہ خبردار نہ کیا۔

یہ کہکر عمر بن حمزہ پر تلوار سے حملہ کیا۔ پس تلوار اس کی روکی اور دوسرے ہاتھ سے اس کی کمر کی دوال پکڑ کر رکاب سے پاؤں نکال کر اس کے گھوڑے کو ایسی لات ماری کہ اس کے نیچے سے نکل کر دس قدم پر جا پڑا اور ہومان امیرزادے کے ہاتھ میں رہا۔ امیرزادے نے ہومان کو سر پر لیجا کر پھرایا اور کہا۔ اسے کافر قبول کہ خدا ایک ہے اور دین ابراہیم خلیل اللہ کا برحق ہے۔ ہومان نے کہا امیرزادے مجھے امان دے۔

پس امیرزادے نے اسے آہستہ سے اتارا، زمین پر چھوڑا۔ اور کہا جہاں تیرا جی چاہے جا۔

پس ہومان امیرزادے کے قدموں پر گر پڑا۔ اور پوچھا آپ کہاں جاتے ہیں؟ تب عمر بن حمزہ نے کہا کہ خط لیکر تیرے باپ کے پاس جاتا ہوں۔ تب ہومان نے کہا۔ اگر مرد ہے تو یہ حال کسی سے نہ کہنا۔ عمر بن حمزہ نے کہا کہ ہرگز نہ کہوں گا۔ پس ہومان پہلوان نے گھوڑے عمر حمزہ کو دیئے اور آپ شہر میں گیا۔ اور باپ کے دربار میں جا بیٹھا۔ امیرزادے نے بھی اپنے گھوڑے چرواہے کے حوالے کئے اور آپ بہمن کی طرف چلے۔ جب دروازے کے قریب پہنچے تو دربانوں کو کہا۔ کہ جلد جا کر بہمن کو خبر دو کہ عمر بن حمزہ آیا ہے۔ تب دربان دوڑے اور خبر کی۔ تب بہمن نے کہا۔ کہ اندر آنے دو تب عمر بن اندر آئے۔ تو کہا السلام علیکم اے خواجہ بزرجمہر۔ تب بزرجمہر نے کہا وعلیکم السلام اے فرزند تب ہومان نے کہا کہ اے فرزند حمزہ تو نے بادشاہ ہوتے ہوئے وزیر کو سلام کیا اور بادشاہ کو نہ کیا۔ اس کا کیا سبب ہے؟۔

تب عمر بن حمزہ نے کہا۔ کہ ہمارا اسلام ان پر ہے جو خدا کو واحد جانتے ہیں اور دین حضرت خلیل اللہ کا برحق مانتے ہیں۔ یہ کہکر عمر بن حمزہ نے وہ خط بہمن کو دیا۔ بہمن نے لفافہ کھول کر پڑھا اور پھاڑ کر پھینک دیا تب عمر بن حمزہ نے کہا۔ کہ بہمن کیا کروں کہ امیر نے مجھے حکم دیا ہے کہ تجھ سے بے اعتدالی نہ کروں اس واسطے چپ ہو رہا ورنہ ابھی تیرا کام تمام کرتا۔ تب بہمن نے کہا۔ کہ ہومان پکڑو اس عرب کو تب ہومان نے ضروری جان کر امیرزادہ پر تلوار کھینچی اور حملہ کیا۔ امیرزادہ نے ہاتھ لمبا کر کے اسکی تلوار کا قبضہ پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے اسکی گردن پر ایسا مکا مارا کہ ہومان زمین پر گرا۔ تب بہمن کا بھائی بہمن زور نام تلوار کھینچکر عمر بن حمزہ کی طرف دوڑا اور حملہ کیا اور امیرزادہ نے اس کی بھی تلوار رد کی اور اس کو زمین پر پچھاڑا۔ پھر بہمن کا دوسرا بھائی گرز لیکر عمر بن حمزہ کے پاس آیا۔ امیرزادہ نے اسے بھی کمان سے زمین پر گرایا اور کہا۔ کہ اے بہمن ابتک میں نے باپ کا حکم نگاہ رکھا کہ ابھی تک میان سے تلوار نہیں نکالی۔ نہیں تو دیکھتا کہ دربار میں کیسا خون کا نالہ چلتا۔ کہ تمام عالم آفرین کہتا۔ تب بہمن نے کہا۔ کہ اے فرزند حمزہ جو کچھ کہ تو کہتا ہے سو حق سے زیادہ پایا۔ آفرین ہے تیرے باپ کو کہ ایسا بیٹا۔ اور شاباش تیری ماں کو جس نے تجھ کو دودھ پلایا۔

اس کے بعد بہمن نے شاہانہ خلعت منگا کر اپنے ہاتھ سے عمر بن حمزہ کو پہنایا اور کہا۔ کہ اپنے باپ کے پاس جا کر بول کہ صبح کو تیرا اور میرا جنگ ہے۔ دیکھیئے کہ بخت کس کو یاری دیتا ہے۔ پس امیرزادہ کو رخصت کیا۔ عمر بن حمزہ سوار ہوئے اور امیر کے پاس آ کر تمام حقیقت کہی۔ امیر نے فرزند کو گلے لگایا اور بہت نوازا اور تمام رات عیش و عشرت کر کے کاٹی۔ جب صبح ہوئی تو نقارے کی آواز

نوشیرواں کے لشکر سے آئی تب مردوں نے ہتھیار باندھے اور نامردوں نے بھاگنے کی راہ لی جب لشکر میدان میں آیا تو جاسوسان حریف نے حمزہ کو خبر دی کہ نوشیرواں نے لڑائی کا نقارہ بجوا کر جنگ کا قصد کیا ہے۔ امیر نے کہا کہ بفضل ایزدی ہمارے یہاں بھی نقارہ جنگ اور طبل جنگ بجائیں اور امیر نے اپنے اسلحہ سجا کر بدن پر آراستہ کئے اور ادھر قباد شہریار تاج شاہی بر سر و قبائے شاہنشاہی در بر موتیوں سے مرصع کنار کناف کئے آگے اور پشت کے سپر کا گرداگرد اور قلب لشکر میں کھڑے ہوئے اور حمزہ تمام دست و پیچ سے حجر لیتے ہوئے سرداری کے چالیس قدم آگے کھڑے۔ تب نقیبوں نے پکارا کہ اے مردان بکوشید جامہ زناں نہ پوشید ے

روز جنگ است جنگ باید کرد   کوشش نام و ننگ باید کرد

یہ کہکر کہ کون مرد ہے جو میدان کا قصد کرے اور اپنے باپ دادا کا نام روشن کرے۔ تب عمر بن حمزہ نے طبل بجوا کر علم کو بوسہ دیکر اور گھوڑے پر سے اترکر باپ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ اگر حکم ہو تو میدان میں جاؤں۔ امیر نے کہا کہ جاؤ تمہیں خدا کو سونپا۔ تب عمر بن حمزہ خنگ پر سوار ہوکر کداتے ہوئے میدان میں آئے۔ تب۔ تب ہومان اپنے باپ کے حکم سے میدان میں آیا اور عمر بن حمزہ کے مقابل کھڑا رہا اور زرین خرجین سے گرز نکالا اور امیرزادے پر چلایا۔ امیرزادے نے اس کی ضرب ڈھال پر رد کی۔ غرض اس نے ایسا گرز مارا کہ اسکی آواز دونوں لشکروں کے ہر ایک آدمی نے سنی۔ اور عمر بن حمزہ نے اس کا حملہ رد کیا اور ہاتھ بڑھا کر اسکی کمر کی دوال پکڑی اور گھوڑے پر سے اٹھایا اور امیر کے سامنے لایا اور زمین پر پٹکا۔

امیر نے عمر سے کہا۔ اسے قید کرو اور عمر بن عمیہ نے اسے باندھا اور عمر بن حمزہ پھر میدان میں آئے۔ تب بہمن میدان میں آیا اور تلوار کھینچکر عمر بن حمزہ پر چلائی امیرزادہ نے ایک ہاتھ سے تلوار روکی اور دوسرے ہاتھ سے اسکی کمر دوال بھی پکڑ کر گھوڑے پر سے اٹھایا اور امیر کے پاس لاکر چھوڑا۔ لوٹ کر میدان میں آئے تو بہمن کو چپک میدان میں آیا۔ عمر بن حمزہ نے اسے بھی پکڑا تب تو بہمن اپنا [illegible] کو تاب [illegible] نعرہ مارکر اٹھا اور سات سو من کا گرز قربوز سے نکال کر عمر بن حمزہ کے سر پر مارا۔ تب گرز کے لگنے سے آتش کا ایک شعلہ نکلا اور آسمان پر گیا اور زمین سو ہاتھ تک جو بے خبر تھیں خبردار ہوئیں اور امیرزادہ کے بدن [illegible] ہوگئے پسینہ بہ نکلا اور خنگ [illegible] تاب نہ لا سکا۔ تب امیرزادہ نے پکارا کہ اے بہمن ایک حملہ اور کر۔ کہا کہ اے حریف تو ہنوز زندہ ہے۔ عمر بن حمزہ نے کہا کہ حکم خدا سے [illegible] تو زندہ ہوں۔ [illegible] کر ڈھال [illegible] اتار دی۔

بہمن نے کہا کہ اب تو حملہ کر۔ عمر بن حمزہ نے کہا کہ میں نے دو حملے تجھکو دیئے۔ تب بہمن نے دونوں پاؤں رکاب میں استوار کرکے اور تمام قوت خرچ کرکے گرز پھر مارا۔ امیرزادہ نے وہ بھی روکا پھر تو امیرزادہ کی باری آئی۔ تب ہزار من کا گرز اٹھا کر گھوڑا دوڑا کر بہمن کے سر پر مارا تو بہمن نے عمر بن حمزہ کا وار رد کیا۔ پھر تو دونوں میں گرزا گرز ہونے لگی۔ یہاں تک کہ آفتاب مارے ڈر کے آسمان میں جا چھپا۔ پھر گھوڑے رہے اور ہاتھ تلواروں پر پہنچا گئے۔ اور ایک پر ایک نے اتنی تلواریں ماریں کہ تلواروں کی دھاریں آری کی طرح ہوئیں۔ تب ہاتھوں میں نیزے پکڑ کر آپس میں نیزہ بازی کرنے لگے۔ بہمن نے امیرزادے کا سینہ تاک کر نیزہ مارا۔ امیرزادہ نے اس کا وار اپنے نیزہ کی نوک پر روکا تب آگ کی چنگاریاں جھڑیں اور آواز پیدا ہوئی۔ یہاں تک نیزہ بازی کی کہ نیزوں کی نوکوں کے ٹکرانے سے چرکا چرک کی آواز کا تار بندھ گیا ؎

دو نیزہ دو بازو دو مرد دلیر   تو گوئی کہ غرند دو نر شیر

غرضیکہ ان دونوں میں ایسی نیزہ بازی ہوئی کہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے تب دونوں زور کرنے لگے۔ اور ایسا زور کیا کہ دونوں پہلوان گھوڑے سے گرے اور پیادہ لڑائی کرنے لگے۔ نہ اسے فتح نہ اسے ظفر کہ اتنے میں رات ہوئی۔ تب بہمن نے کہا اے پسر حمزہ آفرین ہے تیرے ہاتھ اور بازو پر ابتک تیرے سوا کوئی ہم لڑا ایسا [illegible] ہوئی۔ تب عمر بن حمزہ نے کہا میں پیٹھ نہ پھیروں گا۔ اول تو جا پھر میں جاؤں گا۔

تب بہمن امیرزادہ سے خفا ہوا اور گھوڑے پر سوار ہوتے [illegible] کہا کہ تجھ [illegible] پیٹھ نہ پھیرے گا۔ اس لئے روانہ [illegible] گھوڑے پر سوار ہوا [illegible] کہ اے پسر حمزہ اب تو بھی سوار ہو اور اپنے لشکر میں جا۔ تب عمر بن حمزہ گھوڑے پر سوار ہوکر اپنے لشکر میں آئے اور امیر نے اس کو گلے سے لگایا اور نوازش کی اور پوچھا کہ اے فرزند بہمن کو کیسا پایا۔ عمر بن حمزہ نے عرض کی کہ آپ کے اقبال میں بہادر ہے لیکن [illegible]۔ اور جب بہمن میدان سے گیا تو نوشیروان کی [illegible] میں حاضر ہوا تب نوشیروان نے خلعت دیا [illegible] بہمن نے [illegible] رکھا۔ بہمن نے کہا کہ اے بادشاہ تو [illegible] مجھکو [illegible] ہے۔

[illegible] نے کہا اے بہمن سوائے تیرے کون ہے جو ان [illegible] غرض

بہمن غمگین ہوکر اٹھا اور محل میں گیا۔

اب یہاں کا حال سنو کہ جب امیر نے فرزند کو نوازا تو بہمن کے [illegible]

آئے تھے بلا کر کہا۔ کہ اے کوہستانیو! امیر کے فرزند نے تم کو کیونکر پکڑا۔ کہا کہ جس طرح مرد مردوں کو اور شیر شیروں کو پکڑتے ہیں۔ امیر نے فرمایا کہ کہو خدا ایک ہے اور دین ابراہیم خلیل اللہ کا برحق ہے تب وہ کوہستانی بولے۔ کہ اے امیر ہم کو معاف کر۔ تب امیر نے کہا۔ اے عمر ان کو قید میں رکھنا بیکار ہے کوئی فائدہ نہیں۔ پس ایک ایک گھوڑا دیکر اور خلعت پہنا کر چھوڑ دیا۔ القصہ جب تمام کوہستانی قید سے چھوٹے اور امیر سے خلعت اور گھوڑے انعام پا کر اپنے لشکر میں آئے تو بہمن کے پاؤں پر گرے اور اپنے تمام حقیقت کہی۔ تب بہمن نے کہا۔ کہ حمزہ مرد میدان ہے۔ جب رات گذری اور دن ہوا اور آفتاب نے پردہ ظلمت سے نکل کر روز کو منور کیا تب دونوں لشکروں میں نقارے کا آواز بلند ہوا اور ہر ایک بہادر سوار ہو کر ایک کے سامنے کھڑا رہا۔ تب اتنے میں بہمن ارجاسپ میدان میں آیا۔ اور پکارا کہ اے خدا پرستان وزیر دستان ہر کہ در میان شما از دوستے مرگ ناخواستہ باشد بمیدان بیاید چراکہ از بود۔ دست و پا داری دارم تب امیر نے یہ آواز سن کر دونوں طرف نظر کی اور دیکھا کہ لندھور اپنے گھوڑے سے اترا ہے اور امیر کے روبرو آیا۔ اور زمین خدمت کی چوم کر تسلیمات بجا لایا۔ اور عرض کی کہ اے شہریار اگر اجازت میدان کی ہو تو میں جاؤں؟

امیر نے کہا۔ جاؤ۔ میں نے تمہیں خدا کے حوالے کیا۔ لندھور میدان میں آیا تو بہمن نے کہا۔ کہ ایسے فدکے تو کون ہے؟ کہا کہ میں لندھور بن سعدان ہند کا بادشاہ ہوں۔ بہمن نے کہا کہ تیری قوت کا شہرہ اور جوانمردی کا نام سارے جہان میں ہے۔ پس لا کہ جوانمردی کا کیا نشان رکھتا ہے۔ ~~

بیا تا چہ داری ز مردی نشاں ＋ کمان کیانی و گرز گراں

تب لندھور نے کہا۔ کہ ہمارا طریقہ پیشدستی کرنیکا نہیں ہے پہلے تو حملہ کر تب بہمن نے کہا کہ تو خبردار رہ۔ یہ کہکر لندھور کے سر پر گرز ایسا مارا کہ اسکی آواز دونوں لشکروں میں گئی اور کہتے ہیں کہ وہ گرز اگر پہاڑ پر لگتا تو پہاڑ سرمہ ہو جاتا۔ ولیکن لندھور نے رد کیا۔ بعد ازاں لندھور نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور بہمن کے سر پر ایسا گرز مارا کہ شعلہ آگ کا نکلا اور ہوا پر گیا۔ مگر ہزار محنت سے بہمن نے رد کیا۔ اور کہا۔ اے لندھور تو اپنے قد کے موافق زور بھی رکھتا ہے۔ پھر آپس میں گرز اگرز ہونے لگی۔ یہاں تک کہ رات ہوئی دونوں سے فتح نہ ہوسکی۔ تب بہمن نے کہا۔ کہ اے لندھور اپنے لشکر کو واپس پھر تو وہ اپنے لشکر میں گیا اور لندھور اپنے دل میں آکر اپنے پاؤں پر گرا۔ امیر نے فرمایا کہ اے لندھور بہمن کو کیسا

پایا - کہا کہ جیسا عمر بن حمزہ نے کہا تھا - اتنے میں رات ہوئی اور دونوں لشکروں نے آرام کیا - جب رات تمام ہوئی اور روز نورانی ہوا تو دونوں لشکر سوار ہوئے اور میدان میں آ کھڑے ہوئے کہ یکایک زدہ بیابان گرد برخاست گرد نے مارا باد کو اور باد نے مارا گرد کو تو گرد کا گریبان چاک ہوا اور اس میں ایک لشکر نمودار ہوا -

پس دونوں لشکروں کے جاسوس خبر لانے کو دوڑے - اس عرصہ میں ہرکاروں کی ایک جوڑی گرد آلود پسینہ میں غرق امیر کے سامنے آئی اور دعائے جان درازی دیکر کہا ؎

الٰہی در جہاں باشی باقبال جواں بخت و جواں دولت جواں سال

شہریار کی عمر دراز ہو - یہ قافلہ نہیں ہے - بلکہ یہ فرہاد کا لشکر ہے - جو اپنے باپ لندھور کو ملنے آیا ہے - تب عمر نے دوڑ کر لندھور سے کہا - کہ اے لندھور مبارک ہو تیرا فرزند سراندیپ سے آیا ہے - یہ کہتے ہی تھے - کہ لندھور کے پاس فرزند آیا اور گھوڑے سے اُتر کر باپ کے قدموں پر گرا - لندھور نے گلے سے لگایا اور امیر کی خدمت میں لایا اور فرہاد کو امیر کا قدمبوس کرایا - امیر نے اسے گلے لگایا اور خلعت دیکر سرفراز فرمایا -

فرہاد نے کہا - کہ اگر امیر حکم دیں تو میں میدان میں جاؤں - امیر نے فرمایا ابھی تھکا ماندہ سفر سے آیا ہے لیکن لندھور نے کہا کچھ مضائقہ نہیں جانے دو - امیر نے کہا - اچھا جاؤ خدا حافظ ہے پس فرہاد ہاتھی پر سوار ہو کر میدان میں آیا - بہمن نے کہا - اے بلند قد تو کون ہے - کہ ابھی حمزہ سے ملا اور ابھی میدان میں آیا - اگر مارا جائیگا تو تیرے دل میں ارمان رہے گا - فرہاد نے کہا - کہ میں فرہاد بیٹا لندھور کا ہوں - بہمن نے کہا - کہ تیرا باپ تو زیردست ہے - اب دیکھئے تو کیا معلوم ہوتا ہے اور باپ کے ہوتے ہوئے تو کیوں میدان میں آیا ہے ؟ تب فرہاد نے کہا - کہ تو کونسا بڑا پہلوان ہے جو تیرے لئے میرا باپ آئیگا -

یہ بات بہمن کو بُری معلوم دی تب گرز نکال کر حملہ کیا - فرہاد نے اس کا حملہ روکا اور اپنا گرز نکال کر ایسا مارا کہ شعلہ آگ کا نکل کر ہوا پر گیا - تب بہمن نے کہا - تو باپ کا جوڑ ہے غرض دونوں میں گرز گزری رات تک رہی - نہ اسکی فتح نہ اسکی ظفر - تب دونوں لوٹ کر اپنے اپنے لشکر میں گئے - امیر نے فرہاد کے آنے کی خوشی میں مجلس آرائی کا حکم کیا پس ساقیان سیمیں و ساقی و مطربان خوش آوازہ حاضر ہوئے اور شراب کا جام چلنے لگا - غرض کہ تمام رات اسی طرح سے گذری جب روز ہوا تو امیر کے کان میں نقارہ کی آواز آئی - امیر نے بھی بجانے کا حکم دیا - پس ہر دو جانب سے

صدائے کوس بلند ہوئی ۔ تب پہلوانانِ عرب غرقِ آہن ہوئے اور بہمن بھی میدان میں آیا اور حریف کو طلب کیا ۔ اتنے میں عمر معدی کرب گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آیا ۔ تب بہمن نے کہا ۔ اے مرد بزرگ تو کون ہے ؟ عمر معدی نے کہا کہ میں سرلشکر امیر ہوں ۔ بہمن نے کہا کہ امیر بہت نادان ہے جو تجھے سرلشکر کیا ۔ اگر تجھے باورچی خانہ میں رکھا ہوتا تو کھانا جب بھی پکاتا اور خوش ہوتا ۔ اب یہ بڑا پیٹ میدان میں لیکر آنا تیرے لئے قیامت ہے ۔ کیونکہ جو عورت پیٹ سے ہوتی ہے اس سے کام نہیں ہو سکتا ۔ ایسا ہی تو بھی ہے اپنے دل میں لڑائی سے بیزار ہوگا ۔

تب عمر معدی کرب نے کہا کہ اے کوہستانی اب اپنی زبان سنبھال کہ میں لائق آتش پڑی کے نہیں ۔ البتہ تو گاؤمیش چرانے کے لائق ہے ۔ تب بہمن نے کہا ۔ اے بڈھے خبردار ہو ۔ یہ کہتا کہ خبردار نہ کیا اور گرز نکال کر گھوڑا دوڑایا اور عمر معدی کے نزدیک آ کر سر پر ایسا گرز مارا کہ اسکی دونوں لشکروں نے آواز سنی اور معدی کرب کا گھوڑا اناشہ میں آیا اور ہر بن مو سے پسینہ ٹپکا لیکن عمر معدی نے اپنے کو مردانہ رکھا اور ہاتھ بھی گرز پر [illegible] ۔ اور بہمن کو کہا کہ اے کوہستانی خبردار رہو ۔ یہ کہکر ایسا گرز مارا کہ بہمن [illegible] پیچ میں آیا اور پھر ایک گرز اس نے معدی کرب کے سر پر ایسا مارا کہ عمر معدی نے ہزار مشکل سے رد کیا ۔ تب گرزوں سے لڑتے لڑتے دوپہر ہوگئی ۔ اتنے میں بہمن نے گرز ڈال دیا اور عمر معدی کرب کی دوال پکڑ کر زور کرنے لگا ۔ تب عمر معدی نے بھی اسکی کمر کی دوال پکڑی اور دونوں پیادہ ہوئے اور [illegible] کے بعد آخر عمر معدی بہمن کے گال پر گھونسے مارنے لگا ۔ جب بہمن کا [illegible] ہوا تو بہمن بہت تنگ میں آیا ۔

امیر یہ حال دیکھ کر ہنسے اور کہنے لگے کہ عمر معدی اب سمجھتا ہے کہ بہمن کو گھونسوں سے مارتا ہے ۔ کوہستانی گھونسے مارنے نہیں جانتا ۔ کیونکہ گھونسے مارنا پُرانا عربوں کا کام ہے ۔ جب رات ہوئی تو دونوں پہلوان اپنے اپنے لشکروں کی طرف واپس ہوئے ۔ اور معدی کرب امیر کی خدمت میں آیا تب امیر نے پوچھا کہ عمر معدی بہمن کو کیسا پایا ۔ [illegible] پایا ۔ غرض کہ وہ رات بھی تمام ہوئی اور دن بھی نکلا تب دونوں لشکر پھر میدان میں آگئے ۔ بہمن میدان میں آ کر پکارا کہ کسی کو اگر مرنے کی آرزو ہے تو میدان میں آ کر اپنا نام ظاہر کرے ۔ تب استفتالاکش پہلوان نے امیر سے عرض کی کہ اگر حکم ہو تو میدان میں جاؤں ۔ فرمایا کہ جاؤ خدا کو سونپا ۔

اس کے بعد استفتالاکش سوار ہو کر میدان میں گیا ۔ بہمن نے کہا کہ تو کون ہے ۔ تب استفتالاکش بولا کہ میں پہلوان ہوں ۔ تب بہمن نے گرز نکال کر اور گھوڑا دبا کر اس کے سر پر مارا کہ آواز دونوں لشکروں نے

یعنی اور مردانِ عالم کہتے ہیں کہ اگرچہ مرد کیسا ہی سدِ سکندری ہو اس گرز سے پرخطر ہے۔ پس سنقا نوش نے اپنے کو مردانہ رکھا اور بہمن کے سر پر ایسا گرز مارا کہ اسے بھی چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ لیکن وہ بھی قائم رہا۔ نہ اسے فتح ہوئی نہ اسے ظفر۔ اسی طرح سے لڑتے لڑتے رات ہوئی اور دونوں پہلوان واپس اپنے اپنے لشکر میں گئے۔ اور صبح کو پھر لشکر تیار ہوئے۔ اور بہمن میدان میں آیا اور نعرہ مارا۔ اگر کسی کو مرنے کی آرزو ہے تو میدان میں آئے۔ تب ارجد پہلوان امیر کے حکم سے میدان میں آیا۔ بہمن نے کہا کہ تُو کون ہے؟

یہ سُن ارجد نے کہا کہ میں معدی کرب کا برادر ہوں۔ بہمن نے کہا کہ تیرا برادر تو بڑا پہلوان ہے۔ خدا جانے کہ تو کیونکر آیا ہے۔ تب ارجد پر ایک ایسا گرز مارا کہ اس کی آواز دونوں لشکروں نے سُنی۔ ارجد اس سے بچا اور گرز ڈھال پر سے گھوڑے کی گردن پر آیا اور گھوڑا زمین پر گرا تب ارجد نے چاہا کہ بہمن کو مارے۔ تب بہمن گھوڑے پر سے کودا اور ارجد کی چھاتی پر بیٹھا اور دونوں ہاتھ باندھے۔ اور قابو کر کے اپنے لشکر میں بھیجا۔ اور پھر سوار ہوا اور نعرہ مارا۔ تب آشوب میدان میں آیا اور تلوار کھینچ کر بہمن پر چلائی۔ بہمن نے اس کی تلوار رد کی اور پھرتے وقت آشوب کی کمر کی دوال پکڑ کر زور کیا اور گھوڑے پر سے کھینچ کر زمین پر پچھاڑا۔ اور باندھ کر اپنے لشکر میں بھیجا۔ پھر سعد یمانی نے گھوڑے کو دوڑایا۔ اور بہمن پر نیزہ چلایا۔ کہ بہمن کو بارہ انگل کا زخم کر گیا۔ بہمن نے نیزہ پکڑ کر زور کیا کہ سعد یمانی اس کے ہاتھ سے زمین پر گرا اور چاہا کہ اُٹھے مگر بہمن گھوڑے پر سے کود کر اس کے سینہ پر آ بیٹھا۔ اور اس کو بھی باندھ کر لشکر میں بھیجا۔ اور پھر میدان میں آ کر پکارا کہ جس کو آرزو مرنے کی ہے وہ میدان میں آئے۔ تب ذوالخمار میدان میں آیا اور بہمن نے بعد جدال کے اسے بھی باندھا۔ غرض اس روز اس نے معدی کرب کے سات بھائی باندھے۔ جب رات ہوئی تو نقارہ بازگشت کا بجایا اور دونوں لشکر اپنے مقاموں کو گئے۔

مگر امیر قیدیوں کے واسطے دلگیر تھے۔ اور اپنی موت نظر آتی تھی۔ اس لئے امیر کو کچھ کھانے پینے کی خواہش نہ تھی۔

عمر بن امیہ نے جب امیر کو غمگین دیکھا تو اپنی جگہ سے اُٹھ کر امیر کے روبرو آیا اور کہا کہ اگر حکم ہو تو میں جاؤں اور ان گرفتاروں کی خبر لاؤں۔ امیر نے اجازت دی تو عمر دربار سے نکل کر کوہستان کی راہ لی۔ جب بہمن کے دربار میں پہنچا تو اپنے آپ کو کوہستانی کیا اور ہاتھ میں سونے کا عصا لے کر چوبداروں میں آ کھڑا ہوا اور کرسی پر بیٹھا۔

پس بہمن نے کہا کہ یاران حمزہ کو بلاؤ ۔ جب ان کو لائے تو بہمن نے نوشیرواں کو کہا کہ ان کو کیا کرنا چاہیے ۔ نوشیرواں نے کہا کہ یہ ہر ایک بلائے بے درد روزگار ہیں۔ جن کو تیرے سوا کوئی نہیں باندھ سکتا ۔ پس ان سب کو گردن مارنا چاہیئے ۔ پھر بختک کیطرف دیکھا اور کہا کہ ان کے حق میں کیا کہتا ہے ۔ بختک اور زروبین نے کہا ۔ کہ ان کا پوست نکالنا چاہیئے ۔ تاکہ حرام خوران عرب کی قوت ٹوٹے ۔ اور اس کارروائی سے عربوں کو ہیبت بھی ہوگی ۔ اس کے بعد بزرجمہر سے پوچھا تب بزرجمہر نے کہا کہ حکم بادشاہ کا ہے ۔ لیکن جو کچھ سزا وار مردان ہو سو کرو ۔

پھر بہمن نے اپنے افاریوں سے پوچھا ۔ انہوں نے کہا کہ ان کا سر کاٹ کر قلعے کے کنگرے پر لٹکانا چاہیئے ۔ تب بہمن نے کہا کہ تمہیں جو فرزند حمزہ پکڑ کر لے گیا تھا تو حمزہ نے تمہارے حق میں کیا کیا تھا ۔ انہوں نے سر نیچا کیا ۔ تب بہمن نے کہا ۔ کہ اے بدبختو تمہارے واسطے حمزہ نے کیا برائی کی جو تم نے اس کے یاروں کے حق میں یوں کہتے ہو ؟ یہ کہکر بہمن نے ان کے بند کھول دیئے اور خلعت فاخرہ منگا کر اپنے ہاتھ سے پہنائے ۔ اور ہر ایک کو گھوڑا دیا ۔ امیر کے یاروں نے بہمن کو دعا دی اور دربار سے چلے ۔ اور عمر بن عمیہ بہمن کو تسلیمات کر کے کہنے لگا کہ اے بہمن تو مرد مردانہ ہے اور مرد یونہی کرتے ہیں جیسا کہ تو نے کیا ۔ کہاں عمر بن عمیہ ہوں اور یہ دیکھنے کو آیا تھا ۔ کہ تو یاران حمزہ سے کیا کرتا ہے اگر مارنے کو فرماتا تو میں ان سب کو چھڑا تا ۔ لیکن تو نے بہت مہربانی کی اور امیر کو شرمندہ کیا ۔ یہ کہکر وہاں سے چلے اور راہ میں یاروں سے ملے اور ان کے ہمراہ امیر کی خدمت میں آئے ۔ امیر نے جب یاروں کو دیکھا تو کرسی سے اٹھکر ہر ایک کو گلے لگایا اور ان سے وہاں کی حقیقت پوچھی ۔ تب عمر نے تمام بیان کیا امیر نے فرمایا مرد یونہی کرتے ہیں جیسا کہ بہمن نے میرے یاروں سے کیا ۔

غرضیکہ جب رات ختم ہوئی اور فجر کو طبل جنگ کی آواز دونوں طرف سے پیدا ہوئی تو بہادروں نے ہتھیار باندھے اور میدان کی راہ لی ۔ تب بہمن نے آکر نعرہ مارا کہ اے حمزہ زیر پاؤں کو کیا بھیجتا ہے اگر مرد ہے تو خود میدان میں آ ۔

یہ سن کر امیر نے ہتھیار منگائے ۔ تب مقبل حلبی نے لا رکھے ۔ حمزہ نے اول حضرت ابراہیم کا پیراہن پہنا ۔ پھر بدن کی نرمی کے واسطے سات پارچہ حریر حبشی اور زرہ داؤدی پہنی اور ہودی کا خود سر پر رکھکر میدان میں آئے ۔ اور چہار آئینہ صالح کے موزے پہنے ۔ اور صمصام و قمقام تلواریں حمائل کیں اور سام بن حام کا گرز قربوس زین پر رکھا اور اشقر دیوزاد پر سوار ہوکر میدان کارزار میں آکر گھوڑے کو جولان دیا ۔ یہاں تک کہ اسکے سموں کی گرد آسمان پر پہنچی ۔ امیر بہمن کے مقابل کھڑے ۔ بہمن نے کہا کہ

اے جوان تو کون ہے جس نے حمزہ کو بلایا تھا۔ امیر نے فرمایا میں ہی حمزہ بن عبدالمطلب ہوں۔ بہمن نے کہا کہ حمزہ تو ہی ہے اور اپنے قدس سے سارے عالم کو مسخر کیا۔

امیر نے کہا البتہ قدرت خدا سے جو کچھ ضرب رکھتا ہے۔ بہمن نے کہا کہ خبردار ہو گرز پر ہاتھ لگایا۔ اور امیر کے سر پر ایسا مارا کہ اسکی آواز بیابان بن گئی۔ مردانِ عالم ایسا کہتے ہیں کہ صد سکندہ ہے حمزہ کو لیکن ذرا جنبش نہ ہوئی۔ بہمن نے کہا کہ آفرین ہے تیرے بازو پر اور ہاتھ کو جو تو نے ایسا رد کیا۔ امیر نے کہا کہ گرز اور بھی مارو۔

غرض بہمن نے پھر دوسرا گرز اور مارا۔ امیر نے اس کا گرز سر کی اوجھڑ سے رد کیا۔ اور کہا۔ اے بہمن جھوٹ کیوں بولتا ہے۔ بہمن نے پھر تیسرا گرز جتنا کہ زور خدا نے اسے دیا تھا مارا۔ امیر نے اسے بھی رد کیا لیکن ہر بن مو سے پسینہ ٹپکا۔

بعد ازاں امیر نے گرز سام بن نریمان کا ہاتھ میں لیا اور خدا کا نام زبان پر لائے اور گھوڑا دوڑا کر بہمن کی ڈھال پر ایسا مارا کہ اسکی مار سے گھوڑے کے پاؤں ٹوٹ گئے۔ اور بہمن خاک پر گرا اور تلوار کھینچکر اشقر کے قتل کرنے کو دوڑا۔ امیر شتابی سے اشقر سے اترے اور اشقر کو پس پشت کیا۔ بعد ازاں دونوں میں گرز اگرز کی ایسی جنگ ہوئی کہ آفتاب آسمان پر چھپ گیا۔ پھر بہمن نے گرز زمین پر پھینک اور تلوار سے حملہ کیا۔ امیر نے اس کی تلوار ڈھال پر روکی اور ڈھال ایسی پھرائی کہ تلوار ٹوٹ گئی اور قبضہ بہمن پر گرا اور عمر بن امیہ نے دوڑ کر وہ قبضہ اٹھایا اور زنبیل میں ڈال لیا۔ بہمن نے کہا اے عمر اس قبضہ پر لاکھ دینار صرف ہوئے ہیں۔ تو مفت کہاں لیجاتا ہے؟ عمر نے کہا جو چیز میدان میں گرے وہ میرا مال ہے۔ بہمن نے کہا۔ اے حمزہ یہ کیا کہتا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ یہ یونہی لیجاتا ہے اور اس سے کوئی نہیں لے سکتا۔ بہمن نے کچھ نہ کہا اور دوسری تلوار نکال کر امیر کے سر پر چلائی۔ امیر نے سر کے جھٹکے سے وہ تلوار بھی توڑی اور بہمن نے وہ قبضہ اپنے ترکش میں ڈالا۔ تب عمر بولا کہ یہ میرا حق ہے۔ تو ترکش میں کیوں ڈالتا ہے؟ بہمن نے کہا کہ ایک قبضے کافی ہے۔ تب عمر نے ہاتھ اٹھا کر قبضہ پر مارے۔ امیر نے کہا اے عمر ایسا نہ کر۔

تب بہمن نے کہا۔ کیوں نادانی کرتا ہے؟ عمر چپ ہو رہا پھر بہمن نے ہاتھ اٹھا کر نیزہ لیا اور پھرا کر امیر کے سینہ پر مارا تو امیر نے ہاتھ بڑھا کر نیزہ پکڑا اور زور سے بہمن کے ہاتھ سے چھین لیا اور اس کا پھل دور کر کے پھرا کر کمر پر ایسا مارا کہ وہ دو ٹکڑے ہوا۔ بہمن زمین پر سے نہیں گرا مگر سانپ کی مانند پیچ و تاب کھا کر ہاتھ کو پکڑ ڈالا اور دونوں پہلوان آپس میں زور کرنے لگے۔ تب دونوں

گھوڑوں نے گھٹنے زمین پر ٹیک دیئے ۔ پھر دونوں پیادہ ہوئے اور زور کرتے رہے۔ یہانتک کہ رات ہوئی تب بہمن نے کہا کہ امیر بھوکے ہیں ۔ اور امیر نے فرمایا جو تیری خوشی ۔ بہمن نے کھانا اور شراب وہیں منگا لی کہ کھا کر لڑیں گے اور بخت آزمائی کریں گے ۔ القصہ دونوں کھانے پر بیٹھے اور کھانا کھایا ۔ اور شراب پی کر تھوڑی دیر سو رہا ۔ جب اُٹھے تو پھر زور کرنے لگے ۔ اس طرح بہمن اور امیر کے درمیان تیرہ رات دن عظیم جنگ ہوئی اور بہمن تنہا یاران حمزہ سے چالیس روز پیشتر لڑتا رہا تھا ۔

چودھویں رات امیر نے کہا ۔ اے بہمن جتنا کہ زور رکھتے تھے تمام خرچ کر چکے ۔ اور ایک زور باقی ہے کہ میں ٹھہرا رہتا ہوں تو زور کر اور تو ٹھہرا رہ میں زور کرتا ہوں ۔ بہمن نے کہا زور کتنے کہتے ہیں ۔ امیر نے فرمایا مجھے معلوم نہیں ۔ بہمن ہنسا اور کہا اے حمزہ بول کیا بولتا ہے یا پھر آزماتا ہے ۔ کیونکہ جب ہم چھوٹے سے تھے تو بڑے بڑے جھاڑیوں سے ہاتھ ڈال کر جڑ سے ہم اکھاڑ لیتے تھے تو کیا ان سے بھی زیادہ ہے ۔ امیر نے کہا بس شتابی کر کہ خدا کا جو حکم ہوگا سو ہوگا ۔ پس بہمن نے امیر کی دوال پر ہاتھ ڈالا اور ایسا زور کیا کہ بہمن کی دسوں انگلیوں سے خون کے قطرے ٹپکے اور ناک سے بھی خون جاری ہوا ۔ تب بہمن نے ہاتھ چھوڑ دیئے ۔

پھر امیر نے اسکی کمر کی دوال پکڑی اور خوب ہلایا ۔ بہمن نے کہا کیا ہلاتے ہو ۔ امیر نے کہا کہ تجھے ہلاتا ہوں یا تولتا ہوں کہ زور زیادہ نہ کیا جائے ۔ پہلا نعرہ مارا تو عمر نے ٹوپی ہوا پر اُچھالی اور امیر کے لشکر کے لوگ سمجھ گئے اور ہاتھ موزوں پر ڈال کر روئی نکالی اور اپنے اپنے گھوڑوں کے کانوں میں ڈالی ۔ تب امیر نے نعرہ کیا زمین و زمان کے اور کوہ و بیابان کے جنبش میں آئے ۔ غرض اسی وقت امیر نے بہمن کو اُٹھایا اور پہلے زور میں تا بہ کمر اور دوسرے میں سر سے بلند کر کے ایسا پھرایا کہ دونوں لشکر نے آفرین کہی ۔ تب بہمن کو زمین پر پچھاڑا اور عمر نے دوڑ کر حلقہ کمند دوال میں باندھا ۔ بہمن کی سپاہ نے چاہا کہ یکبارگی حملہ کریں ۔ مگر بہمن نے اشارہ سے منع کیا کہ کوئی نہ آوے ۔ القصہ طبل بازگشت بجایا اور امیر اپنے دولت خانہ میں آئے اور طلائی کرسی پر بیٹھے اور بہمن کو منگایا اور کہا ۔ اے بہمن ! میں نے تجھے کیسے پکڑا ۔ بہمن نے کہا کہ جس طرح مرد مردوں کو پکڑتے ہیں ۔ امیر نے کہا کہ مردان عالم کہتے ہیں کہ مرد باش یا ہم باشد مرد نے باش اب بول خدا ایک ہے اور دین ابراہیم خلیل اللہ برحق ہے ۔

بہمن نے کہا ۔ اے جیا مگر اس سے یہ بولوں گا کہ باقی عمر حلقہ بگوش رہوں گا ۔ کہ اگر

نوشیرواں اور زوبین اور اس کے ساتھ کے دوسرے بادشاہوں کی جان بخشی جاوے۔ امیر نے فرمایا کہ اگر نوشیرواں اور زوبین معافی مانگیں گے تو جان بخشوں گا اور اگر نہ مانگی تو اپنے ہاتھ سے ماروں گا۔ پس اسے بہمن اسی شرط پر انہیں جلد لے آؤ۔ تب بہمن نے پیند کو لے اور امیر نے اپنے ہاتھ سے خلعت پہنایا۔ بہمن تسلیمات بجالا کر قصد نوشیرواں کا کیا۔ تو نوشیرواں اور دوسرے بادشاہوں نے مشورت کی کہ اگر بہمن کے کہنے پر معافی نہ مانگی تو کام مشکل ہے۔ کیونکہ یہ زمین کوہستانیوں کی ہے اور بغیر رضامندی کوہستانیوں کے یہاں سے جا نہیں سکتے۔ تب نوشیرواں اور زوبین دوسرے بادشاہوں سمیت سوار ہوئے۔ اور امیر کے دستگاہ پر آئے جب امیر نے نوشیرواں کے آنے کی خبر سنی تو شتابی سے باہر آئے۔ اور نوشیرواں کے قدم چومے۔ نوشیرواں نے امیر کا سر اٹھایا اور اپنے گلے سے لگایا۔ پھر زوبین دوڑا اور امیر کے قدمبوس ہوا امیر نے اس کا سر اٹھایا۔ پھر بختک اور تمام بادشاہ کو امیر نے سرفراز کیا۔ اور باقی سب کافر امیر کے پاؤں پر گرے۔

بعد ازاں بہمن نے دست بستہ عرض کی۔ کہ اے امیر فرمایئے اب کیا حکم ہے۔ غرض کہ مع دیگر لوگوں کے نوشیرواں نے معافی مانگی۔ پس امیر نے حکم دیا کہ نوبت خوشی کی بجائیں۔ اور جشن عیش خوشی کی مجلس آراستہ کریں۔

چھیالیسویں داستان

اب امیر نے نوشیرواں کو مع بہمن کے معاف کیا۔ اور جشن کرتے تھے۔ کہ ایک روز عمر معدی نے کہا کہ اے جہانگیر کوہستان میں چارہ ختم ہوا۔ امیر نے فرمایا۔ کہ زوبین کا وس کے حصار میں گھاس خوب ہے صبح کو چلو۔ نوشیرواں نے کہا۔ اے امیر میں اب بہت ضعیف ہوا ہوں۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ باقی عمر فراغت سے رہوں۔ اور اپنا تخت اور تاج، مال اور متاع وغیرہ اپنی رضا و رغبت سے تم کو دوں مگر بزرجمہر کو ہمراہ لئے جاتا ہوں۔ کیونکہ مدائن بزرگوں کی جگہ ہے وہاں جا رہتا ہوں۔

امیر نے فرمایا کہ بادشاہ کو اختیار ہے میں کسی امر میں مانع نہیں ہوں۔ دوسرے زوبین

اور بختک و بہمن اور لشکر کاؤس اور نوشیروان کو مع بزرجمہر مدائن کو روانہ کیا ۔ غرض بعد قطع منزل کتنے دنوں میں یہ تمام اپنے اپنے دولت خانوں میں پہنچے اور فراغت سے رہنے لگے ۔ امیر خود بھی کاؤس میں تا پہنچکر رہنے تھے ۔ ایک روز مکہ معظمہ سے قاصد آیا اور امیر کو خواجہ عبدالمطلب کا خط دیا ۔ امیر نے خط لیکر آنکھوں پر رکھا اور پڑھا ۔ جس کا مضمون یہ تھا ۔ کہ

اے فرزند ارجمند بجان دل پیوند شیر بیشہ شجاعت شہوار مضمار شہامت امیر حمزہ زاد عمرہ شجاعتہ ۔ خواجہ عبدالمطلب کی طرف سے بعد دعائے ترقی عمر و دولت و شجاعت معلوم ہو کہ ہم سب یہاں خدا کے فضل سے بخیر ہیں اور خیریت اس شجاعت شعار کی درگاہ پروردگار سے مطلوب یہاں کی حقیقت تمہارے دل شجاعت منزل کو معلوم ہو کہ جب سے خلاق جہاں آفرین نے اس شجاعت شعار کو پیدا کیا ہے تب سے کسی حاسد نے قصد مکہ کا نہیں کیا تھا ۔ اب ان ایام میں شداد و ابو عمر حبشی بادشاہ حبش بختک کے کہنے سے برسر پرخاش ہے ۔ تم جلد ادھر آؤ اور دشمنوں کو مقہور کرو تو بہتر ورنہ ہم سب ان دشمنوں کے اسیر بند ہوں گے ۔

القصہ جب امیر نے جب تمام خط کا مطالعہ فرمایا تو غصہ سے کاغذ عمر کے ہاتھ میں دیا ۔ اور یاروں سے فرمایا کہ مجھے والدین کے دیدار کا شوق غالب ہوا ہے ۔ اگر تمہاری رضامندی ہو تو جاؤں ۔ اور تھوڑے دنوں میں واپس آؤں گا ۔ سب یاروں نے عرض کیا ۔ کہ جانا چاہیے ۔ امیر نے فرمایا کہ اے بہمن تو میری کرسی پر بیٹھ اور میرے غائب ہونے کو حاضر جان ۔ اور میرے فرزندوں کو اپنا جان ۔ بہمن نے سر زمین پر رکھا اور عرض کی ۔ کہ اے جہانگیر اس غلام کی مقدور ہے کہ مخدوم کی کرسی پر بیٹھے اور آپ کے فرزندوں کو اپنا جانے ۔ کیونکہ آپ کے جو دو فرزند ہیں وہ میرے صاحبزادے ہیں ۔ تب امیر نے فرمایا بیٹھ کیا جو میں کہتا ہوں وہ عمل میں لا ۔ پس سن کر چپ ہو گیا ۔ اور دم نہ مارا ۔

القصہ امیر بہمن کو کرسی پر بٹھا کر آپ عمر بن عیار کو ہمراہ لیکر یاروں اور فرزندوں کو چھوڑا اور مہر نگار کو دلاسہ و دلبری کر کے مکہ کو روانہ ہوئے اور بعد قطع منازل و طے مراحل مکہ مکرمہ میں پہنچے اور عمر کو فرمایا کہ کیا کرنا چاہیے ؟

تب عمر نے عرض کیا۔ کہ امیر نے اشقر کو یہاں جنگل میں چھوڑ کر حبشی کے لشکر میں جانا چاہیئے۔ آگے جو مصلحت آپکی ہو ویسا کرو۔ تب امیر نے اشقر کو کہا۔ کہ جب میں نعرہ کروں تب جلد آنا۔ یہ فرما کر آپ تنہا حبشی کے لشکر میں گئے۔ راہ میں دیکھا کہ بازی گروں کا گروہ حبشی کیطرف جا رہا ہے تب عمر بولا۔ اے بازی گرو ہم بھی تمہارے ہمراہ ہیں۔ اگر آپ اپنے گروہ میں شامل کرو جو حصہ ہمکو ملے گا سو وہ بھی ہم تمکو دیں گے۔ غرض ان بازی گروں نے یہ سن کر ان کو اپنے میں شامل کر لیا۔ تب عمر نے ایک ڈھول گلے میں ڈال کر امیر کو کہا۔ کہ جب میں بولوں گا۔ اے فولاد پہلوان آ۔ تب آنا۔ یہ کہکر حبشی کے لشکر میں آئے اور بازی گر کا تماشہ کرنا شروع کیا۔

چنانچہ جو زنگی اوپر ہوتا عمر اڑکر اس کے سر پر سر رکھکر پاؤں اوپر کرکے ناچتا تھا۔ تب دربانوں نے شداد کو بازی گر کی حقیقت سنائی اور شداد تخت پر آکر بیٹھا اور تماشہ دیکھتا رہا۔ اور ہر ایک باری میں تازہ انعام دیتا تھا۔ جب عمر نے دیکھا۔ کہ اب شداد اٹھے گا آگے جاکر آداب بجا لایا اور بولا کہ اے بادشاہ میرا ایک غلام بہت قوی ہیکل ہے اور کہا نہیں مانتا مجھے بہت ستاتا ہے۔ اگر تو اسے آداب سکھائیگا اور میرے حوالے کریگا تو بہت خوب ہوگا۔ تب شداد نے کہا کہ غلام کو بلاؤ۔ تب عمر نے پکارا کہ اے فولاد آگے آؤ۔ امیر آئے اور ڈھول زمین پر رکھ کر عمر کے برابر کھڑے ہوئے تب شداد نے کہا کہ اے بازی گر کے غلام تو اپنے صاحب کو کیوں ستاتا ہے۔ تب امیر نے کہا۔ اے حرامزادے تیرا باپ غلام مجھے تو غلام کہتا ہے۔

شداد غصہ میں آیا اور ایک زنگی نو عمر پہلوان کو کہا۔ کہ اس غلام کا سر کاٹ لے۔ تو زنگی تلوار کھینچکر امیر کے پاس آیا امیر نے اس کا ہاتھ اونچا پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے اسکی گردن پر ایسا مکہ مارا کہ وہ مر گیا۔ القصہ امیر نے چالیس زنگی اجل رسیدہ کو مردار کیا۔ تب تو شداد آپ تلوار لیکر امیر کے سر پر دوڑا اور امیر کو مارنا چاہا۔ امیر نے ایک ہاتھ سے تلوار پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے اس کا کمربند پکڑ کر نعرہ مارا اور زمین سے اٹھایا اور سر سے بلند کرکے زمین پر پچھاڑا۔ اور اس کے سینہ پر بیٹھے اور کہا۔ تو نہیں جانتا کہ میں حمزہ بن عبد المطلب ہوں۔ جب شجاعت انجام امیر کا نام شداد کے لشکریوں نے سنا تو بھاگنے لگے۔ تب شداد نے کہا کہ اے امیر میں نوشیرواں کے کہنے سے آیا تھا۔ اب مجھے چھوڑ دو۔ امیر نے فرمایا کہ میں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ غرض اس نے معافی مانگی اور امیر اس کے سینہ سے اٹھے اور کھڑے ہو کر شداد کو گلے لگایا اور امیر نے تمام زنگیوں کو خلعت دیکر سرفراز فرمایا پھر تو شداد کے خیمہ میں آئے اور شداد سے فرمایا کہ قلعہ مکہ کو درست کرو۔ یہ کہکر امیر آپ نور الدہر والدین کی خدمت میں بیٹھنے لگے۔

اور لعد قدمبوسی کے تھوڑے دنوں میں رخصت چاہی۔

سینتالیسویں داستان

جن دنوں میں حمزہ والدین کی خدمت میں رہنے لگے اور شداد حصار کی مرمت سے فارغ ہوا اور امیر سے عرض کی کہ اگر حکم ہو تو اپنے شہر میں جاؤں اور لشکر میں آؤں امیر نے فرمایا۔ کہ جاؤ القصہ شداد اپنے ملک کو روانہ ہوا اور نزدیک مدائن کے پہنچا۔ تب شداد نے اپنے دل میں سوچا کہ نوشیرواں اگر مجھے نہ لکھتا تو یہاں آ کر کیوں شکست کھاتا۔ اور اس عرب کے ہاتھ سے کیوں فضیحت اٹھاتا اور حلقہ غلامی کا کیوں کان میں ڈالتا۔ بہتر ہے کہ نوشیرواں سے بدلہ لوں۔ القصہ شداد نوشیرواں کے دربار میں آیا اور دربانوں کو کہا۔ کہ بادشاہ کو خبر کرو کہ حبش کا بادشاہ آیا ہے۔ دربانوں نے خبر کی تو نوشیرواں نے کہا۔ کہ آنے دو۔ پس شداد بادشاہ کو کمربند سے پکڑ کر باہر لانے لگا تو بادشاہی غلام تلواریں لیکر دوڑے کہ شداد کو ماریں۔

شداد نے کہا کہ اگر تم مجھے مار دو گے تو میں بادشاہ کو مار ڈالتا ہوں۔ اور میرے مرنے کا غم نہیں مگر بادشاہ کے مرنے کا غم ہوگا۔ تب بادشاہی غلام خاموش ہو گئے اور شداد نے نوشیرواں کو اپنے لشکر میں لا کر باندھ کر حبش کو لے گیا اور لوہے کے پنجرے میں ڈال کر دربار کے روبرو لٹکا دیا۔ اور ہر روز ایک روٹی جو کی اور ایک گھونٹ پانی کا دیتا کہ اگر تو مجھے نہ بلاتا تو میں جا کر اس عرب کے ہاتھ سے فضیحت نہ پاتا اور کان میں غلامی نہ پہنتا۔ نوشیرواں نے کہا۔ کہ میں اس بات سے آگاہ نہیں ہوں۔ یہ کام بختک کا ہے۔ شداد نے کہا کہ جب تک تو بختک کو مجھے نہ دے گا میرے ہاتھ سے رہائی نہ پائے گا۔

نوشیرواں نا چار نے بااختیار خود قید میں رہنا قبول کیا لیکن امیر کو اس قضیہ کی خبر نہ ہو جب امیر نے والدین سے رخصت مانگی۔ تو خواجہ عبدالمطلب نے کہا کہ اے فرزند ارجمند تم مدت مدید کے بعد آئے ہو ایک سال تو رہو۔ امیر والد کا کہنا مان کر رہے۔ تب جاسوس نے امیر کے مکہ میں رہنے اور شداد پر فتح پانے کی سب حقیقت بختک کو پہنچا دی۔ بختک حرامزادے نے اپنے دل میں کہا کہ اب وقت فرصت کا ہے اس وقت نوشیرواں کی طرف سے ایک جعلی خط ہمیں کو لکھنا چاہیئے کہ شداد نے مجھ حبشی کو

کو گیا تھا جب حمزہ اور عمرو یہاں پہنچے تو شداد نے انہیں وہاں سولی چڑھایا۔ اب تم عربوں کو مار کر مہر نگار کو نکاح میں لاؤ۔ پس بختک نے اس مضمون کا خط لکھا کہ سربمہر بند کر کے قاصد کو ساتھ لیا اور وہ خط خود لیکر اجنبی صورت بنا کر عربوں کے لشکر میں آیا اور بہمن کو آنے کی اطلاع کرائی اور اجازت پا کر پیش ہوا۔ اور خط دیا۔ بہمن نے خط پڑھایا اور سُن کر آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ اور کہا کہ افسوس ایسا مرد ایسے کافر کے ہاتھ سے مارا جائے۔ یہ کہکر کیا مضائقہ ہے۔ اگر حمزہ گیا تو کیا اس کے پوتے تو ہیں۔ ہر ایک کو حمزہ تصور کر کے ان کا فرمانبردار رہوں گا۔ اور حبشی سے بدلہ لوں گا۔ اس کی اس قاصد سے حقیقت مفصل معلوم کی اور کہا ہزار افسوس اگر حمزہ مجھے فرماتے تو میں شداد کو مارتا۔

تب بختک نے کہا۔ اے بہمن ایک حمزہ ہی مرد تھا باقی ننھے ننھے بچے ہیں۔ ان بچوں کی اطاعت کرنا لائق نہیں ہے۔ اگر تو نے مہر نگار سے نکاح کیا۔ تو بادشاہ ہفت کشور کا داماد کہلائیگا۔ بہمن نے جب مہر نگار کا نام سُنا تو دل میں نرم ہوا اور بختک کی ترکیب سے دھوکہ میں آیا۔ اور کہا کہ اے بختک کیا کرنا چاہیئے۔ اس نے کہا کہ اس بھید کو پوشیدہ رکھکر آسانی سے مہر نگار کو ہاتھ میں لو۔ قرہ بین نے کہا کہ دربار میں جا کر ایک عذر سے شہر سے کرتا ہوں کہ صبح کو میرے باپ کا یوم روزہ ہے۔ آپ شہر یار تشریف لاویں تو عین غلام نوازی ہے۔

اس کے بعد تینوں کافر کرسیوں پر بیٹھے اور قرہ بین نے امیرزادے کے لئے پایۂ تخت پر عرض کی کہ اے جہاں پناہ فقیر کو میرے والد کا یوم روزہ ہے حضور پر نور تھا اگر اس غلام زادے کے غریب خانہ میں تشریف لا کر عزت بخشیں تو غلام کے لئے زہے سعادت اور موجب فخر ہوگا۔ غرض اس عاجزی کے ساتھ کہنے سے عرض قبول ہوئی اور دوسرے روز قباد شہر یار اور دوستوں کے ناچار اسکے گھر میں تشریف لیگئے پس تناول طعام کے بعد شراب نوشی شروع ہوئی۔ قرہ بین نے قباد کے قدموں پر سر رکھ کر عرض کی کہ اے خداوند جیسا مرد دور میں مجھے قبلہ عالم نے تشریف لا کر غلام کو سرفراز کیا ویسا ہی اگر حضور مہر نگار خاتون عصمت ستودہ تشریف لاویں تو فقیر خانہ کی لونڈیاں سرخروئی اور عزت حاصل کریں۔ قباد نے اپنی والدہ مہر نگار کو کہلا بھیجا۔ کہ وہ مع کنیز و غلام سوار ہو کر اس موذی کے زنان خانہ میں عزت بخشیں زنان خانہ بڑی زیبا و زینت سے آراستہ کیا تھا۔ سو مہر نگار وہاں آ کر بیٹھیں۔ اور تمام عورتوں نے آ کر قدمبوسی سے عزت پائی اور ایسا ہوا کہ کسی نے کہا کہ آپ تو بڑی عزت و حرمت سے بیٹھی ہیں کہ معلوم ہو۔

مہر نگار یہ سن کر سمجھیں کہ کچھ مکر ہے۔ تب ایک خوجے کو ساتھ اپنے فرزند کو بلا بھیجا اور قباد کا

ہاتھ پکڑ کر سوار ہو کر قلعہ میں داخل ہوئیں۔ عورتوں نے کہا بی بی کیوں جاتی ہو۔ مہر نگار بولی۔ کہ پھر آتی ہوں
جب کافروں کو خبر ہوئی تو حیرت کے دانتوں سے فکر کی انگلیاں کاٹ کر بولے افسوس کہ شکار گھر میں آ کر
چلا گیا۔ بختک نے کہا گئی تو کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ کہکر بہمن کو اشارہ کیا کہ وقت مکر کا یہی ہے۔ تب بہمن
نے کہا۔ کہ افسوس ہرمز کے ہوتے عرب زادے تخت پر بیٹھے۔ عمر بن حمزہ نے کہا۔ اے بہمن کس واسطے ایسی
باتیں بولتا ہے یہ شخص بہت ناشائستہ ہے اور تجھے حمزہ نے کیا نقصان دیا ہے۔ بہمن نے کہا۔ کہ عرب کشیدہ
خورشید پیش سچ کہتا ہوں۔

لندھور نے کہا۔ اے کوہستانی تجھے حمزہ بڑے مرتبہ پر بٹھا گیا اس وجہ سے ایسا سخت
بولتا ہے۔ اگر تیرے حوصلے کے موافق تجھے کم درجے سے سرفراز ملتے تو ایسا سخن نہ کہتا۔ تب بہمن نے کہا۔
مارو ان عربوں کو۔ پس سارے کوہستانی عربوں پر تلواریں نکال کر دوڑے عربوں نے بھی تلواروں اور
تیروں و کمند سے کوہستانیوں کو مارنا شروع کیا۔ لندھور نے ایسا گرز بہمن کی پیشانی پر مارا کہ موذی گدھا سا
لڑھکنے لگا اور لڑنے سے عاجز ہوا۔ لندھور کو بھی کافروں نے زخمی کیا پس وہیں دربار میں شور پڑا۔ بہمن نے
اپنے لشکر سمیت سوار ہو کر دربار کو گھیر لیا اور تمام پہلوانان دریائے خون میں غرق ہوئے اور سپریں منہ
پر رکھ کر تلواریں ہاتھ میں لیں تھوڑے کی طاقت نہ تھی۔ اتنے میں بہمن کی بہن زہرہ بانو جو عمر بن حمزہ کی عاشق تھی
لڑائی کی کیفیت سن کر دل میں بولی کہ اگر میرا عاشق مارا جائیگا تو میرا جینا دشوار ہوگا۔ یہ کہکر مردانہ لباس
پہن کر ہتھیار لگا کے باہر قلعہ جنگل کی طرف سے حمزہ حمزہ کہتی ہوئی کافروں پر پڑی اور مارنے لگی۔ جب
کافروں نے نام شجاعت النساء حمزہ کا سنا تو بھاگنے لگے۔ ہومان نے بہمن کو پہچان کر کہا۔ اے زہرہ
بانو کیا کرتی ہو وہ بولی کہ یہی بہتر ہے۔

یہ کہکر اس نے ایک تلوار ماری کہ اس کا سر گنبد کی مانند اڑ گیا۔ پھر بہمن کو جو کہ آیا اس
نے اسے بھی جہنم واصل کیا اور اہل لشکر کے بسلامتی قلعہ میں جا کر دروازہ کر لئے دلاسا اور دلیری سب کو دیکر
عربوں کو جہانداری میں مشغول کیا۔ عرب قلعہ کے کافروں کو مارتے تھے اور کافروں نے بھی تمام قلعہ
کے مورچے لگائے ہوئے تھے۔

دوسرے روز کافروں نے بہت زور کیا تب قباد شہریار نے مہر نگار سے کہا کہ
اگر مجھے حکم دو تو میں کافروں کو ماروں۔ مہر نگار بولی اے فرزند تو ابھی بچہ ہے اور جنگ کا ڈھب نہیں
جانتا کیا کرو گے۔ قباد نے کہا۔ اے والدہ میرے والد نے کم عمر کے جوانمردوں کو زیر کیا تھا۔ تب
زہرہ بانو نے کہا۔ اے بی بی اگر شہزادے کو میرے ہمراہ کر دو تو میں جا کر کافروں کو جوتیاں مار کر خدا

میرے کرم سے تمہارے فرزند کو تمہارے پاس سلامت لے آئی ہوں۔ تب مہر نگار نے فرزند کی کمر سے چھٹا قابل کفار باندھ کر گھوڑے پر سوار کر کے زہرہ بانو کے ہمراہ تمام لشکر دیکر روانہ کیا۔ تب زہرہ بانو قلعہ کا دروازہ کھول کر باہر آئی اور قباد شہریار نے میدان آراستہ کرنے کا حکم دیا۔ اور گھوڑا دوڑا کر میدان میں پکار کر کہا کہ کافر میدان میں آؤ۔ تب بہمن نے کہا کہ میرا دامن گوہر مقصود سے بھر جائیگا۔ کیونکہ اگر قباد کو زندہ پکڑ دوں گا تو مہر نگار اس کے لئے میرے پاس آئے گی۔

تب بہمن نے ہتھیار لگائے اور میدان میں آیا اور قباد شہریار کے مقابل کھڑا رہا۔ اور گرز گراں نکال کر شہزادہ پر ایسا چلایا کہ آگ کا شعلہ نکلا۔ مہر نگار اور باقی تمام دست بدعا بدرگاہ حبیب الدعوات نے اٹھائے ہوئے تھے۔ تب تو شہریار نے گھوڑا دبا کر کافروں پر ڈانٹا اور تیغ بے دریغ سے مارنا شروع کیا اور زہرہ بانو بنت شہزادے پر کھڑی تھی۔ کافر بھاگ کر شہزادے لے آتے تھے کافر مارے کہ حساب خدا جانتا ہے۔ اور لشکر کفار کے لوٹنے لگے۔ اور چار کوس ان کا پیچھا کر کے فتح و نصرت سے واپس پھرے اور داخل قلعہ ہو کر اور مہر نگار نے خزانہ کا منہ کھول کر فقیروں اور محتاجوں کو تقسیم کیا۔ دوسرے روز کافر پھر آئے اور قلعہ کو گھیر لیا

---

۴۸ اڑتالیسویں داستان

جب چند روز گذرے تو عمر بن حمزہ اور لندھور اور دوسرے پہلوان جو تھے غش سے آنکھیں کھولیں اور مہر نگار سے گذشتہ حقیقت پوچھی۔ مہر نگار نے تمام حقیقت سے آگاہ کیا اور عمر بن حمزہ نے فرمایا۔ کہ عمر نے ان کفار سے کیا بدی کی تھی جو کافر ہمارے حق میں ظلم و ستم کرتے ہیں۔ مگر سبب یہ ہے کہ جس جگہ ہم تنگ ہونگے البتہ ان کا دل بھر آئیگا۔ یہ کہہ کر سب نے مشورہ کیا۔ کہ کافروں نے قلعہ کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ اور ہم سب زخمی ہیں۔ مگر جو خدا چاہے وہ ہوگا آخر سبل جنگ بجا کر میدان آراستہ کیا اور آکر پکارنے لگا کہ اے کافران آؤ۔ تب بہمن میدان میں آیا اور پکارا کہ اے لوگو تم کس لئے ناحق مرتے ہو۔ حمزہ تو جہان فانی سے کوچ کر گیا ہے۔ پس اب مہر نگار کو تم میرے حوالے کر دو۔ اور تم جدھر جاؤ چلے جاؤ۔

لندھور نے جب یہ بات سنی تو عمر بن حمزہ سے اجازت لیکر میدان میں آیا اور

بہمن کے مقابل آ کھڑا ہوا اور کہا جو رکھتا ہے لا۔

تب بہمن نے گرز نکال کر لندھور کے سر پر مارا کہ شعلہ آتش کا نکل کر آسمان پر گیا۔ تب لندھور نے بھی بہمن کو ایسا گرز مارا کہ اس نے سانپ کی مانند پیچ کھایا۔ پھر دونوں میں گرزا گرزی ایسی لڑائی ہوئی کہ لندھور کے زخم ہوئے اور لہو کے نالے بہے۔ تب لندھور واپس ہوا اور خیمہ میں بے ہوش ہو کر پڑا رہا۔ جب رات ہوئی تو دونوں فوجیں اپنے اپنے مقام پر گئیں اور رات بھر آرام کیا۔ پھر صبح ہوتے ہی لڑائی کے نقارے بجے اور دونوں لشکر مقابل کھڑے ہوئے۔ بہمن میدان میں پھر آیا۔ اتنے میں میدان کی ایک طرف سے گرد پیدا ہوئی اور عیاران لشکر اسلام دوڑے اور خبر لائے کہ زوبین کا فرزند زعکہ نامی زوبین اپنے باپ کی مدد کو آیا اور اس کا قد چالیس گز لمبا ہے اور سات ہزار من کا گرز لڑائی کے وقت پاس رکھتا ہے۔ جب عیاران عمر نے یہ خبر اپنے لشکر میں پہنچائی تب یاران حمزہ بولے کہ ہمارا مددگار خدا ہے ہم عکہ بن زوبین سے کیا ڈر رکھتے ہیں؟

غرض فرید عکہ بن زوبین کو ہرمز بن نوشیرواں و زوبین استقبال کر کے اپنے لشکر میں لائے اور خلعت پہنایا اور بہمن کے گھر میں آیا اور رات تمام حقیقت امیر اور یاران امیر کی باہم ہوتی رہی۔ جب رات گذری اور صبح ہوئی اور فرید زعکہ میدان میں آیا اور حریف کو پکارا تب لندھور کا بیٹا فرہاد میدان میں آیا تو فرید زعکہ بولا کہ لندھور کہاں ہے؟ فرہاد نے کہا کہ لشکر میں ہے۔ فرید زعکہ نے کہا۔ باپ کے ہوتے کیوں مرنے کو آیا ہے؟ فرہاد نے کہا کہ تیرے جیسے کتے کے لئے میرا باپ کیوں آئے۔ میں تیرے گلے میں رسی ڈال کر ابھی لیجاتا ہوں اور کیا تو اپنے باپ کو مار کر آیا ہے۔ فرید زعکہ اس بات سے غصہ میں آیا اور سات سو من کا گرز قربوس زین سے نکال کر فرہاد پر مارا لیکن فرہاد ذرا نہ ہلا۔ اور اس کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ فرہاد نے گرز ہاتھ میں لیا اور فرید زعکہ پر مارا کہ ایسا شعلہ آگ کا نکل کر اوپر کو گیا تب فرید زعکہ نے کہا کہ اے فرزند لندھور تو مردانہ ہے۔ یہ کہہ کر گرز سے لڑنے لگے یہاں تک کہ فرید کے زخم تازہ ہوئے اور لہو کے نالے بہے۔

تب فرید زعکہ نے کہا۔ اے فرزند لندھور کو تجھ سے تو کچھ تجھے زخم نہیں لگے یہ لہو کہاں سے آیا۔ تب فرہاد نے جنگ اور زوبین کا تمام قصہ کہا۔ پھر ان دونوں نے تلواریں پکڑیں اور ایک دوسرے پر مارنے لگے یہاں تک کہ رات ہوئی تب یہ دونوں اپنے اپنے لشکر میں گئے اور فرہاد منتظر رہا۔ جب رات گذری اور صبح نے نوری جامہ پہنا تو دونوں لشکر تیار ہوئے اور فرید زعکہ میدان میں آیا اور حریف کو بلایا۔ تب شبر ایک شیر دل میدان میں آیا اور تمام دن لڑا۔ رات کو آرام کیا۔

اب حمزہ صاحبقران کا حال سنو کہ وہ والدین کی خدمت میں فراغت سے رہتے تھے۔ کہ ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ اپنے لشکر میں کافروں نے شبخون ڈالا ہے اور تمام پہلوان زخمی ہوئے ہیں۔ غرض کہ اس خواب کے حال سے امیر ہوشیار ہوئے اور عمر بن عمیہ سے فرمایا کہ اے دوست میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ عمر بن عمیہ نے کہا کہ خواب تمہارا جھوٹا نہیں ہے۔ حکم ہو تو جا کر خبر لاؤں۔ امیر نے اجازت دی۔ پس عمر ہوا کی مانند چلا اور راہ میں کہیں نہ رُکا۔ ادھر حبیب زور ہوا تو فرید زعک نے گھوڑے کو میدان میں چلایا اور حریف کو پکارا۔ تب لشکر سے استفنا نوش پہلوان میدان میں آیا اور لڑنے لگا۔ اور یکا یک پیک غم آخر الزماں پیدا ہوا۔

حبیب سیاہ نے عمر بن عمیہ کو دیکھا تو نقارے خوشی کے بجائے اور اس کا استقبال کیا بہمن نے عمر کا منہ دیکھ کر بختک سے کہا کہ اے حرام زادے کہا عمر کو حبشی نے سولی چڑھایا تھا۔ سعداد ابو عمر حبشی نے دونوں کو مار دیا ہے۔ یہ کہہ کر بہمن نے بختک کی دوال پکڑ کر سر پر بجا کر پھرایا اور زمین پر پٹکا لیکن اس کی حیات باقی تھی نہ مرا۔ بہمن بہت غمگین ہوا اور پریشان حاضر ہو کر جنگ میں سے پھرا۔ تب دونوں اترے۔ عمر بن عمیہ فرزندان امیر کی خدمت عالی میں گیا اور حقیقت پوچھی سب پہلوان حمزہ نے تمام بیان کیا۔ عمر نے مرہم سلیمانی نکال کر تمام یاروں کے زخموں پر لگایا اور پھر اسی وقت عمر امیر کے پاس آیا اور تمام حال بیان کیا۔ تب امیر ہوشیار ہوئے۔ ماں باپ سے رخصت ہوئے اور اشقر پر سوار ہو کر عمر کو ساتھ لیکر کاؤس کے حصار کی راہ لی۔ رات دن چلے اور یہاں نقارہ دونوں لشکروں کا بجا۔ اور پہلوان سوار ہوئے کہ یکا یک جنگل کی طرف سے گرد پیدا ہوئی عیار عمر دوڑے اور پوچھا کہ یہ لشکر کس کا ہے۔ خبرداروں نے کہا کہ لشکر سرکپ ترک کا ہے جو منیر شاہ کی مدد کے لئے آیا ہے۔

یہ سن تمام کفار خوش ہوئے۔ جرمز تاجدار نے مع جلوس کے سرکپ ترک کا استقبال کیا اور بڑا تعظیم سے لایا۔ سرکپ ترک نے پوچھا کہ حمزہ لشکر میں ہے یا نہیں۔ کہا امیر کے بیٹے اور پہلوان ہیں وہی لڑتے ہیں۔ تب سرکپ ترک نے کہا کہ میں فجر کو میدان میں جا کر سب کو باندھ لاتا ہوں۔ تب فجر کو میدان آراستہ کیا اور فرید زعک میدان میں آیا اور حریف کو پکارا۔ تب سعد بن عمر بن حمزہ باپ کا حکم لیکر میدان میں آیا اور گھوڑے کو کودانے پھرانے لگا۔

تب تمام کافر سعد کو دیکھ کر حیران ہوئے اور بولے عجیب تخم ہے کہ بچہ بڑے پہلوان کے سامنے آیا۔ تب سرکپ نے کہا۔ کہ یہ بچہ کون ہے؟ کافر بولے کہ یہ حمزہ کا پوتا ہے جو فرید زعک سے

لڑنے کو آیا ہے۔ سرکپ نے کہا کہ یہ فرید زعک سے کس طرح لڑے گا؟ بہمن نے کہا کہ تو تماشہ دیکھ۔ اب سعد بن عمر نے پکارا کہ اے کافر اگر مرد ہے تو میدان میں آ۔ پس فرید زعک فوراً میدان میں آیا اور سعد بن عمر کے سر پر گرز مارا اور کہا اے عرب میں نے تجھے پست کیا۔ سعد نے کہا کہ میں اللہ کے حکم سے زندہ ہوں کافر تو جھوٹ بکتا ہے۔ پھر میان سے تلوار خونخوار قابل کفار نکال کر فرید زعک کو ایسی ماری کہ اس بد ذات کا داہنا ہاتھ مع گرز زمین پر گرا تب وہ کافر بھاگا پھر دوسرا وار بھی ایسا مارا کہ بایاں ہاتھ مع حمائل کے اتارا تب وہ موذی گدھے کی طرح زمین پر تڑپنے لگا۔ اور شکل عیار نے اس خر مردار کا سر چھانے سے لگایا اور امیر نے لشکر میں خوشی کی نوبت بجائی۔

یہ حال دیکھ کر کافر رنجیدہ ہوئے اور سرکپ ترک نے ہنس کر کہا کہ ہزار آفرین اس کے والدین پر جنہوں نے ایسا فرزند پرورش کیا۔ جب فتح و نصرت سے لیکر آیا تب عمر بن حمزہ نے اپنے فرزند پر سے بہت مال نثار کیا۔ اور کافروں نے اٹھ کر حرم کو تخت پر بٹھایا اور بہمن کو اس کے بازو پر بٹھایا۔ اور کھانا کھا کر شراب کے پیالے گردش میں آئے اور آپس میں کچھ باتیں بیان کرنے لگے جب سرکپ ترک شراب سے مست ہوا تو بہمن سے کہا کہ اے گستاخ تجھ سے تعجب ہے کہ مجھ سے برابر بیٹھے۔ بہمن نے کہا تجھ کو ن کہتا ہے کہ مجھے ایسا کہے۔

تب سرکپ ترک نے کئی ایک مکے بہمن کی گردن پر مارے کہ بہمن کا سر ابھرنے لگا۔

تب بہمن نے سرکپ کو گرا دیا اور آپ سرکپ کے سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ اتنے میں حمزہ نے درمیان میں آکر چھڑا دیا۔ جب رات گذری اور صبح صادق ہوئی اور دونوں لشکر تیار ہو کر میدان میں آ گئے کہ اتنے میں ایک طرف سے گرد پیدا ہوئی جس میں سے ایک سوار اور ایک پیادہ پیدا ہوا جو امیر اور عمر تھے۔ تب تمام عرب دوڑے اور امیر کے پاؤں پر گرے۔ امیر نے سب کو گلے لگایا۔

اور تھکا ہوا تھا کہ رات کو آرام کیا۔ دوسرے روز صبح کو فوج امیر سوار ہو کر میدان میں آئے اور تمام کافر بھی آ گئے تب امیر نے لشکر کو مخاطب کیا اور فرمایا کہ اے کافرو میں نے تمہارے حق میں کیا بدی کی تھی جو تم چوروں کی طرح میرے پیچھے میرے یاروں اور فرزندوں سے بدی کی۔ اے بہمن میں نے تجھے بیٹی دی اور گدی پر بٹھا لیا سو اس کا بدلہ یہ ہے جو تو نے ادا کیا۔ خیر کیا مضائقہ ہے۔ اب میدان میں آ۔

بہمن نے ترک سے کہا کہ میں حمزہ کے سامنے میدان میں نہیں جا سکتا۔ تب حمزہ نے سرکپ سے کہا کہ گھوڑا دوڑا کر میدان میں آیا کہ اے خدا پرستان ہر کہ درمیان شما آرزوے

مرگ داشتہ شد بمیدان بیاید کہ ارادہ دست و پا آروی دارم ۔ اور کہا کہ اے حمزہ خبردار رہ نہ کہنا کہ خبردار نہ کیا تھا ۔ پس گھوڑا دوڑایا اور امیر کے برابر آ گئے گرز اٹھا کے سر سے بلند کیا اور امیر نے سپر کو چہرے کی پناہ کیا اور بجناب کبریا دعا کی کہ اس سپر کی پناہ نہیں ہے مگر تیری پناہ چاہتا ہوں ۔ غرضیکہ سرکپ ترک نے سر پر گرز مارا ۔ امیر نے کہا اور دو ضرب میں تجھ کو دیں ۔ سرکپ نے بقوت تمام دو گرز مارے ۔ پھر حمزہ نے سام بن نریمان کا گرز اٹھایا اور سرکپ کو خبردار کر کے ایسا مارا ۔ کہ سرکپ تا بناری غرق ہوا ۔ تب بہت محنت و مشقت سے اپنے کو اوپر نکالا اور گرز و گرز تا بشام حمزہ سے لڑتا رہا ۔ تب امیر نے عمر سے کہا کہ نعرہ مار کر سرکپ کو اٹھاتا ہوں اس وقت عمر نے اپنی رسم کو ادا کیا ۔ یاران حمزہ خبردار ہو گئے ۔ اور اپنے موزوں سے روئی نکال کر گھوڑوں کے کانوں میں دی تب امیر جہانگیر نے اللہ اکبر کا نعرہ کیا اور سرکپ ترک کو اٹھا کر سر سے بلند کر کے زمین پر پچھاڑا اور باندھ کر عمر کے حوالے کیا اور امیر کے نعرہ سے کافروں کے گھوڑے جو اپنے سواروں کو گرا کر جنگل کو بھاگے تھے ۔ ان سب کو عیاران عمر دوڑ کر پکڑ لائے اور اپنے لشکر میں لے گئے اور نقارے خوشی کے بجائے اور دونوں لشکروں نے اتر کر مجلس عیش و طرب کی مہیا کی تب امیر کے حضور میں سرکپ کو حاضر کیا گیا ۔

امیر نے فرمایا ۔ کہ اے کوہستانی میں نے تجھے کس طرح زیر کیا ۔ اس نے کہا ۔ جیسے مرد مردوں کو اور شیر شیروں کو زیر کرتے ہیں ۔ ویسا ہی تم نے باندھا ۔ امیر نے اس کو کہا کہ بول خدا ایک ہے اور دین ابراہیم خلیل اللہ برحق ہے ۔ غرض امیر نے اسے آزاد کر کے خلعت دیا اور عمر نے غلامی کا حلقہ ڈالا ۔

۴۹

اُنچاسویں داستان

اس کے بعد حمزہ نے خوشی کا نقارہ بجا کر فراغت سے عیش و عشرت میں رہنے لگے اور فجر کو نقارہ لڑائی کا بجا کر اشقر پر سوار ہو کر میدان میں آئے اور کافر بھی مقابلہ میں آئے پس حمزہ نے فرمایا کہ اے بہمن تو آتا ہے یا میں آؤں ؟ تب بہمن نے حمزہ سے کہا ۔ کہ میں ہرگز نہ جاؤں گا ۔ پس تمام کو حکم کرو کہ عرب پر یکبارگی حملہ کریں ۔ غرضیکہ حمزہ کے حکم سے ہم رسول مختار قاتل کفار مقبول حمزہ

پر تمام کافروں نے یکبارگی حملہ کیا۔ امیر نے بھی دونوں ہاتھوں سے کافروں پر تلواریں مارنی شروع کیں۔ یہاں تک کہ ان کافروں کے سر گیند کی مانند اڑتے رہے۔ اور اتنے کافر مارے کہ ان کا حساب خدا کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ کافروں کے لشکر کو مارتے ہوئے جب امیر کو دوپہر ہوئی تو اپنے لشکر کو حکم دیا کہ مارو۔ تب امیر کے لشکر نے اتنے کافر مارے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے اور لہو کے نالے بہے اور عمر بن عمیہ کی پشت پر رہ کر کافروں کو شیشہ آتشی سے جلاتے تھے اور امیر مارتے مارتے کافروں کے مراتب تک جا پہنچے تب موذی جس نے امیر کا خالی سر دیکھ کر زوبین سے کہا۔ کہ اگر عمر حمزہ کو چھوڑے تو میں حمزہ کا کام تمام کروں۔ تب زوبین نے لشکر کو اشارے سے کہا کہ عمر کو امیر کی پشت سے جدا کرو تب بہت سے کافر دوڑ کر عمر پر حملہ آور ہوئے اور عمر کو امیر کی پشت سے جدا کیا۔ اس وقت بہمن نے امیر کے سر پر ایک ایسی تلوار ماری کہ امیر کے سر میں چار انگل کا زخم ہوا۔ تب امیر نے ہوشیار ہو کر دشمن کو مارنا شروع کیا۔ مگر وہ نامرد بھاگ کر کافروں میں جا چھپا اور کہا کہ حمزہ کو ایسا زخم مارا کہ تلوار حلق تک اتر گئی۔ امیر کا لشکر یہ جان گداز خبر سن کر مغموم ہوا۔

عمر بن عمیہ نے امیر کو ملنا چاہا لیکن اس انبوہ کثیر میں نہ مل سکے۔ امیر کے زخم سے لہو بہت جاری تھا۔ اس وقت امیر نے اشقر دیوزاد کو کہا۔ کہ مجھے اب کافروں سے باہر نکال کر چل۔ یہ کہہ کر دونوں ہاتھ اشقر کی گردن میں ڈال کر لیٹے اشقر نے امیر کو باہر نکالا تو کافروں نے اشقر کو پکڑنے کا ارادہ کیا۔ تب اشقر نے ٹاپوں اور لاتوں سے مار کر مردار کیا اور باہر نکلا اور ایک نالہ پر پہنچ کر امیر کو پانی میں گرایا اور آپ سرہانے امیر کے کھڑا رہا۔ تب اس نالہ کا پانی امیر کے لہو سے سرخ ہو کر بہنے لگا۔ یہاں سے تھوڑی دور پر ایک پن چکی تھی۔ اس چکی کے پھیرنے والے نے دیکھا۔ کہ پانی سرخ بہتا ہے اسکی دریافت کرو۔ آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک مرد سرخ رو پڑا ہے اور گھوڑا اس کے سرہانے کھڑا ہے۔

تب اس نے اپنے دل میں خیال کیا۔ کہ یہ کوئی شہزادہ ہے۔ اگر میں اسکی تیمارداری کروں تو البتہ مجھے سرفراز کرے گا۔

پس یہ تصور کر کے نزدیک آ کر امیر کی دوال پکڑ کر زور کیا اور اشقر بھی اپنے دانتوں میں پکڑ کر شامل ہوا اور آپ بیٹھ کر امیر کو سوار کیا اور اس شخص نے امیر کو خوب باندھ کر گھر کی راہ لی اور گھر جا کر بچھونے پر سلایا تو اسکی ماں نے پوچھا۔ کہ اے فرزند یہ کون ہے؟ اس نے کہا۔ یہ کوئی بڑا آدمی ہے زخمی ہونے سے گھوڑے نے لا کر زمین پر گرایا۔ اگر ہم اسکی خدمت کریں گے تو جب یہ اچھا ہوگا

تو البتہ ہمارا حق ضرور دیگا ۔ اگر مر بھی جائیگا تو ہتھیار و کپڑے و گھوڑا ہمارا ہوگا۔

یہ کہکر تمام ہتھیار رکھ لیے اور ایک مٹھی نمک و آٹا ملا کر زخم پر باندھا ۔ اشقر اس کا تمام کام دیکھتا رہا مگر چرنے کو نہیں جاتا تھا ۔ اگر وہ شخص کبھی جبر سے کہتا کہ چرنے جا تو اشقر اپنی آنکھ نکال کر ڈراتا تو وہ متعجب ہوتا اور کہتا کہ اس گھوڑے کی تین آنکھیں ہیں ہم نے تین آنکھوں کا گھوڑا نہیں دیکھا اور نہ سنا القصہ ساتویں روز امیر کو ہوش آیا اور آنکھ کھلی اور اشقر کو اپنے سرہانے دیکھا تو خدا کو یاد کیا۔ اشقر نے سر زمین پر رکھکر سلام کیا ۔ امیر نے اس شخص کو جسکا شبیر نام رکھا تھا۔ اشارت سے فرمایا کہ گھوڑے کا زین کھولو اور چرنے کو چھوڑ دو تو شبیر نے زین اتار کر اشقر کو چرنے کو چھوڑا ۔ امیر نے کروٹ بدلی اور شبیر کو بلا کر احوال پرسی کی ۔ اس نے ساری حقیقت بیان کی امیر نے فرمایا خاطر جمع رکھ تیری محنت ضائع نہ ہوگی مگر اب میں بھوکا ہوں ایک بکری کے گوشت کا شوربا لا ۔ ایک بکری کے بدلے ساٹھ بکریاں تجھے دوں گا ۔

یہ سن کر وہ شخص اپنی ماں کے پاس گیا اس نے جو فرمایا تھا وہی کیا اور اس عورت نے اپنی سات بکریوں میں سے ایک بکری دی تب وہ شخص امیر کے پاس لایا ۔ امیر نے آہستہ سے اٹھکر اسے ذبح کیا اور شبیر نے صاف کر کے شوربا پکا کر امیر کو پیش کیا ۔ امیر نے کچھ پیا اور کچھ اسے بھی دیا ۔ دوسرے روز امیر نے اور بکرا مانگا تو شبیر نے کہا کہ وہ بکرا میں اپنی ماں کے پاس سے لایا تھا اب کہاں سے لاؤں ؟

امیر نے کہا ۔ کہ جتنی بکری تیری ماں کی ہیں تمام لے آؤ اور ان کے بدلے وہ جتنی بکریاں مانگے قبول کرو ۔ اور میری خبرداری کر کہ جیسی تو نے شرط کی ویسی بجا لا ۔ تب وہ عورت بولی کہ اے فرزند کیا فرماتے ہو ؟ امیر نے کہا کہ جتنی بکریاں تیرے پاس ہیں تو مجھے دے کہ ایک بکری کے سات دوں گا ۔ اس عورت نے کہا میرے پاس کل سات بکریاں تھیں سو ایک تم نے کھا لی ۔ اب باقی چھ ہیں سو اب شرط کریگا اور اپنا نام بتاویگا تو دوں گی ۔ امیر نے کہا وہ شرط کیا ہے ؟ وہ بولی کہ ایک بکری کے عوض دس بکریاں دیگا تو دوں گی ۔ امیر نے فرمایا کہ میرا نام اسود سپاہی ہے اور امیر حمزہ کا چھوٹا بھائی ہوں ۔ اور سوگند یہ کھاتا ہوں کہ ایک ایک بکری کے عوض دس دس بکریاں تجھے دوں گا ۔
جب اس عورت نے نام امیر کا سنا تب جا کر بکریاں لائی اور امیر ہر روز ایک ایک بکری ذبح کر کے کھانے اور لشکر نے اس رات کو جبکہ امیر زخمی ہوئے تھے تمام رات امیر کو ڈھونڈھا ۔ مگر نشان نہ پایا اور عمر بھی رات دن پھرتے اور تلاش کرتے تھے لیکن پتہ نہ ملا ۔ کیونکہ پہاڑی میں اشقر کے سموں

کا نشان نہ پایا اور عمر ڈھونڈتے ہوئے ایک روز اس نالہ پر جا نکلے تو وہاں اشقر کو چرتے دیکھا۔ اور اشقر نے جب عمر کو دیکھا تو پیشانی زمین پر رگڑی اور آگے ہوکر شنہ نیبر کے گھر کو آیا۔ جب اندر آئے تو دوڑ کر امیر کے پاؤں پر گرے امیر نے عمر کو گلے لگایا اور دونوں بہت روئے۔ پھر کھانا موجود تھا وہ کھایا۔ تب عمر بولا۔ کہ اے امیر قریب ہے کہ مہر نگار جی چھوڑ دے۔

امیر نے کہا۔ کہ اے عمر تو جا اور بالحزن اور مہر نگار کو یہاں لے آ۔ تب عمر دوڑے اور امیر کی حیات کی خبر یاران اور مہر نگار کو سنائی۔ پہلوانوں نے نقارے شادیانے بجائے اور سوار ہوکر امیر کے پاس آئے۔ اور مہر نگار اور عمر بن حمزہ کی بی بی اور تمام پہلوانان جو حاضر تھے اتنا مال و اسباب شنہ نیبر کو دیا کہ حساب نہ رہا اور ستر بکریاں بھی شنہ نیبر کی ماں کو دیں۔ غرض کہ وہ غنی ہوا اور باقی تمام عمر خوش و خرم رہنے لگا۔ امیر نے وہاں سے کوچ کیا اور اپنے مقام پر آئے اور کافر بھی سوار ہوکر آئے۔ امیر نے کہا۔ کہ اے یارو ہم بھی کافروں کے طریق پر لڑائی کریں گے۔ اور کافروں کو بازی دینگے جیسا کہ یہ کافر ہم کو دیتے ہیں اور زندہ رہوں گا تو ان تمام کافروں کو مار دوں گا۔ عمر بن حمزہ نے کہا کہ میں جاؤں گا اور بہمن کی خبر لوں گا۔ لندھور نے کہا۔ کہ میرا حصہ تو یہی ہے اور دوسرے پہلوانوں نے نوشیرواں کو اختیار کیا اور دفعتہً نعرہ مار کر کافروں کے لشکر پر گرے اور ایسی لڑائی ہوئی کہ کافر قائم نہ رہا اور کافروں کو لڑائی کی طاقت نہ رہی آخر بھاگنے لگے اور پہلوانان عرب نے ان کا پیچھا کیا اور عمر بن حمزہ بہمن کے پاس پہنچا اور پکارا کہ حرامزادے اب تو میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائیگا۔ تب بہمن مقابل عمر بن حمزہ کے ہوا اور امیر زادہ نے تلوار چلائی۔ بہمن نے رد کی لیکن بہمن کے گھوڑے کی گردن کٹ گئی اور بہمن زمین پر گرا اور تلوار لیکر عمر بن حمزہ کے در پے ہوا۔

عمر بن حمزہ نے پیادہ ہوکر بہمن کو تلوار خونخوار ایسی ماری کہ وہ موذی مردار ہوگیا پس اس کافر کا سر امیر کے سامنے لائے۔ لیکن امیر بہمن اور خنگ کے واسطے بہت روئے اور امیر کے دوسرے پہلوان جو کافروں کا پیچھا کر کے گئے تھے انہوں نے بھی اتنے سر کاٹے کہ جن کا حساب سوا خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔

امیر بعد نصرت کے خیمہ میں آئے اور شادیانے بجائے اور آرام فرمایا۔ اب یہ تازہ حال سنو کہ جس رات امیر حمزہ کشورستان بہمن کے ہاتھ سے زخمی ہوئے تھے اس وقت ایک پری لڑائی کا تماشا دیکھتی تھی سو اس نے جا کر قریشہ و اسما پری سے تمام حقیقت بیان کی اور زخمی ہونا امیر کا ظاہر کیا۔ تب اسما پری اور قریشہ اور بہت سی پریاں کوہ قاف کا تحفہ لیکر امیر کی جگہ پر وارد ہوئیں اور سلام

وزیر کو بارگاہ گردوں جاہ حمزہ میں روانہ کیا۔

جب سلاسل نیک عقل بارگاہ میں آیا اور سر نیاز زمین خدمت میں رکھکر آداب بجا لایا۔ تب امیر جہانگیر نے فرمایا کہ اے سلاسل کہاں آیا ہے۔ اس نے کہا امیر کی خدمت میں زخم و پریشان سن کر یہ غلام و کنیز حاضر ہوئے۔ اس وقت امیر نے یاروں سے فرمایا کہ تمہیں کچھ معلوم ہوتا ہے یاروں نے کہا کچھ نہیں۔ جب امیر جہانگیر مع یاران جب اسماپری کے خیمہ میں گئے تو اسماپری، قریشیہ، و سلطانہ پری کو گلے لگایا۔ اور وہ بھی آداب بجا لائیں۔

تب امیر کشور تخت پر بیٹھے پریوں نے امیر کے وفادار جانثار کو دیکھا تو بولی کہ اے امیر کشورگیر ایسے یاروں کے فراق سے تم وہاں جو بیقرار تھے تعجب نہیں تھا۔ پریوں نے عرض کی کہ اے پہلوانان جہالستان ہم پریوں کو دیکھیں۔ امیر نے اسماپری کو ارشاد کیا کہ میرے یار وفادار تمکو دیکھنے کا اشتیاق رکھتے ہیں۔ اسماپری نے عرض کی کہ بشرطیکہ کوئی کسی پر ہاتھ نہ چلائے۔

پس پریوں نے اپنا حجاب دور کیا۔ اس وقت امیر کے سب یاران کو دیکھکر متعجب و متحیر ہوئے تب امیر نے پریوں سے فرمایا کہ اب چلو تمہیں مہر نگار کو دکھا دوں۔ اس وقت امیر تمام پریوں کو ہمراہ لیکر محل میں تشریف لائے اور قریشیہ سلطانہ بنت حمزہ و اسماپری زوجہ حمزہ و رضیہ پری خوش دامن حمزہ اور کتنی پریاں اور آئیں اور مہر نگار سے ملیں اور قریشیہ سلطانہ مہر نگار کے حسن و جمال کو دیکھکر شرمندہ ہوئی اور عرض کی کہ ہم پریوں کو یہ حسن و جمال خدا نے نہیں دیا اسی واسطے امیر کوہ قاف میں رہتے تھے۔ ہمیں ایسا معلوم ہوا پس جو کتنے روز وہ پریاں امیر سے وداع ہونے کے وقت وہ تحفے جو لائی تھیں امیر کو اور زاد راہ دیکر روانہ ہوئیں۔

پچاسویں داستان

امیر کشورگیر نے پریوں کو وداع کرکے تو یاران کو فرمایا کچھ خبر ہے کہ تمام کافر کہاں گئے۔ عمر بن امیہ نے عرض کی میں سنتا ہوں کہ جعفر کشمیری کی پناہ میں جا چھپے ہیں۔ امیر نے فرمایا افسوس کہ بیحرمت کافر میرے آگے سے زندہ و سلامت بھاگ گئے۔ اس وقت عمر بن حمزہ نے عرض کی کہ اے جہاں عالم آگر ان کافروں کے تعاقب کے لئے مجھے حکم ہو تو میں جاؤں گا۔ اور چند روز میں سب

کافروں کو باندھ لاؤں گا۔

تب امیر نے معدی کرب اور فرہاد بن لندھور اور استفتانوش کو مع اس کے سات بھائیوں اور زابلی کا لشکر دیکر روانہ کیا۔ عمر بن حمزہ بعد قطع منازل و طے مراحل کے کشمیر میں پہنچے وہاں تمام کافر قلعہ میں دروازہ بند کئے ہوئے تھے۔ امیر زادہ نے قلعہ کو گھیر کر لڑائی شروع کی۔ ناگاہ وہاں سے قاضہ قضا ایک گورخر نے پیدا ہو کر سپاہ عرب کو ضائع کیا۔ لشکر میں شور پڑا۔ عمر بن حمزہ اس کے مارنے کو سوار ہوئے۔ اور اس کے پیچھے گھوڑا دوڑائے گئے۔ جب رات ہوئی تو امیر زادے نے کوئی شکار مار کر کباب بنا کر کھائے۔ صبح ہوتے ہی پھر وہ گورخر پیدا ہوا اور عمر بن حمزہ نے پھر اس کا پیچھا کیا۔ جب دوپہر ہوئی تو گورخر ایک ٹیکرے پر غائب ہوا۔

امیر زادے نے وہاں آکر دیکھا کہ پہاڑ کے نیچے ایک شہر فرخار نام ہے۔ وہاں گلقہر نام ژوپین بیدین کی بہن بالاخانہ پر بیٹھکر دیکھ رہی تھی اتنے میں اسکی نظر عمر بن حمزہ پر پڑی اور اسی وقت ایک خواجہ کو دوڑایا کہ امیر زادہ کو بلا لایا۔ خواجہ بلانے آیا اور کہا۔ اے سوار تجھے ژوپین کی بہن بلاتی ہے۔ تب امیر زادے نے کہا۔ کہ میں عمر بن حمزہ ہوں اور شکار کے پیچھے یہاں تک آیا ہوں۔ خواجہ یہ سن کر دوڑا آیا اور گلقہر کو خبر دی۔ وہ بدبخت مدت سے ان کے دیدار کی مشتاق تھی۔ خواجہ کو بڑی تاکید تاکید کی۔ اُس کو ہزار منت و معذرت سے یہاں تک لاکر اس کے شربت دیدار سے اپنی تشنگی کو تسلی بخشوں۔

وہ خواجہ آکر ہزار تعظیم و تکریم سے اس کریم ابن الکریم کو گلقہر تک لے گیا جب اس مشتاق نے عمر بن حمزہ کو دیکھا تو اس کے گل رخسار پر فریفتہ مفتون ہو کر ہزار نزاکت سے پھولنے پر بٹھایا اور انواع اقسام کی نعمتیں لا رکھیں۔ غرض بعد تناول طعام کے شراب ارغوانی جواہر نگار پیالہ میں انڈیلی اور وہ نازوں و غمزوں سے پلانے لگی۔ امیر زادہ بھی مست ہو کر بیٹھا تھا۔ تب گلقہر اپنا دفتر عشق کھول کر عرض کرنے لگی۔ کہ اے سر گلستان شجاعت و ملاحت میں مدید عرصہ بعد سے مثل قمری کے تیرے عشق کا طوق اپنے دل و جان کی گردن میں ڈال کر مانند ماہی بے آب عشق کے پھندے میں مثل قمری کے گرفتار ہو کر تڑپتی تھی۔ اب مسبب الاسباب نے میرے طالع کی یاوری سے اس مشتاق کی جان کو آج تیرے دیدار نے تسلی بخشی۔

اب تجھے لازم ہے کہ بہر صورت میری آتش شوق کو اپنے وصل کے پانی سے بجھا۔ ورنہ اس آتش سے میرا دل اور جگر جل کر کباب ہو جائیگا۔ اور جسم مانند نفس بلبل پیچ و تاب میں پڑے گا۔

امیر زادے نے فرمایا کہ تیری ایک ہمشیرہ میرے نکاح میں ہے۔ اس لیئے تیرا اور میرا رشتہ بہت نازک ہے۔ میں کام بدانجام ہرگز نہ کروں گا۔ اگرچہ مروں گا تو بھی بُرے کام کو روا نہ رکھوں گا۔ گلنفہر نے ہرچند معذرت کی لیکن امیر زادے نے انکار ہی کیا اور فرمایا کہ میرے پاس کشمیری ہیں اگر وہ یہاں آئی تو ان کی رضامندی سے تیرا کہا سنوں گا۔ گلنفہر نے قاصد تیز رو کو بُلایا اور پیار ابن عمر بن حمزہ کو کشمیر سے تھوڑے دنوں میں بلوایا۔ راوی کا بیان ہے کہ شہر فرخار میں ایک بوڑھے ژوبین نام کے دو بیٹے ایک مہر دار سر شباں اور دوسرا زرین سر شبان تھے۔ اس نے سنا عمر بن حمزہ بھی ژوبین سے شراب نوشی میں مشغول ہے۔ تب اپنے دونوں بیٹوں کو کہا کہ تم جاؤ امیر زادہ کو مارو پس وہ ہاتھوں میں لاٹھیاں لیکر دوڑے اور محل میں آئے اور عمر بن حمزہ کو پکارا کہ اے عرب تیری کیا طاقت ہے جو ہماری سرحد میں آئے اور شکار کرے۔ عمر بن حمزہ جہاں بیٹھے تھے وہاں سے نہ ہلے اور کچھ نہ بولے۔ تب مہر دار سر شبان نے جھنجھلا کر امیر زادہ پر لاٹھی چلائی۔ عمر بن حمزہ نے ایک ہاتھ سے اس کی لاٹھی پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے اس کی گردن پر ایسی مکی ماری کہ سبستان کا بیٹا زمین پر تڑپتا رہ گیا۔

تب دوسرے بھائی نے اس کا حال دیکھکر امیر زادہ پر لاٹھی چلائی اور اس کا بھی وہی حال ہوا پھر تھوڑی دیر بعد دونوں ہوشیار ہوئے اور وہاں سے اٹھکر باپ کے پاس آئے اور حقیقت بیان کی۔ سبستان فرخاری نے سُنا اور کہا کہ پسر حمزہ کی نسبت انصاف کی بات یہ ہے اگر بیٹا حمزہ یہ نہ کرے تو اور کیا کریگا۔ اب مشکل یہ ہے کہ وہ بچہ ہے میں اس کو کیا ماروں لیکن امیر سے مجھے ضروری کام ہے۔ یہ کہکر چپ ہو رہا اور دو تین دن میں عمر معدی اور دوسرے یار بھی آ پہنچے۔ گلنفہر نے انکو بہت تعظیم و تکریم سے بلا کر اپنے عشق کا حال سُنایا۔ تب معدی کرب نے کہا۔ کہ اے امیر زادے تو نادان ہے کہ ہمکو ناحق رنج میں ڈالتا ہے۔

یہ سُن عمر بن حمزہ ہنسے اور کہا کہ اے عمر معدی میں جو کام لائق نہ کریں گے وہ کیوں کروں عمر معدی نے کہا کہ تجھے اختیار ہے کرے یا نہ کرے۔ غرض جب رات ہوئی تو امیر زادہ سو رہا کہ گلنفہر چھونے پر آئی اور عمر بن حمزہ پر ہاتھ ڈالا۔ عمر بن حمزہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے منہ پر مارا اور کہا کہ اے بی بی تو کتنی ہی شوخی دیکھائیگی۔ نہ آگے میں نے بد کام کیا ہے نہ آئیندہ کروں گا۔ گلنفہر نے غصہ میں آکر دل میں غور کیا کہ یہ میرے ہاتھ نہیں آئیگا۔ بہتر یہ ہے کہ اسے دنیا سے اُٹھا دوں کہ میرے کام نہیں آیا تو اور کسی کے کام کیوں آئے۔

پس اس نادان نے بہ بدگمانی دل میں لا کر اور خنجر نکال کر حالت سرشاری میں اس شیر بیشۂ شجاعت کو شہید کیا اور اس کے بعد بہت پشیمان ہوئی اور شور مچایا کہ امیرزادے کو کسی دشمن نے مار ڈالا۔ جب یاروں نے یہ آواز جان گداز سنی تو تمام یکبارگی دوڑ کر آئے اور امیرزادے کو شہید اور خون آلودہ دیکھ کر سب زمین پر گر کر لوٹنے لگے اور سب نے اپنے منہ کالے کئے۔ گھوڑوں کی عیال اور دُمیں کاٹیں اور گلفہر کو قید کر کے پوچھا کہ اے بدبخت تو نے اس جوان شجاعت نشان کو کس واسطے مارا۔

اس قاتل بدافعال نے کہا۔ کہ کیا کرتی مجھے تو عشق نے دیوانہ کر دیا تھا۔ میں نے اس حالت دیوانگی میں اسے مار ڈالا۔ اب مجھے بھی مار ڈالو تو مقصود دل کو پہنچوں گی۔ تب تمام یاروں نے کہا۔ کہ عورت ہے تجھے مارنے کی اجازت نہیں اور وہاں اسی رات کو امیر نے خواب میں دیکھا کہ عمر بن حمزہ لہو کے دریا میں تیرتا ہے۔ پس اسی وقت ہول سے ہوشیار ہوئے اور عمر بن عمیہ کو فرمایا کہ میں نے ایسا خواب دیکھا۔

عمر بن عمیہ نے عرض کیا کہ اے جہانگیر اگر حکم ہو تو میں خبر لوں۔ حمزہ نے حکم دیا اور عمر اسی وقت دوڑا اور منازل و مراحل طے کر کے کشمیر میں آ کر سیاہ عرب سے پوچھا کہ حمزہ کا فرزند کہاں ہے؟ سیاہ عرب نے کہا کہ مع یاران ہژدہ تن کی بہن کے گھر میں مہمان ہیں۔ شہر فرخار میں عمر جب آئے تو یاروں کے رونے کی آواز سنی اور دل میں کہا کہ کچھ خیر نہیں۔ جب یاروں نے عمر کو دیکھا۔ تو دوڑ کر پاؤں پر آ گرے اور رو رو کر عمر بن عمیہ کو شہادت کی حقیقت سنائی۔ عمر اسی وقت واپس ہوئے اور امیر کے پاس پہنچ کر بولے کہ آپ خاطر جمع رکھئے شہزادہ سلامت ہے لیکن تھوڑا زخم ہے۔ اور تمہیں بلایا ہے۔ تب امیر مع عمر فرخار آئے تو عمر بولا ذرا اس باغ میں بیٹھ کر کچھ کھا کر جائیں۔ امیر بیٹھے اور بکریوں کے ریوڑ سے ایک بکرا لا کر ذبح کر کے پکوا کر کھایا۔ کہ فرخار کی نظر باغ پر پڑی اور دھواں دیکھا تب دونوں فرزندوں کو کہا۔ کہ کوئی اجل رسیدہ منکاشی عورائیں باغ میں دھواں کرتا ہے اسے پکڑ لاؤ۔

تب وہ باغ میں آ کر دیکھتے ہیں کہ عمر و امیر کباب کھاتے ہیں۔ تب دونوں نے لاٹھیاں امیر پر چلائیں۔ امیر نے انکو زمین پر پچھاڑا یہ دونوں زمین پر پڑے رہے۔ ادھر فرخار نے دل میں کہا۔ بیٹوں کے آنے میں کیوں دیر ہوئی؟ تب سات سو من کا گرز ہاتھ میں لیکر باغ میں آیا اور بیٹوں کو مرغ نیم بسمل کے دیکھ کر نعرہ مارا کہ اے سرکشیدہ عورائیں کے ڈھیر ڈالنے والو۔ اژدہا کا ڈنکہ بجانے والو تم یہ نہیں جانتے کہ بکری کس کی ہے کہ تم کھاتے ہو۔

امیر نے جب فرخاری کو دیکھا تو کہا یہ مرد بہت سخت ہے تو اُٹھے اور فرخاری نے امیر کے سر پر گرز چلایا۔ امیر نے ایک ہاتھ سے اس کا ہاتھ اور دوسرے سے اس کا گرز چھین کر گرایا۔ وہ اُٹھا اور پوچھا مرد تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے کہ سات سو سال کی عمر میں کسی جوانمرد نے مجھے ایسا نہیں نہیں جیسا تو نے کدو کی مانند اُٹھا لیا۔ امیر نے فرمایا یوں خدا ایک ہے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا دین برحق ہے۔ اس نے اقرار کیا اور معافی مانگی۔ تب فرخاری نے چاہا عمر بن حمزہ کی حقیقت بیان کرے مگر عمر نے اشارہ سے منع کیا پھر امیر سوار ہوئے اور فرخاری دونوں بیٹوں اور عمر سمیت شہر میں داخل ہوئے۔ تب دیکھا کہ گھوڑوں کی عیالیں اور دُمیں کٹی ہیں۔ امیر نے وہیں نعرہ مارا اور زمین پر گرے اور رونا شروع کیا اور یاران پہلوانان آ کر امیر کے قدموں پر سر رکھ کر رونے لگے اور گلقہر کو باندھ لائے اور امیر کو حقیقت سے آگاہ کیا۔

امیر نے فرمایا اے حرامزادی تو نے میرے گل تو نہال کو جڑ سے کیوں اُکھاڑا۔ پھر فرمایا کہ اسے ماں عمر بن حمزہ کے پاس لیجاؤ۔ اور کہو کہ تیرے فرزند کو اس نے مارا ہے۔ جب گلقہر کو عمر بن حمزہ کی ماں کے پاس لے گئے اور احوال بیان کیا تو وہ رونے لگیں اور ایسا نالہ کیا کہ دیکھنے اور سننے والوں کو بیہوش کر ڈالا۔

امیر نے چالیس روز تک فرزند کا ماتم کیا۔ پھر عمر بن حمزہ کو تابوت میں رکھ کر کاؤس کے حصار کو بھیجا۔ بعد فاتحہ کے گلقہر کو اس کی بہن گلچہرہ نے ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ اس کے بعد کشور گیر کشمیر کو آئے اور جس قلعہ میں کافروں کا لشکر بھاگ کر پناہ گزیں تھا اس کے پاس پہنچ کر فرمایا کہ اس جنگ کی شامت سے میرا بیٹا تلف ہوا۔ یہ کہہ کر کوٹ کے دروازے توڑ کر اندر آئے اور کشمیریوں اور کافروں کو مارنے لگے۔ کشمیر کے بادشاہ نے معافی مانگی۔ اور وہاں سے کوچ کاؤس کے حصار کو آئے۔

اکیاونویں (۵۱) داستان

جب نوشیروان کا بیٹا ہرمز میدان میں آیا اور حقیقت پوچھی تب سنا کہ نوشیروان کو شداد حبشی لے گیا ہے۔ تب بزرجمہر کو کہا کہ نوشیروان کس تدبیر سے رہا ہو گا؟ مجھے بتائیں تا کہ میں

وہ تدبیر کروں ۔ بزرجمہر نے کہا کہ حمزہ جائے تو نوشیرواں خلاص ہوگا ۔ اور وہ آسانی سے لائیگا ۔ حرمز نے کہا کہ حمزہ کس طرح سے جائیگا ۔ بزرجمہر نے کہا تو اپنی ماں سے کہہ۔ اس نے ایسا ہی کیا ۔ تب ہرمز کی ماں زرینہ کفش نے ضرورت جان کر امیر کو لکھا کہ اے فرزند جان اسیا مدت سے نوشیرواں شداد کی قید میں ہے ۔ عجب ہے کہ تمہارے ہوتے نوشیرواں کو لوگ ایذا دیں۔ جب اس روش کا خط نوشیرواں کی بی بی نے بھیجا تو وہ خط کھول کر حمزہ نے پڑھا اور خط لانیوالے کو کہا کہ جا اور زرینہ کفش سے کہہ کہ میں جاؤں گا اور بادشاہ کو لاؤں گا ۔ اگر میرے حق میں اس نے بُرائی کی تو میں اس ظالم کو جو عادل کہلاتا ہے اور عدالت کو تلف کرتا ہے جو چاہوں گا کروں گا ۔ اب تو اس کو چھڑانا فرض ہے ۔

یہ کہکر عمر بن عمیہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ حبش کی طرف چلیں اور نوشیرواں کو لادیں۔ عمر بن عمیہ نے عرض کیا۔ کہ اس کے چھڑانے کو میں نہ جاؤں گا بلکہ ادھر تو پاؤں بھی نہ رکھوں گا ۔ امیر نے فرمایا کہ بھلا تو مت آ۔ مقبل حلبی کو اپنے ہمراہ لیا اور یاروں کو وداع کیا اور روانہ ہوئے ۔ تب عمر بن عمیہ نے عرض کی کہ جانتے ہو پر جانے سے پشیمان ہوگے ۔ امیر نے فرمایا کہ اے چور تو اپنی ہی کرامات بتاتا ہے ۔ جب عمر نے کہا جاؤ خدا کو سونپا ۔ پھر امیر جہانگیر نے مقبل حلبی کو اپنے ہمراہ لیا اور منازل طے کر کے حبش میں داخل ہوئے اور ایک باغ میں اُترے اور گھوڑا چرنے کو چھوڑا ۔ جب رات ہوئی تو امیر نے کہا۔ بہتر تو یہ ہے کہ شداد کے دربار میں عیاری سے جایئں اور نوشیرواں کو لے آیئں شاید کہ شداد مجھ سے پھر گیا ہو ۔ اور جب اپنے آپکو ظاہر کروں گا تو کام بہت بے ڈھب ہوگا ۔ مقبل نے کہا۔ جو خاطر میں آئے سو بہتر ہے وہی کرنا چاہیئے ۔ غرض جب آدھی رات گذری امیر نے کہا کہ کالے کپڑے لاؤ تو پہنوں ۔

غرض کپڑے پہنے اور حضرت علیہ السلام کی کمندلی اور پاپیادہ شہر کے اندر گئے اور قلعہ کے نیچے آکر کمند کو کوٹ کے کنگرے پر لگایا اور چڑھے اور شداد کی بارگاہ کے اندر اُترے ۔ تو دیکھا کہ شداد تخت پر سویا ہے۔ اور شراب نقل و میوہ تخت کے نیچے طبق میں بھر کر رکھا ہے اور نوشیرواں کو پنجرے میں ڈال کر تخت کے سامنے لٹکا یا ہوا ہے اور ایک کالا سا بچھو شداد کو کاٹنے کا قصد کرتا ہے ۔ امیر نے اس بچھو کو مارا اور میوے کھا کر اور شراب پی کر ایک پرچا لکھا ۔ کہ

اے شداد جان کہ میں نوشیرواں کو لینے آیا اور تو سویا ہوا
تھا اگر تجھے نیند سے جگاتا تو پراگندہ خاطر ہوتا یہ سمجھ کر نہیں اُٹھایا

اور کالا بچھو جو تجھے کاٹنے آیا تھا اسے مار کر اور میوہ و شراب
کھا پی کر نوشیرواں کو لے جاتا ہوں ۔ اور تجھے معلوم ہونے کیلئے
یہ پرچہ لکھے جاتا ہوں ۔

پس نوشیرواں کو مقبل کے پاس لائے اور بولے کہ گھوڑے پر زین کر۔ مقبل نے ہر چند گھوڑا ڈھونڈا لیکن نہ ملا تب امیر ڈھونڈنے لگے ۔ اور وہاں پر شداد اور نوشیرواں کو نہ دیکھا اور بچھو اور لکھے ہوئے مضمون کو دیکھکر اپنے لشکر کو پکارا کہ حمزہ واحد آیا ہے اس کا کام تمام کرو ۔ اس نے مکہ میں مجھے جادو سے باندھا تھا ۔ پھر ہزار سوار لیکر باہر آیا اور باغ میں پہنچا اور نوشیرواں سے پوچھا کہ حمزہ کہاں ہے ؟ تب اس نے امان سے کہا کہ میں نے خطا کی تو جان بخشی کر حمزہ کو بتاؤ ۔ پھر نوشیرواں نے کہا کہ حمزہ اس راہ گیا ہے ۔ شداد ڈھونڈتا ہوا آگے گیا تو مقبل گھوڑے کو لیئے آتا تھا ۔ شداد نے مقبل کو دیکھکر کہا ۔ باندھو ۔ پس شداد کے مقبل اور اشقر پر کمند کے ساتوں حلقے پڑے اور باندھ کیا ۔ لیکن امیر کو ہر چند تلاش کیا نہ پایا ۔

تب شداد نے کہا ۔ میں جانتا ہوں کہ حمزہ ریگستان میں پھنسا ہوگا ۔ کیونکہ زنگبار حبش کا بالو مشہور ہے ۔ سو حمزہ بالو میں پڑ گیا تو پیاسا مر جائیگا ۔ تب شداد مع نوشیرواں حصار کاؤس کو روانہ ہوا ۔ اس نیت سے کہ مہنگار اور حمزہ کی اولاد کو جہاں سے اٹھاؤں گا اور امیر راہ گم کرنے بالو میں پڑے تھے اور جدھر جاتے تھے اُدھر اجاڑ اور ریگستان ہی پاتے تھے ۔ تین رات و دن اسی طرح گردان پھرے مگر راہ نہ پایا ۔ بہت حیران رہے اور آفتاب کی گرمی اور شدید فاقہ سے قریب نزع پہنچکر جناب مسبب الاسباب میں دعا کی ۔ پھر اسی رات عمر نے خواب دیکھا کہ حمزہ مٹی میں رلتے ہیں ۔ اس دہشت آلود خواب سے بیدار ہو کر یاروں سے بولا کہ مجھے جانیکی اجازت دو ۔ پس اجازت پاکر عمر روانہ ہوا اور راہ میں لشکر پایا ۔ کسی زنگی سے پوچھا کہ یہ لشکر کس کا ہے ۔ سننے والے نے کہا کہ یہ لشکر شداد حبشی کا ہے مہنگار کو لینے جاتا ہے ۔ عمر نے کہا کہ حمزہ نوشیرواں کو لینے گیا تھا سو کہاں ہے ؟ اس نے کہا کہ حمزہ ریگستان میں غلطاں ہے ۔ عمر وہاں سے بالو پر آیا اور ڈھونڈنے لگا ۔ امیر پر پانچ روز تک فاقہ گذرا تھا اور ہتھیار وغیرہ دور گئے تھے ۔ اور مانند ماہی بے آب بالو پر تڑپتے تھے ۔ اور عمر ہر طرف پکارتا تھا اور حمزہ آواز سنتے تھے لیکن جواب دینے کی طاقت نہ تھی تب عمر حمزہ کے پاس آیا اور دیکھا کہ بات کرنیکی طاقت نہیں ہے ۔ تب اپنی زنبیل سے ایک پیالہ شراب کا نکال کر دیا تب امیر نے آنکھیں پھیریں اور عمر نے ایک پیالہ اور پلا دیا کہ امیر کی تمام ماندگی رفع

ہوگئی اور تندرست ہوکر ہتھیار کمر سے باندھے۔ پھر عمر حبش کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچکر اشتر اور مقبل حلبی کو قید میں دیکھا تو اشتر نے امیر کو دیکھتے ہی زور کیا اور بکتہ کو توڑا اور امیر کی خدمت میں آیا اور امیر کے قدموں پر پڑا۔ پھر امیر سوار ہوئے اور چوکیدار امیر کو دیکھکر بھاگے پھر مقبل کو چھڑایا اور شہر میں آیا اور وہاں شداد کا بیٹا جو ہزار سوار لیکر باہر آیا تھا پکارا کہ اے عرب تو میرے باپ کے ڈر سے اب تک کہاں رہا۔

امیر نے اشتر کو دوڑایا اور کہا کہ اے کافر ایک بار تیرے باپ کو حلقہ بگوش کیا تھا اب وہ بے ایمان ہوکر بے ادبی کرتا ہے۔ اب کی بار میں اسے جہنم کو روانہ کروں گا۔ شداد کے فرزند نے تلوار امیر پر چلائی امیر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گردن پر ایسی مکی ماری کہ گھوڑے پر سے زمین پر گرا۔ امیر نے جست کی اور اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھے باندھکر عمر کے حوالے کیا۔ تب اس نے کہا کہ یا امیر مجھے کس واسطے باندھا ہے؟ تب امیر نے فرمایا کہ اگر معافی مانگے گا تو چھوڑوں گا۔ اس نے اقرار کیا۔ امیر نے چھوڑا اور غلامی کا حلقہ پہنایا۔ تب وہ امیر کے قدموں پر گرا اور کہا کہ شہر میں چلکر غلام کو سرفراز کرو تاکہ حق خدمت گذاری و مہمانداری بجا لاؤں؟

امیر نے کہا کہ میرا دل تیرے باپ سے تعلق رکھتا ہے۔ آخر اس نے ہزار تعظیم و تکریم سے امیر کو شہر میں لیجا کر شداد کے تخت پر بٹھایا اور کھانا کھلایا اور پیالہ شراب گردش میں آیا اور اسی طریق سے تین روز تک امیر کی مہمانداری کی پھر امیر نے وہاں سے کوچ کیا اور کاؤس کے حصار کی راہ لی۔ جب شداد اور نوشیرواں حصار کاؤس کے پاس آئے تو ہرمز نے کو لکھا کہ زوبین کو لیکر مع لشکر آؤ۔ تب وہ نوشیرواں سے آملا اور شداد لڑائی کا نقارہ بجا کر میدان میں آیا اور گھوڑا کدایا۔ اور اس گھوڑے کا نام شبرنگ تھا۔ اور یہ ایسا گھوڑا تھا کہ ایک سو بیس من لوہا اس کی نعل اور میخ کو لگتا تھا غرض کہ اس زمانہ میں ایسا گھوڑا نہ تھا۔

پس میدان میں آئے تب لندھور نے ہاتھی میدان میں ڈالا اور حریف کے مقابل آکر اور گرز اٹھا کر مارا۔ پھر ان دونوں میں گرز چلتا رہا۔ مگر شداد تلوار کا ہنر خوب جانتا تھا۔ لندھور کے ہاتھ پر ایک ایسی تلوار ماری کہ لندھور زخمی ہوا۔ اور رات ہوگئی۔ تب دونوں فوجیں پھریں۔ دوسرے روز شداد پھر میدان میں آیا اور ادھر سے فرہاد گیا تو یہ بھی زخمی ہوا۔

فرہاد نے یہ دیکھکر گھوڑا میدان میں ڈالا اور سات سو پچاس من کا گرز نکال کر گھوڑے کو دباکر شداد پر مارا۔ شداد نے ہر چند چاہا کہ فرہاد کو زخمی کرے لیکن وہ زخمی نہیں ہوسکا۔ بلکہ فرہاد کی

نے شداد کو بہت تنگ کیا کہ شام ہوئی تب دونوں لشکر پھرے ۔ دوسرے روز پھر شداد میدان میں آیا ۔ اور فرخاری نے بھی گھوڑا میدان میں ڈالا اور شداد کو بہت تنگ کیا کہ شداد بولا تو جا میں تجھ سے نہیں لڑتا دوسرے کو بھیج ۔ فرخاری بولا جب تک میں تجھے نہ باندھوں گا تب تک کس طرح جاؤں ۔ یہ کہکر لڑنے لگے جتی کہ دوپہر ہوئی تب شداد نے پیٹھ پھیری اور فرخاری اس کے لشکر کو گرز سے مارتا ہوا چلا گیا ۔ پھر دونوں لشکر اترے اور رات گزار کر دوسرے روز شداد نے گھوڑا میدان میں کدایا اور پکارا کہ سوائے فرخاری کے کوئی اور آئے ۔ استفقانوش میدان میں آیا اور شداد نے اس پر حملہ کیا ۔ اس نے روکا اور پھر نے وقت شہزادے کے بازو میں ایسی تلوار ماری کہ اس کا ہاتھ ناکارہ ہوا ۔ تب شداد نے گھوڑا دوڑایا اور بھاگ کر اپنے اپنے لشکر میں گیا اور طبل بازگشت بجوایا اور دونوں اپنے اپنے لشکر میں گئے اور شداد کے علاج میں مشغول ہوئے ۔ پھر کئی دن تک لڑائی بند رہی ۔

القصہ ایک چور گلیم پوش نے بادشاہ کے پاس آکر کہا ۔ کہ فرماؤ تو رات کو عرب کے لشکر میں جا کر تمام پہلوانوں کا سر کاٹ کر لے آؤں ۔ غرض نوشیرواں کی اجازت سے وہ گیا اور عرب کے سارے لشکر میں پھرنے لگا اور امیر زادہ قباد شہریار کے دو عیار یعنی شکل عیار و فتح عیار پہرہ پر تھے جو بارگاہ کے پاس تیز سے ہلا رہے تھے سو گلیم پوش بھی ان میں اگر نیزہ پھرانے لگا اور فرصت پاکر امیرزادہ کے خیمہ کی میخ اکھاڑی اور اندر گیا اور قباد شہریار کو سوتے دیکھا اور خنجر نکال کر امیرزادے کا سر تن سے جدا کیا اور ڈیرے سے باہر نکلا اور جاتے وقت عمر بن عمیہ اور عیاروں نے دیکھ کر پکڑنا چاہا وہ نکل گیا اور انہوں نے امیرزادے کا سر جو اس کے ہاتھ میں دیکھا تو سب رونے لگے اور مہر نگار نے یہ خبر سن کر سر پھوڑا اور زمین پر پچھاڑیں کھانے لگیں اور گلیم پوش عیار کو پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا ۔ جب اسے مارا تو کہا جو مرا پھر نہیں آیا ۔ مہر نگار ماتم کرنے لگی ۔ نوشیرواں بھی سن کر پشیمان ہوا اور لوا سے کا ماتم کیا اور بہت روز لڑائی موقوف رہی اور لشکر یہ سن کر ماتم میں رہے ۔ اور پریشانی و غم کی حالت میں رہے ۔

باونویں ۵۲ داستان

جب پہلوانان عرب قباد شہریار کے ماتم سے فارغ ہوئے تو دونوں لشکروں سے

نقارے کی آواز آئی اور دونوں لشکر تیار ہو کر میدان کارزار میں آئے تب شداد نے گھوڑا دوڑایا اور ادھر سے فرخاری نکلا۔ غرض عرب کے پہلوان لڑنے لگے کہ یکایک جنگل میں گرد پیدا ہوئی اور اس گرد میں سے امیر اور عمر نکلے۔ عرب کے پہلوانوں نے حمزہ کو دیکھا تو یکبارگی دوڑ کر استقبال کیا اور فرخاری نے بھی دوڑ کر امیر کا استقبال کیا۔ پس شداد نے اس وقت فرصت پاکر جنگل کی راہ لی جب امیر نے یاروں کو دیکھا اور ملاقات کی تو بعد اس کے فرخاری سے پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ کہا میدان میں چھوڑ آیا تھا۔ کہا افسوس زندہ بھاگا۔

تب اس کا پیچھا کیا اور اشقر کو دوڑایا اور نزدیک پہنچے اور پکارے کہ اے کافر میرے ہاتھ سے جان کہاں لے جائیگا۔ تب شداد نے دیکھا کہ امیر آگئے تو امیر کے ڈر سے بائیں طرف دیکھنے لگا۔ غرض سیدھی طرف ایک دیول دیکھا اور اس دیول میں جا چھپا امیر نے لندھور کو فرمایا کہ اس کے گلے میں کمند ڈالو اور کھینچو۔ امیر کے حکم سے لندھور نے کمند اس کے گلے میں ڈالی اور کھینچا تو دیکھا کہ شداد واصل جہنم ہوگیا۔

پس امیر نے اس کا گھوڑا جو سبز رنگ کا تھا سو لندھور کو دیا۔ لندھور اس پر سوار ہوا پھر عمر عیار بھی پہنچے اور شداد کا سر کاٹ لیا اور بھالے پر چڑھایا اور فتح و نصرت سے واپس پھرے اسی وقت امیر یاروں سے آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے آئے۔ جس وقت امیر نے شداد کا پیچھا کیا تھا تو تمام پہلوان بھی ایک ایک کرکے امیر کے پیچھے گئے تھے۔ تب زروبین بے دین نے دیکھا کہ سپاہ عرب کے پہلوان امیر کے پاس گئے اور اب یہاں سوائے مہر نگار و فوج و کنیز و غلام اور فوجوں کے جو گرد مہر نگار کے کھڑے ہیں اور کوئی سردار نہیں ہے۔

یہ دیکھ زروبین بے دین نے بختک سے کہا کہ مہر نگار کو ہاتھ میں لانے کا وقت یہی ہے جب تک حمزہ مع پہلوان شداد کے پیچھے گئے ہیں اور ان کے آنے تک میں اپنا کام کرتا ہوں۔ بختک نے کہا جلدی کر۔ تب زروبین بے دین نے اپنے لشکر سے ادھر کا قصد کیا۔ مہر نگار نے دیکھا کہ زروبین نزدیک آپہنچا ہے۔ تو کمان پکڑ کر تیر چلایا جو زروبین کی چھاتی پر لگا۔ تب زروبین نے غصہ سے خیال کیا کہ یہ عورت میری ہرگز نہ ہوگی۔ پس بہتر یہ ہے کہ اس کو جہان سے اٹھا دیں یہ قرار دیکر مارنے کا قصد کیا۔ اور مہر نگار پر ایک ضرب تلوار کی چلائی کہ وہ زخمی ہوئی۔ اسی وقت امیر بھی پہنچے اور زروبین بے دین کو اس حال میں دیکھ کر جھٹ اسی پر پہنچے اور زروبین بے دین نے ایک وار امیر پر بھی کیا۔ امیر نے اس کی تلوار کی ضرب ڈھال کے اوپر رد کی اور اپنے دونوں پاؤں رکاب میں مضبوط کرکے اور کاشش

زین کو خالی چھوڑ کر بہ قوت تمام تلوار کی ایک ضرب ایسی ماری کہ زوبین دو ٹکڑے ہوا۔ جب زوبین کے لشکر نے اس حال کا مشاہدہ کیا تو تمام بھاگنے لگے اور امیر بھی پھر کر اپنے لشکر میں آئے۔ اور متوجہ محل خاص ہوئے۔ جب اندر آئے تو مہر نگار کی حالت کو نزع میں دیکھا۔ امیر نے عمر بن عمیہ کو فرمایا اے دوست جا اور بزرجمہر کو بلاؤ۔

پس جمہر کے آنے تک مہر نگار نے جان دیدی۔ امیر نے مہر نگار کو ایسی حالت میں دیکھ کر نعرہ مارا اور یہاں تک بے ہوش ہوئے کہ حالت دیوانگی آموجود ہوئی۔ چنانچہ کبھی روتے اور کبھی ہنستے بزرجمہر نے یہ حال دیکھکر کہا کہ اے عمر اکیس روز تک یہ دیوانہ رہیں گے پھر ہوشیار ہوں گے۔ تم غم مت کرو اور خبرداری رکھو۔ پھر تینوں تابوت ایک مہر نگار، دوسرا قباد، تیسرا عمر بن حمزہ کا تیار کیا اور مکہ معظمہ کی طرف لے چلے۔ امیر برابر روتے اور زاری کرتے اور تمام لشکر بھی روتا تھا اور راستہ میں قیام و آرام نہ کیا اور مکہ مکرمہ سے چار کوس پر اُتر کر قبروں میں تابوتوں کو مدفون کیا اور امیر وہیں رہے۔ القصہ اکیسویں دن امیر نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کا دروازہ کھلا ہے اور ایک تخت آسمان پر سے اُترا ہے اور اس تخت پر ایک بوڑھا بیٹھا ہے جس نے ایک پیالہ شراب کا لاکر امیر کو پلایا امیر نے پوچھا کہ بوڑھے تو کون ہے۔ وہ بولا میں ابراہیم ہوں اور تمہیں پوچھنے کو آیا ہوں۔ اور یہ کہتا ہوں کہ اے فرزند تم جو عورت کے واسطے دیوانے ہوئے اور بے ہوشی اختیار کی سو تمہارے حق میں ایسا کرنا اچھا نہیں ہے۔

سو میں نصیحت کرتا ہوں کہ بدستور قدیم اپنے کاموں میں مشغول رہو اور خاطر جمع رکھ اور زیادہ بیقراری نہ کر۔ تب امیر ہوشیار ہوئے اور دیوانگی چھوڑی۔ اور عمر بن عمیہ سے پوچھا کہ میں کہاں ہوں اور مجھے کیا ہوا تھا۔ تب عمر نے تمام حقیقت بیان کی اور کہا کہ تم مہر نگار کے واسطے دیوانے ہوئے ہو۔

بعد ازاں امیر نے جو خواب دیکھا تھا سو وہ یاروں سے بیان کیا۔ تب پہلوانوں نے کہا کہ یا امیر تم البتہ ابراہیم علیہ السلام کے فرزند ہو اور تم کو فراموش دین محمدی کیئے ہیں۔ تمکو اتنا رنج نہیں کرنا چاہیئے۔ تب امیر نے کہا کہ اے دوستو تم جانتے ہو میں اور مہر نگار میں مرنے کے بعد قبر پر مجاوری کا اقرار تھا اب تم تمام اپنے وطن کو جاؤ اور وہاں رہو۔ یاران نے کہا یا امیر یہ کیا دیوانگی ہے جو تم ایسا سخن بولتے ہو۔ اور پیغمبروں نے زاری و ماتم سے منع کیا ہے۔ امیر نے کہا جو ہونا تھا سو ہوا پر اپنی شرط ادا کرنی چاہیئے۔ ہر چند عمر بن عمیہ نے منع کیا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ تب ہر ایک

پہلوان کو وداع کیا۔ اور اس دن عمر کو معہ تخت مصر کی طرف روانہ کیا۔ القصہ سارے پہلوان ناچار ہو کر امیر سے علیحدہ ہوئے اور عمر و مقبل پاس رہے تب حمزہ نے کہا۔ اے عمر تو بھی جا اور دریا کی مسافری اختیار کر کیونکہ جو کوئی چور و عیار و رہزن ہو اسے ہاتھ میں لا۔

عمر نے کہا۔ اے امیر مجھے اپنے سے جدا مت کر۔ امیر نے کہا مقبل میرے بس ہے۔ آخر بڑی سختی سے امیر جدا ہوا۔ پھر امیر نے سر منڈایا اور گدڑی پہن کر اور دونوں وقت مہر نگار کی قبر پر جھاڑو کشی کرنے لگے۔ اور رات کو قبر کے پائینتی سوتے اور مقبل امیر کی خدمت میں رہتا تھا۔

ترپنویں داستان

راوی روایت کرتے ہیں کہ امیر صاحب دنیا کے علاقہ سے دست بردار ہوئے اور مرقد مہر نگار کی مجاوری اختیار کی تو یہ خبر تمام عالم میں منتشر ہوئی تب دشمنوں نے چاروں طرف سے سر اٹھایا اور امیر کے مارنے کی فکر کرنے لگے۔ القصہ فرید زعکہ جو سعد بن عمر بن حمزہ کے ہاتھ سے مارا گیا قارون نامی اس کا بیٹا اپنے باپ کے بعد دلاور ہوا تھا سو اس نے حمزہ کے نکلنے اور دنیا چھوڑنے اور مجاوری کرنے کی خبر سن کر لشکر جمع کیا۔ اور کہا میں چاہتا ہوں کہ اس کا قصد کروں اور اس کو اس دنیا سے آخرت کو بھیجوں۔ لشکریوں نے کہا کہ تجھے اختیار ہے۔ تب قارون بن فرید زعکہ نے ڈیرا باہر کیا۔ اور ایک یا دو منزلیں کوچ کیا تھا کہ یکا یک جنگل میں سے گرد پیدا ہوئی اور گرد میں سے ایک پیادہ معلوم ہوا جب وہ لشکر میں آیا تو پوچھا کہ اے مرد تو کون ہے اور کہاں جاتا ہے اور کدھر سے آیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں کلیات عیار ہوں۔ میرے باپ کو حمزہ کے لشکر نے مارا ہے اور اس کا نام گلیم پوش تھا اب میں نے سنا ہے کہ وہ اکیلا مہر نگار کی قبر پر مجاوری کرتا ہے۔ تو میں چاہتا ہوں کہ وہاں جا کر اسے حرکت دوں۔

تب قارون نے کہا کہ میں ابھی حمزہ کے مارنے کو جاتا ہوں تو میرے ساتھ آ۔ اس نے قبول کیا اور قارون کے ساتھ چلا اور منزل بمنزل راہ طے کرنے لگے۔ مدت مدید عرصہ بعید کے مکہ کے نزدیک آئے اور ڈیرے اور اترے تب کلیات عیار نے کہا کہ اے قارون پہلے میں جا کر اسے حرکت دیتا ہوں پھر تجھے خبر کرتا ہوں۔ قارون نے کہا جا۔ تب بدبخت نے فقیری لباس لیا اور مہر نگار کے روضہ پر آیا۔ امیر وہاں بیٹھے تھے۔ اس نے سر زمین پر رکھا اور خدمت بجا لایا۔ امیر نے

کلیات سے پوچھا کہ اے فقیر تو کون ہے اور کہاں سے آیا اور کیا مطلب رکھتا ہے بولے تو بجا لاؤں عیار مذکور نے کہا۔ کہ میں بیت المقدس سے آیا ہوں اور مطلب یہ رکھتا ہوں کہ باقی عمر امیر کی خدمت میں رہوں امیر نے ہر چند عذر کیا مگر اس نے نہ مانا تب امیر نے ناچاری سے رہنے دیا۔ پس اسی وقت مقبل اور اس فقیر نے کھانا کھایا اور امیر نے پانی مانگا اور وہ فقیر اُٹھا اور پانی کے کوزہ میں دوائی بے ہوشی کی ملا کر لایا اور امیر و مقبل نے پیا اور کلیات کھانا کھا کر اور وہاں سے باہر نکل کر قارون کے پاس گیا اور کہا کہ شتابی کر کہ حمزہ کو بے ہوشی کی دوا پلا کر آیا ہوں۔

قارون موت شکر سوار ہو کر مہر نگار کے روضہ پر آیا اور گھبرا گیا۔ اور ہتھیار باندھ کر اندر گیا۔ اور امیر کے مارنے کا قصد کیا۔ تب مقبل تلوار کھینچ کر اس کے مقابل ہوا۔ وہیں سر پھیرنے لگا۔ آخرکار گر پڑا تب قارون نے کہا کہ مقبل کو باندھو امیر کو کچھ پکڑے بیٹھے تھے۔ قارون ان کے نزدیک آیا۔ امیر نے چاہا کہ اُٹھیں اور قارون کے مکے ماریں۔ اسی وقت بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے تب قارون نے کہا۔ کہ اگر امیر کو سر سے پاؤں تک لوہے سے جکڑ کر بند کیا۔ چنانچہ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق بغلوں میں خاردار لکڑی سے کئے۔ تب ہوشیار کیا امیر نے اپنے آپ کو قید میں دیکھا تو خدا کو یاد کیا۔ تب قارون بدزبانی سے بولنے لگا۔ کہ اے عرب شکستہ خوردہ پوش تو جنگل میں پرورش ہوئی اور اونٹوں کے دودھ سے پلا۔ اور اس درجہ سے تیرا کام اس مرتبہ پر پہنچا کہ میرے باپ اور بادشاہوں کو تخت تابوت پر پہنچایا اور بادو کے زور سے نوشیرواں کا داماد بنا۔ اب تو میرے ہاتھ میں آیا ہے جان کہاں سے بچائیگا۔

امیر نے فرمایا کہ جان دینے والا اور لینے والا خدا ہے ہم سب بندے اس کے حکم کے ہیں اور میں نے تیرا باپ اور یاروں کو مکر سے نہیں مارا اور تو نے جو میرے مارنے کا قصد کیا تو مار۔ قارون نے کہا۔ کہ اے حمزہ جیسے کو تو نے چاہا مارا۔ خوب کیا۔ اب تجھکو ماروں گا۔ امیر نے کہا کہ خدا نے جو چاہا سو کیا۔ اور کریگا۔ پھر مار و ملعون امیر کو لاٹھیاں مارنے لگا۔ امیر نے فرمایا اے قارون ایسا مار کہ سہ سکے۔ قارون نے کہا کہ میں اب تجھے مارتا ہوں پھر تجھے کون ماریگا۔ پھر چمڑا منگا کر اور اس پر نمک چھڑک امیر کو پاش کر اور اس میں باندھ کر لٹکایا۔ پھر دوسرے روز بدستور مارا اور دوسرے چمڑے میں باندھ کر لٹکایا اور معماروں کو بلا کر ایک سو بیس گز کا ستون بنا کر امیر کو اس پر لٹکایا اور روایت یوں بھی ہے کہ ایک سو بیس گز گہرے کنوئیں میں قید کیا تھا۔ پھر قارون لعین نے نوشیرواں کو لکھا کہ میں حمزہ کو اس طرح عذاب دے رہا ہوں۔ بادشاہ اگر اپنے حضور میں ماریں تو بہتر ہے۔

تب نوشیرواں بے ایمان اپنے لشکر سمیت آیا اور قاروں کو خلعت و انعام سے سرفراز کیا۔ اور حمزہ کو اپنے روبرو لانے کا حکم دیا۔

دو کلمہ ادھر کی داستان کے سنو کہ لوگ مکّہ سے ہر طرف جاتے اور عمر بن عمیہ جزیرہ عدن میں پہنچے ہوئے تھے۔ خواجہ عبدالمطلب نے یہ خبر عمر کے باپ کے ساتھ امیر کے یاروں کو بھیجی تھی اور عمیہ ضمیری کاغذ نعلین میں چھپا کر جا رہا تھا۔ کہ کلیات مرنے کو دیکھکر پہچانا کہ یہ کوئی عیار ہے۔ سب کو دوڑایا اور عمیہ کو منگا کر نوشیرواں کے روبرو لے گیا اور نوشیرواں کے حکم سے اس کا جائزہ لیا تو اس کے پاس کے خواجہ عبدالمطلب کے خط نکلے تب کلیات نے عمیہ ضمیری کا سر کاٹ کر شہید کیا۔ تب بختک نے کہا کہ اے کلیات یہ عمر کا باپ ہے جو تو نے مارا۔ اب بیفکر مت رہو۔

کلیات نے کہا مجھے کس کا ڈر ہے۔ عمر دوسرے روز مکّہ میں پہنچے اور کلیات نے عمر کے آنے کی خبر سن کر راہ پر ایک پہاڑ پر ایک عیار بٹھایا تھا کہ عمر جہاں ملے پکڑ لاؤ۔ عمر نے اپنے آپ کو دور سے ظاہر کیا اور آگے چلے۔ کلیات نے عمر کا پیچھا کیا۔ تب عمر نے راہ میں بیہوشی کی دوائی ڈالی سو کلیات نے راہ میں دیکھا کہ ایک پھول سا پڑا ہے اٹھا کر سونگھا اور بے ہوش ہوا۔ عمر اس کا سر کاٹ کر جلدی ستون کے نیچے آیا اور مقبل کو بندھا دیکھکر سلام کیا۔ مقبل نے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ اے اسلام کے لشکر کے چراغ اتنے روز کہاں رہا؟ جو ہماری فریاد کو نہیں پہنچا۔ عمر نے کہا کہ خاطر جمع رکھ اب پہنچا ہوں۔ یہ کہکر کلیات کا سر عقابین کے نیچے باندھ کر آپ ستون پر چڑھنے لگا کہ کافروں نے نیچے سے اوپر گھنٹے لٹکائے تھے۔ پس عمر گھنٹوں سے بچتے ہوئے چڑھے اور جا کر امیر کو سلام کیا۔ تو امیر کا دل بہت خوش ہوا اور فرمایا خبردار اگر کافر گھنٹے کی آواز سنیں گے تو ہشیار ہو جائیں گے مگر عمر کے سر کے اوپر ایک گھنٹی تھی جس کو عمر نے نہیں دیکھا تھا۔ اس پر ہاتھ عمر کا بیخبر پڑا۔ اس کی آواز سے تمام کافر ہوشیار ہوئے اور مشعلیں سلگا کر تیروں سے مارنے لگے۔ تب عمر نے اپنے دونوں ہاتھ امیر کی پشت پر رکھ کر جست مار کر زمین پر آیا اور غائب ہوا۔ جب کافر ستون کے نیچے آئے اور کلیات کا سر دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ کام بیٹنک ? کا ہے۔

پس کافروں نے بہت ڈرا اور کہا اے بختک جبتک عمر ہمارے ہاتھ نہ آئے تب تک حمزہ کو نہ مارنا۔ اس لئے کہ آج تک عمر نے کسی کو عیاری سے نہیں مارا۔ اگر حمزہ مرا تو یاد رکھ کہ اوّل سر نوشیرواں کا نیچا ہوگا۔ پھر بزرجمہر کا کاٹے گا۔

بزرجمہر نے کہا کہ اے حرامزادے میں نے تجھے نہیں ستایا مجھے کیوں مارے گا۔ اور

تم نے ایذا دی ہے تم کو مارنا تعجب نہیں ہے۔

القصہ عمر دوسرے روز پہلوانوں کی طرف روانہ ہوا اور ہر ایک شہر میں جاکر امیر کی خبر سنائی۔ تب امیر کے سب یاروں نے مکہ کی راہ لی اور لندھور ہنوز اپنے ملک میں نہیں پہنچا تھا۔ امیر کی خبر سنی اور راہ میں سے پھرا۔ غرض کہ ایک لشکر اسلام جمع ہونے لگا۔ تب قارون ملعون نے نوشیرواں سے کہا۔ کہ ابتک حمزہ کے لشکر کو خبر نہ تھی جب سے عمر آیا ہے سب جمع کر رہا ہے۔ اگر حمزہ مار دیا تو بہت خرابی ہوگی اور تم میرے شہر کو چلو۔ اور حمزہ کے سب یار ہاتھ میں لیکر حمزہ کو قید میں رکھو۔ نوشیرواں نے کہا۔ کہ اگر ہم حمزہ کو ماریں تو اسمیں شک نہیں ہے کہ ہمکو عمر زندہ نہ چھوڑے گا۔ یہ کہکر شہر زعکہ کو چلے اور منزلیں طے کرتے ہوئے شہر میں پہنچے اور امیر کو ہر روز مارتے اور ایک کوزہ پانی کا دیتے تھے۔ جب امیر کا لشکر ہر روز جمع ہوتے پورا تو قارون نے کہا۔ کہ اے نوشیرواں میں حمزہ کے لشکر کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

یہ کہکر قلعہ بند کیا۔ پس ایک روز عمر قلعہ کے اندر گئے اور وہاں جاکر پارچہ فروش سے دوستی پیدا کی۔ فرزدانہ نامی ہندروں کی ایک بہن تھی اس نے ایک رات خواب میں دیکھا۔ کہ حضرت ابراہیم نے اسے کہا۔ کہ حمزہ کو قید سے چھڑا کر اس سے نکاح کر خدا تجھے فرزند دیگا۔ وہ نیک بخت خواب سے اٹھی اور بھائی کے دربار میں آئی اور چوکیداروں اور دربانوں کو بہت سا مال دیا اور قصہ خواب کا سنایا اور انہیں جوئی خدمتوں کا امیدوار کیا۔ جب دربان چوکیداروں سے راضی ہوئے تو امیر کو چپکے سے اتارا اور بند دور کئے۔ اور اپنے گھر میں لاکر تیمارداری کرنے لگی۔

جب صبح ہوئی تو حمزہ کی حقیقت قارون کو معلوم ہوئی تب تلاش لیکن نہ پایا۔ اپنے وزیر سے کہا۔ کہ حمزہ لشکر میں تو نہیں کیونکہ اگر وہاں ہوتا تو لشکر میں شادیانے بجاتے لیکن نجوم میں دیکھکر معلوم کر کہ امیر کہاں ہے؟ وزیر نے رمل دیکھکر کہا کہ فرزانہ کے گھر میں حمزہ عیش کرتا ہے۔ تب قارون نے اپنی بہن کو پیغام بھیجا کہ حمزہ تیرے گھر میں ہے کہ وزیر نے نجوم میں دیکھکر کہا ہے کہ اگر ہے تو جلد روانہ کرو۔ تب فرزانہ نے کہلا بھیجا کہ کل وزیر نے مجھ سے وصل کی درخواست کی تھی۔ میں نے قبول نہ کیا اس واسطے دشمنی کرتا ہے۔ میں عورت ذات کہاں اور حمزہ کہاں۔ جب قارون نے یہ بات سنی تب تلوار سے وزیر کو مار ڈالا۔

فرزانہ سے امیر نے پوچھا کہ تو نے کچھ سنا ہے کہ میرا لشکر کہاں ہے؟ اور عمر بن امیہ کہاں ہے؟ تب فرزانہ نے کہا۔ مدت ہوئی کہ عمر اور تمام پہلوانوں نے آکر قلعہ گھیرا ہے لیکن عمر وہاں سے

غائب ہوا تب امیر نے فرمایا کہ عمر بے شک قلعہ میں ہے۔ بعد اس کے امیر نے نشانی عمر کی لونڈیوں کو بتلا کر بازار میں روانہ کیا کہ اگر اس نشانی کا آدمی دیکھو تو بلا لو وہ لونڈیاں بازار میں گئیں اور بتلاس کیا تو عمر کو ایک بزاز کی دوکان پر بیٹھے دیکھا۔ انہوں نے کہا۔ کہ اے سوداگر۔ ہماری بی بی کچھ مال خریدنے کے لئے تمہیں بلاتی ہے۔

پس عمر ان لونڈیوں کے ہمراہ آئے اور امیر اندر چھپ گئے اور عمر کو بلا کر دیکھا اور امیر بھی آئے تب عمر امیر کے پاؤں پر گرے اور بولے کہ تم اس کونے میں بیٹھے ہو باہر چلو۔ امیر نے فرمایا کہاں بیجائیگا۔ کہا کہ آؤ میری دوکان پر چلو۔ امیر نے کہا تیری دوکان کپڑے کی ہے وہاں ہتھیار تو نہ ہوں گے۔ لوہار کی دوکان پر چل۔ جب رات ہوگی تو خدا جہاں بیجائیگا وہاں جاؤں گا۔ غرض جب رات ہوئی تو امیر اور عمر باہر نکلے اور لوہار کی دوکان پر آئے۔ اور امیر ہاتھ میں ہتھوڑا لیکر لوہا کوٹنے لگے۔ اسی وقت قارون نے نجنک مروک سے کہا۔ تو رمل میں دیکھ کہ حمزہ کہاں ہے۔

اس موذی نے جواب دیا کہ بازار میں ایک لوہار کی دوکان پر لوہا کوٹتا ہے۔ تب قارون اور نجنک سوار ہو کر لوہار کی دوکان پر پہنچے۔ قارون نے امیر کو دیکھکر کہا۔ کہ اب میرے ہاتھ سے کہاں جائیگا؟ امیر نے نعرہ مار کر کہا کہ اے کافر میں یہیں منتظر تھا۔ پس وہی ہتھوڑا لیکر مستعد ہوئے اور امیر کے نعرہ سے قلعہ بنیاد سے ہل گیا اور امیر قلعہ کا دروازہ توڑ کر اندر گیا۔ اور نوشیرواں دوسرے دروازے سے نکل کر بھاگ گیا۔ قارون نے تلوار نکال کر امیر پر حملہ کیا۔ امیر نے تلوار اس ناہنجار کی روک کر اس کے ہاتھ پر ہتھوڑا ایسا مارا کہ وہ ملعون زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ پس امیر اس کے سینہ پر بیٹھکر اسے مستحکم باندھا اور نجنک بھاگ گیا۔ امیر کے یار آکر پاؤں پر گرے اور امیر نے ہر ایک کو گلے لگایا اور فتح ونصرت کے نقارے بجوا کر اترے پھر قارون کی بارگاہ میں امیر رونق افروز ہوئے۔ اور فرمایا۔ کہ قارون کو پیش کرو۔

امیر کے حکم سے قارون کو عمر نے حاضر کیا۔ تب امیر نے اپنے ہاتھ میں لکڑی لیکر قارون کو مارنا شروع کیا اور لکڑی کے مارنے میں اس موذی کی ہڈیاں ٹوٹتی تھے۔ اور قارون زمین کو دانتوں سے پکڑتا اور ماہی بے آب کی طرح تڑپتا۔ تب امیر نے کہا کہ میں نے تجھے تمہیں کہا تھا کہ ایسا کہہ جتنا سہ سکے اب کیوں تڑپتا ہے۔ اور فرمایا کہ اگر جو تو معافی مانگے تو ابھی چھوڑ دوں گا۔ کافر نے کہا۔ کہ تم نے مجھے دربار میں بے عزت کیا ہے۔ میں معافی نہ مانگوں گا۔ اور اب یکبارگی مارنے کا حکم کر۔ کہ میں مرجاؤں۔

تب امیر نے عمر معدی کرب کو فرمایا کہ ایک گرز ایسا مار کہ یہ موذی خاک میں مل جائے
تب معدی کرب نے گرز مارا کہ وہ مر گیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر شہر کے دروازے پر لٹکایا اور شادیانے
بجوا کر امیر عیش و عشرت میں رہنے لگے اور نوشیرواں کو سنتے ہیں ایک لشکر نمودار ہوا سو دریافت
کیا تو معلوم ہوا کہ یہ لشکر ننون یعنی روئیں تن کا ہے۔ ایک کا نام سربرہنہ تلسی اور دوسرے کا نام دیوانہ
تلسی ہے اور وہ نوشیرواں کی مدد کرنے اور حمزہ کی روگرنے کو آئے۔ تب نوشیرواں پہلے خوش ہو کر
دونوں کو نوازا۔ اس وقت بختک بے دین سگ ناپاک نے کہا کہ بادشاہ حمزہ کے ہاتھ مارا جائیگا۔
پھر تو نوشیرواں ان کے ساتھ جشن میں مشغول ہوئے۔

چوونویں داستان ۵۴

راویان اخبار روایت کرتے ہیں کہ جب امیر حمزہ کا جسم زخموں سے اچھا ہوا
تو قارون کی بہن سے نکاح پڑھوا اور امیر چالیس روز حرم سے باہر نہ آئے۔ بعد اس کے باہر
آ کر عمر سے پوچھا کہ نوشیرواں کی کچھ خبر ہے کہ کہاں ہے۔ عمر نے عرض کی میں نے سنا ہے کہ وہ پہلوان
روئیں تن نوشیرواں کی مدد کو آئے۔ سواران کی قوت پر وہ یہاں سے کوس کوس پر آ کر پڑے اور امیر کے
آنے کا منتظر ہے۔ تب امیر نے معدی سے فرمایا کہ پیش خیمہ نکالو اور سعد بن عمر کو تخت پر بٹھایا اور
کوچ در کوچ کرتے ہوئے نوشیرواں کے پاس پہنچے۔
جب نوشیرواں نے سنا کہ حمزہ آیا ہے تو طبل جنگ بجوایا اور میدان آراستہ کیا اور
دونوں لشکر عرصہ جنگ میں اور سربرہنہ تلسی میدان میں آیا اور امیر کے حکم سے لندھور اس کے مقابلہ
میں گیا۔ اس نے کہا کہ اے دراز قد تو کون ہے؟ اس نے کہا میں لندھور بادشاہ ہندوستان ہوں۔ اس
نے کہا۔ لا کیا ضرب رکھتا ہے۔ لندھور بن سعدان نے کہا کہ میں پیش دستی نہیں کرتا ہوں تو مار۔ تب
اس نے لندھور کی ڈھال پر ایسا گرز مارا کہ اس کی آواز دونوں لشکروں نے سنی اور لندھور کے بدن
سے تو شرابے پسینے کے بہے۔
تب لندھور نے بھی سات سو من کا گرز غصہ سے اٹھایا اور سربرہنہ تلسی کے سر پر
مارنا چاہا تب سربرہنہ تلسی نے سر آگے کیا۔ تب لندھور نے کہا کہ اے نادان میرے گرز سے پرچ سرتو

تیغ و تبیاہ سے گر پڑا اتھا نیر اسر تو ذرہ کے مقدار اڑ جائیگا ۔

تب سر برہنہ نے کہا کہ تو لے فکر مار مجھے بھی گرز سے کچھ غم نہیں ہے ۔ تب لندھور نے بقوت تمام زور کرکے ایسا گرز مارا کہ اگر پہاڑ پر لگتا تو پہاڑ سرمہ ہو جاتا ۔ لیکن اس کو کچھ ضرر نہ ہوا ۔ بلکہ ایک ایسی آواز پیدا ہوئی جیسے پتھر پر گرتا ہے ۔ غرض لڑتے لڑتے شام ہو گئی ۔ تب دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ پر اترے ۔ حمزہ نے لندھور سے پوچھا کہ برہنہ تلسی کو کیسے پایا ۔ لندھور نے کہا کہ یہ تو آدمی نہیں ہے بلکہ دیو ہے ۔ امیر نے فرمایا کہ یہ پہلوان روئین تن ہے اور یہ اکثر ایسے ہوا کرتے ہیں ۔ جب رات گذری اور سفیدہ ہوئی تب دونوں لشکر میدان میں آئے اور سر برہنہ نے حریف کو پکارا ۔ تب امیر کے حکم سے معدی کرب نے ہزار محنت سے اس کی گرز کی ضرب کو سنبھالا ۔ سر برہنہ نے اپنے سر کو بچا کر کیا ۔ اتنے میں جنگل سے ایک گرد نمودار ہوئی اور لشکروں کے ہرکارے دوڑے اور ایک دم بھر میں گرد سے آلودہ پسینہ میں عرق واپس آئے اور دعائے جاندرازی دیکر کہا ۔

بادشاہا بارگاہت از فلک پر نور باد — داد عدلت در سرائے آخرت معمور باد
اے فریدوں ہمت و رستم دل جمشید فر — تیغ تو بر فرق دشمن با ظفر منصور باد

شہریار عالم پناہ کی عمر دراز ہے یہ لشکر شہریار کا ہے اور اس کا سردار [illegible] گزری ہے اور وہ بادشاہ ہفت کشور کی مدد کو آیا ہے ۔ تب نوشیرواں نے اپنے یہاں کے بادشاہوں کو استقبال کے لئے روانہ کیا وہ بڑی تکریم و عزت سے اسے لائے ۔ نوشیرواں نے بعد ملاقات اس کو خلعت و انعام سے خوش کیا ۔ اس کے ہمراہ چالیس ہزار سوار تھے لیکن اکو ایک سو بیس گز جست مار کر حریف کو مارتا تھا ۔ القصہ اس روز تو معدی کرب اور سر برہنہ شام تک لڑے اور رات کو اپنے لشکر میں واپس آئے اور لشکروں نے آرام کیا ۔ جب رات گذری اور صبح ہوئی تو دونوں لشکر میدان میں آئے اور سر برہنہ تلسی نے میدان میں آکر کہا کہ اے حمزہ خود کیوں نہیں آتا ۔ تب امیر نے اپنے ہتھیار بدن پر آراستہ کرکے اور اشقر پر سوار ہو کر قاتل کفار میدان میں آیا ۔

تب سر برہنہ نے کہا کہ حمزہ تو ہی ہے جو اس قدر و قامت سے عالم کو زیر کیا ہے ۔ فرمایا بفضل خدا عز و جل انا حمزہ ابن عبد المطلب اللہ تعالیٰ نے اپنی جو شریعت مجھے ہدایت کی ۔ سو امیر نے کہا ہے تو نشانات جو بہادری کا دکھلا ۔ تب سر برہنہ نے گرز اٹھایا اور امیر کے سر پر مارا لیکن سو سا [illegible] ہتھیار [illegible] امیر نے فرمایا کہ [illegible] ۔ سر برہنہ نے گرز دو گرز اور بھی مارے ۔ اور بعد اس کے [illegible] جب [illegible] تو تیروں سے

جب تیر بھی حلال فراش ہوئے تب ایک دوسرے کے کمر بند میں ہاتھ ڈالا اور عمر سے فرمایا کہ میں نعرہ مارتا ہوں۔ عمر نے اشارہ کیا اور امیر کا لشکر خبردار ہوا اور موزوں سے روئی نکال کر گھوڑوں کے کانوں میں دی۔ امیر نے نعرہ کیا اور اسے اُٹھایا اور پھرا کر زمین پر پٹکا اور باندھکر عمر کے حوالے کیا۔ پھر زبوانہ طلسمی تلوار لیکر امیر پر آیا اور حملہ کیا۔ امیر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے گھوڑے کو کسی لات ماری کہ کافر زمین پر گر پڑا۔ امیر نے اسے بھی باندھکر عمر کے حوالے کیا۔ اور آسائش کا نقارہ بجا کر اپنے لشکر میں آکر کے دنگل میں بیٹھے اور تمام عالی وموالی ارکان دولت و امیران عظام از پیر و جوان خورد و کلاں از کہ تا مہ ادنیٰ و اعلیٰ حاضر ہوئے اور دربار معمور ہوا اور ساقیان سیمین ساق و مطربان خوش حاضر ہوئے اور پیالہ ہائے مرصع کا صراحیاں جواہر نگار لائے اور مجلس میں دور چلا تب امیر نے فرمایا کہ ان دونوں کو قید سے لاؤ۔ عمر نے لاکر حاضر کیئے۔

امیر نے فرمایا کہ میں نے تمہیں کس طرح سے باندھا۔ انہوں نے کہا کہ جیسے مردوں کو شیر شیروں کو باندھتے ہیں ویسا باندھا۔ امیر نے فرمایا کہ کہو خدا ایک ہے اور دین ابراہیم علیہ السلام کا برحق ہے۔ تب انہوں نے معافی مانگی۔ تب امیر نے اپنے ہاتھوں دونوں کو خلعت پہنایا۔ اور وہ دونوں بہت خوش ہوئے۔ امیر نے ان کو جواہر نگار کی کرسیوں پر بٹھایا

پچپنویں داستان ۵۵

جب امیر نے سربرہنہ کو باندھا تو دوسرے روز کافروں کے لشکر سے طبل جنگ کی آواز آئی تب امیر نے حکم دیا کہ ہمارے نقارخانہ میں بھی کہو کہ نقیبہ ایزدی جنگ کے دمامے بجائے جب دونوں لشکر سوار ہوکر میدان میں آئے تو نقیب پکارے کہ کون ہے جو میدان میں آکر اپنے باپ دادا کا نام روشن کرے اور اپنے سردار کا حق نمک ادا کرے۔

تب الجو صمت گزری میدان میں آکر کودا اور پکارا کہ اے خدا پرستان میدان میں جاؤ۔ تب سرکپ ترک امیر کے حکم سے میدان میں گیا تو الجو نے دوڑ کر دولاتیں اور ایک چھڑی ماری سرکپ ترک بیں رحمت مثل مار سیاہ پیچ و تاب کھانے لگا اور گرز اُٹھاکر اس پر مارا۔ الجو نے پھر بدستور حیست مارکر بطور سالی عمل کیا۔ غرض اس طرح لڑائی میں تھے کہ جنگل میں سے گرد نمودار ہوئی اور لشکر ظاہر ہوا۔

دونوں طرف کے قاصد دوڑے اور پوچھا کہ لشکر کس کا ہے؟ سننے والوں نے کہا کہ یہ لشکر عادیوں کا ہے۔ اور ہزار عادی البرز پہاڑ کے دامن میں رہتے ہیں انہیں سے چار عادی آئے ہیں۔ نام کہنوم عادی۔ سنباد عادی۔ قباد عادی۔ صبا وزریں کمر نام ہے۔ اور نوشیرواں کی مدد کو آئے ہیں۔ نوشیرواں نے ان کو بلایا اور ہزار تعظیم و تکریم سے سونے کی کرسیوں پر بٹھایا اور خلعت دیئے۔ اتنے میں ایک گورخر عرب کے لشکر میں آیا اور دانتوں اور لاتوں سے عرب کے لشکر کو مارنے لگا۔ امیر نے اشقر کو اس کے اوپر دوڑایا لیکن گھوڑا اس کے نزدیک نہ پہنچ سکا۔ امیر نے غصے سے رات تک اس کا پیچھا کیا جب رات ہوئی تب اترے اور شکار مار کر کباب بنا کر کھایا۔ جب صبح ہوئی تو امیر نے چاہا کہ اپنے لشکر میں جائیں تو پھر وہی گورخر پیدا ہوا۔ تب امیر نے کہا کہ افسوس ہے یہ میرے ہاتھ سے سلامت جائے اور میری محنت برباد ہو۔

غرض دوپہر تک اس کے مگر گھوڑا دوڑایا تو وہ گورخر ایک باغ میں جا کر غائب ہو گیا۔ وہاں ایک گلہ بکریوں کا چرتا تھا۔ امیر نے دل میں قرار دیا کہ انہیں سے ایک بکرا ذبح کر کے کھاؤں جب مالک آئیگا تو قیمت دیدوں گا۔ یہ کہکر ایک بکرا ذبح کیا اور آگ سلگا کر کباب بنا کر کھائے۔ اتنے میں قندر شتربان کی نظر اس باغ پر پڑی تو دوڑا اور کہا کہ ایسا کون ہے جو اس دلاوری سے میرے باغ میں دھواں کرتا ہے۔ پرندے کا مقدور نہیں کہ میرے باغ پر اڑے۔ مگر یہ کوئی اجل رسیدہ دھواں کرتا ہے کہ اتنی جرات کی ہے۔ یہ کہکر سات سو من کا گرز اٹھا کر باغ میں آیا دیکھا کہ امیر کباب کھا رہے ہیں۔ اس نے پیچھے سے آہستہ سے آکر امیر پر ایسا گرز مارا کہ امیر کے حلق سے گوشت باہر نکلا۔ امیر نے غصے سے اٹھ کر اسے دونوں پاؤں سے پکڑ کر حوض میں ڈال دیا۔ جب وہ حوض سے باہر آیا تو کہا۔ کہ اے پہلوان عالیشان سچ کہہ کہ تو کون ہے؟ جب سے میری ماں نے مجھے جنا ہے تب سے کسی دلاور نے میری پیٹھ زمین پر نہیں لگائی۔ اور تو نے مجھے اٹھا کر گیند کی طرح پھینکا۔ اور بے آبرو کیا امیر نے فرمایا کہ میں سعد شامی برادر زادہ حمزہ کا ہوں۔

نسبہ اس نے کہا۔ کہ سوائے تمہارے گھر آنے کے دوسرے کا کیا مقدور ہے کہ مجھے گرائے میں یقین کرتا ہوں کہ حمزہ دلاور کا برادر ہوں۔ قندر نے کہا کہ اب باقی تمام عمر تمہارا ہی غلام رہونگا اب اٹھو اور میرے گھر چلو۔

امیر اس کے ہمراہ ہوئے۔ اس نے گھر میں لیجا کر کھانا کھلایا اور آرام سے بٹھایا۔ اور بڑی غمخواری و خدمتگزاری کی۔ امیر نے قندر سے پوچھا کہ یہ کونسی سرزمین ہے۔ قندر نے کہا کہ

یہ سرحد خورسند کی ہے اور اس ضلع کا بادشاہ فتحنوش ہے اور اس کی ایک دختر نیک اختر ماہ پارہ رشک افزائے زہرہ ہے اور بہت شاہ شہریار اسکی لڑکی سے منسوب ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ نیک اختر کسی کو قبول نہیں کرتی۔

امیر نے فرمایا ہمیں اس شہر کی سیر کرنا منظور ہے۔ تو قلندر نے کہا بہتر ہے۔ دوسرے روز دس بکرے ذبح کر کے گوشت ساتھ لیکر امیر کے ہمراہ چلا۔ تھوڑی دور گئے تو قلندر نے کہا کہ اے سعد بن شامی مجھے بھوک لگی ہے تب ایک جگہ وضو کر کے تناول کے لئے بیٹھے۔ امیر نے تو آہستہ آہستہ آدمیوں کی طرح ایک بکرے کے کباب کھائے اور قلندر نے ان کے ایک بکرا کھانے تک نو بکریوں کے کباب کھا گیا۔ امیر نے اس کے کھانے تک متعجب ہو کر فرمایا کہ کھانے میں تو معدی کرب کو پہنچتا ہے پھر سوار ہوئے اور چلے۔ پھر ذرا دور چل کر قلندر نے کہا کہ اے سعد شامی مجھے بھوک لگی ہے۔ امیر نے فرمایا اس جنگل میں شکار بھی نہیں ذرا صبر کر آگے جا کر شکار مار دیتا ہوں۔

اتنے میں ایک جگہ پر پہنچے۔ وہاں کاروان اترے تھے۔ قلندر نے کہا کہ اے کاروان کھانا لا۔ تب اس کا مالک اٹھ کر خدمت بجا لایا اور کھانا کھلایا۔ امیر نے کاروان سے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم مال و متاع رکھتے ہیں۔ روم سے مال خریدا ہے۔ اور شہر خورسند کو بیچا دینکا ارادہ ہے۔ لیکن اب سننے میں آیا ہے کہ قیصر روم کا ایک غلام ہو کر رہزنی کرتا ہے۔ اور نزدیک کی راہ وہی اور دوسری راہ دراز ہے۔ اس راہ سے جانے کے لئے ایک مدت چاہیئے۔

فرمایا کہ نزدیک کی راہ جاؤ اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو۔ کاروان سالار نے کہا۔ اے جوان عالیشان تو کون ہے؟ اپنے نام و نشان کا پتہ بتا۔

امیر نے فرمایا کہ اے کاروان میں حمزہ کا برادر سعد شامی ہوں۔ پھر حقیقت گورخر کی کہی۔ مالک نے فرمایا کہ مجھ میں اور عبدالمطلب میں دوستی ہے اب تم میرے فرزند کی بجائے ہو اور کاروان تمام تمہارے ہیں۔ اللہ تعالٰی کے کرم سے سلامتی کے ساتھ چلیں گے۔ تو پانچواں حصہ مال کا تمہاری نذر کروں گا۔ امیر نے فرمایا جب تم نے مجھے فرزندی میں قبول کیا اور میں نے بجائے والد کے جانا یہ کاروان جائیں اور میں جاؤں۔ اب تم خاطر جمع رکھو اور پانچواں حصہ مال کا لینا کیا ضرورت ہے؟

تب قلندر نے کہا۔ اے امیر اتنا مال کس لئے چھوڑتے ہو؟ فرمایا تم چپ رہو۔ القصہ

دوسرے روز امیر کشور گیر مع کاروان خورسند کی طرف روانہ ہوئے اور فولاد قیصر کا غلام جو رہزنی کرتا تھا اس نے سنا کہ ایک بڑا کاروان آتا ہے وہیں مع اپنے فوج کے باہر آیا۔ کاروانیوں نے انہیں آتے دیکھا تب کھڑے ہو گئے اور قلندر امیر کے حکم سے میدان میں آیا اور ادھر سے ایک چور قلندر کا مقابلہ کرنے لگا۔ قلندر نے اسے ایسا گرز مارا کہ وہ چور دوزخ کا اسباب چرانے چلا گیا۔ تب کاروان سالار بہت خوش ہوا پھر دوسرا چور آیا تو وہ بھی پہلے کے پیچھے چلا گیا۔ پھر تیسرا تو کوئی اور بخوف اجل باہر نہ نکلا۔ آخر فولاد ہی باہر آیا۔ قلندر نے اس پر بھی گرز چلایا۔ فولاد نے اس کا گرز پکڑ لیا تب قلندر نے چاہا کہ گرز فولاد سے چھین لیا۔ تب پکارا کہ اے سعد شامی میرا گرز فولاد نے پکڑ لیا تب امیر کشور گیر نے اشقر فیل زور کو دوڑایا اور نعرہ مارا۔ کہ امیر کے نعرے سے اس چور کا ہاتھ سست ہوا اور اس نے چھوڑ دیا اور تلوار نکال کر امیر پر چلائی۔ امیر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دوسرا ہاتھ کمربند میں ڈال کر محکم پکڑا اور اس کے گھوڑے کو ایسی لات ماری کہ وہ اس کے نیچے سے نکل کر دور جا پڑا اور فولاد امیر کے ہاتھ میں آیا۔ تب امیر نے اٹھا کر اسے پھرایا اور زمین پر دے مارا اور قلندر نے اس کے پاس آ کر ایک ایسا گرز مارا کہ چوروں کا سردار مردار ہو گیا۔

امیر نے فرمایا کہ اے وحشی تو نے کس لیئے مارا اگر یہ مسلمان ہوتا تو تیرا بار رہتا۔ قلندر نے کہا کہ سعد شامی وہ بڑا حرامزادہ تھا کہ میرا گرز چھین لے گیا تھا۔ میں نے جو کیا سو خوب کیا آپ فکر نہ کریں امیر نے فرمایا کہ میرے حکم بغیر پھر ایسا کام نہ کرنا۔ پھر امیر نے کاروان کو فرمایا چوروں کا تمام مال باہر نکالو۔ تب کاروان سالار نے ان چوروں کا مال و متاع زر و جواہر نکالا۔ امیر نے فرمایا کہ یہ مال خورسند تک پہنچا دو۔ تیسرا حصہ تم لو۔ کاروان نے کہا۔ کہ یہ حکم امیر کا بسر و چشم منظور ہے۔ اور تمام مال لے کر امیر کے ہمراہ چلے۔ اور بعد کئی دن کے خورسند میں پہنچے۔ امیر نے وہاں پہنچ کر جشن کیا اور فقیروں و غریبوں پر مال صرف کرنے لگے اور امیر کی بخشش کا آوازہ تمام عالم میں منتشر ہوا۔ غرض تمام خلقت امیر کی داد و دہش سے مالا مال ہوئی۔ غرضیکہ شیخ نوش کی ایک بیٹی راجہ پالاس پوس نام کی تھی اور امیر کی جوانمردی سن کر بدرت سے عاشق صادق ہو کر بحالت فراق امیر کی تلاش میں رہتی تھی اور امیر کی تصویر بنوا کر ہمیشہ اپنے سامنے رکھتی تھی اور اپنے دل کا سوز اس تصویر بے نظیر سے ظاہر کر کے خون جگر پیتی اور باندیوں کو کہتی کہ اگر اس شکل کا آدمی دیکھو تو اسے بلا لاؤ۔ کیونکہ میں اس سے شادی کروں گی۔ شاہ فرنگ نے کتنی مرتبہ اس لڑکی فتنمونش سے شادی کرنا چاہا تھا مگر وہ عورت نیک سیرت اس کافر کو قبول نہ کرتی تھی اور اس شہر میں جو مسافر آتا باندیوں کے ہاتھ سے بلا کر دیکھتی اور نجومیوں سے سنتی تھی کہ میں امیر سے

یہیں ملوں گی اور اس امیدواری پر امیر کے وصال کی امیدوار تھی۔ اس نے جب امیر کی بخشش کی آواز سنی تو لونڈیوں کو امیر کی تلاش کے لئے بھیجا۔

جب انہوں نے امیر کی صورت دیکھی تو یقین کیا کہ حمزہ یہی ہے۔ تب جا کر اس لڑکی سے بولی مبارک ہو کہ حمزہ آیا ہے۔ کیونکہ جو صورت تو نے بنوائی ہے اس کے موافق ہے۔ تب وہ لڑکی شاد ہوئی اور خدا کا شکر بجا لائی۔

پس انہی دنوں میں فرنگی کا لشکر بھی آیا اور ولایت خراب کرنے کو چاہا۔ تب تمام خلقت قلعہ میں آئی اور فتحنوش سے کہا کہ فرنگی نے اپنا لشکر اس ملک پر نامزد کیا ہے اور اس کا بڑا بیٹا تنشام لشکر کا سردار ہے۔ لشکر نزدیک پہنچا امیر کے کان میں جو لشکر کے آنے کی خبر پہنچی تو امیر نے کہا کہ اے قلندر اشقر پر زین کر دو کہ فرنگیوں کو جہان سے اٹھاؤں۔ قلندر نے زین باندھا اور آپ نے ہتھیار باندھے اور امیر کے ہتھیار بھی لایا۔ امیر نے تمام اسلحہ بدن پر آراستہ کئے اور اشقر پر سوار ہو کر دروازہ کے پاس آئے اور دربانوں سے فرمایا کہ دروازہ کھولو۔ تو میں باہر جاؤں۔ لوگوں نے کہا کہ یہ مرد دیوانہ ہے کہ جو باہر جاتا ہے۔ امیر نے ہر چند کہا لیکن کوتوال نے دروازہ نہ کھولا۔ تب قلندر نے اس کو ایک مکا ایسا مارا کہ وہ مر گیا اور دروازہ کھول کر امیر کے ساتھ باہر آیا۔ امیر نے فرمایا اے بد بخت تو نے اس ضعیف کو کیوں مارا؟ قلندر نے کہا کہ کیوں نہ مارتا کہ وہ دروازہ نہیں کھولتا تھا جب یہ خبر فتحنوش کو ہوئی کہ ایک مسافر مرد ایک حبشی آدمی کے ساتھ لڑائی کے واسطے باہر جاتا ہے۔ تب فتحنوش آپ سوار ہو کر آیا اور امیر سے بہت معذرت کی اور کہا اے جوان تو نے ہمارا کچھ کھایا پیا نہیں اور نہ لشکر تیرے ساتھ ہے تو مرنے کو کیوں جاتا ہے؟ اگر تو کہے تو ہم بھی تیرے ساتھ چلیں اور سارا لشکر منگائیں۔ لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ تو باہر نکلے اور مارا جائے۔ کیونکہ ہم تھوڑے اور فرنگی بہت ہیں۔

امیر نے فرمایا کہ تم کچھ نہ کرو اور باہر بھی نہ آؤ مگر قلعہ پر کھڑے ہو کر تماشہ دیکھو۔ اور جب ان کو بھاگتے دیکھو تو تم اونٹنے کو آؤ۔ اور مارو اور گھوڑوں کو پکڑو۔ فتحنوش نے قبول کیا۔ پس امیر حمزہ اور قلندر قلعہ سے باہر آئے۔ فتحنوش کی بیٹی جو عاشق امیر تھی نے یہ خبر سنی کہ وہ شخص اکیلا لڑنے کو آیا ہے تو اس نے بزرگان قاضی الحاجات دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور بہت سا مال خیرات کیا اور قلعہ کے دروازہ کے بالاخانہ پر دیکھنے کو کھڑی ہوئی۔

جب فرنگیوں نے امیر اور قلندر کو آتے دیکھا تو سمجھا کہ یہ دونوں سوار صلح کے لئے

آئے ہیں۔ جب نزدیک پہنچے تو قندر پکارا کہ اے کافرو تم میں سے جس کو آرزوئے مرگ ہے وہ میدان میں آئے۔ تب نیستان فرنگی ہنسا اور کہا۔ جاؤ دیکھو کہ کیا کرتا ہے۔ تب فرنگیوں کا ایک سوار آیا اور آ کر ابھی تک اچھی طرح کھڑا نہ ہوا تھا کہ قندر نے اسے ایسا گرز مارا کہ وہ مع گھوڑے کے چت ہوا۔ تب ایک سوار آیا اور آ کر ابھی تک اچھی طرح کھڑا نہ ہوا کہ قندر نے اسے بھی مارا۔ تب فرنگی حیران ہوا کہ یہ کیا بھید ہے اور خورسند کے لوگ ہنسنے لگے اور بہت خوش ہوئے۔

تب فتحنوش نے کہا کہ اے وزیر یہ دونوں کہاں سے آئے ہیں اور کون ہیں۔ وزیر نے کہا کہ اب تک ہم انکو کاروان جانتے تھے لیکن کاروانوں سے ایسی مردمی ہونا عجب بات ہے۔ تب فتحنوش نے کاروانوں کو بلا کر پوچھا کہ یہ جوان جو تمہارے ساتھ ہے کون ہے؟ تب انہوں نے کہا کہ اسے بادشاہ سعد شامی برادر حمزہ ہے اور قندر وحشی کا رفیق ہے۔ برادر حمزہ ہمکو چوروں کے ہاتھ سے بچا کر یہاں لایا ہے۔ کہ گویا ہمکو خرید لیا ہے۔ تب فتحنوش نے کہا کہ سوائے ان کے ایسا کام کون کر سکتا ہے؟ اگر یہ جوان ایسی بہادری نہ کرے تو کون اس کو برادر امیر کا جانے۔ اب تک ہم اس سے بیخبر اور غافل تھے اسلئے کچھ خدمت نہ کی۔ اگر وہ سلامتی سے زندہ آیا تو انشاء اللہ ہم خدمتگذاری بجا لائینگے۔ تب سالار کاروان نے کہا کہ تم تماشہ دیکھو کہ وہ فتح کر کے پھرتا ہے اور فولاد کے گرز کا تماشہ بیان کیا۔ اس عرصہ میں اور فرنگی میدان میں آیا۔ قندر نے اسے بھی جہنم رسید کیا۔

روایت ابن عباس سے یوں ہے کہ قندر نے چالیس روز تک فرنگیوں کو دوزخ میں روانہ کیا۔ تب نیستان فرنگی کو طاقت نہ رہی اور گھوڑا میدان میں چلایا۔ قندر نے کہا کہ اے سعد شامی جلد آؤ کہ یہ کافر زور سے میرے گرز کو چھین لے گا۔ تب امیر میدان میں چلا اور نعرہ مارا کہ سولہ کوس تک زمین و زماں کوہ و بیابان جنبش میں آئے اور اس کافر کا ہاتھ مع تلوار زمین پر پڑا۔ تب وہ بھاگ گیا پھر امیر نعرہ مار کر کافروں پر پڑے اور بہت کافروں کو مردار کیا اور کافر طاقت نہ لا کر بھاگ گیا۔ امیر نے ان کا پیچھا کیا اور قندر بھی مارنے لگا۔

فتحنوش نے جب یہ حال دیکھا تو فوراً قلعہ کا دروازہ کھولا اور لشکر معیت امیر کے ہمراہ ہو کر کافروں کو مارنے لگا۔ اور تمام لشکر کافروں کے مال و اسباب لوٹ کر جمع کیا۔ تب دختر فتحنوش نے اپنا خزانہ نکال کر غریبوں کو تقسیم کیا۔ پھر امیر نے چار کوس تک کافروں کو مارا اور رات کا تعاقب کر کے فتح و نصرت سے واپس آئے اور اسے گلے لگایا۔ تب فتحنوش نے گھوڑے، اسباب مال و متاع فرنگیوں کا امیر کے آگے لا رکھا۔ اس وقت امیر نے فرمایا کہ میں کیا کروں گا یہ تمام سامان اپنے لشکر کو بانٹ دو

قلندر نے کہا کہ اے سعد شامی آشنائی کیوں برباد کروں۔ امیر نے کہا کہ اگر تو دم مارے گا تو مار ڈالوں گا۔ قلندر نے کہا کہ پھر فتحنوش امیر کو شہر میں لے گیا اور اپنے دربار میں لیجا کر کہا کہ اے پہلوان تخت پر بیٹھ۔ امیر نے فرمایا کہ بھائی میں تخت پر کیونکر بیٹھوں۔ پھر امیر نے ہاتھ پکڑ کر فتحنوش کو تخت پر بٹھایا اور آپ کرسی پر بیٹھے اور مجلس آرائی کا حکم کیا اور خاصہ تناول فرمایا۔ اس کے بعد شراب کا دور ہوا تب ہر شخص شراب پی کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھکر کچھ باتیں کرنے لگا۔ فتحنوش کے ایک پہلوان نے جو اوپر نظر کی تو قلندر کو بلند مرتبہ پر دیکھکر کہا۔ تو اپنے سے بڑے مرتبہ پر بیٹھا۔ تو غلام ہے تیرا صاحب کو بلند مرتبہ بٹھانا لائق ہے۔ قلندر اس کے کہنے پر جوش میں آیا اور ہاتھ لمبا کرکے اسکی کمر بند میں ہاتھ ڈالکر کرسی سے اٹھاکر زمین پر پچھاڑا اور اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ تب پہلوان نے قلندر کو مکے مارے پھر قلندر پکارنے لگا۔ اس وقت امیر دوڑے اور کہا اے فرنگی مکے کیوں مارتا ہے؟

تب پہلوان نے قلندر کو چھوڑ دیا اور امیر کی طرف پھرا اور کہا۔ اے سعد شامی اگر مرد ہے تو جلد آکر مجھ سے پنجہ کر۔ امیر نے ہاتھ لمبا کیا اور کہا کہ زور کر۔ پہلوان نے ہر چند زور کیا مگر امیر کی ایک انگلی بھی نہ ہلا سکا۔ جب امیر نے دو انگلیوں سے زور کیا تو پہلوان پکارنے لگا۔ امیر ہنسے اور اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور اپنی کرسی پر بیٹھے۔ القصہ امیر چند روز فتحنوش کے پاس جشن میں رہے۔ ایک روز فتحنوش نے اپنے وزیر کو بلایا اور کہا کہ اگر یہ شخص میرا داماد بنے تو خوب ہے لیکن پہلے یہ بات ہے کہ میری لڑکی کے پاس جاؤ اور کہو کہ ایک جوان حمزہ کے بھائی بندوں سے آیا ہے اگر تو اسے قبول کرے تو اس کے ساتھ تیرا نکاح کر دیا جائے۔

تب وزیر بادشاہ کے حکم سے اس لڑکی کے پاس گیا اور اس نے امیر کا نام سنتے ہی قبول کیا وہیں شادی کی بنیاد ڈالی۔ اور جشن میں بیٹھے اور تمام شہر کو آراستہ کیا۔ تب مبارک دن اور گھڑی دیکھکر شادی شروع کی۔ جب نکاح کا دن آیا تو اس وقت امیر نے عمر بن عمیہ کو یاد کیا اور کہا کہ میرا اور میرے یاروں کا نکاح عمر بن عمیہ پڑھا کرتا ہے اب اسے کہاں سے لاؤں؟

امیر یہ کہہ ہی رہے تھے کہ ادھر عمر بھی لشکر سے نکل کر امیر کی تلاش میں تھے۔ یہاں تک کہ وہ قلندریں پہنچے اور پوچھا کہ یہاں حمزہ آیا تھا؟ وہاں کے لوگوں نے کہا کہ حمزہ تو نہیں آیا مگر اس کا بھائی جو اپنے لشکر سے آیا تھا اور اپنے آپکو سعد شامی کہلاتا تھا جو قلندر کو ساتھ لیکر خورسند کو گیا ہے۔ تب عمر نے اسی وقت خورسند کی راہ لی اور تھوڑے عرصے کے بعد فتحنوش کے دربار میں آیا۔ اور دربانوں نے جب عمر کو دیکھا تو ہنستے ہنستے بیہوش ہوئے اور کہا کہ یہ مرد عجیب ہے اور کہاں سے

آیا ہے۔ عمر نے کہا۔ کہ تمہارے شہر میں کیا ہے جو آئینہ بند کر کے زینت کی ہے۔ تب وہ بولے کہ حمزہ کا بھائی یہاں آیا ہے اور بادشاہ کی لڑکی کی شادی اس سے قرار پائی ہے سو آج اس کا نکاح ہے۔ تب عمر نے کہا۔ کہ جاؤ فتنخوش سے کہو کہ میں سعد شامی کا صاحب ہوں اور وہ میرا غلام ہے جو مجھ سے بھاگ کر یہاں آیا ہے اور تم نے اسے داماد ی میں کیا ہے۔ تم پہلے میرے مال کا مول دو۔ دربانوں نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کی کہ ایک عجیب وضع کا آدمی آیا ہے۔ جو رنگ کا کالا، قد تیرہ گز لمبا اور سر پر پانچ گز بلند کی ٹوپی اور اس پر لومڑی کی دم طرہ لگا ہے اور وہ دُم ہمیشہ ہلتی رہتی ہے۔ اور بدن پر سگ قبا تن پر پہنے ہوئے اور زنبیل و توبرہ گلے میں ڈالا ہوا اور ٹوپی سے کان شانے پر لٹکائے ہوئے اور کاغذی ڈھال پشت پر ڈالے ہوئے اور کتنے تیر پر و پیکاں اور اٹھارہ من کی ایک چھری کمر باندھے اور بارہ من کی چھری ہاتھوں میں لئے باہر کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ میں سعد شامی کا صاحب ہوں۔ امیر نے جب یہ باتیں سنیں تو جلدی سے دربانوں کے ہمراہ باہر آئے اور عمر کو لیکر اندر گئے تو وہاں کے لوگ عمر کو دیکھتے اور ہنس ہنس کر بے ہوش ہونے اور کہنے لگے کہ یہ عجیب آدمی ہے۔ تب امیر نے عمر کو اپنے پاس بٹھایا۔ آخر فتنخوش کو ضبط نہ رہا پوچھا یہ کون ہے؟ امیر نے کہا کہ یہ نوشیرواں کا مسخرہ ہے اور میری خبر سُن کر یہاں آیا ہے۔

عمر نے سُن کر کچھ نہیں کہا۔ جب نکاح کا وقت آیا تو امیر نے کہا۔ کہ اے مسخرے جا اور ایک دانشمند مرد پیدا کر کے لا جو ابراہیم کی ملت دین پر نکاح باندھے۔ عمر وہاں سے ایک کونے میں گیا اور اپنا لباس چھپایا اور ایک جبہ کہ جس کی آستینوں میں ایک ایک اونٹ چھپ رہے پہن کر اور گنبد کی طرح پگڑی باندھکر اور عصا ہاتھ میں لیکر لنگڑاتے ہوئے آئے۔ امیر ان کو دیکھکر اُٹھے اور ان کے ساتھ تمام حاضرین مجلس بھی اُٹھے اور تعظیم و تکریم سے بٹھایا۔ وہاں کے لوگ آپس میں کہنے لگے کہ ایسا شخص تو ہمارے شہر میں ہرگز نہیں ہے۔ نہ معلوم یہ کہاں پیدا ہوا۔ امیر نے دانشمند کو اپنے مرتبہ سے بلند بٹھایا پھر فتنخوش نے ہزار درم ہدیہ نکاح خوانی کا لایا۔ دانشمند نے کہا کہ میں یہ ہرگز نہیں لوں گا۔ اگر پانچ ہزار درم دیگا نکاح پڑھونگا تب قندر نے کہا کہ بوڑھے اگر ہزار درہم تیرے کام کے نہیں تو مجھے دے۔ عمر نے اسی وقت ہزار درہم کو اُٹھا کر اس پر ایسا پھینکا کہ قندر کا منہ بگاڑ نے لگا اور ساری مجلس ہنسی۔

تب قندر نے شرمندہ ہو کر کہا۔ کہ اے بوڑھے ذرا ٹھیر کر جب تو دربار سے باہر نکلیگا تو تجھے سمجھوں گا اور چاشنی دکھاؤں گا۔

تب فتحنوش نے کہا کہ اے سعد شامی یہ کہاں سے پیدا ہوا ؟ امیر نے کہا کہ مردان غیب کے مردوں میں سے ہے۔ تب قلندر نے کہا کہ وہ مسخرہ کہاں گیا کہ میں اس سے سمجھوں گا کہ اس مچاور کو کیوں لایا ہے۔ غرض دانشمند نکاح پڑھکر باہر گیا اور قاضیانہ لباس دور کر کے عُمر اپنی عیاری کے لباس میں سے مجلس میں کود دے اور قلندر کے سر پر رکھکر پاؤں اوپر کو کر کے عیاری کا ہاتھ دکھایا۔ اور ایسا چاہا کہ مجلس ہنستے ہنستے بےہوش ہوئی۔ اور فتحنوش عمر کے کام کو دیکھکر بہت خوش ہوئے اور تعریف کرنے لگے۔ اور اس کے امیروں نے کہا کہ عجیب آدمی ہماری مجلس میں آیا ہے۔ بعد اس کے شراب کے پیالے بھرنے لگے۔ تب عمر رباب پر ہاتھ لیجا کر ایسا بجایا کہ ساری مجلس میں واہ واہ ہوئی۔ پھر پیالہ بھرنے لگا۔ تب عمر مجلس میں ناچنے لگے اور دیکھنے والے حیران ہوکر جائے اور پگڑیاں عمر کو دینے لگے۔

تب قلندر نے کہا کہ اے سعد شامی یہ مسخرہ آدمی نہیں ہے کیونکہ ایسا گانا بجانا انسان کا کہاں ہے؟ پھر کتنے روز بدستور گزر گئے۔ تب امیر نے عمر کو فرمایا کہ تو لشکر میں جا اور میں بھی روزوں میں آتا ہوں۔ تب عمر امیر سے وداع ہوئے اور امیر یہاں رابعہ پلاس پوش سے عیش میں رہے۔ خدا کی قدرت کاملہ سے رابعہ حاملہ ہوئی۔ تب امیر نے فرمایا کہ اے رابعہ تمہارے فرزند لڑکا ہوگا تو میں دیکھکر جاؤں گا۔ تب رابعہ بولی کہ اے امیر البتہ اللہ تعالیٰ فرزند عطا کرے گا۔ کیونکہ میں عنایت خدا کی بہت منتظر تھی اور تمہارے فراق میں پلاس پہنتی تھی۔ اس صبر کے عوض خدا تعالیٰ نے مجھکو فرزند عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

۵۶ چھپنویں داستان

جب رابعہ سے امیر عیش میں تھے تو فتحنوش کا ایک بھائی خورسند کے قریب کسی شہر میں رہتا تھا اور رابعہ کو اپنے فرزند کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا اور رابعہ کو انکار تھا۔ فتحنوش کے برادر نے سُنا کہ ایک مسافر حمزہ کا بھائی ہوں کہتا ہے اس کے ساتھ رابعہ کی شادی کر دی گئی۔ تب اس نے فتحنوش کو خط لکھا کہ۔ آپکا داماد دیکھنے کی مجھے آرزو ہے مہربانی کر کے انہیں ادھر روانہ فرما دیں تو عین سرفرازی ہے۔

جب فتحنوش کے پاس بھائی کا خط آیا تو امیر سے کہا۔ امیر نے قبول کیا اور قلندر کو

ہمراہ لیکر گئے وہ استقبال کو آیا اور ہزار تعظیم و تکریم سے امیر کو دربار میں لیجا کر بڑی عزت سے بٹھایا۔ اس کے شہر کے نزدیک اژدھا رہتا تھا جو ہر برس کے بعد غار سے سر اٹھاتا اور اسکی پھونک سے سات کوس تک آگ جا لگتی اور سب کچھ جل جاتا۔ اور جب سانس اندر کھینچتا تو اس میدان میں جو چرند، پرند یا آدمی و چوپائے وغیرہ ہوتے تمام اس کے منہ میں جا پڑتے تھے۔ اس روز شہر میں بڑا شور تھا تو امیر نے ان سے پوچھا کہ یہ شور و غوغا کیسا ہے۔ تب انہوں نے اژدہا کی حقیقت بیان کی۔

امیر نے فرمایا کہ میں جو اتنے خرسند میں تھا مجھکو خبر کیوں نہ کی۔ یہ کہکر اسی وقت قندر کو ہمراہ لیکر ادھر کو گئے اور فتحنوش کا بھائی اور شوقین تماشہ دیکھنے کے لئے باہر نکلے۔ جب امیر نے دیکھا کہ اژدہا دم کھینچتا ہے تو اشقر کو قندر کے حوالے کیا اور آپ تلوار کھینچکر اسکی طرف چلے اور نزدیک پہنچکر ایک ایسی تلوار ماری کہ اژدھا کٹ کر برابر دو ٹکڑے ہوا۔ اور اتنا دھواں اٹھا کہ امیر کو کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ جب ہوا نے دھوئیں کو دور کیا تو امیر سلامت باہر آئے اور آدمیوں کے ہجوم میں آ ملے۔ تب فتحنوش کا برادر اور تمام خلق اللہ اژدہا کے پاس آئے اور امیر کے فرمانے کے مطابق دیکھکر متعجب ہوئے۔ تب اس نے تمام حقیقت فتحنوش کو لکھی فتحنوش نے شادیانے بجوائے۔ امیر چند روز وہاں رہے اور پھر خورسند کو تشریف لائے اور عیش میں رہے۔ ایام معہود کے بعد رالعہ کے بطن سے فرزند ارجمند چہرہ خورشید مہ پارہ پیدا ہوا۔ امیر نے اس فرزند کا نام عالم شاہ رومی رکھا اور فرزند کے دیدار فرحت آثار سے مسرور ہوئے اور جشن کرائے۔ اور فتحنوش نے خزانہ کھول کر غریبوں کو تقسیم کیا۔ چالیس روز کے بعد امیر نے فتحنوش کو فرمایا کہ تمام کافر جمع ہو رہے ہیں اور میرے بغیر پراگندہ خاطر ہوں گے اس لئے میں جاتا ہوں اور جب یہ فرزند خدا کے کرم سے جوان ہو تو حمزہ کے لشکر کو روانہ کرنا۔ اس کے بعد فتحنوش نے بعد پابوسی کہا کہ اب آپ فرماؤ کہ آپ حمزہ ہی ہیں یا کہ نہیں۔ تب امیر نے اقرار کیا کہ میں ہی حمزہ ہوں۔ پھر فتحنوش بہت خوش ہوا اور قندر تو مارے خوشی کے ناچنے لگی اور کہا کہ سوائے حمزہ کے دوسرے کا کیا مقدور ہے کہ مجھے باندھے۔

جب رالعہ نے حقیقت سنی تو شکرانہ خدا کا ادا کیا اور شادیانے بجوانے کے واسطے حکم دیا۔ تب امیر رالعہ سے وداع ہو کر مع قندر روانہ ہوئے اور منزل بمنزل مراحل طے کرنے لگے۔ ادھر امیر کے لشکر میں لڑائی [illegible] ہر روز [illegible] اور امیر کے یاروں [illegible] اور [illegible] سے ہر روز جنگ کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک روز دونوں لشکر میدان میں کھڑے تھے تب ایک گرد نمودار ہوئی تب سب اس گرد کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب غور دیکھا تو معلوم ہوا کہ حمزہ مع قندر آتے ہیں۔ تب عمر کا

تمام لشکر دوڑ کر امیر کے قدموں پر گرا اور امیر نے بھی ہر ایک کو گلے لگایا اور علم اژدہا کے نیچے کھڑے ہوئے
الجو شصت گزی میدان میں آیا اور امیر کے حکم سے قندر بھی میدان میں آیا۔ الجو نے بدستور جست مار کر
اُترتے وقت دو تین اور ایک زخم چھڑے کا مارا۔ قندر اس کے درد سے سانپ کی مانند تڑپا اور چند
چاہا کہ اسے پکڑے لیکن کچھ نہ ہو سکا اور شام تک یہ دونوں جنگ کرتے رہے اور مغرب کے بعد دونوں
لشکر اپنے اپنے مقاموں پر اُترے اور دوسرے روز پھر میدان میں آ کھڑے ہوئے۔ تب الجو آ کر
میدان میں پکارا کہ اے حمزہ اگر مرد ہے تو میدان میں آ۔

پس امیر کشور گیر جہانستان ہتھیار باندھ کر اشقر دیو زاد پر سوار ہو کر میدان میں آئے
الجو اپنی عادت کے موافق اُڑا اور امیر کو لاتیں ماریں۔ امیر نے کچھ نہ کہا۔ بلکہ فرمایا کہ دو حملے اور بھی مجھے
دیجئے۔ دوسری مرتبہ الجو نے پھر سے امیر کو دو لاتیں ماریں مگر امیر نے کچھ نہ کہا۔ پھر الجو تیسری بار بدستور
سابق اُڑا اور اُترتے وقت امیر کو لاتیں ماریں۔ امیر کو غصہ آیا اور اس کے پاؤں پکڑ کر ایسا پھرایا کہ الجو شصت
تیسری بار بدستور سابق اُڑا اور اُترتے وقت امیر کو لاتیں ماریں۔ امیر کو غصہ آیا اور اس کے پاؤں پکڑ کر
ایسا پھرایا کہ الجو شصت بے ہوش ہوا اور اس کو زمین پر دے مارا اور عمر بن عیار نے دوڑ کر فوراً باندھا اور
لشکر میں لانے کے واسطے اُٹھانے لگا تو الجو ہرگز نہ اُٹھا۔ تب عمر نے کہا اُٹھ نہیں تو آپ ہی دوڑا جائے گا
تب الجو نے کہا مجھے کون بھگا سکتا ہے۔ تب عمر نے توبرہ میں سے سوا نکال کر اس کے چوتڑوں پر چبھویا
پھر تو اُٹھ کر بھاگنے لگا اور تمام لشکر ہنسا اور دونوں لشکروں میں شور ہوا۔ پھر دونوں لشکر اپنے اپنے
مقام پر اُترے اور رات کو آرام کیا۔

امیر مجلس آراستہ کر کے پہلوانی کی کرسی پر بیٹھے اور الجو کو بلا کر فرمایا کہ میں نے
تجھے کیونکر باندھا۔ اس نے کہا کہ جیسا انصاف تھا ویسا باندھا۔ تب امیر نے فرمایا کہ اول خدا ایک ہی
اور دین حضرت ابراہیم برحق ہے۔ الجو نے صدق دل سے معافی مانگی۔ تب امیر نے اس کے بعد بند دور
کیے اور خلعت مرحمت فرمایا۔ اور عمر نے حلقہ زرین غلامی کا نشان اس کے کان میں ڈالا۔ تب الجو نے
عمر عیار سے کہا کہ میرے لشکر کو بلاؤ۔

یہ سن کر عمر اس کے لشکر کو لایا اور آتے وقت یہ سپاہی بہت کافروں کو مار کر
آئے۔ اور امیر جہانگیر عیش میں رہنے لگا۔

ستانویں ۹۷ داستان

جب امیر کشور گیر جہانستان انجو کو قابو کر کے فارغ ہوئے تو چند روز عیش میں رہے ایک روز خواجے خبر لائے کہ آپ کے ہاں فرزند ارجمند پیدا ہوا۔ امیر نے خوشی کی نوبت کا حکم دیا۔ اور جشن کیا اور بی بی نے فرزند ارجمند کے گلے میں ایک من سونے کی ہنسلی ڈالی اور سعد طوطی نام رکھا۔ اور نہایت خوشی اور کوشش سے پرورش کرتی رہی۔ ایک روز امیر مع لشکر میدان میں آئے اور کافر بھی اپنا لشکر میدان میں لائے اور صفیں آراستہ کیں۔ اور کافروں میں سے عادی میدان میں آیا اور ادھر سے بحکم امیر استفتانوش پہلوان میدان میں آیا اور عادی سے لڑنے لگا۔ کہ اتنے میں جنگل سے گرد پیدا ہو کر ایک لشکر نمودار ہوا۔ دونوں طرف سے جاسوس دوڑے اور دریافت کرنے سے معلوم ہوا۔ کہ یہ لشکر روم کے شہزادے کا ہے اور حمزہ سے لڑنے کو آیا ہے۔ تب وہ لشکر ان دونوں لشکروں کے درمیان آ کھڑا ہوا۔ تو سب نے دیکھا کہ چالیس ہاتھی ہیں جنکی سونڈیں رنگی ہوئی اور ان کے دانتوں پر سنہری بند لگے ہوئے ہیں اور مستک پر زلفت ہیکل بے جواہرات اور آویزاں اور زردوزی جھولیں کلابتونی ڈوریوں سے کسی ہوئی لٹکتی ہیں۔ اور فیل بان ہاتھوں میں سونے پولے کی کجیانکیں لئے بیٹھے ہیں اور تمام مسلح اور مکمل رہے لشکر کفار یہ رنگ دیکھ کر دنگ ہو گیا۔

اس عرصہ میں شہزادے نے نوشیرواں سے آکر کہا کہ پہلوان کو بھیج تب وہاں سے ایک عادی نوشیرواں کے حکم سے آیا اور گرز گراں چلایا۔ شہزادے نے ایک ہاتھ سے اس کا گرز پکڑ کر دوسرا عادی کے کمند کمربند میں ڈال کر اٹھا کر ایسا مارا کہ اسکی کمر کی ہڈی ثابت نہ رہی۔ تب دوسرا عادی بدستور مردار ہوا۔

راوی نے لکھا ہے کہ سات عادی اس وقت آئے اور سب نے جہنم کی راہ لی۔ تب اس شہزادے نے عرب کے لشکر کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے حمزہ کوئی اپنے لشکر کا پہلوان بھیج تب امیر کے حکم سے فرہاد بن لندھور میدان میں آیا۔ شہزادے نے ایسا گرز مارا کہ فرہاد بن لندھور کا ہاتھی گر کر مر گیا۔ اور فرہاد نیچے گرا۔ اور گرز تیسرا چاہا کہ شہزادے کا گھوڑا اٹکلے کرے۔ شہزادے نے فی الحال اڑا کر گھوڑا الٹا پیچھے کر لیا۔ تب فرہاد نے دوسرا ہاتھی منگایا اور سوار ہو کر سامنے آیا۔ تب شہزادے نے دوڑ کر ہاتھی کا تنگ پکڑ کر اٹھایا اور اوندھا مارا۔ تب تو لشکر حمزہ میں شور محشر بپا

ہوا لیکن فرہاد سلامت رہا۔ تب شہزادے نے کہا کہ اے فرہاد اب تو جا اور عمر معدی کرب کو بھیج۔ تب لپر لندھور نے آکر امیر سے کہا کہ وہ شہزادہ معدی کو بلاتا ہے۔ جب امیر کے حکم سے عمر معدی میدان میں آیا تو شہزادے نے اسے زمین پر دے مارا اور کہا کہ تو بھی جا اور سعد بن عمر بن حمزہ کو بھیج۔ عمر نے آکر امیر سے عرض کیا۔ امیر نے فرمایا وہ لشکر کا بادشاہ ہے۔ وہ کیونکر جنگ کریگا۔ یہ خبر سعد بن حمزہ کو پہنچی تب ہر چند امیر نے منع کیا۔ مگر امیر کا کہنا نہ سنا اور میدان میں آیا اور دونوں شہزادوں نے اتنا زور کیا۔ کہ دونوں کے گھوڑوں نے زانو زمین پر لگا دئیے۔ تب رستم پیلتن نے ہاتھ کمر سے چھوڑ کر فرمایا کہ تو جا اور حمزہ کو بھیج۔ سعد بن عمر آیا اور حمزہ سے بولا کہ دادا جان وہ پہلوان آپکو بلاتا ہے۔ تب امیر میدان میں آئے شہزادے نے امیر کو دیکھکر گھوڑا دوڑایا اور دوال کمر میں ہاتھ ڈال کر اتنا زور کیا کہ دونوں گھوڑے چلائے اور زانو زمین پر لگا دئیے۔

تب امیر نے نعرہ مارکر اللہ اکبر کہا اور رستم پیلتن کو اٹھایا اور پھر زمین پر ڈالا۔ اور ذبح کرنا چاہا۔ تب رستم پیلتن بولے کہ حمزہ میں تیرا فرزند ہوں۔ اگر مارے گا تو تو پچھتائیگا۔ تب امیر نے فرزند کو گلے لگایا۔ اور پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ وہ بولا کہ عالم شاہ رومی کہتے ہیں۔ تب امیر نے اس کو رستمی کا خطاب دیا۔ اور کہا کہ تم بے ادبی کیوں کی؟ تب رستم پیلتن نے کہا کہ میں سنتا ہوں کہ آپ کے فرزندوں میں جو آتا ہے وہ زور آزمائی کرتا ہے۔ اس واسطے میں نے بھی اپنی مردمی کا نشان ظاہر کیا

غرض امیر نے نوبت خوشی کی بجائی اور سب کو جشن میں داخل کیا اور تمام رات گذاری جب صبح ہوئی تو دونوں لشکر میدان میں آئے اور ایک عادی سوار ہو کر معرکہ میں آکھڑا ہوا۔ اور ادھر سے رستم پیلتن باپ کا حکم لیکر میدان میں گئے۔ جب عادی نے حملہ کیا تو عالم شاہ نے اسکی ضرب روکی اور تلوار سے اس عادی کو لکڑی کیطرح کاٹ کر دو ٹکڑے کیا اور پھر گھوڑے پر چڑھکر کافروں کو مارنے لگا۔ جب امیر نے یہ حال دیکھا تو یاروں کو فرمایا کہ تم کے ساتھ میدان جنگ میں جاؤ۔ تب عرب و عجم کے لشکر نے شامل ہو کر اتنی جنگ کی کہ کافروں کو جنگ کی تاب نہ رہی آخر بھاگنے لگے اور عربیوں نے چالیس کوس تک ان کا پیچھا کیا۔ پھر فتح و نصرت سے رستم مع لشکر واپس آکر باپ کے حضور میں آداب بجا لائے۔ امیر نے فرزند کو گلے لگایا اور تمام روز جشن میں رہے۔ اور نوشیرواں بھاگ کر قیمار خاوری کے گھر گیا۔ اور وہاں کا بادشاہ ہوشکربا ہو آیا اور آکر بادشاہ کا استقبال کیا اور لیجا کر تخت پر بٹھایا اور بولا کہ اب تو بے فکر رہ۔ حمزہ اگر یہاں آیا تو جان سے مارا جائیگا۔

اٹھاونویں داستان

جب امیر جشن سے فارغ ہوئے اور نوشیرواں نے خاورشاہ کی پناہ لیکر منتظر امیر کے آنے کا رہا۔ تب امیر نے دوسرے روز کوچ کیا اور منزل و مراحل طے کرکے خاور کی سرحد میں پہنچے اور عباس کو فرمایا کہ خاورشاہ کو نامہ رقم کرو۔ اور عباس نے خط اس مضمون ہدایت مشحون کا لکھا۔ کہ

بعد حمد خداوند نعت حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے شاہ مردان در شیر مردان حمزہ بن عبدالمطلب کی طرف سے بادشاہ خاوری معلوم ہو کہ نوشیرواں میرا دشمن جانی ہے اور کتنی مرتبہ میں نے اُس کا گناہ بخشا ہے اور وہ اپنے اقرار سے میدل ہوا ہے اور میرے حق میں دشمنی کرتا ہے اور تیرے پاس آیا ہے۔ اگر بھلا چاہتا ہے تو یہ خط دیکھتے ہی نوشیرواں کو باندھکر اور اپنے ملک کا خراج لیکر حضور ہدایت معمور میں حاضر ہو تو میں تجھے معاف کرکے بڑے سے بڑا سرفراز کروں گا۔ اور اگر اس حکم سے سرتابی کی تو اس طرح سے ماروں گا۔ کہ ماہیان دریا و مرغان ہوا تیرے حال پر گریہ وزاری کریں گے۔

جب یہ رقم ہو چکا تو عمر کو دیا۔ عمر نامہ لیکر قیماز خاوری کے دربار میں آیا اور اس کو خط دیا۔ قیماز نے خط لیکر عمر کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اور خط پڑھکر ٹکڑے کیا۔ اور کہا۔ پکڑو اس چور کو۔ غلاموں نے عمر کا قصد کیا۔ تب عمر نے بھی خنجر عیاری سے مارنا شروع کیا اور کئی ایک کو مارکر جست کرکے باہر چلا گیا اور وہاں سے امیر کے حضور میں آکر قصہ گذشتہ مفصل عرض کیا۔ جب دوسرا روز ہوا تو قیماز نے طبل جنگ بجوایا اور میدان آراستہ کرنے کا حکم دیا۔ کہ یہ خبر جاسوسان اسلام نے امیر کو سنائی۔ امیر نے فرمایا کہ ہمارے نقارخانہ سلیمانی میں کہدو کہ بیکیہ فضل ابزدی طبل جنگ بجوائیں۔ امیر کے حکم سے جنگی طبل بجا اور تمام لشکر میں خبر ہوئی۔ جتنے اچھے بہادر تھے انہوں نے خزانہ لوٹایا اور خاصہ پوشاکیں پہنیں۔ اور نفیس کھانے پکوا کر کھائے۔ اور ناچ و رنگ میں رات بھر مشغول رہے اور تلواروں کو سنگ چنایا اور تیروں کو لیس کیا اور نیزوں کو نکا وردی اور صبح ہوتے ہی دونوں لشکر میدان میں آئے۔ بیلداروں نے جھاڑ بوٹے صاف کیا اور سقوں نے آبپاشی کی۔ تب میمنہ میسرہ و قلب جناح

اور سکاؤ کیس گاؤ ان کیں ولیار اور اگلا و پچھلا جینڈول غرض چودہ صفیں آراستہ کیں تب نقیب پکارے کہ اے مردان بکوشید تا جامہ زناں ہرگز بپوشید ـ

رباعی

روز جنگ است جنگ باید کرد کوشش نام و ننگ باید کرد

شکم گاؤ پشت ماہی را سر نیزہ رنگ باید کرد

دونوں طرف کے جاسوسوں نے عرض کیا کہ امید وار قدوم میمنت لزوم کے ہیں تب تاجدار امیر نے بخیر و برکت تمام آنفہ بدن پر آراستہ کئے ـ اور اشقر دیوزاد کو طلب کیا اور بادشاہ نے تاج شاہی سر پر لیا شہنشاہی دربار در گشار مرصع کا پیش تاق اور کردہ سر لپیٹ پر کر کے تخت پر سوار ہو کر دائیں اور بائیں لشکر کا پھرا لیتے ہوئے کسی سے دست بستہ اور کسی کو آنکھوں کے اشارے سے تعظیم کا جواب دیتے قلب لشکر میں آ کھڑے ہوئے ـ تب قیمار خاوری کی ایک بہن پہلوان نشان ماہ پرستان میدان میں آئی اور پکاری کہ اے خدا پرستان و زیر دستان از عیاں شماہر کہ ام رزد سے مرگ داشتہ باشد بیاید بمیدان مردان کہ ارادہ دست و پا آوری دارم حسرو نے پیش کر دائیں او بائیں دیکھا تو شیر بابک نے پھر اکر کے امیر سے حکم حاصل کیا اور میدان میں آیا اور خورشید خاوری کے مقابل کھڑا ہوا ـ تب خورشید نے کہا ـ

بیا تا چہ داری ز مردی نشان کمان کیانی و گرز گران

تب شیر بابک نے کہا کہ ہم حریف پر پیشدستی نہیں کرتے ـ تب خورشید خاوری نے نیزہ اٹھایا اور سینہ پر بیگلیہ بابک پر مارا ـ شیر بابک نے نیزہ روکا لیکن گھوڑے کی گردن میں ایسا لگا کہ گھوڑا مر گیا ـ اور شیر بابک زمین پر گرا ـ تو خورشید خاوری نے دوسرا نیزہ مار کر اس کو زخمی کیا ـ عمر گھوڑا دوڑا کر اس کو لشکر میں لائے اور شاہ کاؤس کو طاقت ضبط نہ رہی اور اجازت لیکر میدان میں آیا مگر خورشید نے اس کو بھی زخمی کیا ـ تب رستم پیلتن و پیل زور میدان میں آئے اور خورشید خاوری نے ان پر بھی نیزہ چلایا تو شہزادہ نے اس کا نیزہ چھین لیا اور وہی نیزہ پھیر کر ایسا مارا کہ زمین پر گری ـ تب رستم پیلتن اس کے سینہ پر بیٹھا اور پستان نرم معلوم کر کے سمجھا کہ یہ عورت ہے تب گود میں اٹھا لائے اور امیر کے پاس چھوڑ دیا ـ امیر نے فرمایا کہ تو کون ہے ـ اس نے کہا کہ قیمار خاوری کی بہن ہوں ـ تب امیر نے فرمایا کہ اسے پیلتن کی والدہ کے پاس بھیج دو ـ

القصہ رستم پیلتن و پیل تن پھر میدان میں آئے اور لڑے کہ ایسے کافر نجیب پیشم

ہو کہ عورتوں کو لڑانے کیلئے بھیجتے ہو اور آپ کھڑے ہو کر تماشہ دیکھتے ہو۔ اگر کوئی مرد ہے تو میدان میں آئے۔ تب قیمار خاوری کا باپ میدان میں آیا اور گرز نکال کر کہا کہ اے عرب زادے تو میری دختر کو آسانی سے لے گیا۔ اب کہاں جائیگا۔

یہ کہکر عالم شاہ پر گرز مارا۔ عالم شاہ نے اس کا ہاتھ مع گرز پکڑ لیا اور ایک ایسی مکی اس کی گردن پر ایسی ماری کہ کافر زمین پر گرا۔ عمر بن عمیہ نے دوڑ کر اسے باندھا اور لشکر میں لایا۔ تب پہلوان خاوری قیمار کا چھوٹا بھائی میدان میں آیا اور رستم پیلتن نے اسے بھی باندھا۔ تب قیمار خاوری نے کہا کہ امیر نے خوب فرزند رکھا ہے۔ اس لئے اسی وقت تین پہلوانوں کو باندھا ہے اگر یہ سب باندھا تو جائیں گے۔ کہ رستم پہلوان تھکان میں تھا۔ آج اس وجہ سے قیمار نے اسے باندھا ہے۔ بہتر ہے کہ آج وہ اتریں۔ صبح پھر لڑائی ہوگی۔ غرض اس روز دونوں لشکر اترے۔ اور امیر خوشی کے نقارے بجوا کر اپنی بارگاہ میں کرسی پر آ بیٹھے۔ اور ان تینوں قیدیوں کو پیش کر کے فرمایا کہ میرے فرزند بیٹے تمکو کیونکر باندھا ہوئے جیسے مردوں کو باندھتے ہیں اور شیر نیبروں کو۔ امیر نے فرمایا کہ ان کو قید میں امانت رکھا اور خورشید خاوری کو کہلا بھیجا کہ میں اپنے فرزند سے تیرا نکاح کرنا چاہتا ہوں تجھے قبول ہے یا نہیں۔ اس نے عرض کی کہ اے جہانگیر! باندی اس کو بجان و دل سے منظور کرتی ہے۔ کیونکہ اگر تمام دنیا میں ڈھونڈوں تو بھی مجھے ایسا بہادر دلاور شوہر نہ ملے گا۔ میری زہے قسمت پھر ساعت سعید میں امیر نے خورشید کا نکاح عالم شاہ سے کرایا اور جشن و عشرت و خوشی و خرمی میں سب نے رات گذاری اور صبح دونوں لشکروں میں جنگ کے نقارے بجے اور مردان دلاور مستعد ہوئے۔ اور قیمار خاوری آٹھ سو من کا گرز اٹھا کر میدان میں آیا اور رستم پیلتن بھی اپنے باپ کے حکم سے میدان میں آیا۔ تب قیمار نے کہا کہ اے عرب زادے اب میرے ہاتھ سے کہاں جائیگا؟

یہ کہکر امیر زادے پر گرز چلایا اور ایسا مارا کہ اسکی آواز دونوں لشکروں نے سنی اور امیر زادے کے گھوڑے کی کمر پھٹ گئی تب امیر زادے نے بھی پیدل ہو کر قیمار کے گھوڑے کے پاؤں قلم کئے۔ تب دونوں کے عیاروں نے گھوڑے لاکر حاضر کئے اور دونوں سوار ہوئے۔ اور رستم پیلتن نے ہزار من کا گرز اٹھا کر ایسا مارا کہ اگر پہاڑ ہوتا تو سرمہ ہو جاتا لیکن قیمار کو کچھ نہ ہوا اور ہنسا اور پھر کہا کہ اے عرب اسی زور پر مجھ سے مقابلہ کرنے آیا ہے۔ بس چلا جا نہیں تو مارا جائیگا۔ جا کر حمزہ کو بھیج کیونکہ میں نے سنا ہے کہ وہ پہلوان جہاں کا دعوی رکھتا ہے۔

تب امیر زادے نے اس سے کہا کہ میرے سے تو سر سر نہ آیا پھر میرے باپ کو کیوں بلاتا ہے

تب گرز اگر زا تنا لڑے کہ آفتاب آسمان میں چھپا اور قیمار نے تلوار اٹھائی اور امیر زادے نے بھی تلوار میان سے نکالی اور آپس میں اتنے لڑے کہ تلواریں آرے کی مانند ہوئیں۔ پھر تیر سے اٹھائے اور وہ ہلال آسمان کی طرح ہو گئے۔ تب آخر شام ہوئی۔ تب تک ہے فتح نہ اسے ظفر پھر دونوں لوٹ کر اپنے اپنے لشکر میں اُترے۔ تب امیر نے کہا۔ کہ اے عالم شاہ قیمار کو کیسا پایا۔ عالم شاہ نے کہا۔ کہ اے امیر اگر دنیا میں آپ کے بعد مرد ہے تو قیما خاوری ہے۔

القصہ ساری رات عیش میں رہے۔ جب فجر ہوئی تو دونوں لشکر میدان میں آئے اور قیمار خاوری نے آکر میدان میں پکارا کہ کون پہلوان ہے جو میدان میں آئے۔ تب لندھور امیر کی اجازت حاصل کر کے شیر تنگ پر سوار ہو کر میدان میں آیا اور قیمار خاوری کے سامنے گھوڑا دوڑایا۔ قیمار نے کہا کہ میں تیرے نام کی آواز بہت سنتا ہوں لیکن تیری لڑائی نہیں دیکھی۔ لندھور نے کہا پہلا حملہ تمہارا ہے۔ تب قیمار خاوری نے گھوڑا دوڑا کر گرز اٹھا کر لندھور کی ڈھال پر مارا اور لندھور نے سات سو پچاس من کا گرز اٹھا کے قیمار کے سر پر مارا۔ تب لندھور کو قیمار نے کہا۔ اے لندھور تیرے قدموں کے موافق یہ زور نہیں ہے۔ لندھور نے کہا۔ کہ اے قیمار اسی گرز سے سراندیپ کے برج کو بیخ بنیاد سے گرا دیا تھا۔ ایسے تو یوں بولتا ہے۔

پھر دونوں پہلوان گرز و گرز اتنا لڑے کہ شام ہوئی اور طبل بازگشت بجا کر دونوں لشکر اُترے اور رات کو آرام کر کے فجر کو میدان میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سو چالیس گز لمبا سوار جنگل سے پیدا جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا وہ دونوں فوجوں کے درمیان آکھڑا ہوا اور پکارا کہ اے نوشیرواں کوئی پہلوان بھیج۔ تب وہاں سے ایک عادی آیا اس عادی کو سوار نے کمربند سے پکڑ کر اٹھایا اور زمین پر مارا کہ عادی کو دوزخ نصیب ہوا۔ پھر ایک آدمی اور آیا اور وہ بھی وادی جہنم میں گیا۔ پھر تو نوشیرواں کی طرف سے میدان میں کوئی نہ آیا۔ پھر وہ صحرائی سوار لشکر عرب کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ کوئی مرد ہو تو آئے۔

تب سرکپ امیر کے حکم سے اس کے مقابلہ میں آیا تب سوار نے سرکپ کو گھوڑے پر سے اٹھا کر زمین پر پٹکا اور اس کے سینے پر بیٹھا تب سرکپ نے اس سینہ پر اپنی تلوار ماری کہ وہ زمین پر پڑا۔ تب سرکپ امیر کی خدمت میں آیا اور کہا۔ کہ اے امیر یہ سوار صحرائی بہت سخت ہے اور وہ دوسرے کو بلاتا ہے۔ تب قندر امیر کے حکم سے میدان میں آیا۔ تب اس سوار نے قندر کو گھوڑے پر سے اُٹھا کر کہا۔ کہ جا تجھکو زمین پر کیا پٹکوں تو جا اور امیر کے فرزندوں میں سے کسی کو بھیج۔ تب قندر نے امیر کے

حضور میں عرض کی کہ یا امیر وہ تمہارے فرزندوں میں سے کسی کو بلاتا ہے۔ اور یہ مجھے آپ کے تخم کا اثر نظر آتا ہے امیر نے فرمایا اسے قلندر اُسکی شکل وصورت تجھ سے بہت مشابہت ہے شائید تمہارا فرزند ہوگا۔ قلندر نے کہا کہ یا امیر اگر میرا فرزند ہو تو میں اسی وقت اس کو جان سے مار ڈالوں گا۔

امیر نے فرمایا کس واسطے جان سے مارتا ہے۔ قلندر نے کہا کہ اس نے مجھے بے آبرو کیا ہے۔

غرضیکہ پھر رستم پیلتن کو میدان میں روانہ کیا اور عالم شاہ کے آتے ہی وہ سوار بجائی دوڑا اور عالم شاہ نے زور کیا کہ گھوڑے کے گھٹنے ٹیکنے لگے۔ آخر دونوں سوار پیادہ ہوئے۔ امیر نے عمر سے کہا۔ کہ یہ پہلوان بہت سخت ہے میں نعرہ مارتا ہوں۔ عمر نے ٹوپی ہوا پر پھینکی اور عرب کے سارے لشکر نے موزوں سے روئی نکال کر اپنے گھوڑوں کے کانوں میں ڈال دی تب نعرہ مارا اور عالم شاہ اُسے اپنے لشکر میں لائے اور بیٹھنے کے لئے کرسی بہتر کی اور اسکی پہلوانی کی تعریف کی اور جب رات ہوئی امیر نے اس رات حمزہ کو چک کے نام مجلس آرائی کی اور جشن کیا۔

دوسرے دن دونوں طرف سے پھر لڑائی کا نقارہ بجا اور دونوں لشکر میدان میں آ گئے۔ تب قیمار خاوری نے میدان میں آ کر نعرہ مارا اور کہا اے حمزہ اگر مرد ہے تو میدان میں آؤ۔ تب امیر حمزہ ہتھیار باندھ کر اشقر پر سوار ہو کر میدان میں آ گئے۔

فرد

شان و شوکت چلا ہے سوار ہو کے گھوڑے پر ... پا بہ رکاب ہو کر وہ شہسوار بے بہا

جیسے کہ حمزہ جہانستان میں آ گئے اسپ خاک مقام پر پہنچائی اور قیمار کے برابر آ کھڑے ہوئے۔ تب قیمار خاوری نے کہا کہ اے کوتاہ قد تو کون ہے؟ میں نے حمزہ کو بلایا تھا۔ تب امیر نے فرمایا کہ انا حمزہ بن عبدالمطلب ہوں۔ قیمار نے کہا کہ میں جانتا تھا کہ حمزہ شاندار کسی قد و قامت کا ہوگا تو نے اس کوتاہ قد پر سے دنیا کو حلقہ بگوش کیا ہے اور اپنی مدد سے کافروں پر فتح دلائی اور دلاتا ہے اور مجھ کو بھی دلائے گا۔ اور حمزہ نے ڈھال عمدہ ہاتھ کے آگے رکھی اور وار اس پر روکا اور ایسا گرز ماری کہ قیمار کے گھوڑے کی کمر ٹوٹی اور مر گیا۔

تب قیمار نے چاہا کہ امیر کے گھوڑے کو [illegible] کرے لیکن حمزہ نے جلدی کی اور اس گھوڑے کو بہت [illegible] کیا اور گرز [illegible] قیمار [illegible]
اے امیر حمزہ [illegible]
تلوار امیر پر چلائی اور امیر نے ڈھال رکھی اور حمزہ نے [illegible] قیمار نے گرز [illegible]

اسکی کمند چھین لی۔ پھر نیزہ چلایا۔ امیر نے اس کا نیزہ بھی چھین لیا اور پھر آکر اسکی کمر میں ایسا مارا کہ نیزہ کے پرزہ ہوئے اور پھر دونوں پہلوان پیادہ ہوئے اور ایک دوسرے کی دوال کمر پکڑی۔ تب امیر نے فرمایا کہ اے قیمار میں نعرہ کرتا ہوں اس نے کہا کہ تو بے فکر نعرہ مار میں بچہ نہیں ہوں کہ تمہارے چلانے سے ڈر جاؤں گا۔ پس عمر نے اپنا معمول ادا کیا اور سپاہی بے ہوش ہوگئے۔ تب امیر نے مار کر اسے اُٹھایا اور زمین پر پٹک دیا۔ اور باندھ کر عمر کے حوالے کیا۔ اور طبل بازگشت بجوایا۔ ہر چند امیر نے نرمی گرمی سے فرمایا لیکن اس نے مطلق نہ مانا۔ تب امیر نے لندھور اور سعدی کرب کو فرمایا کہ مارو اس رند کو۔ تب دونوں پہلوانوں نے پہلوانوں نے اس کو گرزوں سے مارا لیکن اس کو کوئی ضرر نہ ہوا۔ تب اس نے کہا کہ اے حمزہ ایک بار گرزن مارنے کو فرما۔ تاکہ آسانی سے مروں۔

تب امیر نے انواع و اقسام کی نعمتوں کا خاصہ منگا کر قیمار کو کھلایا پھر اس نے شراب طلب کی۔ امیر نے شراب شیریں منگا کر اس پر صحیفے حضرت ابراہیم کے پڑھکر لحن داؤدی سے گانے لگے۔ نوشیرواں نے ایسا حال دیکھ کر بختک سگ ناپاک سے پوچھا کہ اب کیا علاج کرنا چاہیئے۔ اس موذی نے کہا کہ اب اصفہان کو جانا چاہیئے۔ اگر حمزہ وہاں آیا تو یہ سمجھو کہ اس کو اسکی قضا لائی ہے۔ تب نوشیرواں نے کافر بیت اصفہان کی طرف کوچ کیا اور منزل و مراحل طے کرکے اصفہان پہنچے۔

جب کیکس نے سنا کہ نوشیرواں بادشاہ ہفت کشور آیا ہے تب استقبال کے لیئے خود آکر ہزار تعظیم و تکریم سے اپنے دربار میں لیجا کر تخت پر بٹھایا اور بہت تسلی و دلاسہ دیکر کہا کہ اے بادشاہ ہفت کشور خاطر جمع رکھ۔ اگر وہ عرب کشکینہ پوش پشمینہ پوش یہاں آیا تو ہزار جان سے اس کو مار ڈالوں گا۔ کیونکہ نیزہ زہر آلود گرز و رنگ اور ایسا ہی عرب کے سینہ میں ماروں گا کہ وہ مر جائے۔ تب نوشیرواں نادان و بے ایمان نے کہا کہ جیسا تو کہتا ہے ویسا ہی کرے گا۔ اور یہ کہکر خاطر جمع سے رہنے لگے اور عیش میں مشغول تھے۔ جب نوشیرواں کی یہ خبر امیر حمزہ نے سنی تو وہاں جانیکا ارادہ کیا۔ تو رستم پیلتن نے آکر عرض کیا۔ یا امیر قیمار خاوری کی بہن حاضر ہے۔ آپ کے باب میں کیا حکم ہے۔ امیر نے فرمایا کہ جاؤ کہ معشوق میرا ہے چلا فقط لقمہ لیو دینا ہے۔ پس اس لڑکی کو اس کے باپ کے پاس چھوڑ دو۔ یہ فرما کر آپ کو قیمار خاوری اور لشکر لیکر فوج قدر ایسا عبث سے اصفہان کی طرف روانہ ہوئے

باب سوم ختم شد

باب چہارم

انسٹھویں ۵۹ داستان

راویان اس طرح بیان کرتے ہیں۔ کہ جب امیر کشورگیر جہانستان نے خاور سے کوچ کیا اور راہ اصفہان کی لی اور بعد از قطع منازل و طے مراحل کے اس سرزمین میں پہنچے۔ جب ایک منزل کے قریب رہا تو وہاں اُترے اور دوسرے روز کاؤس کے قلعے سے چار کوس کے فاصلے پر آنے کا ارادہ کیا کہ یہ خبر کیوس کو پہنچی تو اس نے کہا۔ اے نوشیرواں سوار ہو اور نقارہ لڑائی کا بجوا اور میدان میں چل کر کھڑا رہ۔ تب نوشیرواں مع عادیوں کے لڑائی کا نقارہ بجوا کر شہر سے باہر آیا اور میدان میں کھڑا رہا اور امیر بھی مع لشکر و جمعیت سوار ہو کر آئے۔ گرد اُٹھی جیسا کہ ؎

ز سم ستوراں دراں پہن دشت زمیں شش شد و آسماں گشت ہشت

اور لشکر کا نشان لیکر عمر معدی کرب کہ جس کا قد چوّن گز لمبا اور پیٹ گھوڑے کی عبال پر اور چوتڑ پیٹھ سے پیچھے پڑ رہے تھے۔ اپنے چوالیس بھائیوں اور چودہ ہزار سوار مسلح و مکمل غرق آہن اور ستور پیدا ہوا۔ جب کیوس شاہ نے اسے دیکھا تو بولا۔ کہ اے بختک حمزہ یہی ہے۔ بختک نے کہا۔ کہ یہ حمزہ کے لشکر کا سردار عمر معدی کرب ہے۔ پھر لندھور سات سو ہاتھی داہنی طرف اور سات سو ہاتھی بائیں طرف اور ایک سو بیس چتر شاہی کی جمعیت سے ایک سو دس گز قد کا فیل منگوسی پر سوار ہو کر آیا اور کیوس شاہ نے کہا کہ اے بختک حمزہ یہی ہے۔ بختک نے کہا اے نادان حمزہ ابھی دور ہے یہ لندھور بن سعدان حمزہ کی داہنی طرف بیٹھنے والا ہے اور جزیرہ سراندیپ کا بادشاہ ہے۔ اس کے بعد جیپور بن شہپال شاہ دو چتر شاہی کے نیچے آیا پھر اس کے بعد کورنگ آیا۔ پھر دو شہزادے یونان کے آئے۔ کیوس نے کہا یہ کون ہیں؟

بختک نے کہا یہ دونوں شہزادے یونان کے ہیں ایک کا نام استقفالوش اور دوسرے کا

نوشن ہے اور یہ دونوں فرزند حدیث یونانی ہیں۔ لیدا اس کے متعلقات بڑی فوج کے آئے۔ پھر شاہ ناصر مصری آیا۔ پھر سات بھائی زابلی کے آئے۔ کیوس اسے پوچھنے کو تھا کہ حلب کے شہزادے آئے اور ان کے بعد شیر بابا شیروانی آیا۔ کیوس نے کہا یہ کون ہیں۔ بختک نے کہا کہ یہ نوشیرواں کا سپہ سالار ہے اور حمزہ سے ملا ہوا ہے اور پھر یہ نوشیرواں کا شہزادہ ہے پھر شال مغربی آیا پھر ریحان بلخی پھر تماوری پھر قندری سرشیان طائی پھر مرکب ترک پھر بہرام خبیثی اور دیوانہ تبتی ابراہیم کرجی پھر سعد الوی بندہ کر کے قد کا جوان جو ایک من کا طوق گلے میں ڈالے تھا۔ اور اس کے بعد جمال کی تابش سے آفتاب شرمندہ ہوتا تھا۔ کیوس نے پوچھا یہ کون ہے؟ بختک نے کہا کہ یہ حمزہ کا بیٹا ہے۔ پھر شاروں کی بہن بہشت رستم پیلتن اور بہل کن آئے۔ اس کے بعد رسعد بن عمر بن حمزہ آئے تب تمام لشکر پیادہ ہوا اور سعد نے عمر کے آگے آکر سر زمین پر رکھا۔

یہ اسلام کا لشکر کیوس نیزہ دار کی آنکھوں میں کچھ نیلا ہٹ تھی۔ پھر قیار خاوری آیا اور اس کے بعد دورباش کی آواز اور عیاران عمر بن امیہ آئے۔ کیوس نے پوچھا کہ آواز کیسی ہے؟ بختک نے جواب دیا کہ یہ آواز عیاران بن امیہ کی ہے پھر سر خلیل پاپوش پوشاں پیادہ پوشاں بنی آدم مولانا معظم جامع الفضل والکرم زردنیب بید رنگ قلوگیر بے خنک صاحب قنطورہ ورنگ مرد ان سرہنگ یعنی جناب جنت مآب شیخ الاحباب خواجہ عمر بن امیہ ضمیری نامدار چراغ لشکر اسلام جست مارتے ہوئے ہمدے کا کرتہ کاغذی ٹوپی رسی سے کمر بندھی ہوئی چند تیر بے پر بے پیکان ہاتھ سے لگے ہوئے اور بجائے سپر کے ٹوکری پشت کے پیچھے لگی ہوئی شکل مبارک بالکل مثل بوزنا ریل کا سر سر کاسی گردن ریزہ سی آنکھیں چھوٹی سی ناک بادام سے کان طباخ سا پیٹ رسی سے ہاتھ اور لمبے پاؤں زنبیل اور توبرہ گلے میں پڑا اچھلا آتا ہے اس کے پیچھے باراں ہزار زرین لباس تازی ترکی گھوڑوں کو ساتھ لئے ہوئے پیادہ چلے آتے ہیں کیوس نے پوچھا کہ یہ پیادہ کون ہیں اور جو آگے ہے وہ کون ہے؟ بختک نے کہا یہ تمام عیار ہیں چونکہ ان کا سردار پیادہ ہے اس وجہ سے اس کا لشکر بھی پیادہ ہے۔ اس کے بعد بختک نے کیوس سے پوچھا کہ سیف قلم پیکر کی آواز آنے لگی۔ کیوس نے کہا وہ کیا چیز ہے۔ کہا یہ حمزہ کا نشان ہے۔ کیوس نے کہا یہ کس نے بنایا ہے۔ بختک نے کہا بزرجمہر نے بنایا ہے۔ تب کیوس نے کہا کہ اے بزرجمہر نشان مجھے بھی بنا دو۔ بزرجمہر نے کہا کہ اگر حمزہ پر فتح پائیگا تو یہی نشان تجھے ملے گا۔ خاطر جمع رکھ۔

اتنے میں وہ نشان دکھائی دینے لگا اور اس کے پیچھے آفتاب برج عرب عم رسول آخر الزمان امیر کشور جہانستان حمزہ بن عبد المطلب اور ان کے پیچھے طالب اور حارث وہاشم اور دوسرے بھائی آئے

سوداران تیس ہزار غلام ترکی و رومی و حبشی و زنگی و ہندی زرین قبا و زرین پٹکے باندھے پہنکر تازی گھوڑوں پر سوار ہوکر آئے تب سارے پہلوانوں نے بلند آواز سے امیر کو دعا دی اور پھر میدان صاف و آراستہ کیا اور نقیب پکارے کہ کون مرد ہے جو میدان کا قصد کریگا اور اپنا نام ظاہر کرے گا ۔ تب کیوس نے اپنا نیزہ پھلایا اور میدان میں آیا اور نعرہ مار کر کہا کہ اے خدا پرستان از زبان سیاہ کہ زرہ سے مرگ ناخشتہ باشد ۔ بمیدان بیا یک ارادہ دست و پا آوری دارم ۔ اور میں تم سے اس واسطے لڑتا ہوں کہ نوشیرواں نے تم سے تنگ آکر مجھ سے فریاد کی ہے کہ کشکینہ چور و لشکریہ ان بیچے شہر لشکر پر چڑھ رہا ہے ۔ تب قیمار رخاوری نے امیر کے آگے آکر سر زمین پر رکھا اور کہا اے امیر جہاں گیر اگر حکم ہو تو میدان میں جاؤں اور اس کافر کو ابھی باندھ کر آپ کے سامنے لاؤں ۔

امیر نے کہا کہ جاؤ خدا کو سونپا ۔ تب قیمار رخاوری گھوڑے پر سوار ہو کر کیوس کے مقابلہ میں کھڑا ہوا ۔ کیوس نے کہا کہ اے بڈھے نامرد تجھے کیا ہوا کہ تو نے حمزہ کی غلامی کا طوق پہنا ہے جو بادشاہ اور تاجدار نہیں ہیں ۔ قیمار رخاوری نے کہا کہ اے حمزہ کے مانند کوئی مرد ہے ۔ اسے احمق کیسی ایک امیر سے جیسے بہادروں نے امیر کی غلامی کا حلقہ پہنا ہے بلکہ فخر ہے اور حمزہ کی مانند کوئی مرد دنیا میں نظر نہیں آتا ۔ تب کیوس نے اپنا زہرآلودہ نیزہ ایسا پھرایا کہ اس کی چمک سے قیمار رخاوری کی آنکھیں بند ہوگئیں اور نیزہ دکھائی دینے سے رہ گیا ۔ تب قیمار رخاوری نے سپر منہ پر لی اور کیوس نے نیزہ چلایا اور قیمار نے ڈھال جھٹکے سے نیزہ رد کیا مگر قیمار کی ران میں ذرا سا لگا لیکن لگتے ہی اس کا زخم سوج گیا اور قیمار رخاوری پھر کر اپنے لشکر میں آیا اور بے ہوش ہوا تب عمر نے دوا لگا کر محکم پٹی باندھی اور عمر بن عمید خود میدان میں آیا ۔ کیوس نے کہا کہ اے نادان دیوانے تجھے دیکھا تو نے اپنے پہلوان کو ایک ہی نیزہ میں مارا ۔

عمر نے کہا وہ تو اچھا ہے اسے کیا ڈر ہے ۔ کیوس نے کہا اے نادان دیوانے تو کیا جانتا ہے ۔ ابھی دیکھتا کیسا تندرست ہوتا ہے ۔ تب عمر بن عمید نے کہا اگر ڈر ہے تو تجھے مار ۔ یہ کہکر آپ نے بھی گوپھن عیاری نکالی اور کیوس نے نیزہ ہلایا اور عمر پر آیا اور ادھر سے عمر نے گوپھن کا پتھر چلایا اور کیوس کے گلے کی رگ میں تاک کر ایسا مارا کہ کیوس کی آنکھیں پھر گئیں اور دیوانہ ہوا ۔ دوسرا پتھر مار کر اس کے ہاتھ سے نیزہ چھوٹ گیا ۔ پس عمر نے دوڑ کر وہ نیزہ اٹھا لیا ۔ کیوس نے پکارا کہ اے عیار میری جنگ تجھ سے نہیں ہے ۔ تو میرا نیزہ دے ۔ اس کے جواب میں عمر نے کہا کہ جو چیز میرے ہاتھ آئے وہ تو کیا تیرا باپ بھی نہیں لے سکتا ۔

پس اسی ردو بدل میں رات ہوئی اور دونوں لشکر اُترے اور عمرو نیزہ لیکر امیر کی خدمت میں آئے اور امیر کو دکھایا۔ امیر نے فرمایا کہ اس نیزہ کا زہر دُور کرو اور سعد یمانی کو دو کہ وہ بھی نیزہ لیکر جائے۔ تب ایک قاصد نے خدمت میں آ کر عرض کی کہ اے بادشاہ عورت کا آنا تجھے مبارک ہو۔ نوشیرواں نے پوچھا کہ کس کی عورت ہے۔ قاصد نے کہا کہ بادشاہ مور کی یہ ایک بیٹی ارزاں انگیز نام ہے۔ پس اس بیٹی کو شاہ موراں نے ہزار کنیز پری پیکر اور ہزار غلام مہ پاراں اور بہت سے خرچے ساتھ دیکر آپ کے واسطے بھیجا ہے۔ تب نوشیرواں نے کہا وہ کب پہنچے گی۔ قاصد نے کہا کہ یہاں سے چار کوس کے فاصلہ پر اُتری ہے۔ پس بادشاہ نے بزرجمہر کو بہت سے تحفے دیکر بھیجا اور بزرجمہر استقبال کرکے لائے اور بادشاہ کے دولتخانہ میں بھیجا کر بٹھایا اور نوشیرواں اس کا جمال دیکھکر خوش ہوا۔ حاصل کلام ارزاں انگیز نے حمزہ کی جوانمردی اور حُسن و خوبصورتی کی تعریف سُنی تو غائبانہ عاشق ہوئی۔ وہ نوشیرواں کے گھر میں یہ بات ڈھونڈھ رہی تھی کہ قابو ملے تو باہر جاؤں۔ اور امیر کی خدمت میں پہنچوں۔

غرض ایک رات قابو پاکر چوروں کے کپڑے پہنے اور گھوڑے پر سوار ہو کر امیر کے لشکر کی طرف گئی اور تلاش کرتے کرتے امیر کے دولتخانہ پر پہنچکر سراپچہ کی ایک میخ کو اُکھاڑ کر اندر آئی اور امیر کو خواب استراحت میں پایا۔ تب دل میں کہا کہ اس عرب کو اگر میں اس وقت جگاؤں گی اور اپنے عشق کا حال ظاہر کروں گی تو نہ معلوم کہ وہ مجھے قبول کرے یا نہ کرے۔ بہتر یہ ہے کہ اس کو قبضہ کرکے اس کے لشکر سے باہر لیجا کر اسے قبضہ میں کروں تب میری مُراد ملے۔ یہ تدبیر دل میں کرکے سات مثقال داروے بیہوشی نکالی اور امیر کے نتھنوں کے آگے رکھی۔ جب امیر نے دم اوپر کو کھینچا تو اس دوا کی تاثیر دماغ میں پہنچی اور چھینک مار کر امیر بیہوش ہوگئے۔ تب ارزاں انگیز نے امیر کو لیکر خیمہ سے باہر کیا اور جنگل کی راہ لی۔ اور وہاں ایک غار تلاش کرکے اس غار میں لاکر چراغ جلایا اور امیر کو کھولا۔ اور روغن بادام اور سرکہ امیر کی ناک میں ڈالا اور امیر کو چھینک آئی اور ہوشیار ہوگئے۔ اور اپنے آپکو غار میں پایا اور اس بدکار سے پوچھا کہ تو کون ہے؟

اس نے اپنے عشق کا قصہ بیان کیا۔ امیر نے کہا کہ اول تو تو نوشیرواں کی بیوی ہے اور میں اس کا بیٹا کہلاتا ہوں اور دوسرے نوشیرواں میرا خسر ہے۔ اور اس کی عورت میری ساس ہے اور تم اس کی جگہ ہو۔ میں تم سے کیونکر صحبت کرسکتا ہوں۔ امیر نے ہر چند ایسی باتیں کہیں لیکن اس نے نہ مانا اور کہا کہ اگر تو مجھ سے صحبت نہ کریگا تو میں تجھے مار ڈالوں گی۔ امیر نے کہا کہ جو حکم خدا کا ہے سو میں اس پر راضی ہوں۔ جو خدا نے چاہا کیا اور جو چاہیگا۔ لیکن یہ کام میں ہرگز نہ کروں گا۔ غرض سی تکرار

میں فجر ہوئی اور ارزاں انگیز امیر کو وہیں چھوڑ کر آپ سوار ہو کر اپنے دولتخانہ کو آئی۔ اور ادھر جب صبح ہوئی تو امیر کے لشکر میں مقبل حلبی امیر کے خیمہ میں آیا اور امیر کو نہ پایا تو ہر طرف تلاش کرنے لگا۔ مگر امیر کا پتہ کہیں نہ لگا۔ رفتہ رفتہ یہ خبر کافروں کو لگی کہ حمزہ کو کوئی دیو بن سے لے گیا ہے۔ تو سب متعجب ہوئے اور کیوس نے کہا۔ کہ میرے ڈر سے بھاگ گیا ہے کہ میں نیزہ زہر آلودہ رکھتا ہوں۔ یہ کہکر طبل جنگ بجوایا اور میدان میں آیا اور عرب کے لشکر میں رستم پیلتن کو بجائے امیر کے کھڑا کیا۔ اور لندھور نے میدان میں جانے کی اجازت لی اور میدان میں آیا۔ کیوس نے اسے زخمی کیا۔ پھر مرکب ترک میدان میں آیا کیوس نے اسے بھی زخمی کیا تب رات ہوئی اور دونوں لشکر اترے تو ارزاں انگیز بھی اپنے گھر سے نکل کر غار میں گئی اور امیر سے کہا کہ اے عرب آج کیوس نے تیرے تین پہلوان زخمی کئے ہیں۔ امیر نے یہ سن کر سانپ کی مانند پیچ و تاب کھائے اور زور کر کے کمند کو توڑنا چاہا۔ لیکن نہ ٹوٹ سکی۔ اور وہ نابکار وہی اپنے مطلب کی باتیں کرتی رہی۔ اور انہوں نے قبول نہ کیا۔ تب صبح ہوئی تو ارزاں انگیز نکل کر اپنے محل میں پہنچی اور امیر کو غار میں چھوڑا۔ اور فجر ہوتے ہی لشکروں میں لڑائی کے نقارے بجے اور کیوس میدان میں آ کر پکارا کہ اے عربوں کے سردار لڑنے والو تم میں سے جس کو مرنے کی آرزو ہو وہ میدان میں آئے۔

تب عالم شاہ سے رخصت ہو کر مرداتگن زابلی میدان میں آیا۔ کیوس نے اس پر نیزہ چلایا اور اسے بھی زخمی کیا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اس روز زابلی بیکار رہے اور جب رات ہوئی تو دونوں لشکر اترے اور عمر بن عمیہ امیر کی تلاش میں پھرتا تھا اور ان کا کہیں پتہ نہ لگتا تھا اور لشکر کفار بہت خوش تھا۔ عمر کئی بار اس غار کے آس پاس پھر جاتا مگر امیر کو نہ دیکھتا تھا۔

غرض اس رات ارزاں انگیز آئی اور یاروں کے زخمی ہونے کی خبر دی۔ امیر نے صبر کیا اور کہا اے نادان مجھے یہاں قید رکھنے سے کیا فائدہ ہے مجھے چھوڑ کہ میں اپنے یاروں کے پاس جاؤں اور اس زہر آلودہ نیزہ سے انہیں خلاص کروں۔ ارزاں انگیز نے کہا۔ کہ جب میری بات مانے گا تب چھوڑوں گی۔ امیر نے فرمایا۔ اے عورت تو میری ماں کی جگہ ہے یہ بری باتیں اور خیال بد چھوڑ دے کہ میں تیری یہ بات نہ مانوں گا۔

القصہ جب رات آخر ہوئی تو یہ امیر کو چھوڑ کر اپنے محل میں گئی اور صبح کو دونوں لشکر میدان میں آئے تب کیوس نے لڑنے کیلئے بہادر طلب کیا تب سعد یمانی مقابل میں آیا اور دونوں نیزہ بازی کرنے لگے۔

پس کیوس نے موقعہ پاکر سعد کو بھی زخمی کیا اور اس عرصہ میں رات ہوئی دونوں لشکر اُترے اور دلارام کنیز بھی امیر کے پاس آئی اور سعد کا حال بھی ظاہر کیا اور عمر معدی کرب بھی پھرتے پھرتے ناگاہ وہاں جا نکلا اور تمام باتیں سنیں اور غار کے اندر جاکر امیر کو دیکھا اور اُسی وقت غار سے باہر نکلا اور بولا۔ اے امیر اس عورت کے مارنے کا مجھے حکم دیجئے۔ امیر نے فرمایا کہ یہ نوشیرواں کی عورت ہے اسے نہ مارنا چاہیئے۔ اور دوسرے عورت کو مارنا مُناسب نہیں۔ تب معدی چپ ہو رہے اور امیر کے پاس جاکر چاہا کہ کمند کے بند کھولے مگر امیر نے آپ ہی نعرہ مارکر کمند توڑی۔ عمر نے کہا کہ اب تک کمند کیوں نہ توڑی تھی؟

امیر نے کہا کہ میں ہر چند زور کرتا تھا لیکن نہ ٹوٹی تھی۔ القصہ امیر اس غار سے باہر آئے اور خدا کا شکر ادا کرکے حضرت ابراہیم کی تسبیح پڑھی۔ پھر عمر سے کہا کہ جاؤ میرا گھوڑا اور ہتھیار لاؤ۔ تم جب تک نہ آؤ گے میں یہیں رہوں گا۔ عمر معدی جلدی سے دوڑتے ہوئے گئے اور یاروں کو خوشخبری سنائی اور امیر کا تمام لشکر خوش ہوا اور خوشی کے نقارے بجائے۔ اور عمر ہتھیار اور گھوڑا پاس لایا۔ امیر کشور گیر نے ہتھیار باندھے اور سوار ہوکر میدان میں آئے اور گھوڑے کو جولان کیا اور پہلوانانِ عرب آکر امیر کے پاؤں پر گر پڑے اور امیر نے ہر ایک کو گلے لگایا اور سرفراز کیا اور گھوڑا پھرا کر کیوس کے مقابل آ کھڑے ہوئے تب کیوس نے پوچھا کہ عرب میرے ڈر سے کہاں جا چھپا تھا؟ امیر نے فرمایا کہ کیوس مت کر اب تیری بڑی لڑائی منہ کی نہیں ہے۔ جو نشان مردی کا رکھتا ہے وہ لا۔

کیوس نے امیر کے سینے پر نیزہ چلایا۔ امیر نے چستی سے آپ کا نیزہ درمیان سے پکڑ کر اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور نیزہ کی نوک توڑ کے کہا کہ اے کیوس تو اب تک نیزہ بھی چلانا نہیں جانتا مجھ سے سیکھ۔ یہ کہکر وہ لکڑی نیزہ کی ایسی پھرائی کہ اسکی چمک سے کیوس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ اور امیر نے بھی لکڑی پھیر کر کیوس کی گردن پر ایسی ماری کہ مرغ نیم بسمل کی طرح کیوس کا شش زین پر سے گرا اور امیر اشقر سے اُتر کر اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھے اور اسے باندھکر یاروں کے حوالہ کیا۔ نوشیرواں یہ خبر سن کر گیلان کو بھاگ گیا اور جب گیلان کے قریب پہنچا تو گنجان شاہ گیلان نے نوشیرواں کی آمد کی خبر سن کر استقبال کیا اور بہزار تعظیم و تکریم سے شہر میں لیجاکر اپنے تخت پر بیٹھا۔

روایت ہے کہ گنجان شاہ کی ایک بیٹی نہایت خوبصورت اور صاحب جمال تھی جسکی جواں مردی اور نیزہ اور تلوار مارنے میں کوئی برابری نہیں کر سکتا تھا۔ اس بھروسہ پر گنجان شاہ نے کہا کہ اگر حمزہ یہاں آیا تو البتہ مارا جائیگا۔

اب ذرا کیفیت داستان امیر کے سُنیئے۔ جب کیوس کو باندھا اور طبل بازگشت اسائش کا

بجوا کر اپنے لشکر کو واپس آئے اور مجلس آرائی کا حکم فرمایا اور کیوس کو بلوا کر فرمایا کہ میں نے تجھے کیسا پایا نہ تھا کیوس نے کہا جیسے مردم مردوں کو اور بہادر بہادروں کو۔ تب امیر نے فرمایا کہ بول خدا ایک ہے اور دین حضرت ابراہیم علیہ السلام برحق ہے۔ کیوس نے صدق دل سے معافی مانگی۔ تب امیر نے اس کے بند کھولے اور خلعت پہنایا اور سونے کی کرسی پر بٹھایا اور عمر بن عمیہ نے اس کے کان میں غلامی کا حلقہ ڈالا پھر کھانا منگوایا۔ اور کئی قسم کی نعمتیں پیش ہوئیں۔ بعد تناول ساقی گلفام مرصع پیالیاں لیکر حاضر ہوئے اور پیالہ گردش میں آیا اور مطربان خوش سے گانے بجانے لگے۔ اس وقت کیوس دست بستہ ہو کر کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ یا امیر آپ اجان چلیں تا کہ حق خدمت گذاری کا بجا لاؤں۔ امیر نے قبول کیا اور اجان میں آئے اور کیوس کے دربار میں گئے اور آرام سے رہنے لگے۔ اور کیوس صدق دل سے خدمت گذاری بجا لانے لگا اور تمام پہلوان بھی آرام سے رہنے لگے۔

ساٹھویں داستان

جب امیر کشور گیر جہانستان مدت تک اجان میں رہے تو عمر سے پوچھا کہ کچھ خبر ہے کہ نوشیرواں کہاں ہے۔ کہا کہ ہاں! میں سنتا ہوں کہ گیلان کو گیا ہے تب امیر نے فرمایا کہ اجان سے کوچ کرو۔ غرض بعد قطع منازل و طے مراحل گیلان کی سرحد میں پہنچے اور چار کوس پر اترے۔ جب یہ خبر نوشیرواں کو پہنچی تو اسی وقت گیلان و مازندران کے لشکروں سمیت شہر سے باہر آئے اور طبل جنگ بجوایا اور میدان میں آئے۔ اور نقیب پکارے کہ کون بہادر میدان قصد کرتا ہے۔ اور کون دلاور باپ دادا کا نام روشن کرتا ہے؟ اتنے میں پردۂ غیب سے یکایک گرد اٹھی۔ اور اس میں سے ایک سوار پردہ ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے پیدا ہوا۔ میدان میں کھڑا ہو کر سپاہ عرب سے ایک پہلوان طلب کیا۔ تب شیر بابک شیر دل امیر کے آگے آیا اور کہا کہ اگر حکم ہو تو میدان میں جاؤں۔ امیر نے کہا کہ جاؤ تمہیں خدا کو سونپا۔

تب وہ میدان میں آکر حریف کے مقابلہ میں کھڑا رہا پس سوار نے بھی اپنے قدم آگے بڑھایا اور میدان میں آکر نیزہ چلایا اور شیر بابک کی کمر پر ایسا مارا کہ وہ زمین پر گرا دیا۔ تب سوار نے بھی لئے کہا کہ جا اپنے تجھے کیا ماروں دوسرے کو بھیج۔ تب شیر بابک واپس آیا اور مازندران کے میدان

گیا۔ اس سوار نے دونوں ہاتھوں سے نانرک کی دوال پکڑ کر کھینچا اور زمین سے اُٹھایا اور زمین پر مارا اور کہا جاؤ دوسرے کو بھیجو۔ تب واپس آیا اور کیوس شیروانی میدان میں گیا۔ اس سوار نے اسے بھی گرایا اور دیکھا کہ رات ہونے والی ہے۔ تب اس نے گھوڑے کی باگ پھیری اور جنگل کی راہ لی۔ امیر نے کہا۔ کہ میں اس سوار کا پیچھا کرتا ہوں اور خبر لاتا ہوں۔

غرض کہ امیر نے مع عمر اس سوار کا پیچھا کیا اور چلے۔ جب مغرب کا وقت ہوا تو اس سوار نے دونوں لشکروں کو پھر دیکھا اور اپنے باغ میں گیا۔ وہ باغ بے نظیر تھا اور اس میں بلند محل اور پر حوض پُرآب تھے۔ وہ سوار اس حوض کے پاس کھڑا ہوا تو محل سے باندیاں اور خوجے دوڑے اور اس سوار کے آگے سر زمین پر رکھا۔ امیر نے جب دُور سے یہ حال دیکھا تو عمر سے کہا۔ کہ یہ سوار عورت معلوم ہوتی ہے۔ عمر نے کہا کہ میں نے میدان میں ہی سمجھ لیا تھا کہ یہ عورت ہے۔ القصہ اس عورت نے دور سے امیر کو دیکھ کر ایک خوجے کو بھیجا کہ جا کر خبر لاؤ کہ وہ سوار کون ہے۔ تب وہ خواجہ آیا اور امیر کو سلام کیا۔ اور کہا اے گیلان سوار بادشاہ مازندران کی بیٹی جس کا نام گیلی سوار ہے تمکو پوچھتی ہے۔ کہ تم کون ہو؟ اور اپنا نام وپتہ بتاؤ۔

امیر نے فرمایا کہ میرا نام حمزہ بن عبدالمطلب ہے اور یہ عمر میرا عیار ہے۔ خواجہ نے حمزہ کا نام سُنا اور جلدی سے دوڑا اور گیلی سوار سے حقیقت بیان کی۔ تب گیلی سوار نے ہتھیار کھولے اور عورتوں کے کپڑے پہنے اور امیر کا استقبال کیا اور کورنش بجا لائی۔ اور بہت تعظیم و تکریم سے لاکر بٹھایا اور اپنا برقعہ اُتارا اسے دیکھکر خوش ہوئے۔ تب کھانا منگوایا اور تناول کیا۔ اور شراب کا دور شروع ہوا۔ جب کئی ایک دار چل چکے تو گیلی سوار مست ہوئی اور امیر کی زانو پر آبیٹھی اور اپنی رغبت دکھائی تب امیر نے عمر سے کہا کہ نکاح پڑھو۔ عمر نے بموجب حکم کے امیر سے عقد پڑھا۔ تب گیلی سوار اور امیر چند روز عیش میں رہے۔ رفتہ رفتہ یہ خبر گنجال شاہ کو پہنچی۔ کہ حمزہ گیلی سوار کے ساتھ عیش میں مشغول ہے اور شراب پینے میں ہے۔

تب گنجال شاہ کتنے ہزار سوار لیکر آیا اور محل کے پاس کھڑا رہا اور گیلی سوار کو خبر کی۔ تب گیلی سوار نے حمزہ سے کہا کہ میرا باپ ہے اگر حکم ہو تو باہر جاؤں اور اس کا سرتن سے اُتار کر لاؤں امیر نے کہا وہ آخر تیرا باپ ہے تجھے اس کا سر کاٹنا مناسب نہیں۔ یہ فرما کر امیر کشور گیر اُٹھے اور آپ بالا خانہ سے نیچے اُترے۔ جب گنجال شاہ نے امیر کو دیکھا تو پکارا کہ اے عرب تیرا دماغ یہاں تک پہنچا ہے کہ بادشاہوں کی بیٹیوں کو بازو کے زور سے اپنے خرچ میں لاتا ہے۔ میں کوئی نوشیرواں ہوں کہ

اس بات کا تحمل کروں گا۔ اب تو میرے ہاتھ سے جان کہاں لے جائیگا؟ یہ کہکر تلوار امیر پر چلائی۔ امیر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کی گردن میں کمان ایسی ماری کہ گھوڑے پر سے زمین پر گرا اور امیر کود کر اس کے سینہ پر بیٹھے اور کہا کہ خدا ایک ہے اور دین حضرت ابراہیم برحق ہے۔ گنجال شاہ نے اقرار کیا اور یہ خبر مشہور ہوئی کہ گنجال شاہ کو امیر نے ہرایا ہے۔ یہ خبر ارزان انگیز نے سنی کہ امیر گیلی سوار کے ساتھ عیش میں ہے تب وہ مکارہ رات کو اٹھی اور گھر سے ہتھیار باندھکر اور گھوڑے پر سوار ہو کر گیلی سوار کے محل کے پاس پہنچی اور آہستہ سے گھوڑے پر سے اتر کر محل کے اندر گئی اور دیکھا کہ امیر اور گیلی سوار مل کر سوئے ہیں۔ تب اس نے دل میں کہا کہ دیکھو۔ عربسے مجھے قبول نہ کرکے اس کے ساتھ سوتا ہے۔ اب میں بھی ایسا کام کرتی ہوں کہ ان دونوں کو جہاں سے اٹھاتی ہوں۔

پس یہ عہد کرکے کمان ہاتھ میں لی اور تیر کو چلّے پر لگا کر اور کمان کھینچکر چاہا کہ تیر مارے تب خدا تعالیٰ کے حکم سے کمان کا چلّہ ٹوٹ گیا اور تیر زمین پر گرا اور یہ شعر اس حال کا مصداق ہوا ہے۔

شعر گر تیغ عالم بہ جنبد ز جا — نمبرد رگے تا نخواہد خدا

شعر جاکو راکھے سائیں مار نہ سکے کو — بال نہ بینکا کر سکے جو جگ بیری ہو

غرض کہ کمان کے ٹوٹنے کی آواز گیلی سوار نے سنی تو ہوشیار ہوئی اور ارزان انگیز کو دیکھا پس امیر کو نہ جگایا اور آپ آہستہ سے اٹھی اور ڈھال تلوار ہاتھ میں لی۔ ارزان انگیز نے جب اسے دیکھا تو بالاخانہ سے نیچے اتر کر جنگل کی راہ لی اور گیلی سوار نے بھی گھوڑے کی برہنہ پیٹھ پر سوار ہو کر اس کا پیچھا کیا اور اس وقت امیر بھی ہوشیار ہوئے اور اپنی عورت کو نہ دیکھا۔ کہ ایک سوار کا پیچھا کیئے چلی جاتی ہے۔ تب امیر بھی اشقر شتر پر سوار ہو کر اس کے پیچھے چلے۔ جب ارزان انگیز کچھ فاصلہ پر گئی تو گھوڑے کو پھرا کر گیلی سوار کو پکارا کہ شوخ دیدہ و گیسو بریدہ امیر کے ڈر سے میں تجھے یہاں لائی ہوں اب میرے ہاتھ سے تو جان کہاں لیجائے گی؟ کب روا ہے کہ میں اس فراق میں جلتی رہوں اور تو اس کے ساتھ عیش کرتی رہے۔

یہ کہکر گیلی سوار پر حملہ کیا۔ تب امیر نے دیکھا کہ یہ دونوں آپس میں لڑتی ہیں تب امیر کشور گیر دور کھڑے رہ کر تماشہ دیکھتے رہے۔ جب یہ دونوں جنگ میں تھیں تو ارزان انگیز نے گیلی سوار پر تلوار چلائی۔ گیلی نے یہ تلوار ڈھال کے جھٹکے سے روکی اور قابو پا کر ارزان انگیز کی دوال پکڑ کر اور اوپر کو اٹھا کر زمین پر ایسا مارا۔ کہ ارزان انگیز جہنم کو گئی۔

جب امیر نے یہ حال دیکھا تو گیلی سوار کو پکار کر کہا کہ محل کو چلو۔ تب اپنے محل پر تشریف

لائے اور گنجان شاہ بھی اپنے دولت خانہ میں گیا کہ بدبخت کو کیوں مارا کہ یہ نوشیرواں کی عورت تھی اس کو تھوڑی سزا دیکر چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ جان سے ہلاک کرنا مناسب نہ تھا۔ گیلی سوار نے پکار کر کہا۔ یا امیر اسے مار ڈالنا ہی چاہیئے تھا۔ اب پچھتانے سے کیا فائدہ ہے ؎

بود نے بود ہرچہ خواہد بود　　غم بدل داشتن چہ دارد سود
گرگ از گلہ گوسپند ربود　　ہائے ہوئے شبان ندارد سود

تب امیر نے فرمایا کہ اس کے مرنے کی خبر نوشیرواں کو پہنچیگی تو وہ اور سب لوگ یہی کہیں گے کہ اسے امیر حمزہ نے مارا ہے۔ تب نوشیرواں بہت شرمندہ ہوگا۔ یہ کہکر امیر اور گیلی سوار محل میں گئے اور تمام رات عیش کی۔

جب فجر ہوئی تو یہاں نوشیرواں نے اپنی عورت کو پلنگ پر نہ دیکھا تو حکم کیا کہ دوڑو اور ڈھونڈو۔ پس ہرکارے اور عیار دوڑے اور ڈھونڈتے ہوئے گیلی سوار کے محل کے نیچے آئے اور ارزاں انگیز کو مردہ پایا اور اٹھاکر نوشیرواں کے پاس لائے اور کہا کہ گیلی سوار کے محل کے نیچے مری پڑی تھی۔ تب بادشاہ نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بدکار بے شک حمزہ کے پاس گئی ہوگی تو حمزہ نے اسے مارا ہوگا۔ تب شرمندہ ہوا اور یقین کیا کہ یہ کام نہایت ابتر ہوا ہے کہ میری عورت دوسرے کی عاشق ہو کر مجھے یہاں اکیلا چھوڑ کر باہر نکل گئی۔ اس سے میرا منہ ایسا کالا ہوا ہے کہ کسی کو دکھا نہیں سکتا۔ پس اسی وقت اپنے غلاموں کو بلا کر کہا کہ تم میرے اس وقت ساتھی ہو یا نہیں۔ کہ کچھ دن سوداگری کیا چاہتا ہوں اور اس بادشاہی کو چھوڑ دیتا ہوں۔ تب تمام غلاموں نے سر زمین پر رکھا اور عرض کی کہ جو حکم بادشاہی کا ہے ہم اس پر جان دینے تک کو راضی ہیں۔

پس آدھی رات کو اٹھکر مال و اسباب اور یاقوت و مروارید اور ہر ایک قسم کے جواہر لیکر غلاموں سمیت گیلی سوار شہر سے باہر نکلا اور چین کی راہ لی۔ جب چوکیداروں نے نوشیرواں کو رخصت پرواز دیکھا تو شور و غل مچایا۔ تب تمام امیر وزیر اور اس کے ساتھ کے بادشاہ جمع ہوئے اور آپس میں کچھ کہنے لگے۔ ہرمز اور بختک نے کہا کہ حمزہ اور عمر بادشاہ لے گئے ہوں گے۔ تب بزرجمہر نے کہا کہ بھلا نوشیرواں کو تو عمر لیگیا۔ لیکن یہ کہو کہ اتنے ہزار غلام اور اتنا مال و اسباب کون لے گیا؟ تب ہرمز اور بختک چپ ہو رہے۔ پھر ہرمز نے بختک سے کہا کہ بادشاہ اپنی عورت کی شرمندگی کی وجہ سے ملک سے باہر چلا گیا ہے۔ تب تمام امیروں و وزیروں نے مل کر ہرمز کو تخت پہ بٹھایا اور آپ نوشیرواں کی تلاش کو چلے گئے مگر کہیں پتہ نہ لگا۔ نوشیرواں جو سوداگری کرتا ہوا چلا

جا رہا تھا۔ قضائے کار خطا و ختن کے راستہ میں بہرام نام ایک چور ہزار سوار سے چوری اور رہزنی کرتا تھا اور بہرام آپ بھی سخت پہلوان تھا۔ اس نے سُنا کہ ایک بڑا قافلہ آ رہا ہے۔ پس وہ پکڑ کر وہیں کھڑا رہا۔ جب نوشیرواں نے سُنا کہ آگے چور ہیں تب پیچھے ہٹا اور وہاں اُترا۔ جب رات ہوئی تو بہرام نے ڈاکہ ڈالا۔ نوشیرواں کو زندہ پکڑا اور تمام مال و اسباب لوٹ لیا اور کئی مارے گئے اور کئی پکڑے گئے باقی بھاگ گئے اور نوشیرواں کو باندھکر اپنے ہمراہ لیگیا اور کئی ایک روز کے بعد نوشیرواں سے بہرام نے پوچھا کہ اے بوڑھے تو کون ہے؟ اور کونسی سوداگری کرتا ہے؟

نوشیرواں نے کہا۔ کہ میں قباد شہریار کا بیٹا ہوں۔ یہ کہکر اپنی تمام حقیقت کما حقہ بیان کی بہرام نے کہا۔ کہ اے بوڑھے گدھے کیوں جھوٹ بولتا ہے اور بادشاہ کو بد نام کرتا ہے۔ کیونکہ نوشیرواں ہفت کشور کا بادشاہ ہوکر تخت و تاج چھوڑ کر کیا ضرورت ہے کہ سوداگری کرتا۔ جا میرے سامنے سے دور ہو مُنہ مت دکھا۔ تب نوشیرواں وہاں سے بے سامان فقیروں کی طرح نکل کر روانہ ہوا اور خطا کی راہ لی اور چند روز کے بعد شہر خطا میں پہنچا اور خطا کے بازار میں ایک جگہ رہائش اختیار کی۔ ایک دن ایک شخص نے نوشیرواں سے پوچھا کہ اے فقیر تو کون ہے اور کونسی سوداگری کرتا تھا؟ تیری پریشانی پر دولت کا اثر ہے۔

جواب دیا کہ میرا نام نوشیرواں ہے اور مجھے اس چرخ بیداد نے گردش میں لاکر خاک میں ملا دیا ہے۔ یہ خبر رفتہ رفتہ خطا کو پہنچی کہ ایک بوڑھا اس شکل کا آیا ہے جو کہتا ہے کہ میں نوشیرواں ہوں تب خطا کے بادشاہ نے اُسے بُلایا۔ غرض جب نوشیرواں کو بادشاہ کے دربار میں لے گئے تو خطا کا بادشاہ نوشیرواں کو دیکھکر حیران ہوا اور کہا اے فقیر تو نوشیرواں کا نام کیوں بدنام کرتا ہے؟ اگر پھر ایسا کہے گا تو شہر سے نکلوا دوں گا۔ نوشیرواں یہ سُن کر دربار سے باہر آیا اور ایک بھٹیارے کے ہاں گیا اور خدمتگار رہنے کی ٹھان لی۔ بھٹیارے نے کہا۔ کہ اے بوڑھے تو کون ہے؟ تب اس نے کہا کہ میں نوشیرواں ہوں بھٹیارے نے سُن کر کہا کہ اے بوڑھے گدھے تو نوشیرواں کا نام کیوں بدنام کرتا ہے دور ہو۔ اور اپنا مُنہ مجھے مت دکھا۔

تب نوشیرواں نے خطا سے نکل کر ختن کی راہ لی اور شہر ختن میں پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے پوچھا کہ تُو کون ہے؟ تب ان لوگوں سے بھی بدستور سابق کہ میں نوشیرواں ہوں۔ تب یہ خبر ختن کے بادشاہ پر پہنچائی کہ اس شہر میں اس شکل کا ایک بوڑھا آیا ہے اور وہ اپنے آپکو نوشیرواں کہکر بادشاہ ہفت کشور کو بدنام کرتا ہے۔ یہ سُن کر بادشاہ نے کہا۔ ایسے شخص کو شہر سے نکال دو۔ تب

نوشیرواں وہاں سے بھی اور آتشکدہ برزو میں آیا۔ نوشیرواں کے غلام لکڑہاروں کے ساتھ لکڑیاں لایا کرتے تھے اور ان کو کھانے کیلئے روٹی ملتی تھی۔ وہ آگ ہمیشہ جلا کرتی تھی اور کبھی بجھتی نہ تھی۔ پس نوشیرواں اپنے غلاموں کے پاس آیا اور کسی غلام نے اسکو نہ پہچانا۔ تب اس نے کہا کہ میں نوشیرواں ہوں اور مجھے گردش فلک نے اس حال کو پہنچایا۔ جب غلاموں نے یہ سنا تو مار مار کر منہ لال کر دیا۔ غرض نوشیرواں نے اس کے بعد کبھی زبان پر اپنا نام نہ لایا اور فقیروں میں رہنے لگا۔ جب کئی روز گذرے تو وہاں کے خادموں نے کہا کہ اے بوڑھے یہاں تین روز تک کھانا خیرات ملتا ہے اور بعد تین روز کے سوا لکڑیاں لانے والے کے کسی کو کھانا نہیں ملتا۔ تو بھی جا کر لکڑیاں لایا کر۔ اور لکڑیاں لانے والے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ اسی طرح اکٹھا کھانا کھایا اور جو کچھ جھوٹا پڑا رہتا وہ کھا لیتا۔ اسی طرح وہاں کتنے روز گذرے اور ہر روز اپنی طاقت کیموافق لکڑیاں کاٹ کر اٹھا لاتا اور اسی مطابق آتشکدہ کے خادم کو کھانا دیتے جس سے نوشیرواں کا پیٹ نہ بھرتا۔ گر صبر کرتا تھا۔ پس ایک مدت یونہی گذری لیکن ہرمز کو نوشیرواں کی خبر نہ ملی کہ وہ کہاں ہے؟ بزرجمہر نے کہا کہ ختن کیطرف ہے۔

تب نوشیرواں کے ہرمز نے کہا۔ کہ کوئی وہاں جا کر بادشاہ کی خبر لا دے جو نہایت بہتر ہے۔ پس بزرجمہر نے کہا کہ اگر حمزہ جائے تو خبر کیا خود نوشیرواں کو لے آئےگا اور تخت پر بٹھائے گا۔ اور اگر ایسا نہ ہوگا تو نوشیرواں تمام عمر سرگرداں ہو کر مر جائے گا۔ تب ہرمز نے اپنی ماں زرینہ کفش کی طرف سے امیر کو لکھا کہ۔

اے فرزند امیر حمزہ معلوم ہو کہ ایک سال کی مدت گذری ہے کہ نوشیرواں
غائب ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ کہاں ہے۔ اور بزرجمہر ایسا کہتے ہیں کہ
اگر حمزہ جائیگا تو بادشاہ کو لا کر تخت پر بٹھائے گا۔ نہیں تو بادشاہ
کو مرا جانو۔

جب یہ نامہ مرقوم ہوا تو امیر کو پہنچایا اور امیر نے نامہ لیا اور لفافہ کھول کر پڑھا اور کہا کہ اے عمر جا تو اور بزرجمہر سے پوچھو کس طرف کو جاؤں جو بادشاہ کو لاؤں۔ عمر بزرجمہر کی خدمت میں گئے اور پوچھا تو بزرجمہر نے کہا کہ اگر حمزہ تن تنہا پا پیادہ پا خطا و ختن کا سفر کریگا تو بادشاہ کو پائے گا۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گی تو خدا جانے اس کا حال کیا ہوگا؟

تب عمر نے آکر بزرجمہر کا تمام بیان امیر کو سنایا۔ امیر نے ساعت سعد دیکھکر ہتھیار کمر سے باندھے اور اس کے اوپر سمندر کا چیتھڑا اپنا اور شمشاد کی لکڑی ہاتھ میں لی اور یاروں سے وداع ہو کر روانہ

ہوئے (باقی داستان فردا شب)

اکسٹھویں داستان

جب امیر اپنے یاروں سے رخصت ہو کر باہر آئے اور خطا و ختن کی راہ لی اور رات
دن چلے جاتے تھے تو نوشیرواں کی خبر پوچھتے تھے۔ تب ایک مرد نے کہا کہ ایک مرد سوداگر
بہت مال و اسباب لیکر اس راہ سے جاتا تھا۔ سو بہرام چور نے اسے لوٹ لیا لیکن میں نہیں جانتا
کہ چھوڑا یا نہ چھوڑا۔ جب یہ حقیقت امیر نے سنی تو اس قلعہ کے نیچے آکر ایسا نعرہ مارا کہ سارا کوٹ تھرانے
اور ہلنے لگا۔ بہرام نے یہ سنا تو ہزار سوار لیکر باہر آیا اور امیر کو اکیلا دیکھکر گھوڑا میدان میں کودایا
اور امیر پر گرز چلایا۔ اور امیر نے ہاتھ کی لکڑی سے اس کا گرز روکا۔ جب امیر کی نوبت پہنچی تو
شمشاد کی لکڑی بہرام کی گردن پر ایسی ماری کہ لگتے ہی زمین پر گرا اور امیر اس کی چھاتی پر سوار ہوئے
اور کہا کہ بول خدا ایک ہے اور دین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا برحق ہے۔ تب بہرام بولا۔ کہ تو کون
ہے؟ امیر نے کہا کہ امیر حمزہ بن عبد المطلب ہوں۔

بہرام نے جب حمزہ کا نام سُنا تو حیران ہو کر انگلی دانتوں پر پکڑی اور امیر کو قلعہ
میں لیجا کر شرائط مہمانداری بجا لایا۔ اور حقیقت مفصل پوچھی۔ امیر نے اپنا اور نوشیرواں کا حال بیان
کیا۔ تب بہرام نے سر خدمت زمین پر رکھکر کہا۔ کہ البتہ یہ حرکت مجھ سے ہی ہوئی ہے اور میرے ہی
سبب سے بادشاہ حیران ہوا ہے۔ امیر نے کہا۔ اے بہرام تجھے نوشیرواں کی کچھ خبر ہے کہ کس طرف
کو گیا ہے۔ سنا ہے کہ خطا میں ہے۔ تب امیر نے رخصت چاہی۔ بہرام نے کہا کہ مجھے یہاں چھوڑے
جاتے ہو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔

تب امیر نے فرمایا کہ تجھے اختیار ہے۔ تب بہرام نے ہزار درم گرہ سے باندھے اور ہتھیار
لگائے اور امیر کے ہمراہ ہوا۔ یہ دونوں خطا میں پہنچکر شہر میں گئے اور نوشیرواں کی تلاش میں
پھرتے رہتے اور لوگوں سے پوچھتے تھے کہ اس شکل کا بوڑھا ہم سے گم ہو گیا ہے۔ اگر کسی کو خبر ہو تو ہمیں
بتا دیجے۔ تب ایک شخص نے کہا کہ جس بوڑھے کے گم ہونے کو پوچھتے ہو وہ یہاں آیا تھا اور بھٹیاری
کے یہاں رہتا تھا۔ تب امیر نے اس بھٹیاری کی دوکان پر پہنچکر ادھر ادھر دیکھا اور کھانا مول لیا جھ

بھٹیاری سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ کئی روز ہوئے وہ ہمارے یہاں آیا تھا اور ایسی باتیں سُن کر ہم نے اسے دُور کیا تو وہ ختن کی طرف گیا۔ تب امیر نے ختن کی راہ لی اور منزلیں طے کرکے وہاں پہنچے۔ اور وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ آتشکدہ نمرود میں گیا ہے۔ تب امیر اور بہرام آتشکدہ میں پہنچے اور لنگرخانہ میں اُترے۔ جب وہاں کے حوالداروں نے دیکھا۔ کہ آدمی آئے ہیں تو کھانا پانی لاکر نہیں دیا۔ امیر و بہرام کھاکر بیٹھے۔ کہ عصر کا وقت ہوا اور تمام لکڑہارے لکڑیاں لیکر آئے ہیں۔ ایک ایک روٹی اور پیالہ سالن کا لیا۔ پھر نوشیرواں بھی تھوڑی سی لکڑیاں لیکر آیا اور لکڑیاں آتشکدہ میں ڈالیں تو ایک غلام نے تھوڑی سی روٹی اور پانی دیا اور کہا۔ کہ اے بوڑھے تو لکڑیاں نہیں لاسکتا تجھے روٹی کیونکر ملے گی۔

پس نوشیرواں نے وہ روٹی اور پانی کھاپی کر صبر کیا۔ اور ایک گوشے میں بیٹھا امیر یہ حال دیکھکر بہت روئے اور کہا۔ خداتعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسے عزت دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے اسے خوار کرتا ہے۔ یہ نوشیرواں ہے کہ جس کے آگے زربفت کا فرش بچھایا جاتا تھا اور اس کے اوپر روپے کے لباس پہنے جاتے تھے اور ایک کوس تک کھانا چنا جاتا تھا۔ سو آج ایک نوالہ کھانے کا محتاج ہے۔ پھر وہاں کے حوالدار ایک ایک خوان اچھے کھانے کا امیر اور بہرام کے آگے لائے تب امیر نے کہا کہ تم جاکر نوشیرواں کو بلا لاؤ اپنے آپکو ظاہر مت کرنا۔ اور اسے بھی نوشیرواں کے نام سے نہ پکارنا۔ بلکہ یہ بولو کہ اے بوڑھے کھانا کھانے کے واسطے میرے ساتھ آ۔ تب بہرام اُٹھکر نوشیرواں کے پاس گیا۔ اور کہا۔ کہ اے بوڑھے میرے ساتھ کھانا کھانے کو چل پس نوشیرواں کو دیکھا تو اٹھکر امیر نے سلام کیا اور گلے لگایا اور مل کر بہت روئے تب نوشیرواں نے کہا اے جوان تو کیوں روتا ہے اور ایسی غریب نوازی کرتا ہے۔

امیر نے کہا۔ کہ میرا باپ تیری صورت کا تھا اس واسطے روتا ہوں۔ پھر امیر اسے برابر لیکر بیٹھے اور اپنے ہاتھ سے کھانے کے نوالے بنا کر اس کے مُنہ میں دیئے۔ نوشیرواں نے کھانا کھایا اور پیٹ بھر گیا تو پوچھا کہ اے جوان تو کون ہے؟ اور تیرا کیا نام ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے؟ امیر نے کہا کہ میں سپاہی مرد ہوں اور ہمیشہ مسافری کرتا ہوں لیکن اے بوڑھے تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے؟

اس نے کہا کہ اے نوجوان اگر میں نام بولوں گا تو تُو مجھے آدمی و [illegible] پاس سے دور کرے گا۔ امیر نے قسم کھاکر کہا۔ کہ میں تجھے ہرگز کبھی دُور نہ کروں گا۔ [illegible] تجھے زیادہ خواری

کروں گا مگر تو سچ سچ کہدے تب بوڑھے نے کہا کہ میں نوشیرواں قباد شہریار کا بیٹا ہوں اور بادشاہ ہفت کشور کا ہوں اور گردش فلک نے میرا یہ حال کیا ہے ۔ امیر نے کہا کہ اے بادشاہ آپنی بادشاہی ولشکر وحشم سے جدا ہو کر اپنے آپکو کیوں خواری میں ڈالا ہے ؟ نوشیرواں نے کہا کہ بدبخت عرب کے ظلم سے میں اپنا ملک ومال تخت وتاج چھوڑ کر سوداگری میں خورش گذران کی تھی۔ لیکن چوروں نے آکر یکایک راہ پکڑ لی اور تمام مال واسباب لوٹ لیا تب اپنی حقیقت ابتدا سے انتہا تک ظاہر کی اور کہا کہ اب اس خواری میں پڑا ہوں ۔ تب امیر نے کہا کہ حمزہ نے تیرے اوپر ظلم کیا ہے ۔ نوشیرواں نے کہا کہ وہ اول میرا مطیع تھا پھر میری لڑکی پر عاشق ہو کر مجھ سے پھرا ۔ امیر نے کہا کہ وہ بادشاہی کا ارادہ نہیں رکھتا تھا مگر تم ہی ہر بار اس کے دشمن ہوئے ، اس کو رنج دیتے تھے ۔

نوشیرواں نے کہا ۔ اے جوان سچ یہ ہے جو تو نے کہا اگر حمزہ میری جان کا دشمن نہ تھا اور مجھ سے ملک بھی نہ چھینتا تھا لیکن میرے بادشاہوں اور وزیروں نے اس کے درمیان مخالفت ڈال کر مجھے شہر بشہر اور ملک بملک پھراتے رہے ۔ تب امیر نے کہا کہ اگر میں حمزہ کو باندھکر تیرے حوالے کروں تو اس کو کیا کرے گا اور مجھے کیا انعام دیگا ۔ نوشیرواں نے کہا ، کہ اے فرزند وہ دن کہاں کہ اسکی گردن کس کر باندھکر میرے ہاتھ میں دیگا ۔ تب امیر نے کہا کہ خاطر جمع رکھ میں حمزہ کو پکڑکر تیرے سپرد کر دوں گا ۔ تب نوشیرواں بولا ۔ کہ سوگند ہے مجھے لات کی اور قسم ہے منات چھوٹنے کی ۔ اگر تو حمزہ کو پکڑ کر مجھے دیگا تو میں تجھے چھوٹی بیٹی مہرافروز دوں گا اور مجھے اپنی دامادی میں قبول کروں گا ۔ القصہ امیر نے نوشیرواں سے شرائط کرکے اس کا قول لیا اور نوشیرواں کی ہر طرح سے غمخواری کرنے لگے ۔ راوی بیان کرتا ہے کہ جب نوشیرواں نے چند روز امیر کے ہاتھ سے کھانا کھایا تو پیٹ بھر نے لگا تو اس کو مزیدار کھانا معلوم ہوا ۔ امیر نے اس خوبی سے سلوک کیا کہ ہر روز بیس یا تیس مرتبہ نوشیرواں کی خاطرداری کی لیکن منانی سے نہ گذرا ۔ یعنی اسی طرح کہتا تھا کہ افسوس میں مروں گا تو اس عرب کو کون سزا دیگا ۔ یہ سن کر امیر نے یہ جواب دیا کہ اے بادشاہ تو خاطر جمع رکھ کہ اس عرب کو جلد باندھکر تیرے حوالے کروں گا ۔ غرض جب وہاں تین دن گذر گئے تو مہمانی موقوف ہوئی تو آتشکدہ کے جوالدار بولے کہ اے عزیز تم تین دن سے مہمان تھے اب لنگر کا ٹیاں لانے کے تم کو کھانا نہ دیں گے نہیں تو جہاں آپ کا جی چاہے وہاں چلے جاؤ ۔ غرض امیر اور بہرام اور بادشاہ وہاں سے روانہ ہوئے اور جنگل کی راہ لی اور جاتے جاتے ایک چنار کے نیچے بیٹھے اور توشہ کھایا اور سو رہے ۔ دوسرے لوگ لکڑیاں توڑنے لگے ۔ نوشیرواں نے کہا کہ فرزند تم سوئے ہو اور دوسرے لوگ لکڑیاں جمع کرتے ہیں ، تم کب جمع کروگے ؟ کہا خاطر جمع رکھ

اور تو بھی سو رہ۔ تیرے واسطے ہم لکڑیاں چُن لیں گے۔ یہ کہکر سو رہے۔ تب نوشیرواں ایک ساعت بیٹھا اور اپنے دل میں یہ اندیشہ کیا کہ دونوں ہٹے کٹے جوان ہیں جو اپنے زور سے کھانا پیدا کر سکتے ہیں اور میں بیچارہ غریب ناتوان ہوں کہاں سے پیدا کروں گا؟ اگر یہ سو رہے تو کچھ نہیں ہے مگر مجھے نہ سونا چاہیئے۔ یہ سوچکر وہ اُٹھا۔ اور لکڑیاں بیچلانے والوں کے ہر ایک بوجھ میں سے تھوڑی تھوڑی لکڑیاں چُرالیں اور ایک جگہ باندھکر رکھیں لیکن امیر ہوشیار تھے جو تمام تماشہ دیکھ رہے تھے اور افسوس کر کے پروردگار کا شکریہ ادا کیا اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ نوشیرواں کا کیا حال تھا اور کیا ہوا۔ اور گردش آسمانی نے اسے ایسا ناہموار کیا۔ کہ اس نے تمام دنیا کی بادشاہی سے فقیری اور فقیری سے بھی بدتر چوکری اختیار کی۔ پس یہ تماشہ دیکھکر امیر سو رہے۔

جب نوشیرواں نے لکڑی جمع کیں اور امیر کے بازو کے پاس آکر بیٹھا تو امیر نے اپنے آپکو ہوشیار کیا۔ نوشیرواں نے کہا۔ اے فرزند! آٹھو دن آخیر ہوا۔ لکڑیاں کب جمع کروگے؟ اور میں تمہارے سوتے سوتے لکڑیاں کاٹ لایا ہوں۔ امیر نے فرمایا کہ میں نے تجھے منع کیا تھا تو کاہے کو لایا ہے اور یہ مشقت کاہے کو اُٹھائی۔ تب نوشیرواں نے کہا کہ اے فرزند اب جو ہوا سو ہوا۔ لیکن پھر ایسا نہ کروں گا۔ جو تم فرماؤگے وہی کروں گا۔ غرض امیر اور بہرام اُٹھے۔ پُرانے اور سوکھے جھاڑوں کو جڑ سے اُکھاڑ کر زمین پر دے مارا اور لکڑیاں توڑکر بڑے بڑے دو بوجھ باندھ لیے۔ وہ لکڑہارے یہ لکڑیاں دیکھکر حیران ہوئے اور دل میں یہ کہنے لگے کہ یہ دونوں دیو ہیں یا غول بیابانی۔ کیونکہ آدمی میں یہ قوت نہیں ہے۔ غرضیکہ امیر اور بہرام سروں پر بوجھ اُٹھاکر لکڑہاروں کے برابر چلے۔ اور امیر نے نوشیرواں کا بوجھ اپنے بوجھ کے اوپر رکھکر نوشیرواں کو اوپر اُٹھایا اور آتشکدہ نمرود کے پاس آکے بادشاہ کو اُتارا اور لکڑیوں کو آتشکدہ میں ڈال دیا۔ تب حوالدار امیر و بہرام کا بوجھ دیکھکر بہت حیران ہوئے اور اپنے دلوں میں کہنے لگے کہ یہ دونوں بوجھ سارے آتشکدہ کو کافی ہیں۔ تب وہ ان کے واسطے لذیذ اور مزیدار کھانے لائے۔ پھر بولے کہ اے بزرگو! تم اب تین روز تک لکڑیوں کے واسطے نہ جاؤ اور تین روز تک پیٹ بھر کر کھانا کھاؤ۔ پھر اگر تم خوشی سے ایک آدمی لکڑیوں کے واسطے جایا کرے تو تمہاری مرضی۔ اس کے بعد لکڑہاروں کو کھانا دیا اور امیر و بہرام و نوشیرواں تینوں نے کھانا کھایا۔ پس اسی طرح سے ہمیشہ امیر و بہرام اور نوشیرواں لکڑیاں لایا کرتے اور کھانا کھایا کرتے اور آتشکدہ میں رہتے تھے آخر ایک روز امیر نے نوشیرواں سے پوچھا کہ جو مال آتشکدہ میں خرچ ہوتا ہے وہ کہاں سے آتا ہے؟ اور کون خرچ کرتا ہے؟

نوشیرواں نے کہا۔ کہ اے فرزند یہ سب لفر میرے ہیں اور مال بھی میرا ہی لفرف ہوتا ہے امیر نے کہا کہ تو اپنے آپکو ان پر ظاہر کیوں نہیں کرتا ۔ بادشاہ نے کہا کہ میں نے اپنا حال ان کے سامنے ظاہر کیا تھا تو انہوں نے میرے منہ پر اتنے طمانچے مارے کہ میرا منہ سوج گیا۔ امیر نے کہا کہ اگر تم کہو تو میں اس آتشکدہ کے تمام حولداروں کو مار ڈالتا ہوں اور آتشکدہ کو خراب کرتا ہوں ۔ تب نوشیرواں نے کہا کہ ایسا ہی کرو ۔ تب امیر اور بہرام دونوں آتشکدہ کے اندر آئے اور دروازے بند کئے اور کئی آدمیوں کو مارا۔ اور ان لوگوں نے معافی مانگی ۔ تب امیر بولے کہ اے بدبختو ساری دنیا کا بادشاہ یہاں آئے اور تم نے اس کو کھانا پانی نہ دیا اور اسکی کچھ تکلیف دور نہ کی ۔ تب انہوں نے کہا۔ کہ ہم نے بادشاہ کو نہ پہچانا تھا اب ہمارا قصور معاف کرو ۔

القصہ نوشیرواں نے باقی لوگوں کو خود چھڑایا ۔ پھر کوٹھیاں توڑنے لگے تو ان میں بہت سامان نکلا۔ پس وہ خزانہ لیکر سلطنت کی ترتیب درست کی ۔ اس کے بعد آتشکدہ کے گرد و نواح سے آواز آئی کہ بادشاہ ہفت کشور یہاں پیدا ہوا ہے ۔ یہ سن کر ساری آئے اور تسلیمات بجالانے لگی ۔ پھر کتنے دن وہاں سکونت کی بعد اس کے نوشیرواں بڑے دبدبے اور شان و شوکت سے روانہ ہو کر ختن پہنچے ۔ جب ختن کے بادشاہ ہفت کشور یہاں پیدا ہوا ہے یہ آواز سن کر استقبال کیا ۔ نوشیرواں نے کہا۔ کہ اے فرزند اس حرامزادے کو مار اس نے میری فضیحت کی تھی ۔ جب ختن کے بادشاہ نے امیر سے پناہ مانگی اور کہا۔ میں نے پہچانا نہ تھا۔ کہ یہ نوشیرواں ہے ۔ یہ گناہ مجھ سے نادانستہ ہوا ہے ۔ آپ بخشیں ۔ تب امیر نے فرمایا کہ اے بادشاہ جس حال سے تم آئے تھے یقین ہے کسی نے نہ پہچانا ہوگا۔ اس لئے اطاعت نہ کی ہوگی ۔ اب آپ بخشیں تو میں حمزہ کو باندھ کر لاتا ہوں تمہارا جی چاہے کرنا ۔ پھر وہاں سے کوچ کیا اور خطا کی حد میں پہنچے ۔ تو خطا کے بادشاہ نے آکر استقبال کیا اور بہت سی عذر و معذرت کی اور پناہ مانگی ۔ تب امیر نے روکر بادشاہ سے اس کو امان دلائی ۔ اس وقت ہرمز کا تمام لشکر خطا میں پہنچا ۔ تب امیر نے نوشیرواں سے کہا کہ آؤ ہم اور تم مل کر تمہارے لشکر میں چلیں اور دیکھیں کہ تمہیں کوئی پہچانتا ہے یا نہیں ۔

غرضیکہ اپنا لشکر وہاں چھوڑا اور نوشیرواں کے لشکر کے بازار میں آئے ۔ اور ایک بھٹیارے کی دوکان سے کھانا خریدا اور کھانے کو بیٹھے ۔ قضارا مقبل حلبی اشقر دیوزاد کو پانی پلانے کیلئے جاتا تھا سو اشقر نے امیر کی بو پائی اور وہیں کھڑا رہا ۔ مقبل حلبی نے ہرچند اشقر کو چلایا لیکن وہ وہاں سے نہ ہلا اور بہت سی خلقت وہاں تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہوئی ۔ اتنے میں عمر بھی وہاں آیا اور تماشہ دیکھا کہ اشقر نے امیر کی بو پائی ہے اس لئے یہاں سے نہیں ہلتا ۔

پس عمر اسی وقت اس بھٹیاری کے بالاخانہ پر گیا اور دیکھا امیر اور وزیر نوشیروان و بہرام تینوں کھانا کھاتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہی پکارا کہ امیر کا آنا مبارک ہو۔ اس وقت نوشیروان نے عمر کو دیکھکر پہچانا اور اپنے دل میں معلوم کیا کہ اتنے دنوں تک میرا مددگار حمزہ ہی تھا۔ سو اب تک میرے ساتھ ہے پس بلا شک یہ حمزہ ہے۔ القصہ جب تک امیر اور عمر آپسمیں ملاقات میں رہے تو نوشیروان کو ٹھٹے پر سے دوسری راہ سے اُترکر اپنے لشکر میں جا ملا تب تمام لشکر میں شور پڑا کہ حمزہ نوشیروان کو لے آیا ہے۔ پس بادشاہ کو اسی وقت تخت پر بیٹھایا گیا اور شادیانے اور خوشی کے دمامے بجلنے۔ اور امیر بھی اپنے لشکر میں تشریف فرماں ہوئے اور تمام یار و دوستوں سے ملاقات کی اور تمام حقیقت نوشیروان کی بیان کی۔

باسٹھویں داستان

جب امیر مسافری سے واپس آئے تو یاروں سے کہا کہ میں نے نوشیروان سے اقرار کیا تھا کہ اپنے آپکو باندھکر تیرے حوالے کروں گا۔ پس اے سعد بن عمر اب تم باندھکر مجھے نوشیروان کے پاس لیے چلو کہ وہ کیا کرتا ہے۔ تب عمر بن امیہ نے کہا کہ یہ کیا کہتے ہیں۔ امیر نے کہا میں اپنی شرط بجالاتا ہوں تاکہ اسکی بیٹی لوں۔ تب عمر بن سعدی کرب بولے کہ اگر نوشیروان مار ڈالے تو تم کیا کروگے۔ تب امیر نے کہا کہ سوائے خدا کے کوئی نہ مار سکیگا۔ پس نوشیروان کے دربار میں جانے کے واسطے امیر نے اپنے آپکو باندھا اور سعد بن عمر کو کہا کہ تم لے چلو۔ سعد بن عمر امیر کو لیکر روانہ ہوئے اور لیجا کر نوشیروان کے دربار میں کھڑا کیا۔ تب امیر کشورگیر نے کہا کہ میں نے بادشاہ سے شرط کی تھی کہ حمزہ کو باندھکر تیرے حوالے کروں گا سو بندہ حاضر ہے جو تیرا جی چاہے کر۔ نوشیروان نے سر نیچا کیا۔ تب بختک سو چکر آگے ہوا اور کہا۔ اے بادشاہ تو ایسا قابو نہیں پا سکیگا۔ اب حکم دے کہ اس عرب کی گردن اڑا دیں۔

تب نوشیروان نے دم نہ مارا اور امیر اپنے دل میں سمجھے کہ بادشاہ بھی میرا دشمن ہے۔ تب زور کیا اور کمند توڑی اور سعد بن عمر کو فرمایا کہ بختک کو ابھی پکڑ و اور دوسرے کافروں کو بھی مارو۔ تب سعد بن عمر دوڑے اور بختک کو پکڑا۔ امیر نے فرمایا مار ڈالو۔ جب اسے مارنے لگا تو وہ غلام زادہ بھاگ کر بادشاہ کے گھر میں گیا۔ تب امیر نے کئی کافروں کو جہنم میں بھیجا اور آپ باہر آئے۔ اور

اپنے لشکر میں گئے۔

پس دوسرے روز عمر بن عمیہ سے کہا کہ تم نوشیرواں کے پاس جاؤ اور کہو۔ کہ حمزہ بو لتا ہے کہ جو شرطیں نے تم سے کی تھی میں نے اس کو پورا کیا جو شرط کہ تم نے کی تھی وہ بجالاؤ۔ یعنی اپنی بیٹی اب مجھے دے۔ تب عمر بن عمیہ نے نوشیرواں کے پاس جا کر امیر کا پیغام دیا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ اے عزیز تم حمزہ سے بولو کہ جو شرطیں نے کی تھی وہ بجالاؤں گا۔ عمر وہاں سے پھر آئے اور آکر امیر سے حال بیان کیا۔ پھر بادشاہ نے امیروں، وزیروں اور بادشاہوں کو بلا کر مجلس مقرر کی اور مشورت کرنے لگے۔ تب بادشاہ نے حاضرین سے ظاہر کیا کہ میں نے امیر سے اقرار کیا تھا۔ کہ اپنی بیٹی تجھے دوں گا۔ سو تمہاری کیا رائے ہے؟

تب کافر مل کر بولے۔ کہ ایک بیٹی دیکر سارے جہاں میں اپنے آپکو مصیبت میں ڈالا۔ اب دوسری بھی دیتا ہے۔ اس زمانے کے بادشاہ تجھے کیا کہیں گے۔ تب نوشیرواں نے کہا۔ کہ ایک بار وہ میرا داماد ہو چکا ہے اب شرم کیا ہے اور اس زمانہ میں اس سے بہتر داماد کون ہوگا؟

یہ کہکر شادی کی مجلس تیار کی اور امیر کو مبارکباد دی اور نیک ساعت میں مہر افروز کا کار خیر شروع کیا۔ ادھر امیر حمزہ نے بھی جشن عیش و عشرت کا شروع کیا اور مبارک و ہمایوں وقت میں نوشیرواں کی بیٹی کا عقد کر کے اپنے گھر میں لائے۔ جب یہ خبر چاروں طرف عام ہوئی۔ تو تمام کافر میر کے جانی دشمن ہوئے اور بختک نے چاروں طرف خط لکھکر روانہ کئے اور خطوط میں یہ مضمون لکھا۔ کہ

> اے بادشاہان و شہزادگان کیا تم خواب غفلت میں ہو کہ حمزہ اپنے بازو کے زور سے نوشیرواں کی دو بیٹیاں اپنے نکاح میں لایا اور بادشاہ کا داماد ہوا۔ اگر تم زور کرو گے تو یہ دختر ابھی چھین لوگے۔

پس بختک کی برانگیخت سے تمام کافر بادشاہ کو ایک طرف صلاح و مشورت کر کے ہرمز کے پاس آئے اور کہا کہ اے شہزادے نوشیرواں تو اب بوڑھا ہے اس لئے اسکی عقل گم ہے سو تو اس کا جوان بیٹا ہے۔ پس لازم ہے کہ کوشش کر کے ان عربوں کے سر دھڑ سے جدا کر ڈالیں۔ اگر ایسا نہ کریں گے تو سرداری و ملک و بادشاہی گھر سے جائے گی تب ہرمز نے کہا کہ تم سب جو بات کہو میں اس پر راضی ہوں۔ تب کافروں نے مل کر اتفاق سے کہا۔ کہ تو اگر نوشیرواں کو اس زہر پلا کر بہجائے تو وہاں سے اتنے حاوی پہلوان پیدا ہوں گے کہ حمزہ کو ہتھیاروں سمیت گھوڑے پر سے اٹھا لاویں گے۔

اور اب بادشاہ کو مدائن بھیجکر تخت پر بٹھاؤ اور تو البرز پہاڑ پر چل اور دیکھ کہ کیسا تماشہ نظر آتا ہے تب ہرمز نے قبول کیا اور نوشیرواں کو بلا کر کہا۔ کہ تمام لشکر تجھ سے پھرا ہے اگر تو حمزہ کے قتل پر کمر باندھے تو بہتر ہے ورنہ تمام لشکر نکل جائیگا اور تجھے مار ڈالیں گے۔

تب نوشیرواں نے کہا۔ کہ میں حمزہ کے مارنے میں کوتاہی اور قصور کرتا ہوں۔ مجھ سے اور کیا چاہتے ہو۔ اُس نے کہا۔ کہ عرب کا سر چاہتے ہیں۔ آخر بعد مشورت کے البرز نے پہاڑ پر جانا منظور کیا اور تمام بادشاہوں کو بلا کر اپنا ارادہ سنایا۔ اور وہ سب سن کر چپ ہو رہے۔

ترسیٹھویں ۶۳ داستان

جب دوسرا روز ہوا تب نوشیرواں نے کوچ کر کے البرز پہاڑ کی راہ لی۔ اور امیر حمزہ کو ایک خط اس مضمون کا لکھا۔ کہ تو اگر ہزار جان رکھتا ہوگا مگر البرز پہاڑ پر آکر ایک بھی سلامت نہ لیجائیگا جب امیر کو یہ خط ملا اور اس نے پڑھا تو تمام حقیقت ظاہر ہوئی اور امیر کو وہاں جانا فرض ہوا تب کوچ کر کے نوشیرواں کے پیچھے روانہ ہوئے اور منزل و مراحل طے کر کے البرز پہاڑ کے دامن میں پہنچے۔ نوشیرواں کے آنے کی خبر سن کر نوشیرواں کے وزیر اور بادشاہ ہر طرف سے آکر حاضر ہوئے اور عادی بھی آئے۔ ان عادیوں میں سے ایک کا نام چوب گرداں اور دوسرے کا عادیاں چوب گرداں تھا۔ پس یہ دونوں پہلوان نامدار اور سخت تھے۔ وہ بادشاہ کے پاس آئے تو نوشیرواں کی طاقت بڑھ گئی۔ پس دوسرے دن نوشیرواں اپنے غلام اور عادیوں کو ہمراہ لیکر باہر آیا اور امیر حمزہ بھی سوار ہو کر ان کافروں کے مقابلے میں آکھڑے ہوئے۔ اور نقیب پکارے کہ کون بہادر میدان کا قصد کرتا ہے؟ وہ میدان میں آئے۔ اور اپنے باپ دادا کا نام روشن کرے۔ اتنے میں عادی چوب گرداں آیا اور حریف کو بلایا اور کہا کہ امیر کو خبر کرو۔ امیر کو یہ خبر دی گئی۔ اتنے میں قیمار خاوری خاور کے ملک کا بادشاہ امیر کی خدمت میں آیا اور چوب گرداں سے لڑنے لگا۔ اتنے میں جنگل سے گرد پیدا ہوئی اور اس میں سے ایک سوار نکلا اور دونوں جوانوں کے درمیان آکر کھڑا ہوا تب قیمار خاوری اور چوب گرداں میدان سے پھرے تو اس سوار نے اپنا منہ کافروں کی طرف پھیرا اور کہا۔ اے نوشیرواں کسی پہلوان کو بھیج۔ تب ایک عادی میدان میں آیا اور گرز نکالا اور

اس سوار کو مارا اور سوار نے اس کا گرز ڈھال پر روکا اور اپنا ہاتھ عادی کی کمر میں ڈالا اور خوب مضبوط پکڑ کے زور کیا اور زمین سے اٹھایا اور سر پر اٹھا کے زمین پر ایسا مارا کہ چاروں شانے چت گرا پھر دوسرا عادی آمادہ بھی پست ہوا۔ پس اس طرح سات عادی مارے گئے۔ پھر رُخ اپنا غازی نے عربوں کی طرف کیا اور دیکھکر پکارا کہ تمہارے لشکر میں جو رستم پیلتن ہے وہ میدان میں آئے۔ یہ سُن کر ہنستے ہوئے رستم پیلتن میدان میں آئے تو وہ سوار دوڑا اور اسکی کمر پکڑی اور رستم پیلتن نے بھی اس کی کمر پکڑی اور آپس میں زور کرنے لگے اور اتنا زور کیا کہ گھوڑے چار زانو ہو گئے۔ تب سوار نے رستم پیلتن کی کمر چھوڑی اور کہا کہ تو جا اور سعد طوتی کو بھیج۔

تب رستم نے واپس آ کر سعد طوتی کو کہا اور وہ میدان میں آیا۔ سوار صحرائی اس سے بھی زور کرتا رہا۔ لیکن نہ اس کو فتح نہ اس کو ظفر۔ وہ بولا کہ تو بھی جا اور سعد بن عمر کو بھیجدے۔ جب سعد بن عمر میدان میں آیا تو سوار اس سے بھی دو ہاتھ لڑا۔ اور کہا کہ اے سعد تو بھی جا اور حمزہ کو بھیجدے۔ جب سعد بن عمر واپس آیا تو امیر کی خدمت میں اظہار کیا کہ اے جہانگیر وہ آپکو بلاتا ہے۔ امیر یہ خبر سُن کر تیار ہوئے اور اپنے ہتھیار بدن پر پہنے اور میدان میں آ کر اس کے مقابل کھڑے ہوئے تب وہ سوار آیا اور ایک ہاتھ سے اشقر دیوزاد کا تنگ پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے امیر کی کمر کی دوال پکڑی اور نعرہ مار کر اپنی طرف کھینچا۔

راوی روایت کرتا ہے کہ امیر گھوڑے سمیت نہیں ڈگ پھرے اور اشقر گھٹنوں تک زمین میں گڑ گیا پھر تو امیر نے نعرہ مارا اور تمام لشکر میں غل پڑا اور کئی ایک مارے دہشت کے مر گئے۔ یعنی امیر مانند اژدہا گرجے اور دوڑے اور اسکی کمر میں ہاتھ ڈال کر گھوڑے پر سے اٹھایا اور سر پر بجا کر ایسا پھرایا کہ تمام مردان عالم نے آفرین کہی۔ پھر زمین پر پچھاڑا اور اُس کے سینے پر بیٹھے اور خنجر نکال کر ایسا پھرایا کہ اس کے گلے پر چلائیں تب امیر نے فرمایا کہ اے جوان سچ کہہ تو کون ہے؟ تب اس نے کہا میں رستم پیلتن کا بیٹا ہوں۔ اور شہزادہ ملک لال خفقان پوش ہوں خون ریز خاوری میرا نام ہے۔

تب امیر نے کہا۔ اگر تو رستم کا بیٹا نہ ہوتا تو میں تجھے اسی وقت مار ڈالتا۔ تب امیر اُٹھے اور اسے گلے لگایا۔ اور عمر سے کہا کہ یہ رستم پیلتن کا بیٹا ہے۔ اسے بچا کر عمر نے خوشی سے اپنی ٹوپی پھرائی اور پکارا کہ اے رستم پیلتن تمہارا بیٹا آیا ہے تمکو مبارک ہو۔ امیر اس کو گود میں اُٹھا کر وہاں سے اپنی فوج میں آئے اور کھڑے رہے۔

ملک قاسم ابھی گود سے اُترے بھی نہ تھے کہ چالیس گز لمبے قد کا ایک سوار جنگل سے

آیا اور میدان میں آکر کھڑا ہوا اور امیر نے قاسم سے پوچھا کہ تم جانتے ہو یہ سوار کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے۔ قاسم نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ تب وہ سوار بلند قد سپاہ عرب کی طرف پھرا اور پکارا کہ اے ہومان خاوری اگر مرد ہے تو میدان میں آؤ۔ تب ہومان خاوری میدان میں آیا۔ تب امیر نے قاسم سے کہا۔ کہ تو اس کا نام جان بوجھکر چھپاتا ہے۔ کیونکہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیمار خاوری کا بیٹا ہے ہومان مقابل آکھڑا ہوا۔ تب اس سوار نے دوڑکر ہومان کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور گھوڑے پر سے اٹھاکر زمین پر پچھاڑا اور کہا۔ کہ تو جا اور قیمار کو بھیج۔ ہومان پھرا اور قیمار میدان میں آیا۔ تب وہ سوار دوڑا اور کمر میں ہاتھ ڈال کر کھینچا۔ تب قیمار نے اسکی بھی کمر پکڑی اور دونوں زور کرنے لگے۔ تب یہانتک کہ دونوں بے حال ہوئے۔ پھر سوار نے قیمار کی کمر چھوڑ کر کہا۔ کہ تم جاؤ اور حمزہ کو بھیجو۔ تب قیمار پھرا اور حمزہ کو بھیجو۔ تب قیمار پھرا اور امیر کے پاس آیا اور کہا کہ یا امیر وہ آپکو بلاتا ہے۔ امیر یہ سن کر میدان میں آئے اور اس کے مقابل کھڑے رہے۔

تب اس سوار نے امیر پر حملہ کیا اور امیر کی کمر پکڑی۔ تب امیر نے بھی اسکی کمر پکڑی اور زور سے زمین سے اٹھایا اور سر پر لیجاکر پھرایا اور زمین پر دے مارا۔ اور اسکی چھاتی پر چڑھکر پوچھا کہ اے جوان سچ کہہ کہ تو کون ہے؟ اور تیرا نام کیا ہے؟۔ تب اس سوار نے کہا کہ میں قیمار خاوری کا بیٹا ہوں اور مجھے قلیس بن قیمار کہتے ہیں۔ تب امیر پکارے کہ اے قیمار یہ تیرا بیٹا تجھے مبارک ہو۔ تب قیمار نے کہا۔ کہ اس بے ادب کو مار دو کہ اس نے نہایت بے ادبی کی ہے۔ کیونکہ پہلے باپ سے ہی لڑنے کو آیا ہے۔ امیر نے کہا۔ کہ یہ بے ادبی نہیں ہے بلکہ یہ پہلوان کا بیٹا ہے جو اپنی پہلوانی جتاتا ہے۔ پھر امیر اس کو اپنی گود میں اٹھاکر اپنے لشکر میں لائے اور طبل بازگشت کا بجوایا۔ اور نوشیرواں نے بھی اپنا لشکر پھیرا اور دونوں اپنے اپنے مقاموں پر اترے دوسرے روز یہ لشکر پھر تیار ہوکر میدان میں آئے اور فوجیں آراستہ کیں اور نقیب پکارے کہ جو میدان کا قصد کرے اپنا نام ظاہر کرے؟

تب نوشیرواں کی طرف سے چوب گردان پہلوان میدان میں آیا اور چوب گردان کے مقابل لندھور بن سعدان آیا اور گرز بازی کرنے لگے۔ پھر نیزہ بازی۔ پھر اس کے بعد تلواروں سے لڑتے لڑتے رات ہوگئی اور دونوں لشکر پھرے اور اپنے اپنے مقاموں پر اترے اور اگلے دن دونوں فوجیں پھر میدان میں آئیں اور چوب گردان بھی نکل کر میدان میں آیا۔ اور پکارا کہ اے حمزہ اگر مرد ہے تو میدان میں آ۔ امیر نے سنتے ہی ہتھیار بدن پر آراستہ کئے اور اشقر پر سوار ہوکر میدان میں آئے۔ تب چوب گردان نے اپنی چوب پھرائی اور امیر پر چلائی امیر نے اسکی لاٹھی رد کی اور دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑی

اور چوب گردان نے اتنا زور کیا کہ اس کا سارا بدن کانپا لیکن لاٹھی نہ چھوڑی ۔ پھر امیر نے آہستہ سے اسکی لاٹھی مضبوط پکڑی اور چھین لی ۔ اور پھر اکر اس کے دونوں شانوں پر ایسی ماری کہ وہ بھی گھوڑے پر سے نیچے گرا ۔ اور عمر بن عیب نے دوڑ کر اسے باندھا ۔ جب بہرام چوب گردان نے یہ حال دیکھا تو فوراً گھوڑے کو میدان میں چلایا اور لاٹھی پھرا کر امیر پر ماری ۔ امیر نے اسکی لاٹھی چھین لی اور نہ دی اور پھر اکر اس کے دونوں شانوں پر ماری کہ وہ بھی گرا اور عمر نے اسے بھی باندھا پھر طبل بازگشت بجوا کر دونوں لشکر اپنے اپنے مقاموں پر اترے تب امیر نے کہا کہ ۔ ان دونوں بھائیوں کو پیش کرو ۔ تب امیر کے حکم سے ان کو حاضر کیا گیا ۔ تب امیر نے فرمایا کہ بولو خدا ایک ہے اور دین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا برحق ہے تب ان دونوں نے معافی مانگی تب امیر نے اپنے ہاتھ سے خلعت فاخرہ مرحمت فرمائی ۔ اور بند سے خلاص کیا اور سونے کی کرسیوں پر بٹھایا ۔ اور عمر نے امیر کی غلامی کا حلقہ ان کے کانوں میں ڈالا ۔ تب کھانا اور انواع اقسام کی نعمتیں منگائیں ۔ اور بعد تناول طعام کے دستر خوان اٹھایا تب دونوں پہلوانوں نے عیار بھیج کر اپنے لشکر کو کہلا بھیجا کہ آدھی رات کو ایک طرف سے نوشیرواں کے لشکر میں ڈاکہ مار کر عرب کے لشکر میں جا ملے ۔

٦٤

چونسٹھویں داستان

جب امیر گیلان سے کوچ کر کے کوہ البرز گئے تو اس وقت گیلی سوار حاملہ تھی اور امیر نے اسے گنجال شاہ کے حوالہ کیا تھا اور بڑی تاکید سے گیلی سوار سے کہا ۔ کہ حاملہ کے سبب سے تجھے یہاں چھوڑتے ہیں ۔ اور گنجال شاہ سے کہا تھا ۔ کہ اسکی اچھی طرح سے حفاظت کرنا اور جب اس کے ہاں فرزند نرینہ پیدا ہو تو اسکی پرورش اچھی طرح کرنا ۔ تب گنجال شاہ نے قبول کیا لیکن دل میں بغض رکھتا تھا لیکن چند روز کے بعد اس نے دائیوں اور خدمتگاروں کو تاکید کی کہ گیلی کے اگر بیٹا پیدا ہو تو میرے پاس لے آنا ۔ گو گیلی سوار کو یہ خبر نہ ہو کہ میرا باپ مجھ سے دل میں کینہ رکھتا ہے ۔

غرض جب مدت حمل پوری ہوئی تو چودھویں رات کے چاند جیسا لڑکا پیدا ہوا ۔ گویا کہ زمین پر آفتاب اتر آیا ۔ جہاں میں یوسف ثانی پیدا ہوا ۔ تب گنجال شاہ کے بموجب دائیاں اس بچے کو اٹھا کر گنجال کے پاس لے گئیں ۔ تب اس نے فرمایا کہ اس کو زمین پر پٹکو ۔ اس وقت وہاں ایک نیک عورت

اس کے پاس بیٹھی تھی تو اس کو اس بچے پر رحم آیا اور کہا اے بادشاہ اس بچے کو کیوں مارتا ہے۔ اس نے تیرا کیا گناہ کیا ہے؟ اس کو کہیں رکھدے۔ تب اس نے ایک صندوق میں رکھکر مقفل کر کے دریا میں ڈال دیا۔ صندوق دریا میں تیرتا ہوا جا رہا تھا۔ کہ اسما پری اور قریشیہ سلطانہ آسمان پر اڑتے ہوئے وہاں سے گذرے اور ان کی نظر صندوق پر پڑی تو اسما پری نے کئی پریوں کو صندوق لانے کیواسطے بھیجا۔ وہ صندوق اٹھا لائیں۔ جب کھول کر دیکھا تو اسمیں چاند سے چہرے کا خوبصورت بچہ سوتا ہے۔ جسکی پیشانی پر ایک خال دکھائی دیا۔ پریوں نے کہا۔ کہ یہ خاندان ابراہیم علیہ السلام سے ہے القصہ یہ آپسمیں ابھی باتیں کر ہی رہی تھیں کہ اسی وقت خواجہ خضر علیہ السلام کو پریوں نے دیکھا اور اٹھکر تعظیم دی۔

تب خواجہ نے فرمایا کہ اے قریشیہ سلطانہ اور اسماء پہچانو کہ یہ بچہ امیر کا ہے اسے اچھی طرح سے پرورش کرو۔ اور جب یہ بڑا ہو تو اس کے باپ کے پاس پہنچا دینا۔ اور اس کا نام بدیع الزمان رکھا۔ اور غائب ہوئے۔ تب اسما پری بدیع الزمان کو لیکر کوہ قاف کو چلی گئی۔ اور پریوں کے دودھ سے پرورش کرنے لگی۔ یہانتک کہ بدیع الزمان سات برس کا ہوا تو قریشیہ نے اسے گھوڑے پر سوار اور ہتھیار باندھنا سکھایا اور دیوؤں کو مارنے کے لئے ہمیشہ اپنے ہمراہ لیجایا کرتی تھی۔

غرضیکہ جب امیر زادہ تمام شہروں میں طاق ہوا تو اس وقت امیر زادے کی عمر دس سال کی تھی۔ ایک دن بدیع الزمان نے قریشیہ سلطانہ سے پوچھا کہ۔ میری ماں کا پتہ مجھے بتا کہ کون ہے کہا۔ کہ تیری ماں کا پتہ ہمیں بھی معلوم نہیں۔ کیونکہ ہم نے تجھے ایک صندوق میں بند اور فلاں دریا میں سے بہتا ہوا اٹھا کر لائے ہیں۔ اور خواجہ خضر علیہ السلام سے پتہ پانے کی سب حقیقت ظاہر کی تب بدیع الزمان نے کہا کہ مجھے میرے باپ کے پاس پہنچا دو۔ تب پریوں نے تحفے لئے اور بدیع الزمان کی کمر سے پریوں نے ہتھیار جواہر نگار باندھے اور گھوڑے پر سوار کر کے ابرز پہاڑ پر لے آئے۔ اور امیر کے بیٹوں کو بتلایا اور سارے پہلوانوں کا حال بیان کیا۔ کہ تم جاؤ اور بھائیوں کے ساتھ رہو کیونکہ تمہارے سب بھائی اور امیر کے سب یار امیر سے لڑ کر ملا کرتے ہیں اور زور آزمائی کرتے ہیں۔ پس تو بھی جاکر زور آزمائی کر۔ یہ کہکر اسے وہیں چھوڑا اور آپ اپنے مقام کو گئیں۔

اب داستان دونوں لشکروں کی سنو کہ کتنے دنوں کے بعد دونوں لشکروں میں لڑائی کے نقارے بجے اور صفیں آراستہ ہوئیں۔ اور نقیب پکارے کہ کوئی ہے جو میدان میں آکر بڑے

ٹھاکٹھ سے کھڑا ہوا اور دونوں فوجوں کے سپاہی امیر زادہ کے ہتھیار اور گھوڑے کو دیکھکر حیران ہوئے۔ امیرزادہ نے اپنا رخ عرب کے لشکر کیطرف کرکے پکارا کہ اے عزیزو تم میں سے جسے مرنے کی آرزو ہے وہ میدان میں آئے۔ تب کیوس نیزہ دار امیر سے اجازت لیکر میدان میں آیا اور کھڑا رہا۔ بدیع الزمان نے اس سے پوچھا کہ عرب تو کون ہے؟ اور تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا مجھے کیوس نیزہ دار کہتے ہیں۔ پس بدیع الزمان نے کہا۔ کہ جو نشان بہادری کا رکھتا ہے وہ لا۔

تب کیوس نے کہا کہ پیشدستی کرنی ہمارے ہاں طریق نہیں۔ بدیع الزمان نے اپنا ہاتھ بڑھاکر اسکی کمر پکڑی اور گھوڑے پر سے اٹھایا اور سر پر لیجاکر پھرایا۔ اور زمین پر پچھاڑا اور کہا۔ کہ تو جا اور کسی کو بھیج۔ تب کیوس پھرا اور قیبار خاوری امیر سے اجازت لے کر آیا۔ تب بدیع الزمان نے پوچھا کہ اے دراز قد تو کون ہے؟ تب اس نے نام بتایا تو بدیع الزمان نے اسے بھی زمین پر پٹکا یا اور کہا کہ تو جا اور دوسرے کو بھیج۔ تب قیبار پھرا اور لندھور میدان میں آیا۔ تب بدیع الزمان نے اسکی بھی کمر میں ہاتھ ڈالا اور زور کرنے لگا۔ مگر دونوں کو جنبش نہ ہوئی ناچار ہو کر چھوڑ دیا اور اور کہا کہ تو جا اور حمزہ کو بھیج۔ یا اس کے فرزندوں میں سے کسی کو بھیج۔ تب لندھور واپس آیا اور امیر سے کہا کہ اے امیر تیرے فرزندوں میں سے معلوم ہوتا ہے۔ امیر نے کہا غیب خدا جانے۔ یہ کہکر ملک قاسم عل خفقان خونریزی کو بھیجا۔ پس شہزادہ قاسم میدان میں کودا۔ بدیع الزمان نے اسکی کمر پکڑلی اور قاسم نے اسکی کمر پکڑی اور زور کرنے لگے۔ آخر بدیع الزمان قاسم کو زانو زمین پر لگے تو دونوں پیادہ ہوئے اور کشتی لڑنے لگے۔ آخر بدیع الزمان قاسم کو زانوں پر لائے اور قاسم نے بھی زور کیا مگر ذرا بھی نہ ہلا سکے۔ تب بدیع الزمان نے دوڑ کر قاسم کو چھوڑ دیا اور کہا کہ تو جا۔ اور رستم پیلتن کو بھیج۔ تب قاسم آیا اور رستم کو بھیجا اور بدیع الزمان نے دوڑ کر اسکی کمر پکڑی اور گردن میں ہاتھ ڈالا۔ اور دونوں آپسمیں زور کرنے لگے۔ یہاں تک کہ دونوں گھوڑے دو زانو بیٹھے۔ پھر تو دونوں پیادہ ہو کر لڑنے لگے۔ آخر بدیع الزمان غالب ہوئے اور رستم کو چھوڑ دیا۔ اور کہا کہ سعد طوق کو روانہ کر۔ تب رستم واپس ہوئے اور سعد طوقی میدان میں آیا تب بدیع الزمان اور سعد طوقی لڑائی کرنے لگے تو دونوں برابر رہے۔ پھر بدیع الزمان نے کہا کہ تو جا اور سعد ابن عمر کو بھیج۔ جب سعد طوقی پھرا اور سعد بن عمر میدان میں آیا اور یہ دونوں زور کرنے لگے یہانتک زور کیا کہ دونوں کے مرکب نیچے گرے اور یہ دونوں پیادہ ہوئے۔ آخر بدیع الزمان نے سعد کو ایک زانو پر بٹھالیا۔ اور چاہا کہ پھینکے۔ مگر دل میں رحم آیا اور چھوڑ کر کہا کہ تم جاؤ اور حمزہ کو روانہ کرو۔ تب امیر ہتھیار لگا کر میدان میں آئے اور گھوڑے کو جولان کیا۔ بدیع الزمان امیر کو دیکھکر

دوڑا اور امیر کی کمر پکڑی اور امیر نے اسکی کمر میں ہاتھ ڈالا اور باپ بیٹے آپس میں زور کرنے لگے یہانتک کہ دونوں کے گھوڑے زمین پر گرے اور دونوں پیادہ ہو کر لڑنے لگے۔ امیر نے عمر سے کہا کہ میں نعرہ مارتا ہوں۔ یہ سن کر عمر نے اپنی ٹوپی اُچھالی تو امیر کے لشکر نے معلوم کیا کہ امیر نعرہ مارنے لگے۔ تب سب نے اپنے اپنے موزوں سے روئی نکال کر اپنے اپنے گھوڑوں کے کانوں میں رکھی اور امیر نے نعرہ مارا اور چاہا کہ بدیع الزمان کو الگ اُٹھاویں لیکن بدیع الزمان مُطلق نہ ہلا۔ یہ دیکھکر امیر کے لشکر نے شور کیا اور حیران ہوئے کہ امیر نے نعرہ مار کر اسے اُٹھانا چاہا مگر تل کے برابر نہ ہلا۔ اس وقت امیر اپنے دل میں کھسیائے اور غصّہ ہو کر صمصام ہاتھ میں لی۔ اور چاہتے تھے کہ اس کے سر پر ماریں کہ اتنے میں قریشیہ سلطان نے اپنے آپکو ظاہر کیا اور جا کر امیر کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ یہ فرزند تمہارا ہے۔ امیر نے فرزند کا نام سنتے ہی ہاتھ کھینچ لیا اور کھڑے رہے اور صمصام ہاتھ سے رکھی اور فکر میں مبتلا ہوئے۔ تب قریشیہ سلطان نے بدیع الزمان کا ہاتھ پکڑ کر امیر کے قدموں پر جھکایا۔ تب امیر نے اس کا سر اُٹھا کر گلے سے لگایا اور شکر خدا بجالائے۔ اور عمر کو کہا کہ اے عمر یہ فرزند میرا ہے۔ خدا تعالےٰ نے یہ بیٹا مجھے اس لئے دیا ہے۔ کہ بڑے بڑے کاموں میں میری مدد کرے گا۔

اس کے بعد طبل بازگشت بجوایا اور دونوں لشکر اپنے اپنے مقاموں پر اُترے۔ تب امیر مع پہلوانان آرام کرنے لگے اور بدیع الزمان کے آنے کا جشن کیا۔ اور چالیس روز تک اسی میں رہے

پینسٹھویں ۶۵ داستان

روایت کرنے والے یوں روایت کرتے ہیں۔ کہ امیر سے سمند نام دیو ہزار ہاتھ لمبے قد کا دیوستان سے بھاگ کر البرز پہاڑ کے دریائے جوشی کے قلعہ میں آرہا ہے۔ جب اس کو یہ خبر ہوئی کہ امیر اور نوشیرواں کے لشکر البرز کے دامن میں آرہے ہیں تو اس کے سینہ میں کینہ پیدا ہوا۔ تب اپنے مقام سے باہر آکر عرب کے لشکر میں آیا اور ہر جگہ ٹہلتا رہا اور خیمہ بڑا دیکھکر اندر چلا گیا اور سعد بن عمر کو سوتے پایا۔ پس دم مار کر سعد کو بیہوش کیا اور تخت پر سے اُٹھایا اور ہاتھ پاؤں محکم باندھے۔ جب فجر ہوئی اور لوگ سعد بن عمر کے خیمہ میں آئے تو سعد بن عمر کو نہ پایا۔ تب شور و غل مچا یا کہ بادشاہ اسلام کا بھی غائب ہوا تمام فوجی حیران ہوئے اور عمر بن عمیا اور دوسرے پہلوان سعد کی تلاش میں ہر طرف پھرنے لگے لیکن

کہیں پتہ نہ لگا۔ تب امیر غم سے حیران و پریشان ہوئے۔ اور عمر بن عمیہ سے فرمایا کہ تم بزرجمہر کے پاس جاؤ اور تمام حقیقت ظاہر کرو۔

تب عمر بزرجمہر کے پاس گیا اور تمام حال بیان کیا۔ بزرجمہر نے کہا کہ سعد بن عمر کو سمند دیو البرز پہاڑ کے دریا کے جو شنی میں لیگیا ہے۔ اگر امیر وہاں اکیلے جائیں تو سعد کو لے آئیں گے۔ اگر نہ جائیں گے تو چند روز میں وہ دیو سعد کو ہلاک کر دے گا۔ پس عمر نے یہ تمام حال سن کر امیر کے پاس ظاہر کیا۔ تب امیر اسی دن یاروں سے رخصت ہو کر سوار ہوئے اور البرز کی طرف روانہ ہوئے۔ جب دریا کے نزدیک آئے تو اسی حالت میں اشقر کو دریا میں تیراتے ہوئے جا رہے ہیں۔ اتنے میں نظروں سے غائب ہوئے اور شام کے وقت دریا سے پار ہوئے اور اپنے گھوڑے کو چرنے کے واسطے چھوڑا اور آپ وہاں سے آگے کو راہی ہوئے اور بزرجمہر نے جو بتایا تھا اسی راستہ پر چلے اور جاتے جاتے ساری رات گذر گئی اور جب فجر ہوئی تو قلعہ نظر آیا۔ اس دیو نے سمجھ لیا کہ اس دیو کا مقام یہی ہے پھر امیر نے جنگل سے شکار کیا اور چقماق سے جھاڑ کر آگ جلائی اور کباب بنا کر کھائے اور پھر روانہ ہوئے اور قلعہ کی طرف گئے۔ اور سمند کو خبر دی کہ حمزہ آیا ہے۔ تب سمند ایک ہزار دیو کو ہمراہ لیکر قلعہ سے باہر آیا اور میدان میں کھڑا ہوا۔ اس وقت امیر پیادہ تھے۔ امیر نے دیو کی فوج کو دیکھا تو نعرہ مار کر تنہا میدان میں کھڑے رہے۔ اور پکارے کہ اے ملعون یہ کیا حرکت کی ہے اب اگر ہزار جان رکھتا ہوگا تو ایک بھی سلامت نہ لیجائیگا۔

تب سمند نے ایک دیو کو کہا۔ کہ میدان میں جا۔ تب دیو نے ایک بڑا پتھر اٹھایا اور امیر کے مقابل آیا اور بولا۔ کہ اے عرب ہوشیار رہو۔ تب امیر نے کہا۔ کہ میدان میں آ۔ تب اس دیو نے پتھر پھینکا اور امیر نے گھوڑے کو پیچھے کیا اور پتھر کو ٹال دیا اور تلوار کھینچ کر اسے ایسی ماری کہ دیو زمین پر گر کر تلملانے لگا اور بولا کہ اے امیر دوسرا وار بھی مار تا کہ میں اس عذاب سے چھوٹوں۔ امیر نے کہا اے ملعون میں نے اٹھارہ سال کوہ قاف میں دیو مارے ہیں اور تو مجھے باتیں سکھاتا ہے سو میں ہرگز تجھے دوسری چوٹ نہ ماروں گا۔

پس دیو نے اپنا سر پتھر پر مار مار کر جان دیدی پھر دوسرا دیو آیا اسے بھی امیر نے مارا۔ غرضیکہ اسی طرح اس دن سات دیو مارے اور ڈر کے مارے باقی دیو نہ آئے اور اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اور سمند دو نے بہتوں کو کہا لیکن کسی کو میدان میں جانے کا حوصلہ نہ ہوا۔ آخر لاچار ہو کر سمند دو کو آپ ہی میدان میں آنا پڑا اور سو من کا پتھر اٹھا کر امیر پر پھینکا۔ امیر نے اس کو رد کیا اور

اس پر شمشیر ماری جس سے دیو کے سات ہاتھ کٹ گئے اور سمندو زخم کھا کر بھاگ گیا اور تندرست ہو کر پھر آیا اتنے میں رات ہو گئی تو سب کے سب دیو غائب ہو گئے اور قلعہ میں جا اترے تب امیر بھی ایک جھاڑ کے سایہ کے نیچے سو رہے۔ خواب میں امیر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نظر آئے۔ انہوں نے امیر کو کہا۔ کہ اے فرزند ہمت مت ہار یہ دیو تیرے ہاتھ سے مر جائیگا۔

پس اسی وقت امیر کی آنکھ کھلی اور کوہ البرز کے قلعہ میں گئے اور وہاں جا کر دیکھا تو ایک حوض پانی کا بھرا ہوا ہے۔ تو اپنے دل میں یقین کیا۔ کہ اس دیو کا آبحیات یہی ہے۔ تب اسی حوض کو توڑ کر پانی بہا دیا اور حوض میں سوکھی مٹی بھر دی اور حوض میں تمام پانی خشک کر کے وہاں سے اپنی جگہ پر واپس آ گئے۔ جب فجر ہوئی تو سمندوں اپنے دیو کو لیکر قلعہ سے باہر اور صف باندھکر کھڑا رہا۔ تب امیر میدان میں آئے اور کھڑے رہے۔ امیر کو دیو دیکھتے ہی پکارے کہ اے امیر ابھی تو نہیں بھاگا؟ امیر نے کہا کہ جبتک تمکو دوزخ میں نہ بھیجوں گا۔ تب تک میں یہاں سے نہ جاؤں گا۔ تب سمندو دیو نے پیش کر ایک بڑا بھاری پتھر امیر پر چلایا۔ امیر نے اپنی ڈھال سے اُسے رد کیا اور تلوار کا ایک وار اس پر ایسا مارا کہ اسکی آدھی گردن کٹ گئی۔ تب وہ دیو نعرہ مار کر گم ہوا اور امیر بھی اس کے پیچھے چلے اور کیا دیکھتے ہیں کہ سمندروں آکر حوض کے پاس گیا اور پانی نہ دیکھا اور تلملایا۔ بڑی حسرت سے جان دی۔ تب امیر نے اس کا سر کاٹ کر اپنے شکار کے ساتھ باندھا اور قلعہ کے پاس آئے اور سعد بن عمر کو تلاش کرنے لگے۔ اور کتنی دیر کے بعد جب ایک کوٹھری میں پہنچے تو سعد بن عمر کو بیہوش پڑا ہوا پایا۔

تب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صحیفہ پڑھکر اس کے مُنہ پر دم کیا اور سعد بن عمر ہوش میں آئے اور آنکھیں کھول کر دیکھا تو دادا ہیں۔ تب خدا کا شکر بجا لایا۔ امیر نے سعد کو بند سے خلاص کیا اور قلعہ سے باہر آئے اور ایک شکار کر کے کباب بنا کر دادا پوتا نے مل کر کھائے۔ پھر سعد کو اشقر پر سوار کیا۔ اور آپ پیادہ چلے اور اپنے لشکر کی راہ لی۔ دوسرے روز دریا کے کنارے پر پہنچے تو سعد بن عمر کو امیر نے کہا۔ کہ اے فرزند تم تیرنا نہیں جانتے اس لئے تم اشقر پر سوار رہو اور دریا میں چلو اور میں اشقر کی دُم پکڑ کر تیرتا ہوں۔

تب امیر نے اپنے گھوڑے کی دُم پکڑ لی اور تیرنے لگے۔ تب امیر و سعد بن عمر اور اشقر تینوں دریا سے سلامت آئے۔ اور اپنے لشکر کی راہ لی۔ لیکن دریا کے ٹھنڈے پانی سے امیر کے تمام بدن کی کھال اتر گئی تھی۔ آخر امیر اپنے لشکر میں پہنچے تو تمام فوج اپنے استقبال کے لئے آئی اور

خدا کا شکر بجا لائے۔

اس کے بعد امیر نے اپنے بدن پر دوائی لگائی اور چند روز میں ہی اچھے ہو گئے اور سعد بن عمر کے آنے کی خوشی میں مجلس عیش و عشرت شروع کی۔ کافر یہ سن کر تعجب میں رہے کہ امیر حمزہ وہاں سے بھی سلامت آ گیا ہے۔

چھیاسٹھویں داستان

جب چند روز گزرے تو امیر جشن سے فارغ ہوئے تو کافروں کے لشکر سے طبل جنگ شروع ہوا۔ تب امیر نے بھی حکم دیا کہ ہمارے لشکر میں بھی جنگی طبل بجے۔ جب دونوں میں جنگی طبل بجنے لگے اور میدان صاف کر کے صفیں آراستہ کیں اور دونوں طرف کے بادشاہ اور سردار آ کر کھڑے ہوئے۔ اور امیر بھی سوار ہو کر میدان میں آئے۔ اور سرداری کے چالیس قدم آگے بڑھ کر کھڑے رہے۔ اور سمندون دیو کا سر میدان میں پھینکا۔ اور نوشیرواں کے لشکر کو بتلا کر کہا کہ اے کافر یہی دیو سمندون کو لے گیا تھا۔ سو خدا کی مہربانی سے اسے چھڑا لایا ہوں۔

یہ انہی باتوں میں تھے کہ جنگل کی طرف سے گرد پیدا ہوئی۔ جب گرد اور باد برہم شروع ہوئی تو باد نے گرد کو مار کر منتشر کر دیا اور اس میں سے ایک لشکر ظاہر ہوا۔ تب دونوں طرف سے جاسوسوں نے دوڑ کر پوچھا کہ کس کا لشکر ہے؟

اس لشکر میں سے ایک نے جواب دیا کہ یہ لشکر اور بخت نصر یان کا ہے اور دونوں نوشیرواں کی مدد کو آئے ہیں۔ نوشیرواں یہ سن کر نہایت خوش ہوا اور اپنے بیٹے ہرمز کو استقبال کیلئے بھیجا اور اسے بڑی تعظیم و تکریم سے لایا۔ اور جب وہ خیمہ میں داخل ہوئے تو نوشیرواں نے خلعت دیا اور سونے کی کرسی پر بیٹھنے کو فرمایا۔ اور ... کو پہلوانی کی کرسی دی اور دونوں لشکر اپنے مقاموں پر اترے۔

یہ داستان یہاں چھوڑ کر دوسری داستان شروع کی جاتی ہے۔ امیر حمزہ کے ... آخر الزمان کے ... شوہر ... جب ... اپنے باپ سے رخصت ہو کر ... کو ... گئے تو چند روز کے بعد ... کو ... کا ... پیدا ہوا ... مطلب نے اس کا نام ... رکھا اور اس کی پرورش میں ... قدر

کوشش کی۔ جب اعجل بارہ سال کا ہوا تو ایک دن خواجہ عبدالمطلب اور ان کے یار بیٹھے تھے کہ یکایک ترکستان سے ایک لشکر آیا اس کا سردار قلمان غور تھا۔ قلمان غور مکہ معظمہ کی تباہی کا ارادہ کرکے قلعہ کے پاس آیا تو مکہ معظمہ کی خلقت قلعہ بند کرکے لڑنے لگی۔ غرض لڑتے لڑتے وہ غالب آیا۔ اس کو یہاں تک زور ہوا کہ حصار مکہ چھین لے۔ اتنے میں یہ خبر اعجل کو پہنچی۔ اس وقت اعجل یاروں کے ساتھ بیٹھے تھے یاروں نے کہا کہ یہ خبر تو ابھی ہوشیار نہیں ہوتا۔ کہ تھوڑی دیر میں مکہ کا قلعہ ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ اعجل تمام دوستوں کو لیکر اٹھے اور باپ کے پاس آئے۔ اور کہا کہ اے بابا جان اگر گھوڑا اور ہتھیار ملیں تو میں باہر جاؤں۔ اور کافروں کو ماردوں۔

تب باپ نے کہا جو بات بولتا ہے یہ خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالے نے حمزہ کو ہی زور آور کیا ہے۔ اور جیسا وہ لڑنا جانتا ہے تو کیا جانے۔ اور اگر تو لڑنا چاہتا ہے تو اکیلا کیا کرے گا؟ تو جا اور اپنے کام میں مشغول ہو۔ ہمارا مددگار خدا ہے۔ اعجل نے یہ سن کر کہا کہ بس اگر مرد ہے تو بس حمزہ ہی ہے۔ اور تمہارا زندہ رہنا بھی اس سے ہی ہے کچھ سے نہیں۔

تب خواجہ عبدالمطلب نے کہا کہ تیرے جیسے بہت بیٹے ہیں۔ لیکن حق سبحانہ تعالے نے جو زور حمزہ کو بخشا ہے وہ دوسرے کو نہیں۔

یہ کہکر بیٹے کو ہر چند منع کیا اور اعجل نے ہرگز نہ مانا۔ تب لوگوں نے خواجہ عبدالمطلب سے کہا کہ اس کو جانے دو اور ہتھیار بھی دو۔ بھلا دیکھو تو یہ کیا کرتا ہے۔ تب خواجہ عبدالمطلب نے اعجل کی کمر پر ہتھیار باندھے اور گھوڑے پر سوار کیا۔ اور سب دوستوں نے اعجل سے کہا کہ ہم بھی ہمراہ چلتے ہیں۔ یہ کہکر وہ بھی ساتھ راہی ہوئے اور قلعہ کے پاس آکر دروازہ کھولا اور یاروں سمیت باہر نکلے اور میدان میں آکر کھڑے رہے۔

اس وقت کافروں نے دیکھا کہ ایک سوار اور کئی پیادے قلعہ سے باہر آکر میدان میں صف باندھے کھڑے ہیں۔ تب کافروں نے قلمان کو خبر کی۔ قلمان نے کہا کہ صلح کیواسطے آئے ہیں۔ کوئی جاوے اور ان کے آنے کا سبب تحقیق کرے۔ تب ایک سوار گھوڑا دوڑا کر ان کے پاس آیا اور پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو۔ اگر صلح کے واسطے آئے تو بادشاہ کے پاس چلتا ہوں۔ تب اعجل نے کہا کہ اے کافر صلح کیا چیز ہے۔ میں اعجل خواجہ عبدالمطلب کا فرزند ہوں اور امیر حمزہ کا بھائی۔ اور میں تمکو مارنے آیا ہوں۔ اگر تم مرد ہو تو آگے آؤ۔

یہ سنتے ہی ترک سوار دوڑا اور تلوار کھینچکر اعجل پر ماری اور اعجل نے اس کا وار ڈھال

پر روکا اور فرصت پاکر اپنا ہاتھ اُس کی کمر میں ڈالا اور پکڑ کر گھوڑے پر سے کھینچا اور اُٹھایا اور سر پر لیجا کر پھرایا اور زمین پر پٹکا۔ تب سوار اوندھے منہ زمین پر گرا۔ اعجل کے یاروں نے اُس سوار کو باندھا۔ اِس وقت قلمان پکارا کہ اے سپاہیان غوری یہ عرب میرے سپاہیوں کو جو الم زدی سے لیئے جاتا ہے تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اسے پکڑ کر میرے پاس لائے؟

پس دوسرا سوار آیا اور اعجل پر تلوار کا وار کیا تب اعجل نے ہاتھ بڑھا کر اسکی تلوار کا قبضہ پکڑ لیا اور اسکی گردن پر ایسی مکّی ماری کہ وہ گھوڑے سے زمین پر گرا اور اعجل کے یاروں نے اسے بھی باندھا۔ اس کے بعد امیر جیسے تمام فن و ہنر اعجل استعمال کرتے رہے اور اسی عمل سے کافروں کو زندہ پکڑنے لگے۔ یہاں تک کہ چالیس کافروں کو زندہ پکڑ کے باندھا۔ تب تمام کافروں نے حوصلہ چھوڑا اور میدان میں کوئی نہ آسکا۔

آخر قلمان غوری ناچار ہو کر گھوڑا منگا کر سوار ہوا اور آپ میدان میں آیا اور پکارا کہ اے عرب! اگر ہزار جان رکھتا ہوگا تو ایک بھی سلامت نہ لیجائیگا۔ یہ کہکر اپنا گرز گراں اعجل پر اس زور سے مارا کہ اس کی گرز کی آواز تمام جنگل اور پہاڑوں میں گئی۔ اس بات پر بزرگ کہتے ہیں کہ اگر کوئی بہادر سد سکندری جیسا بھی اس گرز کے سامنے ہوتا تو بھی اس آواز کے سامنے پر خطر ہوتا۔ مگر پیغمبر کے بازو کا ہاتھ بھی نہ ہلا اور اعجل کو ذرا بھی جنبش نہ ہوئی اس بات سے سب نے تعجب کیا۔

غرض جب اعجل کی نوبت آئی تو اعجل نے گرز ہاتھ میں لیکر قلمان غوری کے سر پر ایسا مارا کہ قلمان نے جو ڈھال سامنے کی تھی وہ ٹوٹ گئی اور گرز گھوڑے کی پیٹھ پر سے اُترا اور قلمان گر کر پیادہ ہوا۔ اور چاہتا تھا کہ تلوار کھینچکر اعجل کے گھوڑے کو مارے۔ اعجل یہ سمجھکر گھوڑے سے اُترا اور اس کے مقابل جاکر اس کے بازو پکڑ کر اس کو اُٹھایا اور سر پر سے چکر دیکر زمین پر دے مارا لیکن وہ زندہ رہا۔ اعجل اس کی چھاتی پر سوار ہوئے اور اس کے لشکر میں ایکدم حملہ کرنیکا ارادہ کیا۔ مگر قلمان نے اشارے سے منع کیا۔ پھر اعجل نے فرمایا۔ کہ لے ترک بول خدا ایک ہے اور دین حضرت ابراہیم علیہ السلام برحق ہے۔ اگر تو معافی مانگے گا تو تجھے امیر کے پاس لیجا کر کوئی جگہ بادشاہی کی دلوا دوں گا۔ تب قلمان نے معافی مانگی۔ جب اعجل چھاتی پر سے اُترا اور چھاتی سے لگایا۔

جب خواجہ عبدالمطلب نے یہ حالت دیکھی کہ میرے فرزند اعجل نے فتح حاصل کی ہے تو سجدہ شکر خدا تعالےٰ کا ادا کیا اور مجمع کے ساتھ قلعہ سے باہر آئے۔ اور اعجل پر بہت نوازش کی اور خلعت منگا کر اعجل اور قلمان کو پہنایا اور اپنے دربار میں لے گئے۔ اور کھانا وغیرہ کھلایا۔

بعد تناول کے ساقیان سیمیں ساق پیالہ مرصع کا گردش میں لائے اور مطربان خوش آواز چنگ دف اور دیگر باجے بجانے و گانے لگے۔ جب دو دو چار چار پیالے مے کے پیئے تب ہر ایک آدمی کچھ کچھ باتیں کرنے لگے۔ تب اعجل نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ میں امیر کی خدمت میں جاؤں۔ تب قلمان بولا۔ کہ میری بھی آرزو امیر کی قدم بوسی کی ہے۔

غرض کہ نیک ساعت دیکھ کر اعجل اور قلما غوری کوہ البرز کی طرف روانہ ہوئے۔ جب ایک یا دو منزل آئے تھے تو خدا کی قدرت سے معدی کرب کا فرزند جو تہم کی بیٹی سے پیدا ہو کر جوان ہوا تھا اور ماں نے اس کا نام کرب معدی رکھ دیا تھا۔ اس وقت سخت پہلوان ہوا تھا اور اسکی قوت کی برابری کوئی بھی نہ کر سکتا تھا۔ وہ باپ کے دیکھنے کے شوق سے ماں کی خدمت میں گیا۔ اور کہا۔ کہ اماں جان میں چاہتا ہوں کہ حمزہ کے لشکر میں جاؤں اور حمزہ کو دیکھوں۔

تب ماں نے کہا۔ اول تو مکہ کو جا اور کعبہ کی زیارت سے فارغ ہو اور خواجہ عبدالمطلب سے اجازت طلب کر کے باپ کے دیکھنے کو جا۔ تب کرب معدی اپنے لشکر کو لیکر کعبہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور راستہ میں اعجل سے ملاقات ہوئی۔ اور اعجل کے لشکر کے لوگوں نے کرب معدی کے سپاہیوں سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو اور کہاں جاتے ہو؟

انہوں نے جواب دیا کہ کرب معدی کے لشکر کے سپاہی ہیں اور کعبۃ اللہ کی زیارت کو جاتے ہیں۔ جب یہ خبر اعجل کو پہنچی تو استقبال کر کے معدی کو ملا اور گلے لگایا اور حقیقت بیان کی اور حال پوچھا۔ تو اس نے کمال حال اپنا ظاہر کیا اور کہا کہ تم ایک دو روز اسی جگہ قیام کرو تو میں کعبۃ اللہ کی زیارت کر کے اور خواجہ عبدالمطلب سے مل کر دوبارہ آتا ہوں پھر تم ہم مل کر چلیں گے۔

تب اعجل نے وہاں قیام کیا اور کرب معدی مکہ میں گیا اور کعبۃ اللہ کی زیارت سے مشرف ہو کر پھر خواجہ عبدالمطلب سے ملاقات حاصل کر کے واپس آیا۔ اور پھر دونوں لشکر مل کر روانہ ہوئے اور منزل بمنزل طے کر کے کوہ البرز کے پاس پہنچے تو آپس کی صلاح کی کہ امیر حمزہ اور ان کے تمام فرزندوں اور یاروں سے زور آزمائی کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد انہوں نے یہاں سے کوچ کیا اور امیر کے لشکر سے چار کوس کے فاصلہ پر جا اترے اور اپنے لشکر کو یہاں چھوڑ کر اور آپ دونوں سوار ہو کر امیر کے لشکر کی طرف چلے۔ جب نزدیک آئے تو اعجل نے کرب معدی سے کہا۔ کہ تم یہیں رہو اور میں اکیلا میدان میں جاتا ہوں۔ میں جبتک امیر کے ساتھ زور آزمائی نہ کر لوں گا تم سب اپنے آپکو ظاہر نہ کرنا۔

تب عمر معدی نے کہا۔ کہ جب تک امیر سے زور آزمائی نہ کر لو گے تب تک میں میدان میں نہ آؤں گا اور جب تک تم میرا نام کسی سے ظاہر نہ کرنا۔

اعجل نے قبول کیا اور نوشیرواں کے لشکر میں گیا۔ دیار سے نکل کر میدان میں آیا اور کھڑا رہا اور پکارا کہ اے حمزہ اپنے فرزندوں میں سے کسی کو لڑنے کیلئے بھیج۔

اُس وقت امیر نے اُس کو دیکھکر کہا کہ یہ بلائے ناگہانی کہاں سے آئی ہے۔ اور کدھر سے پیدا ہوئی؟ تب عمر معدی نے کہا۔ یا امیر یہ کوتاہ قد تمہارے ہم جنس ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ پس رستم پیلتن امیر کی خدمت میں آئے اور قدمبوس ہوکر رضا مانگی۔ اور امیر کی اجازت سے میدان میں آیا۔ تب اعجل نے دوڑ کر رستم کی کمر پکڑی اور رستم نے اُسکی کمر میں ہاتھ ڈالا۔ اور آپس میں زور کرنے لگے۔ یہاں تک کہ دونوں کے گھوڑے زمین پر بیٹھ گئے اور وہ دونوں پیادہ ہوکر زور کرنے لگے۔ اعجل نے رستم کی کمر سے ہاتھ نکالا اور کہا کہ تم جاؤ اور بدیع الزمان کو روانہ کرو۔ تب رستم پھرے اور بدیع الزمان میدان میں آئے اور کھڑے ہوئے۔ تب دونوں زور کرنے لگے۔ مگر بدیع الزمان زور میں بڑھ گئے۔

پس اعجل نے کہا کہ اے پسر حمزہ اب تو جا اور قاسم کو بھیجدے۔ پھر بدیع الزمان واپس آئے اور قاسم خاوری کو روانہ کیا۔ اُس نے بھی اعجل سے زور کیا۔ یہاں تک کہ دونوں کے گھوڑے زمین پر گر گئے اور دونوں پیادہ ہو گئے۔ یہاں اعجل نے کہا کہ اے قاسم تو جا اور سعد بن عمر کو بھیج جب سعد بن عمر نے قاسم سے سُنا تو میدان میں آیا اور اعجل سے زور کیا اور دونوں برابر رہے۔ نہ اسے فتح اور نہ اسے ظفر۔

تب اعجل نے کہا۔ کہ تو جا اور امیر کو بھیج۔ تب سعد واپس آیا اور حمزہ سے کہا۔ تو حمزہ نے اشقر کو منگایا اور ہتھیار پہنے اور سوار ہوکر میدان میں آکر گھوڑا دوڑایا اور اعجل کے مقابل ہوکر کھڑے رہے۔ اُس وقت امیر نے اعجل کی کمر میں ہاتھ ڈال کر زین پر سے معلق اُٹھا اور سر پر پھرا کر زمین پر پچھاڑا اور کہا۔ سچ بول کہ تو کون ہے؟

اعجل نے کہا کہ میں تمہارا بھائی ہوں اور میرا نام اعجل ہے۔ جونہی امیر نے بھائی کا نام سُنا تو اسکی چھاتی سے اُترے اور گلے لگایا۔ اور کہا کہ اے برادر یہ کیا نادانی ہے۔ یہ لازم تھا کہ آگے سے کہلا بھیجا ہوتا اور مجھے تیرے آنے کی خبر ہوتی تو سارا لشکر اور پہلوان تیرے استقبال کو سر و چشم آتا۔ تو اس حال میں کس واسطے آیا اور مجھ کو آگاہ نہ کیا۔ اور اعجل نے کہا کہ اے برادر میں نے سُنا

تھا کہ تمہارے فرزند اسی طرح سے زور آزمائی کرکے ملے ہیں سو میں نے بھی اسی طرح کیا۔ اب یہ تقصیر معاف کرو۔

غرض امیر و انجل اپنی باتوں میں تھے کہ ایک سوار شیر غراں کی طرح میدان میں آیا اور امیر کو پکارا۔ امیر بھی اس کے سامنے ہوئے تو اس نے گرز ہاتھ میں پکڑا اور امیر کے پاس آیا امیر نے انجل سے پوچھا کہ تمہیں کچھ معلوم ہے کہ یہ کون ہے؟ انجل نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ کرب معدی نے امیر پر گرز مارا اور امیر نے اس کا وار سر پر لیا اور اس وار کی ضرب سے تمام مردانِ عالم حیران ہوئے اور امیر کے بدن سے پسینہ جاری ہوا۔ سوار کے پھرتے وقت امیر نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور زین سے پاؤں اچھال کر کرب معدی کے گھوڑے کو ایک لات ماری کہ وہ سو قدم دور جا گرا۔

تب امیر نے کرب معدی کو معاف کیا اور زمین پر پٹکا یا اور سوار ہوئے اور کہا کہ سچ بول تو کون ہے۔ تب معدی کرب نے کہا کہ میں عمر معدی کرب کا فرزند ہوں۔ تب امیر ہنسے اور عمر معدی کرب کو پکار کر کہا کہ اے عمر معدی یہ تیرا فرزند ہے۔ تو عمر معدی ایسا خوش ہوا کہ جامہ میں پھولا نہ سمایا اور دوڑ کر آیا۔ اور اپنے فرزند کو گلے لگایا۔ اور امیر کے قدموں پر آ گر گیا اور کہا کہ اے بے ادب تو نے امیر پر گرز کیوں چلایا؟ تب امیر نے کہا کہ میں نے اسے بخشا کیونکہ ہر پہلوان کا فرزند اپنی پہلوانی جتانا چاہتا ہے۔ اس کو کچھ نہ کہو۔ تب امیر نے اسے اپنی نظر پناہ میں لیا۔ اس کے بعد امیر نے اپنے بھائی کے آنے کی خوشی میں شادیانے بجوائے اور تجمل سے اپنے برادر کو اپنے لشکر میں لے گئے مجلس جشن تیار کرنے کو فرمایا۔

اتنے میں قلماں آ کر امیر سے ملا۔ امیر نے تینوں کو خلعت انعام دیئے اور سونے کی کرسیوں پر بیٹھنے کو فرمایا۔ اور کئی دن عیش و عشرت میں رہے۔

۶۷
سڑسٹھویں داستان

کئی روز کے بعد دونوں فوجیں میدان میں کھڑی ہوئیں اور نقیب پکارے کہ کون مرد ہے جو میدان میں اپنا نام ظاہر کرے؟ اتنے میں نجم اشتریان میدان میں آیا اور پکارا کہ اے خدا پرستان

جو مرنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ میدان میں آئے۔ اتنے میں شان طائفی پسر فندر پسر شبان امیر کی خدمت میں آیا اور رضا طلب کی کہ اگر حکم ہو تو میدان میں جاؤں؟

امیر نے فرمایا کہ جا تجھے خدا کو سونپا۔ تب شبان طائفی میدان میں آیا اور نجبہ اشتربان کے سر پر عمر زالیبا مارا کہ اسکی آواز سے تمام لشکر کانپا لیکن طائفی نے اس کا گرز رد کیا اور اپنے مقام سے نہ ہلا اور ایک رونگٹے نے بھی جنبش نہ کی۔ جب طائفی کی باری آئی تو نجبہ کے سر پر گرز ایسا مارا کہ نجبہ جنبش کھا کر رونے لگا۔ پھر دونوں کی گرز چلنے لگے اور لڑتے لڑتے رات ہوئی۔ تب دونوں لشکر پھرے اور اپنے اپنے مقام پر اترے۔

جب رات بسر ہوئی اور دن نمودار ہوا تو دونوں طرف سے نقارے بجے اور دونوں میدان میں آکر کھڑے ہوئیں اور نجبہ اشتربان باہر آیا اور امیر کی طرف سے قیس بن قیمار بھی سوار ہو کر نکلا اور قیس نے بھی اسکی کمر میں ہاتھ ڈالا اور کشتی لڑنے لگے۔ نجبہ نے قیس کو زین پر سے اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ اور چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ تب قیس بن قیمار نے اپنے دونوں پاؤں جھاڑے اور نجبہ کے سینے پر لگے۔ پاؤں لگتے ہی نجبہ زمین پر چت گرا تو قیس بن قیمار اٹھتے ہی اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ اور چاہتا تھا کہ باندھے مگر نجبہ نے بھی اپنی لاتیں جھٹکیں اور قیس اوندھا زمین پر گرا اور گرتے ہی دونوں کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں شام ہوئی اور رات ہو کر اندھیرا ہو گیا تو دونوں فوجیں اپنے اپنے مقام پر اتریں۔ جب صبح ہوئی تو دونوں لشکروں میں طبل جنگ بجے اور فوجیں میدان میں آئیں۔ اور نجبہ نے میدان میں آکر حریف کو پکارا اور بدیع الزمان میدان میں آیا اور پکارا۔

نجبہ نے پوچھا تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے اور بتا کہ حمزہ تو ہی ہے یا کوئی اور ہے۔ بدیع الزمان نے کہا کہ میں حمزہ کا بیٹا ہوں اور بدیع الزمان میرا نام ہے۔ تب نجبہ نے کہا کہ اے لڑکے میں نے سنا ہے کہ تو بھی زور باپ کے برابر رکھتا ہے۔ سو خبردار رہو۔

یہ کہکر سات سو من کا گرز اٹھایا اور بدیع الزمان کے سر پر مارا۔ سو امیر زادہ نے اپنے ہنر سے اس کا گرز رد کیا اور کہا کہ لے تو نے ایک وار اور بھی کر کہ تجھے دو وار اور بھی دیئے۔ تب نجبہ نے جتنی قوت اس کو خدا نے دی تھی اتنی قوت سے گرز مارا اور اس کا یہ وار بھی امیرزادہ نے روکا اور کچھ ضرر نہ اٹھایا۔ جب بدیع الزمان کی باری آئی تو ہزار من کا گرز ہاتھ میں لیکر گھوڑا دوڑایا اور وہ گرز نجبہ کے سر پر مارا اور نجبہ نے یہ وار ٹال دیا مگر اس کے گھوڑے کی کمر پر لگا۔ اور اس کی کمر ٹوٹی۔ اور نجبہ زمین پر گرا۔ اور تلوار کھینچکر چاہتا تھا کہ امیرزادہ کے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹے۔ مگر امیرزادہ فوراً گھوڑے

پر سے زمین پر اُترے اور پیادہ ہوئے اور تلوار کھینچکر شیر غراں کی مانند میدان میں جولان ہوئے اور وہ نیزہ ہاتھ میں لے کر لڑنے لگا۔ بدیع الزمان نے اس کا نیزہ خیار کی طرح اُڑا لیا جب کوئی ہتھیار نہ رہا تو بدیع الزمان نے کہا۔ کہ میں نعرہ مارتا ہوں۔

نجو نے کہا۔ کہ اے پسر حمزہ میں کوئی گھوڑے کا بچہ نہیں ہوں کہ تیرے نعرے سے ڈروں گا۔ جتنا تیرا جی چاہے پکار۔ تب بدیع الزمان نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اللہ اکبر کا نعرہ مار کر نجو کو زمین سے اُٹھایا اور معلق سر پر لائے۔ کہ تمام خلق اللہ نے آفرین کہی۔ پھر زمین پر پچھاڑا اور ہاتھ پاؤں اس کے باندھکر عمر بن عمیہ کے حوالے کیا۔

اس وقت مالک اشتر نے یہ تماشہ دیکھکر کہا۔ کہ اے بادشاہ امیر حمزہ کا بیٹا خوب زور رکھتا ہے کہ اس نے میرے چچا کو جوانمردوں کی طرح باندھا۔ اس واسطے مجھے لازم ہے کہ میں اس سے جنگ کر کے اس پر فتح پاؤں۔ مگر لڑوں گا کیونکہ۔ اگر آج لڑوں تو مردان عالم کہیں گے کہ بدیع الزمان تھکا ہوا تھا اس لئے مالک اشتر نے اس پر فتح پائی۔ پس کل لڑنا مناسب ہے۔ اور پھر دیکھنا غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟

القصہ طبل بازگشت پر چوٹ لگی سب اپنی اپنی جگہ پر اُترے۔ تب بدیع الزماں باپ کی خدمت میں آئے اور قدمبوس ہوئے اور حمزہ نے اپنے فرزند کو گلے سے لگایا۔ اور پیشانی پر بوسہ دیا اور دربار میں پہلوانان جہاں کی کرسی پر بیٹھایا اور بولے۔ کہ نجو کو لاؤ تب عمر بن عمیہ نجو کو لیکر آئے۔

امیر نے فرمایا کہ اے نجو میرے فرزند نے تجھے کیونکر باندھا۔ نجو نے کہا۔ کہ جسطرح جوانمردوں کو جوانمرد باندھتے ہیں۔ پھر امیر نے فرمایا کہ اے نجو معافی مانگ۔ تب اس نے کہا۔ کہ جب مالک اشتر گرفتار ہو کر آئے گا تو جو وہ کہے گا وہی کروں گا۔ پس امیر حمزہ نے یہ بات سُن کر نجو کو عمر معدی کرب کے حوالے کیا۔ اور کہا کہ اسے تم رکھو اور خبردار رہو۔ اور امیر آپ جائے عیش میں مصروف ہوئے۔

اتنے میں ایک قاصد آ کر دروازے پر کھڑا ہوا اور پکار کر فریاد کی۔ تب امیر نے فرمایا کہ اے عمر بن عمیہ جا اور قاصد کا مطلب پوچھکر آ کہ وہ کیا کہتا ہے۔ تب عمر قاصد کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا چاہتا ہے۔ قاصد نے کہا۔ کہ فریاد کرتا ہوں اور انصاف چاہتا ہوں۔ عمر نے کہا کہ تو کہاں سے آیا ہے اور تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے جو داد مانگتا ہے؟

قاصد نے کہا۔ کہ خرسند سے آیا ہوں اور فتحنوش کا خط لایا ہوں۔ تب وہ خط لیکر عمر امیر کے پاس آیا اور امیر کی خدمت میں وہ خط پیش کیا۔ امیر نے بلند آواز سے خط پڑھا جس میں یوں لکھا تھا کہ۔

میں بندہ نوشش فتح غلام کا ہوں۔ خاندان حضرت ابراہیم کیطرف سے پہلوان جہانگیر کی خدمت میں وہ خط پیش کیا۔ کہ زروف فرنگی جو فرنگستان کا بادشاہ ہے اس نے بہت لشکر لیکر خرسند پر چڑھائی کی ہے۔ اور میں مقابلہ کی تاب نہیں لا سکا۔ اس واسطے سب لوگ قلعہ میں بند ہیں۔ اور قلعہ میں دانہ اور ذخیرہ کم ہے۔ اس سبب سے قلعہ کے لوگ بہت ہی تنگ ہو رہے ہیں۔ اگر تم آؤ یا رستم پیلتن کو جلدی سے مدد کے واسطے بھیجو تو بہتر ہے۔ کیونکہ اس زورآور فرنگی کے ہاتھ سے یہ نہایت کمزور اور ضعیف اور مسکین لوگ رہائی پائیں گے اور اگر آپ اس کے واسطے کوئی بندوبست نہ کریں گے تو وہ ہم پر غالب آکر قلعہ اور ملک چھین لے گا۔

جب امیر نے یہ تمام خط پڑھکر کل حال معلوم کیا تو رستم پیلتن کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔ کہ اے فرزند تم یہاں میری جگہ پر رہو اور میں خرسند کو جاتا ہوں اور فرنگی کو سزا دیتا ہوں۔

تب رستم پیلتن اُٹھے اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ یہ بات نہ ہوگی۔ کہ تم وہاں اور میں یہاں رہوں۔ اگر میں آپکا حکم حاصل کر کے جاؤں تو یہ مہم انشاءاللہ تعالےٰ نہایت موزونی سے سرانجام ہوگی تب امیر نے فرمایا کہ تمہارا اکیلے وہاں جانا مصلحت نہیں کیونکہ فرنگی کا لشکر بہت ہے۔ اگر تم نے ضروری جانا ہے تو چند زبردست پہلوان اپنے ہمراہ لے جاؤ۔

رستم نے کہا۔ کہ میں ایک پہلوان بھی ساتھ لیجانا نہیں چاہتا۔ کیونکہ فرنگی کے سارے لشکر کے لئے میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ میں امیر کے اقبال سے فتح کروں گا۔

تب امیر لاچار ہو کر بولے کہ جاؤ تمہیں خدا کو سونپا۔ پس رستم پیلتن رخصت لیکر اسی وقت سوار ہوئے اور خرسند کی راہ لی۔ اور رات دن چلے اور کہیں مقام نہ کیا۔ اور چند روز کے بعد شہر خرسند کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ فرنگی کا تمام لشکر قلعہ کے گرد پڑا ہے۔ تب رستم پیلتن نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں بازو پر رکھا اور بایاں ہاتھ داہنے بازو پر رکھ کر نعرہ مارا اور بعد نعرہ کے پکار

کر کہا۔ کہ کافرو تم اب میری ضرب سے کہاں جا سکو گے؟

جب رستم کے نعرہ کی آواز فرنگستان کے بادشاہ نے سنی تو پوچھا کہ کیا یہ حمزہ آیا ہے؟ تب وہ فرنگی خود سوار ہوا اور میدان میں آیا اور فوج و سامان لڑائی کے واسطے تیار کیا اور مرزوق شاہ فرنگ کا قد نو گز لمبا تھا اور اس کے بہت سے بیٹے اور پوتے چالیس گز لمبے تھے۔ تب مرزوق نے اپنی اولاد کو پکارا اور کہا اس کو پہچانو تو کہ یہ کون ہے؟ آیا یہ حمزہ ہے یا رستم پیلتن ہے۔ تب فرنگی کا بڑا بیٹا باپ کے سامنے آیا اور کہا کہ اگر حکم ہو تو میدان میں جاؤں اور جنگ کروں۔

یہ سن کر مرزوق نے اس کو اجازت دی اور وہ میدان میں آیا۔ اور رستم پیلتن کے مقابل آ کر کھڑا ہوا۔ اور کہا کہ آنے والے اپنا نام بول تاکہ بے نام نہ مارا جائے۔

تب عالم شاہ رومی نے کہا کہ میں فرزند حمزہ کا ہوں اور میرا نام رستم پیلتن ہے تب مالیا نے کہا کہ اے رستم واسطے عرب زادے تو اگر ہزار جان رکھتا ہو گا تو ایک جان بھی سلامت نہ لیجائیگا یہ کہا۔ اور عالم شاہ رومی پر تلوار چلائی اور عالم شاہ رومی نے اس کا ہاتھ بڑے داؤں سے پکڑا اور مالیا نے بڑا زور کیا اور کچھ فائدہ نہ ہوا اور رستم پیلتن نے اسکی تلوار چھین لی اور گھوڑے پے جھکا کر وہی تلوار مالیا کو ماری اور مالیا نے اس وار کے سامنے ڈھال کی مگر تلوار کے لگتے ہی سپر کے دو ٹکڑے ہو گئے اور سپر کو کاٹ کر تلوار خود پر پہنچی اور سر کو کاٹ کر سینہ رو سینہ سے گذرتی ہوئی کمر کی ہڈی کو کاٹ کر زنگاہ سے نکل کر دائیں بائیں کے دو ٹکڑے کئے۔ اور گھوڑے کی کمر کاٹ زمین کو بوسہ دیا۔ تب مالیا فرنگی سمیت گھوڑے کے دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرا۔ اور اس کیفیت سے اس شعر کو پوری مطابقت ہے ۔

بہ ہر جا کہ شمشیر او کار کرد یکے را دو دو را چہار کرد

تب رستم پیلتن ویسے ہی غلطان میں حملہ کرتے ہوئے فرنگی کے لشکر میں جا پڑے اور مارنے لگے۔ اور تلوار جس کے سر پہ ماری اسے خیار ککڑی کی مانند کاٹا اور جس کے شانے پر ماری تو اسے ترچھا کاٹ کر بہ ساق جا پہنچائی۔ القصہ تھوڑے عرصہ میں کشتوں کے پشتے باندھے اور خون کے نالے بہائے جب فتحنوش نے یہ کیفیت دیکھی تو اپنے لشکر سے باہر نکلا اور رستم پیلتن کے پیچھے کھڑا ہوا اور رستم نے پھر مارنے کا قصد کیا تب فتحنوش نے کہا کہ اے رستم پیلتن اب بس کرو۔ مگر رستم پیلتن نے ہرگز نہ مانا۔ اور سوگند کھا کر کہا۔ جب تک فرنگیوں کو نہ ماروں گا اور فرنگ پر فتح نہ پاؤں گا تب تک واپس نہ پھروں گا۔

تب فتحنوش نے کہا۔ کہ میں بھی تجھ سے نہ پھروں گا اور لشکر لیکر تمہارے برابر رہونگا۔ مرزوق فرنگی نے اسکی تلوار کا کاٹ دیکھکر سمجھا۔ کہ حمزہ یہی ہے وہ فی الحال پشت دکھا کر بھاگا اور اس کا لشکر بھی بھاگنے لگا۔ اور رستم نے ان کا پیچھا کیا اور مارتے ہوئے چار کوس تک پہنچے۔ اور فتحنوش نے کہا۔ کہ تو جا اور شہر کو سنبھال۔ کیونکہ شہر خالی نہیں رہنا چاہیئے۔ البتہ نہ ہو کہ شہر خالی دیکھکر کوئی چڑھ آئے تو ملک ہاتھ سے جاتا رہے اور نوشیرواں کا ساحال نہ ہو۔

اس لیئے تیرا جانا بہتر ہے۔ تو جاکر شہر کی نگہبانی کر اور میں اکیلا ہی ان کے لیئے کافی ہوں۔ تب فتحنوش نے اس کی نصیحت قبول کی اور ضروری جان کر خرسند کو لوٹ آیا۔ اور فراغت سے بیٹھکر کے ساری حقیقت امیر حمزہ کو لکھی اور خط ایک قاصد کے ہاتھ امیر کی خدمت میں روانہ کیا۔ اور ادھر رستم نے رات تک ان کافروں کا پیچھا کیا اور اتنے کافر مارے گئے کہ ان کا حساب خدا کو معلوم ہے۔

غرض جب آسمان پر تاریکی چھائی تو رستم پیلتن نے اپنے گھوڑے پر سے اُترکر ایک حوض کے پاس پہنچکر اپنا تمام بدن اور کل ہتھیار اور گھوڑے کو دھویا اور زین اُتار کر گھوڑے کو چھوڑا اور آپ سو رہے۔ اور فرنگی کی فوج رستم کے ڈر سے ساری رات بھاگتی رہی۔ جب دن چڑھا۔ تو امیر زادہ ہوشیار ہوئے اور شکار کے لیئے ایک جنگل میں گئے اور شکار مار کر لائے اور چقماق سے آگ سلگائی اور کباب بنا کر کھائے۔ اور کمر میں ہتھیار باندھکر گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اور گھوڑے مرزوق کے جو آوارہ ملے تھے وہ ہمراہ لیکر فرنگیوں کے لشکر کی راہ لی۔ جب منزل طے کر چکے تو وہ گھوڑے چھوڑ دیئے اور اپنا گھوڑا دوڑا کر کافروں کا پیچھا کیا۔ اور فتحنوش نے جو کاغذ امیر کے پاس روانہ کیا تھا تو اس کے ہاتھ لکھکر بھیجا تھا۔ کہ رستم پیلتن نے میری بات سن کر کافروں کا پیچھا کیا ہے۔

اٹھاسیویں داستان

جبکہ امیر نے رستم پیلتن کو خرسند کی طرف روانہ کیا تھا۔ تو اسی رات کو نیک ساعت میں مبارک خوشخبری آئی کہ دختر نوشیرواں کے بطن سے امیر کے ہاں فرزند دلبند چودھویں رات کے چاند کی مانند خوبصورت پیدا ہوا ہے۔ کہ جس کی صورت دیکھکر بیانہ

بھی غیرت بیچاتا ہے۔

امیر یہ سنتے ہی باغ باغ ہوئے اور جامہ تن میں پھولے نہ سمائے تھے۔ اس خوشی میں کتنا ہی خزانہ خیرات کیا اور اس فرزند کا نام پری شاہ رکھا تھا۔ اور چالیس روز تک جشن میں رہے اور عیش و عشرت سے جب فارغ ہوئے تو اسی دن کافروں نے طبل جنگ بجوایا اور پہلوان کفار اپنا لشکر لیکر سوار ہوئے اور میدان میں آئے۔ اتنے میں قاصد خرسنہ سے آیا اور قیتموش کا خط امیر کو دیا۔ اس خط کا تمام مطلب مطالعہ فرما کر امیر بہت متفکر ہوئے۔ اور یاروں سے فرمایا کہ میرے بھائیوں اور پہلوانوں! رستم اگرچہ میرا بیٹا ہے مگر ابھی لڑکا ہے۔ اس نے یہ قصد کیا ہے۔ کہ تنہا فرنگیوں کو ماروں گا اور فتح کرکے آؤں گا۔ سو حق سبحان تعالے اس کو فتح نصیب کرے۔ اور ظفر دے۔ کیونکہ فرنگیوں کا لشکر بہت ہے پس اس واسطے اب میں خود جاتا ہوں لیکن میں نہیں جانتا کہ میرے جانے تک رستم کا کیا حال ہوگا؟

یہ کہکر امیر نے بدیع الزمان کو پہلوانی جہاں کی کرسی دی اور عمرو بن امیہ کے حوالے کیا اور کہا کہ اے عمرو! میں پانچ پہلوانوں کا ساتھ بنا کر جاتا ہوں اور میری جگہ خبردار رہنا۔ پس دوسرے روز لندھور و شمعان طائفی و استقفانوس و کرب معدی و قیماز خاوری کو ہمراہ لیکر امیر خرسنہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور دن رات چلتے گئے اور بعد منازل خرسنہ میں پہنچے اور قیتموش کو امیر کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ استقبال کے واسطے آیا اور بڑی تعظیم و تکریم سے امیر کو شہر میں لے گیا اور مجلس آراستہ قائم کی۔ اور بعد تناول طعام کے شراب کا دور چلنے لگا۔ تب امیر نے کہا کہ اے قیتموش مجھے رستم پیلتن کا بڑا غم ہے۔ اس واسطے شراب کا پینا بھی اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ تب تمام حاضرین مجلس خاموش ہو رہے۔ امیر نے رات کی رات وہاں قیام کیا اور پھر کوچ کرکے فرنگستان کی راہ لی۔

راوی بیان کرتا ہے کہ جب رستم سے فرنگیوں کا مقابلہ تھا تو اس وقت مرزوق فرنگی نے کہا۔ کہ اے فرزند یہ امیر حمزہ نہیں معلوم ہوتا۔ شاید یہ رستم پیلتن ہے۔ یہ نسیا نامی مرزوق کا حمزہ کو خوب پہچانتا ہے۔ کیونکہ اس نے حمزہ سے لڑائی کی تھی۔ اور اس لڑائی میں نسیا نانا اپنا ہاتھ کٹوا آیا تھا۔

مرزوق نے نسیا نا سے کہا کہ کیا تو نے پہچانا ہے کہ یہ حمزہ ہے یا رستم پیلتن؟ اس نے کہا کہ بلاشک یہ رستم ہے حمزہ نہیں ہے۔ کیونکہ میں امیر کے گھوڑے کو پہچانتا ہوں اور امیر کو بھی بخوبی

جانتا ہوں یہ قیتخنوش کا نواسہ ہے۔ جلدی پہنچ اور اسے مار۔ پس مرزوق فرنگی نے میدان آراستہ کیا اور میدان میں آیا اور کہا اے عرب میں خوب جانتا ہوں کہ تو حمزہ نہیں ہے۔ پہلے تو میں نے سمجھا تھا۔ کہ تو حمزہ ہے اس واسطے چپ ہو رہا تھا۔

اگر میں یہ جانتا کہ تو رالجہ پلاش پوش کا فرزند ہے تو تجھے خردسنی ہی میں سزا دیتا یہ کہکر تلوار نکالی اور گھوڑا دوڑایا اور امیر زادہ پر وار کیا۔

امیر زادے نے اُس کا وار رد کیا اور اُس پر اپنا وار کیا۔ غرض کہ دونوں تلوار سے دیر تک خوب لڑے اور رستم نے مرزوق پر ایسی تلوار ماری کہ مرزوق کے بازو پر لگی۔ اور وہ سُست ہوا اور اسی وقت لگام پھیر کر اپنے لشکر میں گیا۔ اور لشکریوں سے کہا کہ مارو اس عرب کو۔ القصہ مرزوق کے حکم سے فرنگی کی سپاہ عالم شاہ پر حملہ آور ہوئی اور گھیر کر کے لڑنے لگی۔ اور عالم شاہ بھی دو دستی تلواریں مارنے لگے۔ یہاں تک کہ اُن کے منہ پھیر دیئے اور اُن کے سروں کے چبوترے باندھے اور رستم کے بدن پر بھی اتنے زخم لگے کہ اُن کا حساب خدا جانے۔

راوی روایت کرتا ہے۔ کہ رستم پیلتن فرنگی کے لشکر میں تین رات دن لڑے۔ آخر چوتھے روز پیلتن کا گھوڑا مرا اور رستم پیادہ ہوئے جنگ کرتے رہے۔ سپاہ فرنگ نے رستم کے پکڑنے کا بہت قصد کیا لیکن مارے ڈر کے کوئی نزدیک نہ آیا بلکہ کتنے ہی ڈر سے مر گئے جب رستم پیلتن تھکے تب ایک ٹھکانے کا آسرا لیا اور ترکش میں سے تیر نکال کر کافروں کو مارتے رہے۔ اور ایک ایک تیر میں دو دو تین تین چار چار کافروں کو مارتے تھے مرزوق فرنگی نے اپنے کافروں کو پکارا کہ زور کرو اور اس عرب زادے کو مارو۔ غرض اس لشکر نے رستم کو بھی تنگ کیا اور عالم شاہ کے تیر بھی تمام ہونے کو آئے۔ کہ رستم پیلتن نے خدا کو یاد کیا اور یہ رباعی پڑھی۔

رباعی

اے آنکہ بملک خویش پائندہ توئی — در دامن شب صبح نمائندہ توئی
کار من بیچارہ قوی بستہ شدہ — بکشائے خدایا کہ کشائندہ توئی

مناجات کا یہ لفظ ہنوز منہ سے نکل کر تمام نہ ہوا تھا کہ خدا تعالےٰ کے حکم سے امیر بھی یاروں سمیت وہاں پہنچے اور سپاہ فرنگ نے جب سواروں کو آتے دیکھا تو بھاگنے لگے کہ اتنے میں امیر رستم کے پاس جا پہنچے اور رستم کو اس حال سے دیکھا تو اپنے پانچوں سواروں سمیت

فرنگیوں کے لشکر میں جا پڑے اور نعرہ مارا۔ انا حمزہ بن عبدالمطلب۔ مرزوق نے جب حمزہ کا نام سُنا تو یکبارگی لشکر سمیت بھاگا اور قلعہ میں گیا اور دروازے محکم باندھے اور خندق پُرآب کیں۔

تب امیر نے رستم پیلتن کو اُٹھاکر گھوڑے پر بیٹھایا اور زخموں پر مرہم لگاکر باندھا اور آپ پہلوانوں سمیت قلعہ کا قصد کرکے قلعہ کے اندر دروازے پر پہنچے اور دروازہ توڑنے لگے یہ حال دیکھکر کافر نزدیک آئے اور یہ خبر مرزوق کو بھیجی تو وہ مع فرزندوں اور پوتوں اور دیگر متعلقین کے دانتوں میں تلواروں کو پکڑکر اور پگڑیاں ہر ایک کے گلے میں ڈال کر الامان۔ الامان بولتا ہوا باہر آیا اور امیر کے پاؤں پر گر پڑا۔

امیر نے جب اس کو اس عاجزی میں دیکھا۔ تو اس کا غصہ اُترا اور اس کا گناہ معاف کردیا۔ اور کہا کہ غلامی کا حلقہ اپنے گلے میں ڈال لے اور اپنی بیٹی میرے فرزند کو دے مرزوق نے یہ تمام قبول کیا اور امیر کو شہر میں لے گیا اور تخت پر بیٹھایا اور مجلس آراستہ کی اور مال وخراج لاکر سامنے رکھا اور اپنی بیٹی رستم پیلتن کے نکاح میں دی۔ اس کے بعد نیک ساعت مقرر کرکے امیر نے مرزوق کی بیٹی کا نکاح رستم پیلتن سے باندھا۔ اور رستم پیلتن محل میں داخل ہوئے اور امیر یاروں سمیت مدت تک عیش وعشرت میں رہے پھر امیر اور مرزوق وہاں سے روانہ ہوئے اور منزلیں طے کرتے ہوئے خرسنہ میں پہنچے اور مرزوق کو فخنوش سے ملایا اور صلح کرائی۔ اور پہلوانوں کو کوہ البرز پر بھیجا۔ اور کوئی اس پر غالب نہ ہوا۔

اُنہترویں داستان

روایت اس طرح ہے کہ ایک روز عادت قدیم کے مطابق دونوں سپاہ ایک دوسری فوج کے مقابل کھڑی رہی اور نقیب پکارے کہ کون مرد ہے جو میدان کا قصد کریگا اور کون مرد ہے جو اپنا نام ظاہر کرے گا؟

اتنے ہی میں بیابان کی طرف سے ناگاہ گرد پیدا ہوئی جب گرد کا دامن پھٹا تو اس میں سے امیر اور بادشاہ فرنگستان نظر آئے۔

پہلوانوں نے جب امیر کو دیکھا تو نہایت ہی خوش ہوئے اور سب کے سب دوڑ کر پاؤں پر گرے امیر نے انکو اٹھا کر گلے سے لگایا۔ اور بہت نوازش فرمائی۔ جب امیر کے آنے کی خبر نوشیرواں کو پہنچی اور مالک نے بھی سُنا اور میدان میں آکر نعرہ مارا اور کہا کہ اے حمزہ تو میرے ڈر سے اتنے دنوں تک کہاں بھاگ گیا تھا۔ اگر مرد ہے تو میدان میں آ امیر دیوزاد اشقر پر سوار ہو کر میدان میں آئے۔ اور مالک اشتر نے گرز ہاتھ میں لیا۔ تو امیر نے ڈھال سر پر لی۔ تب مالک اشتر نے ایسا گرز مارا کہ اس کی آواز دونوں لشکروں نے سنی اور ڈھال اور گرز کے ٹکرے سے آگ کا شعلہ نکل کر آسمان پر گیا اور اشقر دیوزاد نے رد دیا۔ امیر نے فرمایا کہ مالک اشتر میں نے دو حملے اور بھی دیئے۔

تب مالک اشتر نے جتنا کہ زور خدا نے اسے دیا تھا۔ سب خرچ کر کے دو گرز اور بھی مارے اور امیر نے ڈھال کے جھٹکے سے روکے۔

جب امیر کی باری آئی تب امیر نے اپنا گیارہ سو من کا گرز نکال کر مالک اشتر کے سر پر مارا کہ اس گرز کے بوجھ سے مالک اشتر کے گھوڑے کی کمر ٹوٹ گئی اور مالک اشتر زمین پر گرا اور چاہا کہ امیر کے گھوڑے کو پے کرے۔

امیر نے فی الحال گھوڑے سے اُتر کر پے کرنے سے بچایا اور دوسرا گرز مارا۔ مالک اشتر نے اس کو ہزار محنت و مشقت سے ٹالا۔ پھر دونوں میں دوپہر تک اسی طرح گرز و گرز رہی بعد ازاں مالک اشتر نے گرز زمین پر ڈالا اور ہاتھ میں تلوار پکڑی اور امیر پر چلائی۔ امیر نے اس کا وار روکا لیکن ڈھال چار انگل تک کٹ گئی اور ڈھال کی گردش سے تلوار ٹوٹی۔ اور قبضہ مالک اشتر کے ہاتھ میں رہا۔ پھر مالک نے قبضہ اس پر ایسا مارا کہ مالک اشتر گھٹنوں تک زمین میں گڑھ گیا۔

یہ دیکھ مالک اشتر نے کہا۔ اے حمزہ تیرے دست بازو پر آفرین۔ پھر امیر نے تیسرا گرز بھی مارا اور مالک اشتر نے امیر پر پھینکا۔ امیر نے چابک کے اشارے سے روکا اور عمر بن عمیہ ضمیری نے دوڑ کر قبضہ اٹھا لیا اور اپنے توبرے میں ڈالا۔

مالک نے کہا۔ کہ اے عرب تلوار کا قبضہ مجھے دیدے تو کہاں لیجاتا ہے۔ عمر نے کہا کہ مجھے یہ حکم ہے کہ جو مال میدان میں پڑا ہو وہ میرا حق ہے۔ مالک نے کہد یا ہے۔ اگر مرد ہے تو لے۔ مالک نے کمان پر ہاتھ ڈالا۔ عمر نے بھی کاغذ کی سپر سامنے کی۔ مالک نے تیر چلایا۔ عمر کودا اور تیر کو ٹال کر

مالک اشتر کی داہنی طرف آ کھڑا ہوا اور ایک پتھر اُٹھا کر تڑاق سا مالک اشتر کو مارا۔ مالک اشتر نے دوسرا تیر بھی چلایا۔ عمر اُچھل کر دوسری طرف ہو گیا۔ مالک کا وہ تیر بھی خطا ہو گیا مگر عمر کا پتھر خطا نہ ہوا۔ پھر مالک اشتر نے تلوار اُٹھائی اور عمر کی ڈھال پر ماری۔ مگر عمر نے ڈھال ایسی پھرائی کہ مالک کی تلوار ٹوٹ گئی اور مالک اشتر نے اس کا قبضہ اپنے توبرے میں ڈال لیا۔ تب عمر پکارا کہ اے مالک اشتر یہ قبضہ بھی حق میرا ہے تو اپنے پاس کیوں رکھتا ہے؟ مالک اشتر نے کہا کہ میں نہیں دیتا ہوں۔ عمر نے ایک پتھر اس کی انگلیوں پر ایسا مارا کہ مالک اشتر نے ناچار ہو کر وہ قبضہ عمر کی طرف پھینکا۔ عمر دوڑے اور زمین سے وہ قبضہ اُٹھایا اور صاف کر کے اپنی زنبیل میں رکھا اور کہا اے حمزہ تو سخت بلا اپنے ہمراہ رکھتا ہے۔

مالک نے نیزہ اُٹھا کر امیر کے سینہ پر مارا۔ امیر نے ہاتھ سے نیزہ پکڑ کر رد کیا اور نیزہ چھین لیا۔ اور اس کا پھالا نکال کر نیزہ کا سوٹا مالک اشتر کی پیٹھ پر ایسا مارا کہ سوٹا ٹکڑے ٹکڑے ہوا مگر مالک اشتر زین سے نہ ہلا۔ پھر کمندوں پر ہاتھ ڈالے اور ایک برایک نے کمندیں پھینکیں۔ اور گھوڑوں کو تڑاق تڑاق مارتے تھے۔ یہاں تک کہ کمندیں بھی ٹوٹیں اور پھر دونوں پہلوان پیادہ ہوئے اور ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈالے اور زور کرنے لگے۔ تو مالک نے گھٹنے تک کھینچا اور زور کیا اور ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہوا۔

جب رات نزدیک آئی تو امیر نے کہا کہ خبردار ہو میں نعرہ مارتا ہوں۔ تب عمر بن عمیہ نے اپنی ہوا پر اُڑائی اور لشکر عرب نے جانا کہ امیر نعرہ مارتے ہیں۔ تب انہوں نے اپنے اپنے موزوں میں ہاتھ ڈال کر روئی نکالی اور اپنے کانوں و اپنے گھوڑوں کے کانوں میں دی۔ غرض امیر نے نعرہ مار کر مالک کو اُٹھایا اور سر پر بجا کر اتنا پھرایا کہ تمام عالم نے آفرین کہی۔ پھر زمین پر پچھاڑا اور سینہ پر چڑھ بیٹھے اور ہاتھ پاؤں باندھے اور فرمایا معافی مانگ۔ تب اشتر نے اقرار کیا اور امیر اس کے سینہ پر سے اُترے اور گلے سے لگایا اور طبل بازگشت بجایا اور دونوں لشکر اپنے اپنے مقاموں پر اُترے اور امیر اپنے لشکر ظفر پیکر میں آئے۔ اور بارگاہ گردوں پناہ میں رونق افروز ہوئے۔ جہاں کہ دنگل پر بیٹھے اور مالک اشتر کو خلعت دیا اور نجم کو بھی بلایا۔ اور پہلوانی کا عہدہ اور خلعت عطا کیا۔

اس کے بعد عمر بن عمیہ نے ان دونوں کے کانوں میں غلامی کا حلقہ ڈالا۔ پھر اس کے بعد مجلس آراستہ کی اور تمام رات عیش میں رہے۔ جب دن ہوا تو منصیروان کے لشکر سے طبل جنگ کی آواز آئی۔ امیر نے یہ سن کر حکم دیا کہ ہمارے نقار خانہ میں بھی طبل جنگ

بجائے جائیں۔ تب امیر کے لشکر سے طبل جنگ کی آواز شروع ہوئی اور میدان آراستہ کر کے دونوں فوجیں میدان میں آئیں۔ تب زوبین پولادتن آیا۔ یہ ایسا مرد تھا۔ کہ اس کی قوت اور پہلوانی کا کوئی جواب نہ تھا۔

یہ خبر نوشیرواں کو ہوئی تو اس نے دوسرے بادشاہوں کو استقبال کے واسطے بھیجا اور بہ ہزار تعظیم بلا کے پہلوانی کی کرسی پر بٹھایا اور خلعت خاص مرحمت فرمایا۔ یعنی اپنے پہنے ہوئے کپڑے اتار کر اپنے ہاتھوں سے پہنائے اور زوبین کے آنے سے خوش ہوئے اور دعا کی۔

ستّرویں داستان

جب امیر مالک اشتر کی لڑائی سے فارغ ہوئے اور یاروں سمیت عیش میں بیٹھے۔ کہ اسی روز ناگہاں دروازے پر سوداگر آیا۔ اور دربانوں کو کہا۔ کہ امیر کو جا کر خبر دو کہ تمہارا منہ بولا باپ آیا ہے۔

امیر یہ خبر سنتے ہی اندیشہ میں ہوئے کہ یا الٰہی وہ کون سا باپ ہے کہ جسے میں نے باپ بولا تھا۔

اتنے میں قندر نے عرض کی کہ یا امیر ایک روز میں اور تم خوسنہ کو جاتے تھے کہ راہ میں ایک قافلہ ملا تھا جو ہمارے ساتھ ہو لیا تھا۔ اور امیر نے اس قافلے کے سردار کو باپ بولا تھا۔ تب امیر نے کہا۔ کہ سچ کہتا ہے اگر وہی سوداگر ہے تو تم خوب پہچانو گے پس جاؤ اور بلا لاؤ۔

تب قندر باہر آیا اور نظر کی تو وہی سوداگر ہے۔ پس قندر نے اسے گلے لگایا اور امیر کے پاس لے آیا۔ امیر نے اسے پہچان لیا اور اٹھ کر بغلگیر ہوئے اور اپنے برابر بٹھا لیا اور احوال پرسی کی۔ جب امیر نے اس کے منہ پر نظر کی تو دیکھا کہ اسے بابت اول تمہارا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا اور اب زردی چھا گئی ہے۔

یہ سن کر سوداگر نے کہا۔ سفر اور تنگدستی کا صدمہ بہت بڑا ہے۔ اور دوسرے میرا بھی جب اس

کے لا دوا ہے ؎

گر من صفت درد دل خویش کنم — صد دل چو خون خویش غم ریش کنم

امیر نے فرمایا جب تک نہ بتلائے گا تب تک دریافت کرنا نہ چھوڑوں گا۔ تب سوداگر نے ابتدا سے انتہا تک اس طرح بیان کرنا شروع کیا۔ کہ میں سوداگر ہوں۔ کہ تجارت کے واسطے تری اور خشکی میں پھرتا ہوں پھر اپنے مقام پر آتا ہوں اور کہیں اپنا دل نہیں لگاتا ہوں اب قضائے گردگار سے یکایک میرا گذر بروع کے ملک میں ہوا اور بادشاہ کے محل کے نیچے اترا۔ اس بادشاہ کو ہردم بروعی کہتے ہیں اور یہ ہردم ایسا پہلوان ہے کہ دُنیا میں ویسا کوئی نہیں ہوا۔ اور ہردم کی بہن ہے۔ اس کی نسبت ہردم کے باپ نے وصیت کی تھی۔ کہ جو شخص ہردم کی پیٹھ زمین پر لگائے گا۔ میری بیٹی کا نکاح اُس سے کر دینا۔

غرض میں وہاں بیٹھا تھا۔ کہ ہردم کی بہن بالاخانہ پر آئی اور جنگل کا تماشہ دیکھتی رہی۔ اُس وقت میری نظر اُس پر پڑی اور دیکھتے ہی عشق کا تیر میرے جگر میں لگا۔ ایسے کسی طرح ممکن نہیں کہ میں اُس تک پہنچوں۔

پس اسی سبب سے میں زرد ہو رہا ہوں۔ اور اس کی تصویر کھنچوا کر اپنے پاس رکھی ہے اور اُس تصویر کو دیکھ کر صبر کرتا ہوں۔

امیر نے فرمایا۔ وہ تصویر مجھے دکھاؤ۔ تب سوداگر نے وہ تصویر امیر کو دکھائی اور اُس سے تمام پہلوانوں نے بھی دیکھا اور وہ اسے دیکھ کر بے ہوش ہو گئے۔ تب ابن نبیت نے کہا کہ اے سوداگر تیرا عاشق ہونا بیجا نہیں بلکہ بجا اور صحیح ہے۔

سعد بن عمر نے یہ دیکھ کر ہردم کی بہن پر عاشق ہو گئے اور دل میں فیصلہ کیا کہ جب رات ہوگی تو یہاں سے نکل کر باہر جاؤں گا۔ شاید کہ میرا طالع یاری کرے اور سعادت مُنہ دکھائے تو اس بروعی معشوق کا وصل میسر آئے۔

اس کے بعد امیر نے شرائط مہمانداری کی بجا لائے اور اُس کو وداع کیا۔ جب رات ہوئی تو سعد بن عمر نے ہتھیار باندھے اور گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور لشکر سے باہر نکلے۔ اور بروعی شہر کی راہ لی۔

راوی بیان کرتا ہے کہ اس روز امیر کے لشکر گرد ترنگ اور کورنگ کا طلایہ تھا۔ اور یہ دونوں لشکر کے گرد پھر رہے تھے۔ انہوں نے یکایک دیکھا۔ کہ ایک سوار لشکر سے باہر

جار رہا ہے۔ تب دونوں بھائی دوڑے اور سعد بن عمر کو دیکھا اور شرط خدمت بجا لائے اور عرض کیا کہ بادشاہ زادے خیریت تو ہے کہ تم اکیلے باہر آئے ہو۔

سعد نے کہا۔ کہ اگر تم میرے ساتھی ہو گے تو میں تمام حقیقت تم سے بیان کروں گا۔ اور دونوں بولے۔ کہ تم پر قربان ہیں اور ہرگز روادار نہیں ہے کہ تم اکیلے باہر جاؤ۔ تب سعد بن عمر نے اپنے عشق کا تمام قصہ ان دونوں سے ظاہر کیا۔ تب باامر ناچار دونوں بھائی سعد کے ہمراہی ہوئے اور یہ تینوں سوار راہ میں دم نہ لیکر اور کہیں مقام نہ کر کے چند روز میں بروم کے شہر میں پہنچے اور باغ میں اترے اور اس وقت ایک گلہ بکریوں کا وہاں آیا۔

تب سعد نے کہا کہ یہ بکریاں ہرم کی ہوں گی۔ پس وہ اس گلہ میں سے تین بکریاں لیکر کباب بنایا اور کھائیں تاکہ ہماری فریاد ہرم کے پاس پہنچے اور وہ ہم پر آئے۔ تب اورنگ اور گورنگ اٹھے اور تین بکریاں اس گلہ میں سے پکڑ کر ذبح کر کے کباب بنائے۔

جب چرواہے نے باغ میں دھواں دیکھا اور اندر آیا۔ اور دیکھا کہ سیخیں بنی ہیں۔ حیران ہوا اور تعجب میں رہا۔ اور پکارا کہ اے نادان کیوں اپنے لئے موت لئے بیٹھے ہو؟ اور اژدھا کے منہ میں اپنے پیر تم دیتے ہو۔

کیا تم جانتے ہو کہ یہ باغ کس کا ہے اور یہ بکریاں کس کی کاٹی ہیں۔ تب سعد بن عمر نے کہا۔ کہ میں نہیں جانتا ہوں۔ تب چرواہے نے کہا۔ کہ یہ بکریاں ہرم کی ہیں اور یہ باغ خاص اس کا تماشہ گاہ اور سیر کی جگہ ہے۔ تب سعد نے کہا کہ جا اور ہرم سے بول کہ حمزہ کا پوتا آیا ہے اور تجھے لڑنے کے لئے بلاتا ہے۔

چرواہا یہ سنتے ہی جلدی سے دوڑا اور تمام حال عرض کیا۔ ہرم نے جب حمزہ کا نام سنا تو کہا۔ اے چرواہے۔ حمزہ خود ہے یا کوئی دوسرا ہے۔ چرواہے نے کہا کہ میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ وہ تین سوار ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں حمزہ کا پوتا ہوں۔ اور ہرم کے پکڑنے کے لئے آیا ہوں۔

ہرم قہقہہ مار کر ہنسا اور سات زرہ داؤدی بدن پر آراستہ کیں اور سات سو من کی سانگ ہاتھ میں لیکر کمر سے شمشیر حمائل کی اور شہر سے پا پیادہ آیا۔ اور یہ بیت زبان پر لایا ؎

ہرم ایسا ہوں گا یاروں میں ہرم | کہ ویران کردوں ملک تو ز بوم

جب ہرم چلا آ رہا تھا تو جو جھاڑ اپنے سے اونچا دیکھتا تھا اسے ایسا مارتا کہ

وہ جھاڑ پیوند زمین پر ہوتا۔ اور ہروم کا قد چالیس گز طویل تھا۔ وہ یہ کہتا تھا کہ مجھ سے اونچا کوئی کیوں ہو۔ پس اسی دیوانگی کے خبط میں وہ باغ میں آیا تو اس کی گڑگڑاہٹ اُن تینوں جوانوں نے سنی۔ کہ ہروم آتا ہے۔ تب گھوڑوں پر سوار ہوئے اور کھڑے رہے کہ اتنے میں ہروم آ پہنچا اور پکارا کہ آنیوالو سچ کہو کہ تم کون ہو۔

تب سعد بن عمر نے کہا کہ میں سعد نامی امیر کشور گیر جہاں کا پوتا ہوں۔ اور حمزہ نے تیرے پکڑنے کیلئے مجھے بھیجا ہے۔ تب ہروم بہت ہنسا اور کہا۔ اے بچے فضول کیوں کہتا ہے؟ کیا حمزہ نے میرے نام کا آواز نہیں سُنا جو تجھے بھیجا ہے اور آپ نہیں آیا۔ سعد نے کہا اول مجھے جواب دے پھر امیر کی بات کر۔ اور اگر مرد ہے تو میدان میں آ۔ ادھر سے سعد نے چاہا کہ میدان میں جائے اور رنگ نے آکر اُس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا۔ کہ یہ کب درست ہے کہ ہمارے ہوتے تو میدان میں جائے۔ پہلے ہم دونوں بھائی میدان میں جاتے ہیں۔ جب ہم فنا ہو لیں گے تو پھر تم جانا۔

ناچار سعد کھڑے رہے۔ تب اور نگ میدان میں گیا اور ہروم کے مقابل ہوا ہروم نے سانگ اُٹھا کر پھرائی اور نگ پر ڈالی اور نگ ڈھال آگے لایا۔ ہروم نے سانگ ایسا مارا۔ کہ اسکی آواز بیابان میں گئی اور ڈھال اور نگ کے سر پر گئی اور اس کا سر صندوق سینہ میں گیا اور اور نگ شہید ہوا۔ اور گور نگ نے جب یہ حال دیکھا تو گھوڑے کو ڈپٹ کر مقابلہ میں جا کھڑا ہوا۔ تب ہروم نے اس کو بھی سرد کیا۔

اس کے بعد سعد میدان میں آیا۔ اور ہروم نے سانگ پھرا کر اُس کو بھی مارا۔ سعد نے سانگ کو رد کیا اور ہاتھ کمان پر لے گیا اور ہروم پر تیر چلایا اور اُس تیر نے چھ زرہ توڑے اور ساتویں زرہ میں رہ گیا۔ ہروم نے یہ حالت دیکھکر غصّہ میں آیا اور دوڑا اور سعد نے ڈھال آگے کی اور ہروم نے سانگ بائیں ہاتھ میں لی۔ اور داہنا ہاتھ لمبا کرکے سعد کی کمر میں ڈالا۔ اور زور کرکے سعد کو اُٹھایا اور زمین پر پھینکا اور کہا۔ اے بچّے تجھے کیا ماروں جا اور حمزہ کو بھیج۔ یہ کہکر آپ شہر کی طرف پھر گیا اور بہن کو ساری حقیقت سُنائی۔ اور کہا کہ میں نے سمجھا تھا کہ حمزہ ہوگا مگر وہ حمزہ کا پوتا تھا اور دو پہلوان اس کے ساتھ تھے۔ انکو مار آیا ہوں۔

یہاں سعد بن عمر اُٹھے اور گھوڑے پر سوار ہوکر اور یاروں کو جنّت میں گیا ہوا دیکھکر حیران و غمگیں ہوکر آبدیدہ ہوئے۔ اور بہت افسوس کیا۔ اور باغ میں سے باہر نکلے اور چلے تو

دل میں خیال گذرا کہ میں لشکر میں جا کر کیا منہ دکھاؤں گا۔ بہتر یہ ہے کہ جنگل میں کہیں نکل جاؤں جہاں میرا کوئی نشان بھی نہ پائے۔

تب گھوڑے کی لگام لشکر کی راہ سے پھیری اور بیابان کی راہ لی۔ کتنے کوس چلے ہوں گے کہ ایک نہایت خوبصورت باغ نظر آیا۔ تب سعد بن عمر اس باغ میں گئے۔ اور وہاں ایک پرآب حوض دیکھا۔ جو گلاب جیسے پانی سے بھرا ہوا تھا۔ سعد نے گھوڑے کو پانی پلایا۔ اور زین اتار کر چرنے کو چھوڑا اور آپ ہتھیار کھول کر حوض میں نہائے اور حوض کے کنارے پر سر رکھکر غمناک ہوئے۔

اس باغ کا یہ حال تھا کہ ہرمز کی ایک بڑی بہن بھی تھی۔ کہ جس نے اپنا باغ علیحدہ بنا کر اپنی سکونت اختیار کی ہوئی تھی۔ اور اس کا خاوند مرکر دوزخ میں پہنچا ہوا تھا اور اس کی ایک جوان بیٹی تھی کہ جس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اور وہ لڑکی پہلوانی کا دعویٰ رکھتی تھی۔ کہ جو مرد میری پیٹھ زمین پر لگائے گا میں اس کے ساتھ شادی کروں گی۔

قضا کار وہ لڑکی کئی باندیاں لیکر شکار کو گئی۔ جب شکار کرکے واپس آئی تو آتے ہی وہ باغ میں آئی اور سعد کو چودھویں رات کے چاند کی طرح خوبصورت دیکھا۔ تب لونڈیوں کو کہا کہ اسے اٹھاؤ۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ آدمی ہے یا کہ پری۔ باندیوں نے کہا۔ کہ اغلب تو یہ آدمی معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہتھیار رکھے ہیں اور گھوڑا بھی چرتا ہے۔

تب وہ لڑکی آپ نزدیک آئی اور پکارا اے سونے والے تو کون ہے اور یہاں کیوں سوتا ہے۔ تب سعد ہوشیار ہوئے اور دیکھا کہ ایک سوار ہتھیار باندھے کھڑا ہے۔ تب سعد جلدی سے اٹھے تو اس لڑکی نے فوراً نیزہ پھرایا اور سعد کے سینہ پر مارا اور سعد نے اس کا نیزہ پکڑ کر زور کرکے چھین لیا اور اس کی پھال دو ٹکڑے کرکے نیزہ کی لکڑی اس کی کمر پر ایسی ماری کہ وہ لڑکی زمین پر گری اور سعد دوڑ کر اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھے تو سینہ نرم پایا۔

پھر اس کے منہ پر سے برقعہ دور کرکے دیکھا کہ وہ رشک قمر ہے۔ جب سعد نے اس کی صورت دیکھی تو ہرمز کی بہن کی صورت کا نقشہ بھول گیا۔ اور کہا کہ سچ بول تو کون ہے۔ اس نے کہا کہ میں ہرمز کی بھانجی ہوں۔

تب سعد نے کہا۔ کہ ہرمز کی بہن کا بیاہ تو نہیں ہوا اس کے بیٹی کہاں سے آئی تب اس نے کہا کہ میں ہرمز کی بڑی بہن کی بیٹی ہوں۔ تب سعد اس کے سینہ پر سے اترے اور

کہا کہ جب تم نے ہم غریبوں پر آنے کی مہربانی کی ہے تو ایک گھڑی بیٹھو۔

اس لڑکی نے کہا کہ میں ساری عمر تیری باندی ہوں لیکن تو اپنا نام بتا۔ تب سعد بن عمر نے کہا کہ میں حمزہ کا پوتا ہوں اور میرا نام سعد بن عمر ہے۔ پس وہ لڑکی سعد کا نام سن کر نہایت شاد ہوئی اور سعد کو اپنے محل میں لیجا کر بٹھلایا۔ سعد نے اس سے نکاح کیا اور خلوت میں لیجا کر رات دن عیش میں رہے۔ القصہ رات کو سعد اپنے خیمہ سے غائب ہوئے تھے تو فجر کو لشکر میں چاروں طرف تلاش کیا۔ مگر کہیں پتہ نہ پایا۔ تب امیر کو خبر کی۔ امیر نے فرمایا کہ میں نے سمجھ لیا کہ وہ ہردوم کی بہن کا عاشق ہو کر گیا ہے۔

اتنے میں اندھوک نے کہا کہ اورنگ اور گورنگ جو رات کو طلایہ میں تھے وہ غائب ہیں۔ امیر نے فرمایا کہ وہ بھی اس کے ساتھ گئے ہوں گے۔

تب عمر بن عمیہ نے کہا۔ یا امیر ہردوم بڑا سخت پہلوان دلاور لڑائی کا ہے۔ خدانخواستہ اگر وہ اس کے ہاتھ سے ہلاک ہو گئے تو بہت بڑی بات ہے۔ امیر نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے۔ امیر نے رستم پیلتن کو اپنی جگہ پر بٹھایا اور عمر بن عمیہ کو اپنے ہمراہ لیا اور سب یاروں سے وداع ہوئے۔ اور بردع کی راہ لی۔ اور بردع میں پہنچے اور ایک باغ میں اترے۔ اور اورنگ اور گورنگ کو مرا پایا تو امیر نے کہا کہ سعد بھی مارا گیا ہوگا۔ عمر نے امیر سے کہا کہ اگر مارا ہوتا تو یہیں ہوتا۔ شاید ہردوم نے اپنے پاس رکھا ہوگا۔ امیر اورنگ کے واسطے بہت رنجیدہ ہوئے اور اپنے ہاتھ سے دفنایا۔ اور کہا کہ امیر کیسی کی شقاوت سے دونوں مارے گئے۔ عمر نے کہا کہ نوشتہ تقدیر سے مارے گئے اور خدا کا حکم یہی تھا۔

پس ابھی باتوں میں تھے کہ بکریوں کا گلہ آیا اور عمر نے دو بکریاں پکڑیں اور امیر کے پاس لا کر ذبح کیں اور آگ سلگا کر کباب بنانے لگا۔ امیر نے کہا اے عمر خدا جانے یہ بکریاں کس کس کی ہیں۔ مالک کی رضامندی کے بغیر کیوں لایا ہے؟

عمر نے کہا یہ ہردوم کی ہیں۔ اگر مالک پیدا ہوگا تو ان کی قیمت اسے دیدیں گے۔
عمر نے ابھی سیخیں تیار کی تھیں کہ اتنے میں بکریوں کا چرواہا آیا۔ اور لگا پکارنے دلوانے یہ کیا کیا۔ یہ بکریاں ہردوم کی ہیں۔ تب حمزہ نے پوچھا کہ حمزہ کے لشکر سے کیا خبر ہے؟ تب چرواہے نے کہا کہ ان کے ساتھ والوں کو ہردوم نے مارا اور ایک کو زندہ پکڑا۔ پھر معلوم نہیں کہ وہ کہاں گیا۔ امیر نے کہا کہ زندہ ہے۔ پھر امیر نے کہا کہ ہردوم کو جا کر خبر دے حمزہ آیا ہے۔

یہ سن کر چیر وابا دوڑا اور سر پر خاک اڑا کر فریاد کی اور ہرموم سے کہا۔ کہ اے بادشاہ تیرے باغ میں حمزہ آیا ہے۔ ہرموم نے ہتھیار باندھے اور سانگ ہاتھ میں لیکر باہر آیا اور اُچھلتا کودتا ہوا باغ میں پہنچا۔

تب امیر نے کہا۔ اے عمر ہرموم آگیا ہے۔ تب امیر جلدی سے گھوڑے پر سوار ہوئے اتنے میں ہرموم آپہنچا اور امیر کو دیکھکر ہنسا اور کہا۔ کہ اے حمزہ برسوں گذرے کہ تجھ سے لڑنے کی آرزو رکھتا ہوں۔ خوش آمدی اور خبردار ہو۔ یہ بول کر حمزہ پر سانگ چلائی۔ امیر نے گذر آگے کیا۔ سانگ کی زنجیریں گذر میں اُلجھیں اور دونوں نے زور کیا تو زنجیریں تڑاق تڑاق ٹوٹیں۔ ہرموم سانگ کی مہر پر ہاتھ سے گیا اور امیر پر چلائی۔

امیر نے سپر کی اور جھٹ سے اسے رد کیا۔ جب ہرموم نے دیکھا۔ کہ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے تو اسی وقت واپس آیا اور اپنے باغ میں جا گھسا اور ایک جھاڑ جڑ سے اُکھاڑ کر اپنا ہتھیار بنا لیا اور امیر کی طرف بڑھا۔ امیر نے سوچا اگر میں سوار ہوں گا تو گھوڑے کو ضرب پہنچیگا تب وہ بھی فوراً پیادہ ہوئے۔ اور سرو کا ایک جھاڑ اُکھاڑا اور جب ہرموم نے امیر پر جھاڑ سے حملہ کیا تو امیر نے بھی جھاڑ سے روکا۔ اور عمر کھڑے ہوئے یہ تماشہ دیکھتے رہے۔ اور حیران تھے کہ کیسی لڑائی ہے۔ اور انکو لڑتے لڑتے شام ہوگئی۔

تب ہرموم نے کہا۔ آفرین ہے اے حمزہ آفرین تیرے باپ کو جس نے تجھے پالا اور آفرین ہے تیری ماں پر کہ جس نے تجھے جنا۔ جھلم منہ پر سے تو اُتار کہ میں تیرے منہ کو تو دیکھوں کہ تو بوڑھا ہے یا جوان؟

امیر نے جب خود کا دامن اُٹھایا اور ہرموم نے امیر کے چہرے پر نظر کی اور دیکھا تو ڈاڑھی سفید ہے مگر چہرہ آفتاب کے مانند ہے۔ تب کہا اے حمزہ اب تو رات ہوئی اور رات کے واسطے شراب اور کھانے کے واسطے میں بکرے بھیجتا ہوں تو بھی آرام کر او چند روز لڑائی نہ کریں اور سانگ بنواتا ہوں۔ کیونکہ یہ ردی ہوگیا ہے۔

یہ سن کر امیر نے کہا تجھے اختیار ہے میں نے دوسرا سانگ بنانے تک تجھے فرصت دی۔ لیکن یہ بول کہ میرا پوتا جو آیا تھا وہ کہاں ہے؟

ہرموم نے کہا۔ کہ اے امیر تمہارا پوتا دیوانہ ہو کر مجھ سے لڑنے کو آیا تھا سو تمہاری خاطر میں نے زندہ چھوڑا۔ خدا جانے اب وہ کہاں ہے۔ لیکن تمہارے یار مفت میں مارے گئے۔ میں بھی

افسوس کرتا ہوں۔

امیر نے کہا کہ تو نے کچھ نہیں کیا خدا کا حکم یوں ہی تھا۔ اور ہر دم چلا گیا۔ امیر نے عمر سے کہا کہ ہردم کا تماشہ دیکھا۔ عمر نے کہا کہ ایسا سخت آدمی دنیا میں کم ہیں۔ امیر نے کہا کہ خدا کی خدائی آباد ہے ایک سے ایک زبردست پہلوان جب جان یہ شعر پڑھا ؎

خدا کے بالا و پست آفرید زبردست و سر زبردست آفرید

لیکن ہردم بڑا پہلوان ہے اور نہایت مرد ہے۔ جب ہردم لڑائی سے پھر کر گیا تو اپنی بہن سے کہا کہ اے بہن میں تیرے واسطے مرد پیدا کر کے لایا ہوں۔ اس نے کہا۔ ہو مجھے مرد کی کیا ضرورت ہے؟

پھر ہردم نے امیر کی پہلوانی اور مردمی کی صفتیں بیان کیں اور کھانا و شراب امیر کے واسطے بھیجا۔ امیر نے کہا کہ لے عمر میرے واسطے کھانا نکال اور زنبیل سے کیونکہ ہردم سے ابھی میری لڑائی ہے۔ اس لئے اس کا کھانا ابھی نہیں کھاؤں گا۔ غرضیکہ امیر نے کھانا زنبیل سے نکال کر کھایا۔ اور ہردم نے لوہاروں کو بلا کر کہا۔ کہ نو سومن کا سانگ بناؤ۔ انہوں نے پہلے دو سومن زیادہ کر کے بنایا۔

جب سانگ تیار ہو گیا۔ تو ہردم فجر سے ہی باغ میں آیا۔ امیر نے جب دیکھا کہ ہردم آیا ہے تو ہتھیار باندھے اور اشقر پر سوار ہوئے۔ ہردم نے کہا کہ میں پیادہ ہوں یہ لڑائی ٹھیک نہیں ہے۔ تب امیر بھی پیادہ ہوئے اور گیارہ سومن کا گرز ہاتھ میں لیا۔ ہردم نے کہا۔ کہ اے حمزہ میں سوائے سانگ کے اور کوئی ہتھیار اپنے پاس نہیں رکھتا اور تو اس کی وار گرز پر لیتا ہے۔ اور سانگ کو توڑتا ہے۔ اور جب ٹوٹی تو پھر کتنے ہی دنوں میں بنتی ہے۔

پس امیر نے گرز ہاتھ سے رکھا اور ڈھال سر پر لی اور دوسرے ہاتھ سے گرز کا سہارا ڈھال کے نیچے دیا۔ ہردم نے امیر پر سانگ ماری تو مہر سے ایک طرف ہوئی اور امیر کے سر پر لگی۔ دوسری بار ہردم نے پھر سانگ پھرائی ہردم نے بدستور لیکر گرز کا سہارا دیا اور ہردم مہری جدا جدا کر کے سانگ مارا تو امیر کا سر مانند انار کے کھل گیا اور امیر کی آنکھوں میں اندھیرا آیا۔ اس وقت امیر نے تلوار نکال کر ہردم کو ماری تو اس کی زرہیں کٹیں اور اس کے بدن پر بھی تھوڑا سا زخم ہوا۔

ہردم نے آہ لی اور کہا۔ اے حمزہ تو نے مجھے زخمی کیا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اچھا ہو جاؤں۔ اور تو بھی سر کو مرہم لگا کر اچھا کر۔ امیر نے کہا کہ تیری مرضی چاہے سو کر۔

تب ہردم گیا اور اپنی بہن سے کہا۔ کہ اے بہن آج امیر نے مجھے اور میں نے اُسے زخمی کیا ہے تب اسکی بہن نے اپنے دل میں کہا کہ اگر حمزہ نے اس کا سر کاٹا ہوتا۔ کہ میں اس کا جوڑا ہوتی یہاں حمزہ کو زخم نے بہت بے ہوش کیا۔ پس عمر نے یہ کیا کہ وہاں کے بال اُسترے سے مونڈے اور مرہم پٹی کی۔ مگر امیر کو تین دن تک ہوش نہ آیا۔ چوتھے روز امیر کی آنکھ کھلیں اور اٹھکر بیٹھے اور کھانا کھایا اور پانی پیا ہردم نے جو زخم بندھوایا تھا وہ کتنے دنوں بعد اچھا ہوا۔ تو امیر کے ساتھ لڑنے کے لئے پھر گیا۔ اس وقت دونوں دوست تھے۔

ہردم نے ہتھیار رہانہ بھیے اور ہردم سانگ لیکر امیر پر آیا اور سانگ پھرائی۔ تب عمر نے عربی زبان میں کہا کہ یا امیر اس سانگ سے تمکو ضرر پہنچے گا۔ خبردار رہو۔ ہردم نے امیر پر سانگ چلائی چاہتا تھا کہ امیر دوڑے اور ہردم کے دونوں بازو پکڑ کر ایسا نعرہ مارا کہ سولہ کوس تک زمین و زمان اور کوہ و بیابان گونج اُٹھا اور امیر نے ہردم کو اُٹھایا اور زمین پر پچھاڑا اور اس کے سینہ پر بیٹھے۔ ہردم نے معافی مانگی اور امیر اس کے سینہ پر سے اُترے اور ہردم کو گلے لگایا۔

پھر ہردم امیر اور عمر کو شہر میں لے گیا اور بارہ گاہ میں بٹھایا اور شہر و مجلس کو آراستہ کر کے آپ خدمت میں کھڑا ہوا۔ امیر نے فرمایا کہ کچھ طلب ہے سو کہہ کر لوں۔ تب ہردم نے کہا۔ کہ میرے باپ نے مرتے وقت مجھ سے وصیت کی تھی۔ کہ جو شخص تیری پیٹھ زمین پر لگا دیگا اپنی بہن اسے دینا۔ سو دو سو برس ہوئے ہیں کہ کسی نے میری پیٹھ نہیں لگائی۔ اور میں نے تیرے سوا کسی کو بڑا پہلوان نہیں پایا۔ سو تو اب میری بہن کو قبول کر۔

امیر نے فرمایا کہ ہزار بار قبول کیا۔ اور عمر نے اسی وقت ان کا نکاح کیا اور امیر اسی رات سے عیش و عشرت میں رہنے لگے۔ اور کچھ مدت وہاں رہے۔ امیر کا یہاں آنا اور ہردم کو اپنے تابع کرنا۔ رفتہ رفتہ سعود بن عمر نے بھی سن لیا تب ہتھیار لگا کر اور گھوڑے پر سوار ہو کر وداع برج شہر کے دروازے پر آکر نعرہ مارا اور ہردم کو پکارا۔ یہ نعرہ مجلس والوں کے کانوں تک پہنچا تو حیران ہوئے اور کہا۔ کہ اے ہردم یہ کون پہلوان ہے۔ تب ہردم سانگ لیکر اُٹھا اور باہر آیا تو سعود کو لڑائی پر تیار [illegible] پھر کر مارا چاہا۔ تب سعود نے [illegible] گھوڑے پر سے اُتر کر دوڑا اور ہردم کے دونوں بازو پکڑ کر [illegible] کا نام زبان پر لیا اور ہردم کو اُٹھایا اور سر پر پھرا کر پچھاڑا اور زمین پر پچھاڑ کر اس کے سینہ پر بیٹھے۔

تب ہرم نے کہا۔ کہ اے مرد اپنا نام بول کہ تو کون ہے؟ سعد نے کہا۔ کہ میں حمزہ کا پوتا ہوں۔ ہرم نے کہا۔ اب اٹھ تجھے میرے دادا سے ملاتا ہوں۔ تب سعد بن عمر اٹھے اور ہرم کے ساتھ امیر کی خدمت میں آئے۔ امیر نے جب پوتے کو دیکھا تو نہایت خوش ہوئے اور نوازش فرمائی۔ تب ہرم نے کہا۔ میں بہت متعجب ہوں۔ امیر نے پوچھا کیا۔ کیا ہے؟ ہرم نے کہا۔ کہ جب تیرا پوتا پہلے آیا تھا تو میں نے اسے اٹھا لیا اور اب مجھے اس نے بڑی آسانی سے اٹھایا ہے۔ اور پچھاڑ کر میرے سینہ پر بیٹھا۔ ہر چند میں نے چاہا کہ اسے سینہ پر سے دور کروں لیکن دور نہیں کر سکا۔

امیر نے ہنس کر کہا۔ کہ اے ہرم اس کا زور زحمت عشق سے اس وقت سست ہو گیا تھا اور آج اپنی عادت پر ہے تو اس کے برابر کب ہو سکتا ہے۔ یہ کہہ کر کھانا منگایا اور کھایا۔ اور مطربان خوش آواز نے جنگ دوف کا آوازہ بلند کر کے کہا۔ کہ

غرض کہ امیر شہر بروع میں مدت تک عیش کرتے رہے۔ پھر روانہ ہونے کی تدبیر کرنے لگے۔

اکہتّرویں داستان

جب امیر سے سعد بن عمر ملے تب ہرم سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے لشکر کو جاؤں تو کیا کہتا ہے میرے ہمراہ چلے گا یا نہیں۔ ہرم نے کہا۔ کہ تم سے میری دوستی ہوئے ابھی کچھ عرصہ بھی نہیں گذرا کہ تم سے جدا ہوں۔ پس امیر ہرم کی بہن سے رخصت ہوئے اور امیر و سعد بن عمر اور ہرم لشکر ظفر پیکر کی طرف روانہ ہوئے۔

اب لشکر عرب کا حال سنو کہ یہاں ہر روز طبل جنگ بجا کر لڑتے اور ہر رات طبل بازگشت بجا کر آرام کرتے۔ ایک روز جو طبل جنگ بجا اور دونوں لشکر میدان میں آ کھڑے ہوئے اور نقیب پکارے کہ کون مرد ہے جو ارادہ میدان کا کر کے اپنا نام ظاہر کرے۔ تب ثروین نوشیرواں کی خدمت میں آیا اور میدان کا حکم لیکر میدان میں آیا اور پکارا کہ اے پہلوان عرب جسے مرنے کی آرزو ہو وہ میدان میں آئے تب مرزدق فرنگی رستم کی خدمت میں گیا۔ اور حکم میدان کا لیکر مقابل میں آیا اور حریف کے سامنے آ کر کھڑا رہا۔ پس ثروین پولادتن ترکش سے گرز نکال کر مرزدق پر حملہ آور ہوا تب

مرزوق نے سر پر سپر لی اور ژوبین نے گرز چلایا۔ غرض گرز کے بوجھ سے مرزوق کے گھوڑے کی کمر ٹوٹی اور مرزوق زمین پر گرا اور اٹھتے ہی تلوار کھینچکر ژوبین کے مارنے کا قصد کیا۔ مگر اس کے گھوڑے کے چاروں پاؤں قلم کئے تب ژوبین پولاد تن بھی پیادہ ہو کر دوڑا اور مرزوق کی کمر کی دوال پکڑ کر زمین سے اٹھایا اور سر پر پھیکا کر زمین پر پچھاڑا اور کہا۔ کہ اے سست فرنگی تجھے جان سے کیا ماروں گا جا اور دوسرے کو بھیج۔ تب مرزوق میدان سے پھر آیا تو پہلوانوں میں شور پڑا۔ تب مالک اشتر میدان میں آیا اور پکارا کہ اے ژوبین مجھ سے جان بچا کر کہاں بیچا یٔیگا؟ جو ضرب تو رکھتا ہے وہ لا۔ تب ژوبین پولاد تن نے مالک اشتر پر گرز چلایا اور مالک کے ہر بن مو سے پسینہ جاری ہوا۔ پھر مالک اشتر نے اس پر گرز مارا اس نے سر آگے کیا۔ تب ایک ایسی آواز آئی۔ کہ کاتبی کا برتن کسی کے ہاتھ سے گر پڑا ہی اور ژوبین کو کچھ ضرر نہ ہوا۔ اسی طرح یہ دوپہر تک گرزوں سے لڑتے رہے۔ تب ژوبین نے گرز ڈال دیا اور تلوار ہاتھ میں لیکر مالک اشتر کے سر پر ماری۔ مالک نے اسکی تلوار ڈھال کی چھپٹ سے رد کی مگر مالک اشتر کی ایک انگلی کٹی اور کاندھا بھی کچھ زخمی ہوا۔ تب مالک نے غصہ میں آکر ژوبین پر تلوار چلائی لیکن اس کا ایک بال بھی نہ کٹا لیکن مالک زخم کے درد سے بے چین ہوا

جب دوسرا روز ہوا تو دونوں لشکر میدان میں آئے اور ژوبین نے میدان میں آکر کہا۔ کہ اے عربو کون بہادر ہے جو میدان میں آئے۔ تب نجھ اشتربان میدان میں آیا۔ ژوبین نے نجھ کو دیکھا تو ہاتھ نیزہ پر لیگیا اور پھر آکر نجھ اشتربان کے سینہ پر مارا۔ نجھ نے اس کا نیزہ روکا۔ تب وہ نیزہ گھوڑے کی گردن میں لگا تو گھوڑا زمین پر گرا۔

نجھ اشتربان نے چاہا کہ پہلے ژوبین پولاد تن کو زخمی کرے۔ پھر ژوبین نے کہا۔ کہ اے اشتربان اب تو جا اور دوسرے کو بھیج۔ تب نجھ پھر کر آیا اور قندر سر شیان کو میدان میں روانہ کیا۔ اس کو بھی ژوبین پولاد تن نے اپنی طرف کھینچا اور کہا۔ کہ تو بھی اور کسی کو بھیج۔ تب قندر واپس آیا اور سر شیان طائفی میدان میں آیا اور گرز مارا۔ اور شام تک ژوبین سے لڑائی کی۔

اس کے بعد ژوبین پولاد تن نے لندھور کو بھی زخمی کیا۔ جب اندھیرا ہوا تو دونوں لشکر اپنے اپنے مقام پر اترے تو بختک نے نوشیرواں سے کہا۔ کہ اے بادشاہ یقین ہے کہ حمزہ کا حریف ژوبین پولاد تن ہوگا۔ نوشیرواں نے کہا۔ کہ میں نے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر دوسرا روز ہوا تو دونوں لشکر میدان میں آئے اور ژوبین پولاد تن میدان میں آکھڑا ہوا۔ اور

پکارا کہ جس کو آرزوئے مرگ ہو وہ جلدی سے میدان میں آئے۔ تب بدیع الزمان گردشکر کو طاقت نہ رہی اور رستم پیلتن کی خدمت میں آیا اور رضا میدان کی چاہی اور میدان میں آ کھڑا ہوا تب زروپین نے کہا۔ کہ اے کوتاہ قد تو کون ہے اپنا نام بتا کہ بے نام نہ مارا جائے۔ امیرزادہ نے کہا۔ کہ میں بدیع الزمان حمزہ بن عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

تب زروپین پولادتن نے کہا۔ کہ خبردار ہو کہ حمزہ کا بیٹا ہے۔ پس بدیع الزمان نے ڈھال سر پر لی اور زروپین پولادتن نے اس کے سر پر گرز مارا کہ تین سو ساٹھ رگ جنبش میں آئیں اور ہر بن مو سے پسینہ ٹپکا۔ پھر بدیع الزمان نے کہا۔ کہ اے زروپین پولادتن دو حملے اور بھی مجھے دیجئے۔ تب زروپین پولادتن پر ایسا گرز مارا کہ جس سے سخت آواز پیدا ہوئی جیسے کہ پتھر پر طشت گرتا ہے۔ پھر گرز دگرز دونوں میں دوپہر تک ہوئی تب وہ دونوں تلواروں پر ہاتھ لیگئے اور اتنے لڑے کہ دونوں کی تلواریں آرہ کے مانند ہو گئیں۔

پس ان کو پھینکدیا اور ایک دوسرے نے ہاتھ دوال کمر میں ڈالے اور اتنا زور کیا۔ کہ دونوں کے گھوڑے زانو تک زمین میں گڑ گئے۔ اس وقت دونوں پہلوان پیادہ ہوئے اور پھر آپس میں زور کرنا شروع کیا۔ کبھی وہ پچاس ساٹھ قدم بدیع الزمان کو ہٹا دیتا اور کبھی بدیع الزمان اس کو سو قدم پیچھے ہٹا دیتا۔ تب امیرزادہ نے زروپین کو زانو تک اٹھایا پھر زروپین نے زور کیا اور بدیع الزمان کے ہاتھ سے چھوٹ کر مقابل میں سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اسی طرح کئی بار امیرزادہ نے زور کیا اور زروپین کو زانو تک کھینچا اور زروپین زور کر کے چھوٹا اور مقابل کھڑا ہوا۔

غرض جب رات ہوئی تو دونوں لشکر لڑائی کی جگہ پر آئے اور زروپین نے گھوڑا میدان میں ڈالا اور پکارا کہ کون پہلوان میدان میں آ لڑتا ہے۔ یہ ایسا ہی پکار رہا تھا کہ یکایک جنگل سے گرد نمودار ہوئی۔ اور اس گرد میں سے دو سوار اور ایک پیادہ معلوم ہوتا ہے۔ سپاہ عرب نے جب امیر کو دیکھا۔ تو استقبال کے لئے دوڑے اور قدمبوس ہوئے۔ امیر نے ہر ایک کو گلے لگایا اور ہردم سے کہا۔ کہ تمام پہلوانوں سے ملو۔ تب ہردم سب پہلوانوں سے ملے۔ غرض جس سے بغلگیر ہوا وہ مرنے کے نزدیک ہوا۔

لہذا اس امیر کشورگیر میدان میں آئے۔ زروپین نے جب امیر کو دیکھا تو کہا کہ اے عرب میں تجھے چاہتا تھا۔ امیر نے کہا کہ میں بھی آ پہنچا ہوں۔ جو نشان بہادری کا رکھتا ہے لا۔ یہ سنتے ہی زروپین دوڑا اور دوال کمر امیر کی پکڑی اور امیر نے اس کی کمر کی دوال پکڑی اور زنجیر میں مضبوط

پکڑیں اور اتنا زور کیا۔ کہ گھوڑے گھٹنوں تک زمین میں گڑ گئے اور دونوں پہلوان پیادہ ہوئے۔ امیر نے اللہ اکبر کہہ کر نعرہ مارا اور زروبین کو سر پر اٹھایا۔ اور اتنا پھرایا کہ مردانِ عالم نے آفرین کہی۔ پھر زمین پر پچھاڑا اور ہاتھ پاؤں محکم باندھے اور عمر کے حوالے کیا۔ اور طبل بازگشت بجوایا اور دونوں لشکر اترے۔ تب امیر نے عمر سے کہا کہ اے عمر میں اپنے فرزندوں کو جا کر ملتا ہوں تم یہاں بیٹھو۔ غرض امیر بیٹھے تھے۔ کہ عرب کے سارے پہلوان وہاں گئے اور کہا کہ اے عمر اس زروبین پولاد تن نے ہماری آبرو لی اور ہم اب اسے کیا منہ دکھائیں گے۔ کیونکہ ہم میں سے کوئی اس پر غالب نہیں آیا۔

تب عمر بن عمیہ نے اس کے مارنے کی تدبیر کی کہ قلعی گلا کر اس کے گلے میں ڈالی جس سے وہ مر گیا۔ جب امیر محل سے رونق افزا بارگاہ ہوئے اور پہلوانی کی کرسی پر بیٹھے تو حکم کیا کہ زروبین پولاد تن کو لاؤ۔ اس وقت عمر نے کہا کہ ہرومہ نے اسے مار دیا۔ امیر نے غصہ میں آ کر ہرومہ کی طرف دیکھا ہرومہ نے کہا کہ میں کیا جانوں اس دیو نے مجھے کہا۔ کہ زروبین پولاد تن کا منہ کھولو۔ سو میں نے اس کا منہ کھولا اور عمر نے قلعی گلا کر اس کے منہ میں ڈال دی جس سے وہ مر گیا۔

یہ سن کر امیر کرسی پر سے اٹھے اور عمر کا ہاتھ پکڑا اور کہا ایسے نامور پہلوان کو تو نے کیوں مار ڈالا؟ تب عمر نے کہا کہ اس نے تمام پہلوانوں کی آبرو دور کی اس واسطے مارا ہے تب امیر نے کہا تیرے علاوہ کسی اور نے مارا ہوتا تو اسے جان سے مارا۔ یہ کہہ کر عمر کو سات کوڑے مارے اور کہا کہ بغیر حکم کے یہی سزا ہے۔ تب عمر باہر نکلا اور کہا کہ ان سات کوڑوں کے بدلے ستر کوڑے نہ ماروں تو مجھے عمیہ ضمیری کا بیٹا نہ کہنا۔

یہ کہہ کر نوشیرواں کے پاس گیا اور کہا کہ اے بادشاہ میں اس عرب کی خدمت میں مدت تک رہا۔ آخر اس نے ایک کافر کے واسطے مجھے سات کوڑے مارے۔ اب میں اس کے پاس نہیں جاتا۔ اگر حکم ہو تو یہاں رہوں؟

نوشیرواں نے یہ سن کر بہت آرزو سے اپنے پاس رکھا اور سونے کی کرسی پر بٹھایا۔ اور خلعت عطا کی اور بہت سی خاطرداری کی۔ ادھر امیر اس کے فکر میں رات بھر جاگتے تھے۔ اور عمر ہر روز آ کر دیکھتا اور پھر جاتا۔ عمر اسی طرح ہمیشہ پھرتا رہتا۔ امیر نے پہلوانوں کو بھی ہوشیار رہنے کے واسطے حکم دے رکھا تھا۔ ایک دن امیر رات کے [illegible] سو رہے تھے اتنے میں عمر آیا اور قابو پا کر بیہوشی کی دوا ہاتھ میں لی اور یہ سوچ کر [illegible] کہ اگر میں پاس گیا تو امیر [illegible] کان پکڑ لیگا [illegible] بیہوشی کی دوا [illegible] امیر [illegible] پھونکی اور امیر کو چھینکا

آئی اور بیہوش ہوئے۔

تب عمر نے کمند سے باندھا اور جنگل میں لیجاکر درخت سے باندھا اور ہوشیار کیا۔ امیر اپنی حالت پر حیران ہوئے۔ عمر نے ستر لکڑیاں گن کر امیر کو ماریں۔ تب امیر نے کہا کہ کعبہ کی سوگند اور پروردگار کی قسم ہے کہ تیرا خون ضرور کراؤں گا۔ یہ کہکر زور کیا تو کمند ٹوٹی تب عمر دیکھتے ہی بھاگے آپ نے فرمایا کہ تو کہاں تک بھاگے گا آخر تو تیرا خون کروں گا۔ تب عمر ڈرا اور کئی قدم پھر مار کر بولا۔ کہ امیر ایک بات تو ذرا سن لو کہ میں ایک حکمت بتاتا ہوں۔

امیر نے فرمایا کیا بتاتا ہے؟ عمر نے کہا تمہاری سوگند کے واسطے ایک نشتر مار لیتا ہوں جس سے زمین پر خون گرے گا تو خون کئے کے مانند ہوگا۔ تب امیر نے فرمایا کہ اے چور جلد حکمت نہیں تو کام دشوار ہوتا ہے۔ تب عمر نے نشتر امیر کو دی اور امیر نے عمر کو نشتر مار کر لہو زمین پر گرایا۔ پھر دونوں مل کر لشکر میں آئے اور خوشی سے رہنے لگے

بہتّرویں داستان

راویان اخبار یوں روایت کرتے ہیں کہ ایک حکیم مردک نامی بختک کا پیغام پڑھکر آیا اور نوشیروان سے مل کر کہا کہ میرے نجوم میں دیکھا ہے کہ امیر اپنے یاروں سمیت میرے ہاتھ سے اندھا ہوگا۔ نوشیروان نے کہا کہ بس پھر کیا چاہئے۔ القصہ حکیم عمر بن امیہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں غریب ہوں ولیکن طبابت و حکمت خوب جانتا ہوں۔ اگر تمہاری مہربانی ہوگی اور سفارش کروگے تو البتہ چند روز امیر کے زیر سایہ رہوں گا۔

تب عمر نے اسکی تمام کیفیت امیر سے بیان کی اور کہا کہ یہ اچھا حکیم ہے اور غریب ہے تمہاری خدمت میں رہنے کو کہتا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ بہتر ہے رہنے دو۔ تب وہ حکیم عمر اور امیر کے پاس رہنے لگا اور اپنی حکمت دکھانے لگا۔ رفتہ رفتہ امیر اس کا اعتبار کرنے لگا۔ ایک روز امیر کی آنکھوں میں درد تھا تو حکیم سے کہا کہ میری آنکھوں میں درد ہے۔ اس نے مرہم لاکر دیا اور امیر نے آنکھوں پر لگایا اور بہت فائدہ ہوا۔

تب سارے یاروں اور پہلوانوں نے امیر سے وہ مرہم لیا اور آنکھوں میں لگایا

اور بہت فائدہ ہوا ۔

جب حکیم کا اعتبار خوب جم گیا تو اندھا کرنے کی دوا اس سرمہ میں ملائی اور امیر کے پاس لایا ہر روز کے اعتبار پر امیر یاروں سرمہ آنکھوں میں لگایا اور وہ حکیم اسی وقت نوشیرواں کے پاس آیا اور کہا کہ بادشاہ کے اقبال سے امیر اور عمر اور امیر کے یاروں کو اندھا کر آیا ہوں ۔ تب بختک نے اٹھ کر حکیم کو گلے سے لگایا ۔ اور کہا کہ کیونکر پہچانیں کہ وہ اندھے ہوئے ہیں ۔ حکیم نے کہا کہ جنگ کا نقارہ بجے اور ابھی تمام حال معلوم ہوتا ہے ۔ تب نوشیرواں نے طبل جنگ بجوایا تب امیر نے نقارہ کی آواز سنی تو فرمایا کیا سبب ہے کہ بے وقت طبل جنگ بجا ہے ؟

پس وضو کے لئے پانی مانگا اور منہ ، ہاتھ اور آنکھیں خوب دھوئیں بصارت جاتی رہی ۔ تب امیر نے کہا کہ اے یارو مجھے دکھائی نہیں دیتا ۔ انہوں نے کہا کہ ہم بھی اندھے ہوئے ہیں ۔ تب امیر نے کہا کہ اس حکیم کو پکڑ لاؤ ۔ تب ہر چند تلاش کیا مگر کہیں نہ ملا ۔ تب معلوم ہوا کہ وہ بھاگ گیا ہے ۔ تب امیر نے کہا کہ خدا کا حکم یونہی تھا ۔ اب شور سے کچھ فائدہ نہیں ؎

بود نے بود ہر چہ خواہد بود | غم بدل داشتن چہ دارد سود
گرگ از گلہ گو سفند ربود | ہائے ہائے شبان ندارد سود

القصہ سوار ہو کر میدان میں آ کھڑے ہوئے ۔ تب نوشیرواں نے کہا کہ اگر وہ اندھے ہوتے تو میدان میں آ کر کیونکر کھڑے ہوتے ۔ حکیم نے کہا کہ اے بادشاہ ایک پہلوان کو میدان میں روانہ کرو ابھی معلوم ہو جائیگا کہ کیا حال ہے ۔ تب ایک عادی میدان میں آیا اور اس نے ہر دم پر حملہ کیا ۔ ہر دم نے سانگ سے اس کا ہتھیار روکا اور زور کیا اور آنکھوں والوں کی طرح لڑتا رہا ۔ اور ہر دم نے عادی کو ایسا مارا کہ وہ خاک میں ملا ۔ تب نوشیرواں نے کہا کہ اندھے ہوتے تو آنکھ والوں کی طرح یہ کیوں لڑتے ؟

غرض دوسرا عادی آیا ہر دم نے اسے بھی مارا ۔ غرض اس روز ہر دم نے تیسات عادی مارے ۔ تب عادیوں کے سردار نے حکم دیا کہ ہر دم پر سب مل کر یکبارگی حملہ کرو ۔ تب عادیوں نے گھوڑے اٹھائے اور ہر دم کو گھیر لیا ۔ تب ہر دم چوطرفی سانگ پھرا کر چھوڑنے لگا ۔ جسے وہ مارتا تو گھوڑے سمیت مارتا ۔ پھر ہر دم پر تیر مارنے لگے ۔ تب بختک نے کہا کہ اس کی پیٹھ پر مارو ۔ تب بختک کے کہنے کے مطابق کیا ۔ تب ہر دم نے نعرہ مارا کہ امیر یہ مجھے مارتے ہیں ۔ امیر نے گھوڑے کو ڈپٹا اور وہاں گئے ۔ تب عادی بھاگے ۔ امیر نے

ہرمز کو فوج میں روانہ کیا کہ اسے کافر نہ جانو کہ میں اندھا ہوں۔ پس اس حالت میں بھی کئی کافروں کو مارونگا۔ کہ جس کا حال خدا کو معلوم ہوگا۔ اب بھی تم باز آؤ۔

تب نوشیرواں نے کہا۔ کہ تمام لشکر ایک دفعہ حملہ کرو۔ تب سارا لشکر امیر پر ٹوٹا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے تلواریں مارنے لگے۔ تب امیر کے لشکر کے پہلوان کافروں پر پڑے اور بے فکر مارتے تھے۔ پس ایک ایک ہاتھ میں سوار گھوڑے سمیت چت کرتے۔ مردوں کی واویلا اور پہلوانوں کا شور اور گرزوں کی تڑاتڑ اور تلواروں کی چقاچق سے پکار ہونے لگی۔ اور کافروں کے سر گیند کی طرح دھڑوں پر سے گرتے اور دھڑوں کے چبوترے بنتے تھے۔ تب نوشیرواں نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ وہ تو اندھے ہیں تم ان پر بھی غالب نہیں ہو سکتے۔ تب امیر نے کہا۔ کہ کافروں نے ہمارا اندھا ہونا معلوم کر لیا ہے اس لئے ہمیں کسی قلعہ میں داخل ہونا چاہیئے تب پہلوانوں اور اردو بیل کے بادشاہ نے کہا کہ یہاں سے اردو بیل تین میل کے فاصلے پر ہے۔ سو وہاں جانا بہتر ہے۔

تب امیر کے حکم سے لڑتے ہوئے چل دیئے۔ جب رات ہوئی تو نوشیرواں نے کہا کہ اب لڑائی بند کرو کہ جان بچے۔ تب امیر نے آدھی رات کو وہاں سے کوچ کیا اور اردو بیل کی راہ لی۔ اور فوج کو اپنے اور اپنے اسباب کے گرد پیش کر کے رات دن لڑتے ہوئے چوتھے روز ملک اردو بیل میں پہنچے اور قلعہ میں داخل ہوئے اور قلعہ کے دروازے بند کئے اور خندقیں پر آب کیں۔ پس امیر اور تمام پہلوان خدا کی یاد میں تھے اور باقی لشکر فصیلوں پر چڑھ کر کافروں سے لڑتا تھا اور نوشیرواں نے اس قلعہ کو گھیر رکھا تھا۔

تہترویں داستان

جب امیر کشور گیر شہر اردو بیل میں جا کر قلعہ میں بند ہو کر رہنے لگے تو یہ تمام ملکوں میں خبر مشہور ہوئی کہ حمزہ کو مرزک حکیم نے دوا دیکر اندھا کیا اور اس نابکار نے امیر کے تمام بہادروں کا یہی حال کیا۔

چنانچہ یہ خبر شہر بروج میں پہنچی۔ اور وہاں ہرمز کی بہن کو امیر سے لڑکا پیدا

ہوا اور والدہ نے اس کا نام قاسم جگر خونخوار رکھا تھا اور وہ لڑکا جنگل میں ہمیشہ شکار کھیلتا تھا اور ہر دم کی بھانجی کو بھی سعدین عمر سے لڑکا پیدا ہوا تھا اور اس کا نام حارث رکھا گیا تھا اور یہ دونوں لڑکے وہاں ایک جگہ رہتے تھے۔ ان دونوں لڑکوں نے جب امیر کی مصیبت کی خبر سنی تو دونوں نے لشکر لیا اور بروع سے روانہ ہوئے اور دوبل میں پہنچے اور کافروں پر پڑ کر اپنے دل کا بخار نکالا۔ اور اپنے دعوی کو بخوبی ثابت کیا اور شہر میں آکر امیر سے ملے اور امیر مع یاران بہت خوش ہوئے۔ سب کی مل کر یہی صلاح مقرر ہوئی کہ اگر یہاں سے بروع کی طرف چلے چلیں گے تو آرام پائیں گے۔ تب امیر اپنا لشکر لیکر اردوبل سے بروع کی طرف روانہ ہوئے اور کافروں نے ان کا پیچھا کیا غرض کہ امیر کافروں سے لڑتے بھڑتے بروع کے قلعہ میں داخل ہوئے اور کافروں کا لشکر قلعہ کے گرد گھیرا کر کے اترا۔

راوی یوں بیان کرتا ہے کہ جب چھ مہینے گذرے تو امیر بہت تنگدل ہوئے اور یاروں کو بلا کر فرمایا کہ تم تمام میرے واسطے کیوں ہلاک ہوتے ہو اب تم مجھے پکڑ کر نوشیرواں کے حوالے کرو اور تم جہاں چاہو خوشی سے رہو۔ تب سب یار وفاداری پیش کر دیتے لگے اور کہا کہ اگر ہماری ہزار جان ہوگی تو بھی ہم سب تمہارے قدموں پر فدا کریں گے اور کوئی بڑا ہی کمبخت اور بے وفا ہوگا جو تم سے جدا ہوگا۔ اور جبتک ہمارے تن میں جان ہے ہم تمکو نہ چھوڑیں گے۔

یہ انہی باتوں میں تھے کہ پردۂ غیب سے خواجہ حضرت خضر علیہ السلام خداوند پروردگار عالمیان کے امر سے ایک ہرا پتہ لیکر وہاں پہنچے اور اس کا عرق نچوڑ کر امیر کی آنکھوں میں ٹپکایا عرق ڈالتے ہی امیر کی آنکھیں روشن ہوگئیں اور امیر اٹھکر حضرت خضر علیہ السلام کے پاؤں پڑے حضرت خضر نے کہا۔ اے فرزند یہ کام خدا کی طرف سے تم پر ہوا ہے۔ اب سب یاروں کی آنکھوں میں بھی رگڑ کر لگا اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھ۔ یہ کہکر خضر تشریف لیگئے۔ اور امیر نے وہ پتہ سب یاروں کی آنکھوں میں لگایا۔ قدرت حق سے سب کی آنکھیں روشن ہوئیں اور سب شکر خدا تعالیٰ کا بجا لائے۔ عمر کرسی پر سے اٹھا اور کہا یہ کام بختک نے کرایا ہے پس اب اسے بھی سزا دینا ہو امیر نے فرمایا کہ مرضی خدا کی یونہی تھی۔ عمر نے نہ مانا۔ جب رات ہوئی تو عمر شہر سے باہر نکلا اور ایک درجی کی صورت بنا کر بختک کے پاس گیا اور دربانوں سے کہا کہ ایک درجی اردم سے آیا ہے۔ بختک کو خبر دو۔

بختک نے فرمایا جلد بلوا۔ عمر اندر گئے آداب بجا لائے اس نے سر سے پاؤں

تک خوب دیکھا اور دل میں کہا کہ عمر تو اندھا تھا وہ یہاں کیونکر آیا ہوگا؟ جاسوس کو بلا کر قلعہ میں روانہ کیا کہ عمر کو دیکھ آؤ۔

جاسوس نے اپنے دل میں کہا۔ کہ اگر عمر کو قلعہ میں بتائیں گے۔ تو اسے مار ڈالیگا۔ اگر امیر کے پاس بتائیں گے تو کچھ قباحت نہ ہو گی۔ جاسوس نے مشورہ کیا اور وہاں سے واپس آئے اور بختک نے کہا۔ کہ عمر اس وقت امیر کے پاس ہے۔ بختک نے اس بات کو سچ جانا اور چپ رہا۔ اور عمر کو ہریسہ پکانے کا اسباب دلایا۔ عمر نے ہریسہ پکایا تو بختک نے پسند کیا اور نوشیرواں سے ہریسہ اور عمر کی تعریف کی۔ نوشیرواں نے پسند کیا اور جب بختک نے ہریسہ کھایا تو بہت خوش ہوا اور مالک تمام باورچی خانہ کا بنایا۔ تب ہر روز ہریسہ پکا کر کھلاتا اور اپنا اعتبار خوب جمایا اور ایک رات دیگ میں گھی ڈالا اور جوش دینے لگے۔

باورچی خانہ کے ملازم بولے۔ کیا سبب ہے دیگ میں گوشت نہیں ڈالا۔ تب عمر بولے کہ ایک موٹے تازے بکرے کا گوشت قصاب آدھی رات کو لائیگا اس لئے خالی گھی کو جوش دیتا ہوں۔ جب وہ ملازم چپ ہو رہے اور عمر آدھی رات کو بختک کے گھر گیا اور بختک کو سوتا پایا تو ساڑھے سات مثقال بیہوشی کی دوا نکال کر اس کی ناک میں ڈالی۔ بختک نے جب اوپر دم کھینچا تو چھینک آئی تو بیہوش ہو گیا۔ تب عمر نے سوز کپڑے میں لپیٹ کر اسے اٹھا کر لے آیا اور باورچی خانہ میں اور رکھا تھا۔

جب دوسرے باورچیوں نے یہ حال دیکھا تو اپنی جان کے ڈر سے سولوں کی مانند پڑے رہے اور عمر نے بختک کا گوشت کاٹ کر اور گھی میں ڈال کر ہریسہ پکایا۔ چمڑا اور ہڈیاں وغیرہ زمین میں گاڑیں اور طائف کی مویز میں داروئے بیہوشی ملا کر سوتے ہوئے باورچیوں کو اٹھا کر کھلائی۔ جب وہ بے ہوش ہوئے تب ان سب کے سر کاٹ کر زمین میں دفن کئے۔ جب صبح ہوئی تو نوشیرواں کے سامنے وہ ہریسہ لایا۔ تب بادشاہ نے دوسرے بادشاہوں سمیت کھا کر بہت تعریف کی۔

بزرجمہر نے نجوم میں دیکھا تھا کہ عمر نے یہ کام کیا ہے اس واسطے بزرجمہر نے نہ کھایا۔ نوشیرواں منتظر تھے ان کے شامل ہونے کو ہر چند بلایا۔ بزرجمہر نے کہا کہ اے بادشاہ میں کھا کر آیا ہوں اور کھانے پر کھانا حرام ہے بلکہ زہر ہلاہل ہے۔ نوشیرواں نے چپ رہ کر ہریسہ کھایا۔ اپنے آگے بختک کی انگوٹھی برتن میں سے نکلی نوشیرواں نے کہا کہ اے ندیمو یہ انگوٹھی ہریسہ میں ڈالی ہے تب عمر نعرہ مار کر بارگاہ سے باہر آیا اور باہر

کے حضور میں آگیا اور تمام حقیقت عرض کی۔ امیر نے فرمایا اسے چور آدمی کا گوشت آدمی کو کھلانا منع ہے۔ پھر نوشیرواں کو وہم ہوا اور نوکر بھیجے کر بختک کو بلاؤ۔ نوکر دوڑے اور بختک کے غائب ہونے کی خبر لائے۔

تب نوشیرواں نے سمجھ لیا کہ یہ گوشت بختک کا تھا اور مطبخی ٹمر تھا۔ یہ کہکر نوشیرواں نے قے کرنا شروع کیا اور بیمار ہو گیا۔

چوہترویں داستان

جب نوشیرواں بیمار ہو گیا۔ تو دوسرے روز تخت پر بیٹھکر بزرجمہر کو کہا کہ اے مکار تجھے معلوم تھا کہ امیر نے مجھے بختک کا گوشت کھلایا ہے لیکن تو نے خبر نہ کی۔ بزرجمہر نے کہا کہ اگر مجھے میں خبر کرتا تو عمر اسی وقت مجھے مار ڈالتا۔ اس واسطے میں نے خبر نہ کی اور بادشاہ کو شہر یار اور حکیموں اور وزیروں سے پوچھنے کے سوا نہ کھانے۔ تو نے میرے پوچھنے کے بغیر کیوں کھایا؟

نوشیرواں نے کہا کہ تو نے بڑی خطا کی۔ البتہ تجھکو سزا دوں گا۔ جو کچھ خدا نے چاہا وہ کیا اور جو چاہے گا سو کرے گا۔ لیکن دارو غوں کو نوشیرواں نے حکم دیا کہ بزرجمہر کی دونوں آنکھ نکال دو۔ بزرجمہر اپنا بادشاہی چھوڑ کر اور بزرجمہر تخت پر بیٹھا کر مدائن کو چلا گیا اور بزرجمہر دونوں آنکھیں کھو کر حمزہ کے پاس گیا اور کہا کہ اے فرزند اب تمکو مکہ معظمہ میں جانا ہے۔ کیونکہ حضرت آخر الزمان محمد صلے اللہ علیہ وسلم منصب پیغمبری پر اس روز کے ہوئے ہیں۔

اس بزرجمہر مکہ معظمہ پر آئے اور خواجہ عبد المطلب سے ملاقات کی۔ تب بزرجمہر وقعہ کعبہ میں لائے اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو کھڑا کیا اور حضرت کے دونوں قدموں کے نیچے کی خاک بزرجمہر کی آنکھوں پر لگا کر نماز پڑھی اور مناجات کرائی کہ خدایا اپنے محبوب کے قدموں کی برکت سے میری آنکھیں روشن کر۔ تب محبوب اللہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے نام شفاء النبیاء کی برکت سے بزرجمہر کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور اللہ کو آواز دی کہ اے بزرجمہر اگر محمد صلے اللہ کی برکت سے دعا کرتا تو مشرق سے مغرب تک مردہ زندہ ہو جاتا لیکن تو نے تھوڑی سی حاجت چاہی۔

تب بزرجمہر نے چہرہ پُرنور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھ کر بوسہ دیا اور قدم مبارک پر پڑے اور یہ معجزہ تمام دنیا میں مشہور ہوا اور جو ربیت کے قائل تھے وہ خوب سمجھ بوجھے اور پکارے کہ آخری زمانہ کا پیغمبر دنیا میں پیدا ہوا۔ جب نوشیرواں نے ہرمز کو بروزِ عید تخت پر بٹھایا تو داہنے ہاتھ بزرجمہر کے فرزند بوذرجمہر اور بائیں طرف بختک کے بیٹے بختیارک کو وزیر مقرر کر کے بٹھایا اور یہ موذی بختیارک باپ سے سو حصہ حرامزدگی میں زیادہ تھا اور ہرمز کی دولت اور ملک کو اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا۔ وہ مکار نابکار جو کچھ کہتا تھا ہرمز اس پر عمل کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اے وزیر ایسا کام کر اس عرب کا سر لیجئے۔

بختیارک نے کہا کہ اے بادشاہ خاطر جمع رکھئے کہ میں نے نامور قضا و قدر باختر کے اژدہوں کو لکھا ہے اور وہ پہلوان آدم خور ہیں۔ اگر وہ آئیں تو حمزہ کے لشکر کو زندہ نگل جائیں گے۔ اتنے میں گرگ سوار کا لشکر آ پہنچا اور اس کا سردار مرزبان زردشت گاؤ لنگی تھا۔ جب نوشیرواں کا فریاد نامہ گاؤ لنگی رخام کے بادشاہ کو پہنچا تو اس میں مضمون تحریر تھا کہ

اے بادشاہ رخام گاؤ لنگی تجھے معلوم ہے کہ حمزہ نام بن عبدالمطلب ایک عرب سے پیدا ہو کر اٹھارہ سال کوہ قاف میں رہا اور انسان و ہاتھی و گھوڑے و گینڈے و ہیل کے سر والے ہزارہا دیوؤں کو فنا کر کے اور سلامتی سے واپس آ کر بادشاہوں اور پہلوانوں کو اور گردن کشوں کو عزت و دولت سے تختہ تابوت پر سلایا ہے۔ اور جو معافی مانگتا ہے اس کو معاف کر کے حلقہ غلامی پہنا کر رکھتا ہے۔ اور مجھے نہایت خوار کیا ہے۔ اگر رخام کا بادشاہ آئے تو اسے دنیا سے اٹھا دے نہیں تو رخام کو معلوم ہو کہ وہی آنے والا ہے اور بانفسِ خود آنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

جب نوشیرواں کا خط گاؤ لنگی کے پاس پہنچا تو اپنے فرزندوں اور دامادوں کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ اس مہم پر کون اختیار کرتا ہے۔ تب اس کے بڑے داماد زردشت نے کہا کہ اگر میرے نام پر حکم ہو تو حمزہ کو باندھ لاؤں۔ تب گاؤ لنگی نے تیس ہزار سوار دے کر زردشت کو روانہ کیا۔ جب مرزبان شہر مدائن کے نزدیک پہنچا تو ہرمز نے استقبال کیا اور ہرمز اخلاق و تکریم سے بلایا پھر دوسرے روز طبل جنگ بجوا کر مقابلے کے لئے میدان میں آیا۔ تب امیر حمزہ صاحبقران

لڑائی کا نقارہ بجوا کر میدان میں آ کھڑے ہوئے اور اس وقت ایک گرگ سوار میدان میں آیا۔ تو اس وقت سارے پہلوان بولے کہ یا امیر ماندگی کی وجہ سے ہمارے گھوڑوں میں آگے جانے کی طاقت نہیں ہے اگر حکم ہو تو پیادہ جا کر کافروں سے جنگ کریں۔

تب ہردم نے فرمایا کہ تمہیں پیادہ جا کر لڑنے کی ضرورت نہیں۔ میں خود جاتا ہوں۔ امیر نے فرمایا کہ تمہیں خدا کو سونپا۔ تب وہ شیر کی طرح غراتا ہوا میدان میں آیا اور کافر لعین کے مقابل کھڑا رہا تب گرگ سوار نے مچھلی کا نٹا ہردم پر چلایا۔ ہردم نے اس کا وار اسی سانگ میں لپیٹ لیا اور زور کر کے چھین لیا اور سانگ پھرا کر ایسا مارا کہ وہ کافر مع لاندگی زمین میں پیوست ہوا۔ تب امیر نے کہا۔ اسے ہردم لاندگی کو مت مار۔ ہردم نے کہا کیا کرونگا۔ عمر نے کہا اپنے گھوڑوں میں باندھونگا۔ تاکہ دہشت گھوڑوں کے دلوں سے نکل جائے۔

ہردم نے کہا۔ اے عمر تو نے خوب سوچا۔ پھر دوسرا لاندگی سوار آیا اور حربہ چلایا۔ ہردم نے بدستور سانگ میں لپیٹ کر چھین لیا اور ایسا مارا کہ وہ گرگ سوار داخل فی النار ہوا اور سوار سے گرگ الگ ہوا۔ تب عمر دونوں لاندگی پر سوار ہو کر آئے اور ان کو اپنے لشکر کے پاس گھوڑوں کو باندھا۔ ہردم نے اس میدان میں بدستور چالیس سوار جہنم کو روانہ کئے۔ تب انہوں نے ارادہ کیا کہ آگے کے لاندگی پر سوار ہوں لیکن اتنے میں شام ہوئی اور وہ دونوں لشکر اپنے اپنے مقام پر اترے۔ ہردم نے آ کر امیر کے قدموں پر بوسہ دیا اور امیر نے ہردم کو نوازا۔

جب صبح ہوئی تو دونوں لشکر مستعد ہو کر میدان میں آئے اور کافروں میں سے ایک لاندگی سوار میدان میں آیا اور ہردم نے بدستور جہنم میں پہنچایا۔ اس وقت اسی طرح ہردم نے دس کافروں کو جہنم میں داخل کیا پھر کوئی کافر میدان میں نہ نکلا۔ تب زردشت نے کہا کہ اے نامردو اور بہادرو کیوں میدان میں نہیں جاتے؟ سواروں نے کہا کہ اے شہزادے ہمکو ہماری جان پیاری ہے ہم نہیں جائیں گے کیونکہ جو رفیق جاتا ہے وہ میدان سے واپس نہیں آتا۔ تب زردشت آپ ہی سوار ہو کر میدان میں آیا اور ہردم پر حربہ چلایا۔ ہردم نے سانگ پر لپیٹ دیا۔ زردشت نے زور کیا تو ہردم نے سمجھا کہ وہ سانگ چھین لیگا۔ تب امیر کو پتا تھا امیر نے گھوڑا دوڑا کر نعرہ مارا اور اس نعرہ سے زردشت کے ہاتھ پاؤں سست ہو گئے اور ہردم نے سانگ چھین لی۔

تب زردشت نے کہا کہ اے حمزہ تو نے ناحق شکار کو چھڑا دیا۔ امیر نے فرمایا کہ اے کافر جوانان مرد آزمائی کا رکھتا ہے۔

اس کافر نے امیر کے سر پر ایسا حربہ مارا کہ اگر سد سکندری ہوتا تو بھی
نہ بچتا۔ مگر حمزہ کو ذرا بھی خطرہ نہ ہوا۔ تب اس نے کہا کہ اے حمزہ ابھی تو زندہ ہے۔ فرمایا۔ اے کافر
بفضل خدا زندہ ہوں مگر دو حملے اور بھی کئے دیئے۔ پس اس نے بزور دو حربے ایسے مارے کہ
اگر پہاڑ ہوتا تو سرمہ ہو جاتا۔ پس جب امیر کی باری آئی۔ تو امیر نے گیارہ سو من کا گرز ایسا مارا کہ
بے ہوش ہو گیا۔ اور دل میں کہا کہ میں حمزہ کے مقابل کا نہیں ہوں۔ یہ کہکر واپس ہوا۔ تب امیر
نے پھرتے وقت اس کے سر پر ایسا گرز مارا کہ اس کے حلق سے لہو زمین پر گرا اور وہ بھاگ کر چلا گیا۔

تب اہل آتش کے نقارے بجوائے اور زردشت نے کہا کہ اے ہرمز میں حمزہ کے
مقابل کا نہیں ہوں۔ ہاں اگر بادشاہ یہاں سے قضا و قدر میں میرے ساتھ چلے تو وہاں سرسال
بن وال آدم خور بادشاہ سخت پہلوان ہے اور اس کی پناہ لیکر اگر حمزہ یہاں آیا تو یقین ہے کہ
اپنی زیست سے ہاتھ دھوئیگا۔

تب تمام کافر ایک مشورت سے بولے کہ البتہ جس کام میں حمزہ کا ضرر ہو وہی
کرنا چاہیئے۔ تب سیاوش سے ہرمز نے پوچھا۔ اس نے کہا کہ اے بادشاہ جانا مناسب نہیں ہے
اگر جاؤ گے تو البتہ پشیمان ہو گے۔

بختیارک ناہنجار نے کہا کہ جانا بہت ضروری ہے۔ تب سیاوش نے کہا کہ بادشاہ
مختار ہے۔ القصہ دوسرے روز ہرمز نے اپنے لشکر سمیت زردشت کی رہبری کو کوچ کیا۔ اور
چند روز میں قضا و قدر میں پہنچے۔ تب زردشت نے آگے جاکر سرسال کو خبر کی اور سرسال بن وال
نے استقبال کیا اور بڑی تعظیم و تکریم سے لیجا کر ہرمز کو تخت پر بٹھایا۔ اور بہت دلاسہ دلیری
دی اور کہا کہ اے بادشاہ تو فکر نہ کر حمزہ کو مارنا میرا کام ہے۔

جب امیر کو قضا و قدر میں ہرمز کے جانے کی خبر ہوئی تو امیر بھی قضا و قدر
سے چار کوس کے فاصلے پر اُترے۔ سرسال بن وال نے کھانا منگایا اور ہرمز کے روبرو رکھا۔
اور کافروں کو بھی دیا۔ ہرمز نے دیکھا کہ گوشت سور کا ہے تب ہرمز نے کھانے سے انکار کیا۔ پس
زردشت نے کہا کہ۔ اے بادشاہ اس مجلس میں تم بیٹھے ہو۔ جو آیا جو کھانا ضروری ہے۔ اگر سرسال
سے یہ بات ظاہر ہو گی تو مشکل ہے۔

تب ہرمز نے صورت کیموافق ایک نوالہ سور کے گوشت کا کھایا پھر وہیں قصے کی
پھر سرسال اور اس کے ہم جنسوں نے یہ صلاح کی کہ بڑے لات نے ہم پر مہربان ہو کر ہمارے واسطے

یہ بکریاں بھیجی ہیں۔ ان کے کھانے میں کمی نہ کرنا چاہیے۔

یہ فرمان دیکھ کر سرسال کے سپاہی ہرمز کے لشکر سے روز آدمیوں کو پکڑ لیجاتے اور کھاتے۔ ہرمز نے یہ بات سن کر بختیارک کی عقل پر ہزار نفرین اور لعنت کہکر سیاوش سے کہا کہ اے خواجہ زادے بختیارک ملعون کی صلاح سے ہم اس مصیبت میں پھنسے ہیں۔ اب تم دستگیر ہو کر ایسی تدبیر کرو کہ سرسال شیطان کے پنجے سے رہائی ہو۔

تب سیاوش نے کہا۔ کہ حمزہ کی پناہ کے سوا رہائی مشکل ہے۔ ہرمز نے کہا۔ کہ اول تم جاکر ہماری سفارش کرو۔ پھر جیسا تم کہو گے ویسا کروں گا۔

تب سیاوش نے تمام حقیقت جاکر حمزہ سے عرض کی۔ حمزہ نے فرمایا کہ اگر ہرمز معافی مانگے گا تو میں اُسے پناہ بخشوں گا۔ سیاوش نے امیر کا پیغام ہرمز کو بھیجا اور اس گبرزادہ نے صبر سے باطن میں نفاق رکھ کر ظاہر میں معافی مانگی اور آدھی رات کو مع فوج امیر کے لشکر میں جاکر شامل ہوا۔ امیر نے ہرمز کو تعظیم سے لاکر تخت پر بٹھایا اور کھانا کھلایا۔ تب ہرمز نے کہا۔ کہ یا امیر میں مدائن کو جاؤں گا اور والدین کو دیکھوں گا۔

امیر نے فرمایا کہ تو مختار ہے جا۔ اور وہ مدائن کو روانہ ہوا اور امیر وہیں تھے۔ کہ ایک روز فجر ہوتے ہی سرسال نے طبل جنگ بجوایا اور میدان میں آیا۔ اس کا گرز کا قد ایک سو گز تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آکر پکارا کہ۔ بکریو! تم میں سے جسے مرنے کی آرزو ہے وہ میدان میں آئے۔

تب لندھور امیر کے روبرو آیا اور اجازت چاہی۔ پس امیر نے فرمایا کہ جاؤ خدا کے حوالے کیا۔ تب لندھور میدان میں آیا۔ سرسال نے کہا آ اے دراز قد تیرا کیا نام ہے۔ اس نے کہا کہ میرا نام لندھور بن سعدان تاجدار ہندوستان سراندیپ کا ہوں۔ تب سرسال نے کہا۔ کہ اے لندھور تو مردانہ ہے اب تو مار۔ تب لندھور نے کہا کہ یہ طریقہ ہمارا نہیں ہے۔ سرسال نے گرز اٹھایا اور لندھور نے سپر سر پر لی اور خدا اور حمزہ کی پناہ مانگی۔ اس نے گرز مارا۔ اس کو ہزار سختی سے رد کیا۔ تب سرسال نے کہا۔ کہ اب تو مار۔

یہ سن کر لندھور نے اپنا گرز اس کے سر پر مارا۔ سرسال نے ہنس کر کہا کہ اے لندھور تیرے بڑے قد میں اس گرز کی آواز ورلیند کی مثال ہے۔

غرض شام تک دونوں لڑتے رہے اور رات کو دونوں اپنے اپنے لشکر میں اترے تب

لندھور آیا تو امیر نے کہا سرسال کو کیسے پایا۔ کہا کہ ژوپین پولادتن کے برابر۔ اُس وقت امیر نے ژوپین کے واسطے افسوس کیا اور جب ہوئی تو پھر دونوں لشکر تیار ہو کر میدان میں آئے اور امیر کی اجازت سے مالک اشتر میدان میں آ کھڑا ہوا۔ تب سرشال نے کہا۔ اے کوتاہ قد کل باوجود اس دراز قد کے لندھور مقابلہ نہ کر سکا اب تو کیا کر سکیگا۔ تب مالک نے کہا۔ کہ قد تو میرا چھوٹا ہے لیکن خدا میرا بڑا ہے کہ ابھی تیرا مغز نکالوں گا۔ جو نشان کہ بہادر کا رکھتا ہے وہ لا۔ تب سرشال نے گرز اُٹھایا۔ مالک نے سپر سر پر رکھی اور روکا۔

جب مالک نے گرز مارا تو سرشال نے بڑی محنت سے رد کیا۔ اور کہا ہزار آفرین ہے تیرے باپ و پیر کیا ہوا جو قد چھوٹا ہے لیکن قوت بڑی رکھتا ہے۔ پھر یہ دونوں شام تک لڑے جب رات ہوئی تو دونوں لشکر اُترے اور تمام رات آرام کیا۔ جب صبح ہوئی تو سرشال نے آکر میدان میں پکارا کہ اتنے میں قیماز خاوری سامنے آ کھڑا ہوا اور سرشال نے قیماز کی ڈھال پر گرز مارا اور ڈھال پر آگ جیسا شعلہ نکل کر آسمان کی طرف گیا اور قیماز نے سرشال پر تلوار ماری اور اس نے رد کی مگر پھسل کر گھوڑے پر پڑی اور وہ مر گیا۔ اور سرسال زمین پر گرا اور قیماز کے گھوڑے پے کرنا چاہا۔ تو قیماز جلدی پیادہ ہوا۔ اور گھوڑے کو پشت کے پیچھے کر لیا۔ تب سرسال نے دونوں بازو پکڑ کر قیماز کو اُٹھایا اور زمین پر پچھاڑا۔ اتنے میں امیر نے نعرہ مارا اور اُس کے مقابل آئے اور سرسال قیماز کو چھوڑ کر دوسرے گھوڑے پر سوار ہوا اور کہا۔ اے کوتاہ قد تو کون ہے؟ جو میرے شکار کو چھڑایا۔

امیر نے فرمایا کہ میں حمزہ بن عبدالمطلب ہوں۔ سرسال نے امیر پر گرز چلایا۔ امیر نے سپر کی اوجھڑ سے رد کیا اور فرمایا اے ملعون میں نے دو حملے اور بھی تجھے دیئے۔ تب اُس موذی نے گرز چلایا۔ تب عمر نے عربی زبان میں امیر سے کہا کہ تم خطرے میں آئے ہو اس کو جلدی اُٹھاؤ تاکہ تمہارا رعب گاؤ سنگی پر قائم ہو۔ امیر نے فرمایا تم سچ کہتے ہو

جب سرسال نے تیسرا وار چلانا چاہا تو امیر نے گرز کا قبضہ پکڑ کر ایسا جھٹکا دیا کہ اس کا ہاتھ چھوٹا اور گرز زمین پر گرا۔ اور امیر نے کمند کو بند اس کے گلے میں ڈالا اور کھینچ کر اُسے زمین پر گرایا اور جست مار کر سرسال کے سینہ پر بیٹھے۔ تب اس کے لشکر نے چاہا کہ امیر پر حملہ کریں۔ لیکن سرسال نے منع کیا تو وہ کھڑے رہے اور امیر نے اس کے ہاتھ پاؤں محکم باندھے اور عمر کے حوالے کیا اور آپ فتح و نصرت سے آکر پہلوانی جہاں کی کرسی پر بیٹھے اور سرسال کو بلایا اور فرمایا کہ میں نے تجھے کیونکر باندھا۔ اُس نے کہا جیسے مرد مردوں کو باندھتے ہیں ویسے باندھا ہے۔

امیر نے فرمایا کہ مردمان عالم نے کہا ہے کہ مرد باش یا ہم پائے مردے باش
سرسال نے کہا۔ کہ تم مجھکو مت مارو جو کہوگے سو سنوں گا ۔ امیر نے کہا کہ تو مردار اور حرام کا کھانا چھوڑ دے تو تجھے نہ ماروں گا۔ اس نے قبول کیا۔ سرسال نے کہا کہ تمہارا خدا بزرگ ہے جس نے مجھکو مجھ سے ہاتھی پر غالب کیا۔ اگر کرنی ہے تو آپ کے خدا کی بندگی کرنی ہے۔ تب امیر نے اپنے ہاتھ سے اس کے بند دور کیئے اور خلعت سے سرفراز کر کے لندھور سے کم مرتبہ پر بٹھایا۔

پچھترویں داستان

تب امیر جہانگیر نے سرسال کو بانند مسلمان کیا تو وہ امیر کو پہلوانوں سمیت شہر میں لے گیا اور [illegible] کھلایا تب امیر نے فرمایا کہ اے سرسال تیرے ملک میں کیا تماشہ ہے ذرہ دکھا۔ اس نے کہا۔ اے جہانگیر یہاں سے تین منزل پر جمشیدی ہے اور کیفیت یہ ہے کہ جمشید نے مرتے وقت اپنے شہر کو خالی اور طلسم کے سوار اور پیادے بنائے اور دولت سے اسباب تیار کر کے شہر میں رکھا اور شمشیر داروں کو نگہبانی کے لئے بٹھایا کہ کوئی آدمی شہر کے اندر آئے اور گور بنا کر آپ زندوں کی طرح سو رہا۔ اب اس بیابان کو بادیہ کہتے ہیں۔ اس بادیہ میں اب دیو سفید نے رہائش کی ہے امیر نے کہا۔ وہ دیو کوہ قاف سے بھاگا ہوا ہے۔ تب امیر اپنا لشکر قضا و قدر چھوڑ کر آپ مع سرسال دم طلسم جمشید پر گئے اور گوناگون آواز سنی تو پوچھا اے سرسال یہ آواز کیسی ہے؟ اور کہا کہ یا امیر یہ وہی طلسم ہے۔ امیر نے سوچا کہ دروازے کے اندر جائے مگر وہاں سوار تلواریں لیکر امیر پر دوڑے۔ تب امیر سمجھے کہ یہ لڑائی کے لیے آتے ہیں۔

سرسال نے کہا۔ کہ امیر میں نے اپنے دادا سے سنا ہے کہ یہ تمام کام حکمت کے طلسم کا ہے اور سوا اس کام کے اس گنبد پر ایک چلا سا جانور پھرتا ہے اور اس ساری کھیل کی بنیاد وہی جانور ہے۔ اگر اس مرغ کو تیر سے ماریں تو تمام طلسم ٹوٹ جائیگا۔ اور بکی رہوگی اور دروازہ کھلے گا۔ تب امیر نے مرغ کو مارا پھر شمر اور ہر آدمی [illegible] چوب زمین پر مارنے لگے اور جمشید کے ہنر پر آفرین کی۔ اور تنخواں خزانوں کی دیکھا امیر نے فرمایا کہ اے عمر یہ سب طلسم اس خزانہ کی نگہبانی کیلئے بنا تھا۔ تب امیر نے خدا کا نام زبان پر لاکر اس طلسم کے قفل کو توڑا اور اندر جا کر دیکھا کہ سب جگہ

سانپ اور بچھو پھر رہے ہیں۔

تب امیر نے فرمایا کہ اے سرسال اب مجھے دیو کی جگہ پر لے چل۔ تب یاد برعلم کے بیابان کو لے گیا۔ امیر نے دیکھا کہ تمام سبز گل پھولوں سے بھرا ہے تب امیر نے خدا کو یاد کر کے اسم اعظم کی تسبیح پڑھی اور دیو بند کور کے کنوئیں پر پہنچے۔ اور گھوڑے پر سے اُتر کر سرسال کو فرمایا کہ کنوئیں پر کا پتھر نکال۔ سرسال نے بہت زور کیا لیکن نہ نکال سکا۔ امیر نے وہ پہاڑ ٹھوکر سے دور کیا اور سرسال اور عمر سے کہا کہ میں اندر جاتا ہوں تم باہر سے کسی دیو کو مت چھوڑو کہ اندر آئے اور اشقر کو کہا کہ تو کنوئیں کے منہ پر سے دور مت ہو۔

یہ کہکر امیر کنوئیں کے اندر گئے اور اندر کے پتھر کے سوراخ میں سے دیکھا کہ دیو سفید متفکر بیٹھا ہے اور دوسرے دیو تخت کے سامنے سر نیچے ڈالے ہوئے بیٹھے ہیں۔ کتنی دیر کے بعد دیو سفید نے سر اُٹھایا اور کہا کہ اے جاسوسو ایسی بلا کون ہے اور اسے کہاں دیکھا ہے۔ تب ایک دیو نے عرض کیا کہ میں جنگل میں تھا کہ دو سوار اور ایک پیدل پیدا ہوئے۔ جن میں ایک حمزہ ہے اس لئے میں آپکو خبر کرنے کیلئے دوڑا آیا ہوں۔

دیو نے کہا کہ میں نے اس کے ڈر سے کوہ قاف چھوڑا تھا تو بھی وہ بلا مجھکو نہیں چھوڑتی اتنے میں امیر کشور گیر جہانستان عم رسول آخر الزماں ﷺ وہ پتھر نکال کر اندر آئے۔ وہ دیو امیر کو دیکھ کر پکارا کہ اے حمزہ تو یہاں آیا ہے اب جان کہاں لے جائیگا۔ یہ کہکر ایک پہاڑ سا پتھر اُٹھایا۔ اور امیر پر چلایا۔ امیر اسے ٹال کر اور جست مار کر الگ ہوئے۔ اور وہ پتھر زمین پر پڑا۔ اتنے اُٹھانے کو جھکا تو امیر نے تلوار سے اسکی آدھی کمر کاٹی۔ اس نے کہا کہ اے حمزہ دوسرا زخم بھی مار کہ مر جاؤں۔ امیر نے کہا کہ دوسرے کی ضرورت نہیں ہے۔ تب وہ موذی سر پتھر پر مار کر مر گیا اور باقی دیوؤں کو مارنے لگے۔

جب بہت دیو مارے گئے تب انہوں نے معافی مانگی۔ تب امیر نے فرمایا کہ تم آدمیوں کی عبادت سے ہاتھ اُٹھا کر قریشیہ کی خدمت میں رہو تو معاف کروں گا۔ انہوں نے قبول کیا تب امیر پکارے کہ اے موذیو باہر آؤ۔ دیو باہر آئے اور امیر کی خدمت میں سر رکھکر سلام کر کے سب کے سب غائب ہو گئے اور کوہ قاف کی راہ لی۔ تب امیر نے کہا کہ یہاں چند روز شکار کھیلنا چاہیئے۔ یہ کہکر کچھ عرصہ وہاں مقیم ہوئے۔ رستم پیلتن نے سمجھا کہ امیر کو مدت ہوئی بدگندری نے تیاروں کو بلا کر کہا کہ اے یارو یہاں بیکار کس لئے بیٹھے ہو؟ بہتر یہ ہے کہ ہم بھی طلسمات

میں پہنچیں اور جمشید ہ میں جا بیٹھیں۔ یاروں نے قبول کیا اور سرسال دو بیٹے رہبر ہوئے۔

---

۷۶ چھہترویں داستان

القصہ چند روز میں طلسمات میں پہنچے تو ٹوٹا ہوا دیکھا تو وہاں کا خزانہ لوٹا اور جو سانپ اور بچھو دیکھے تو مارے اور جمشید کو دیکھا کہ تخت پر پاؤں پھیلائے سوتا ہے اور تخت بھی ٹوٹا ہے اور سرسال کے فرزندوں کو کہا کہ باختر کی زادک ہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ اے رستم باختر کا بادشاہ شیر گرداں ہے اور اس کا قد ایک سو پچیس گز کا ہے اور وہ سب آدمیوں کو کھاتے ہیں اور جب وہ ہمارے ملک میں آیا کرتا ہے تو سرسال اس سے ڈر کر بھاگ جایا کرتا ہے۔ وہ بڑا زور آور ہے۔ تب رستم پیلتن نے کہا کہ گاؤ بنگی کا آنا ہرمز کی مدد کو آنا تھا جو بے عزت ہو کر بھاگ آیا اب وہ کہاں ہے؟ سرسال کے بیٹوں نے کہا کہ جس روز امیر نے سرسال کو بند کیا تھا تو اس نے اسی روز بھاگ کر شیر گرداں کی پناہ جا لی۔ تب رستم نے اپنے بھائیوں اور پہلوانوں سے مشورہ کیا۔ کہ امیر تو دیو سفید کو مارنے گئے ہیں وہ جب وہاں سے نکلیں گے تو البتہ شیر گرداں کا قصد کریں گے۔ اگر امیر سے پہلے جا کر اسے ماریں تو فتح ہمارے نام ہوگی۔ تب تمام پہلوان راضی ہوئے۔

پس رستم نے جمشید یہ سے کوچ کیا اور چند روز میں شیر گرداں کے شہر کے پاس پہنچے۔ اور زردشت نے پہلے ہی جا کر حمزہ کی تمام حقیقت شیر گرداں سے کہہ دیں تھیں۔ جب شیر گرداں نے شیطان کی طرح گرز مارنا چاہا کہ قندر نے اپنے گھوڑے کے منہ پر بڑے زور سے تلوار ماری لیکن اس کو ذرا زخم نہ لگا اور اس موذی نے اجل رسیدہ موذی کو گھوڑے پر سے اٹھا کر پھرا کر ایسا مارا کہ قندر کی روح قفس تن سے روضہ رضوان کی طرح پرواز کر گئی اور وہ آدم خور کفار دوڑ کر قندر کو کھا گئے۔ اتنے میں الجو اجل رسیدہ میدان میں آیا اور ہر با جست مار کر دستے تک چھری اس کے بدن میں چبھا دیتا لیکن اس کافر کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا۔ اس خونخوار نے اسی طرح کئی چھریاں کھائیں مگر الجو اس کے ہاتھ نہ لگا۔ ناگاہ الجو کی اجل اس کے سامنے آئی تو اس موذی نے الجو کو پکڑ لیا اور ہتھیار دور کر کے اس سے لڑ گیا۔ تب رستم کو سر سے پاؤں تک آتش غضب بھڑکائی اور گھوڑے کو دوڑا کر میدان میں آیا اور شیر گرداں نے ایسا گرز مارا کہ رستم کے گھوڑے کی کمر توڑ دی۔ تب رستم نے دوڑ کر اس کافر کے بازو پکڑ کر زور کیا مگر اس کو نہ

اُٹھا سکا اور رستم کی انتڑیاں ٹوٹیں۔ تب ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوئے تب آساموذی نے کہا۔ کہ پہلوان لڑنے سے رہا کہ گرز مارے۔ اتنے میں قاسم خاوری نے گھوڑا دلاوری سے میدان میں ڈالا۔ اور اپنے والد کی پشت کے لئے اس کے مقابل میں کھڑے رہے۔

شیر گردان نے کہا۔ کہ اے پہلوان یہ کون ہے؟ قاسم نے کہا۔ کہ یہ حمزہ کا فرزند ہے اور میرا باپ ہے لیکن آپ ہی زور کے ماندہ ہوتا ہے۔ کہا کہ حمزہ کے فرزند لڑتے ہیں۔ ملک قاسم نے کہا کہ حمزہ یہاں نہیں ہے۔ وہ دیو سفید کو مارنے کیلئے بادیہ علم میں گیا ہے۔

تب شیر دان نے کہا کہ اگر حمزہ نہیں ہے تو اس کے فرزندوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے۔ یہ کہکر طبل بازگشت بجوایا اور چلا گیا۔ اور رستم عیاروں نے رستم کو لا کر تخت پر سُلایا اور رستم پیلتن کی روح مُبارک جنت کو پرواز کرگئی۔ اور لشکر میں محشر برپا ہوا۔ اور پہلوانوں نے ماتمی لباس پہن کر رستم پیلتن کا تابوت تیار کیا۔

ستترویں داستان

جب امیر کشور گیر شکار سے فارغ ہوئے تو جمشیدیہ کو آئے اور شہر لوٹا پایا تب عمر نے سراغ دیکھکر کہا کہ رستم لشکر سمیت یہاں آکر جمشیدیہ کو تہ بالا کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کو چشم بد زمانہ سے اپنی پناہ میں رکھے۔

یہ کہکر جمشیدیہ کو زمین میں دفن کیا اور وہاں چراغ روشن کیا۔ جواب تک روشن ہے ؎

اگر دنیا سراسر باد گیرد   چراغ پہلوان ہرگز نمیرد

تب سرسال نے امیر کے حکم سے اپنے شہر کی خلقت کو منگا کر وہاں آباد کرایا اور امیر بھی چند روز کے بعد اپنے لشکر میں پہنچے دور سے گریہ زاری کی آواز سُنی۔ امیر نے فرمایا کہ اے عمر میرے دل پر غم کا داغ لگا ہوا ہے کہ اتنے میں سرو پا برہنہ پہلوان آکر امیر کے قدموں پر گر کر رو دئے۔ اور رستم و انجو و تندر کی شہادت کی حقیقت بیان کی۔ امیر یہ سنتے ہی گھوڑے سے زمین پر گرے اور ماتم کیا اور یاراں کی شہادت دریافت کی اور چند روز ماتم میں رہے۔ جب

یاروں اور فرزندوں کو غم میں مبتلا دیکھا۔ تو فرمایا کہ یہاں جنگل میں شکار بہت ہے جا کر شکار کرو کہ غم دلوں سے دور ہو۔

غرض امیر کے حکم سے یار اور فرزند سوار ہوئے اور مشغول تھے۔ کہ مرزبان نے جو حمزہ کے آنے کی خبر سن کر شہر گردان سے رخصت ہو کر اپنے شہر کو جا رہا تھا کہ یار و فرزند حمزہ اس جنگل میں شکار کھیل رہے ہیں۔ تب ایک جادوگر کو بلا کر کہا۔ کہ تو جادو سے ایک گھوڑا بنا کر اسے زیور و جواہر لگا کر اس جنگل میں کھڑا کر۔ تب اس جادوگر نے ویسا ہی کیا اور مرزبان نے اپنے کافروں کو دور نگہبان بٹھا دیا۔ اتنے میں سعد بن عمر ایک گورخر کے پیچھے گھوڑا دوڑ لئے یاروں سے جدا ہو کر اس گھوڑے کے نزدیک آ پہنچے۔ تو دیکھا کہ زیور و جواہر پہنے ہوئے خوبصورت گھوڑا زمین پر کھڑا ہے۔ تب اپنے گھوڑے سے اتر کر جادو کے گھوڑے پر سوار ہوئے اور بلا توقف وہ گھوڑا ہوا پر اڑنے لگا تب سعد سمجھے کہ اس میں ضرور کچھ دغا ہے۔ تب اسی وقت اسکی گردن ماری تب وہ گھوڑا زمین پر گرا۔ تو سعد پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔

اتنے ہی میں مرزبان نے لشکر میں سے سعد کو باندھا اور ساتھ لیا اور لشکر سے کہا۔ کہ میں حمزہ کو بھی اس طرح لاؤں گا اور گاؤ دنگی سے بھی یہی اقرار کیا تھا۔ اسے حمزہ تو ہاتھ نہیں آیا لیکن اس کا پوتا جو لشکر کا بادشاہ ہے وہ ملا ہے یہی کہکر کتنے دنوں میں رحام پہنچا۔ گاؤ دنگی نے مرزبان کو کہا کہ میں نے تجھے کب کہا تھا کہ پہلوان کو لاؤ۔ وہ ملعون بولا کہ یہ نہیں ہے بلکہ حمزہ کا پوتا ہے۔ میں اس کو بڑی بہادری سے باندھکر لایا ہوں۔

گاؤ دنگی نے کہا۔ کہ مجھے راست و دروغ کیونکر معلوم ہو۔ تب سعد نے کہا۔ کہ یہ ہتھیار باندھے اور میں بے ہتھیار لڑتا ہوں۔ تب اس کا جھوٹ سچ ظاہر ہو گا۔ گاؤ دنگی نے کہا۔ کہ اے شہزادے تو نے سچ کہا۔ پھر سعد کے بند کھولے اور مرزبان کو ہتھیار لگا کر میدان میں کھڑا کیا تب مرزبان نے گرز پھرایا اور سعد نے اسے جھٹ اٹھا کر زمین پر دے مارا اور باندھنا چاہا تو گاؤ دنگی نے اپنا ہزار من کا گرز اس ملعون پر ایسا مارا کہ وہ مر گیا اور گاؤ دنگی نے سعد کو گلے لگایا اور کہا۔ کہ اے بادشاہزادے تو جیسے وہاں بادشاہی کرتا تھا ویسے ہی یہاں بھی کر اور خاطر جمع رکھ کہ تجھکو ذرا تکلیف نہ دوں گا۔ بلکہ ہزار درجے وہاں کی نسبت خوش رکھوں گا۔ لیکن حمزہ کی ملاقات کی آرزو ہے۔ اس کی ملاقات کے بعد تجھکو خوشی روانہ کروں گا۔ اگر تو یہاں رہا تو البتہ حمزہ یہاں تشریف لائیں گے۔

یہ کہکر سعد کو اپنے تخت پر بٹھا لیا۔ پس اسکی شفقت و مروت دیکھکر سعد بخوشی وہاں رہنے لگا۔ اور وہاں بدیع الزمان اپنے یاروں سمیت اس جنگل میں شکار کھیلنے آیا اور سعد کی جائے حرکت پر پہنچا تو دیکھا کہ سعد کا گھوڑا خالی ہے اور وہ جادو کا گھوڑا الٹا پڑا ہے۔ تب یاروں سے کہا۔ کہ اے یارو سعد کو وہ موذی جادوگر لیگئے ہیں۔ اور حمزہ ابھی تک رستم کا غم نہ بھولے تھے کہ یہ تازہ داغ ہوگیا۔

پس آپکو ان کافروں کا پیچھا کرکے سعد کو چھڑا کر واپس لانا چاہیئے۔ یاروں نے قبول کیا اور وہاں سے آگے چلے۔ یہاں ایک شہر میں گاؤ لنگی کا داماد طاؤس باختری نام رہتا تھا وہاں آن پہنچے۔ بدیع الزمان نے فرمایا کہ البتہ سعد اسی شہر میں ہوگا۔ یہ سمجھکر طاؤس کو لکھا۔ کہ بدیع الزمان فرزند حمزہ کا ہوں۔ اسے یہاں کے بادشاہ تجھے معلوم ہو کہ مرزبان شیطان ہمارے بادشاہ کو جادو سے باندھکر لایا ہے۔ پس تجھے لازم ہے کہ اگر ہمارا بادشاہ تمہارے پاس ہے تو اسے بلا کر ہم سے ملا۔ اور اس شیطان مرزبان کو ساتھ لائے تو بہتر نہیں تو قسم پروردگار کی کہ ہم تیرا ملک درہم برہم کردیں گے۔ ہردم برومی نے کہا کہ یہ خط میں لیجاتا ہوں۔ اگر اس نے نہ سنا تو ساتنگ سے اس کا دماغ اس کے سر سے دور کردوں گا۔ اور اگر وہ لڑا تو میرا شور سن کر آپ میری پشت پناہ کرنا۔

تب بدیع الزمان نے کہا۔ کہ جاؤ خدا کو سونپا۔ پس ہردم خط لیکر شہر میں آیا اور کہا کہ طاؤس کو خبر کردو کہ بدیع الزمان کا خط لیکر ہردم برومی آیا ہے۔ اس نے اس کو بلوایا۔ ہردم نے اندر جاکر خط دیا۔ اس نے تعظیم سے خط لیا اور لیہ مطالعہ موذی نے پھاڑ ڈالا۔ ہردم نے غصے میں آکر ساتنگ۔ پھر اکر ایسا مارا کہ موذی تخت سے گرکر پھر جیسا ہوگیا۔ تب کافروں نے ہردم کو گھیر لیا اور ہردم ساتنگ قضا الزوم سے انہیں مارنے لگا اور شہر میں شور پڑا۔ تب بدیع الزمان معہ پہلوان دوڑے اور آکر بہت کافر مارے اور باقی کافروں نے موافی مانگی۔

پھر بدیع الزمان نے امان دی اور کافروں کے کٹے ہوئے سروں کا برج بناکر اس پر طاؤس کا سر رکھ کر دوسرے شہر کو گئے۔ وہاں گاؤ لنگی کا ایک اور داماد تھا۔ باقی داستان فردا شب)

اٹھترویں داستان

راوی کا بیان ہے کہ گاؤ لنگی کے فرزند اور داماد پانچسو سے زیادہ تھے۔ جب بدیع الزمان آیا تو سنا کہ یہ شہر کے بادشاہ کا نام عنقا باختری ہے۔ تب اُسے بھی ہردم کے ہاتھ خط بھیجا تو اسے اتر بلا بلا اور خط لیکر پھاڑا اور ہردم نے بدستور سابق اس کو واصل جہنم کیا اور اس کا لشکر لڑنے لگا۔ بدیع الزمان نے جو ہردم کی آواز سنی اور غوغا سُن کر دور سے اور کافروں کو مارا اور باقی لوگوں نے معافی مانگی ان کو معافی دی اور آگے بڑھے اور کتنے دنوں کے بعد رخام میں پہنچے۔ تب بدیع الزمان نے اپنا خط ہردم کے ہاتھ گاؤ لنگی کے پاس بھیجا۔ جب ہردم بروحی اس کے دروازے پر گیا تب دربانوں نے خبر کی کہ ایک خونخوار قامت زبر اکتنبہ مارکر اور شہر ویران کر کے حمزہ کے فرمان کا خط لایا ہے۔ تب گاؤ لنگی نے ہردم کو بلایا۔ ہردم نے جاکر دیکھا کہ سعد لنگی کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہے لیکن ہردم نے اس شکل کا آدمی پہلے نہ دیکھا تھا۔ اس کو ایک سو چالیس گز کا قد دیکھکر ہردم دل میں ڈرا تب گاؤ لنگی نے دیکھا کہ ہردم ڈرتا ہے تب کہا کہ دوست کو ڈرنا نہیں چاہیئے۔ مگر تو نے میرے دامادوں کو ناحق مارا۔ القصہ ہردم گاؤ لنگی کی مہربانی دیکھکر خوش ہوا۔ بدیع الزمان کا خط دیا۔ گاؤ لنگی نے تمام خط پڑھا اور سعد کو کہا کہ میں نے تم سے کیا لے دی کی ہے جو تمہارے چیلے نے ایسا خط لکھا ہے۔ سعد نے کہا کہ اس کو تیرے الطاف سے خبر نہیں اس وجہ سے ایسا خط لکھا ہے۔ گاؤ لنگی نے ہردم سے کہا کہ تم بدیع الزمان کو میرا سلام کہو کہ اے پہلوان میں نے سعد یہاں فراغت سے رکھا ہے کہ حمزہ سعد کیلئے یہاں آئے تو میں امیر سے ملوں کیونکہ اسکی ملاقات کی آرزو ہے۔ جب حمزہ آئیگا تو میں سعد کے ہمراہ جاکر ملاقات کروں گا۔ اور امیر کے آنے تک مجھ سے خیال جنگ نہ کرو اور حمزہ کے آنے تک آرام سے رہو۔ اگر میرا کہنا نہ مان کر کچھ حرکت کروگے تو پشیمان ہوؤگے یہ کہا۔ اور ہردم کو خلعت دیکر روانہ کیا۔ ہردم نے بدیع الزمان کی جناب میں آکر دیکھا اور کھانا پینا ونشراب و کیا۔ یہاں ... بھیجا ہوں کہا کہ اور خوشی بہت ہو اور سنا ہوا تمام بیان کیا۔ تب بدیع الزمان نے طبل جنگ بجوایا۔ طبل جنگ کی آواز سن کر گاؤ لنگی نے سعد سے کہا کہ بدیع الزمان محض نادانی کرتا ہے سو سوائے جنگ کے چارہ نہیں ہے۔ میں اکیلا جاتا ہوں اور اس کو گوشمالی کرتا ہوں تو یہاں بالاخانہ پر بیٹھکر تماشہ دیکھ۔ تب گاؤ لنگی نے اپنے نوکروں سے کہا کہ میرے بیل پر زین کرو اور آپ

آپ نے چودہ ہتھیار مردمی کے باندھے اور چودہ سو من کا گرز کاندھے پر رکھا اور بیل پر سوار ہو کر شہر سے باہر آیا۔ جب لشکر عرب نے اس کو دیکھا تو حیران ہوئے اور کہا کہ اے بدیع الزمان اس سے لڑنا مناسب نہیں ہے۔ تب بدیع الزمان نے فرمایا کہ میں نے تمہاری ہمت پر طبل جنگ نہیں بجوایا۔ میں بھی پہلوان زادہ ہوں۔ یہ کہکر گھوڑا بڑھایا۔ تب لندھور نے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا۔ کہ اے بادشاہ زادے ہزار جان تجھ پر قربان کچھ تو سوچا ہوگا۔ اب میں جاتا ہوں۔ یہ کہکر میدان میں لندھور آیا تو گاؤ لنگی نے کہا۔ کہ اے پہلوان نام اپنا بتا کہ تو بڑی دلاوری سے آیا ہے۔ کہ بے نام نہ مارا جائے۔ کہا کہ میرا نام لندھور بن سعدان اور بارہ ہزار جزیرہ سراندیپ کا بادشاہ ہوں۔ تب گاؤ لنگی نے کہا۔ کہ میں نے تیری دلاوری کا آوازہ سنا ہے۔ جو شان دلاوری کا رکھتا ہے لا۔ لندھور نے کہا کہ حمزہ اور یاران حمزہ کا قاعدہ حریف پر پیشدستی کرنے کا نہیں ہے۔ پہلا حملہ تو کر۔ تب گاؤ لنگی نے گرز اٹھایا لندھور نے خدا کی یاد سے سپر سر پر لی۔ تب گاؤ لنگی نے گرز ایسا مارا کہ لندھور کے ہاتھ اور سست ہو گئے۔ گاؤ لنگی نے لندھور کو پھر تازہ دم کر کے محبت اور شفقت سے باتیں کرتا رہا اور کہتا رہا۔ کہ آپ مجھ سے زور میں کم معلوم ہوتے ہیں اور میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ آپ واپس ہی چلے جائیں۔ اب میں پھر کہتا ہوں کہ لندھور آفریں! جو تو نے میری ضرب سہی۔ جب سے میں گرز چلاتا ہوں تب سے کوئی مار کھا کر زندہ نہیں رہا۔ لندھور نے کہا کہ اگر مرد ہے تو تھوڑی دور واپس جا۔ تب گاؤ لنگی نے اس پر ایسا گرز مارا کہ مالک کچھ سست ہو کر کھڑا رہا۔ تب ہر برہنہ تبیسی میدان میں آیا۔ اس وقت لندھور لشکر میں آیا۔ اور گاؤ لنگی نے کہا۔ اے پہلوان سر پر ڈھال لے۔ کہ میری گرز تیری گرز کے برابر نہیں ہے۔ تب ہر برہنہ اجل رسیدہ نے کہا۔ کہ تجھ کو اس بات سے کیا غرض ہے۔ تو لے تکرار مار اور میں ہمیشہ ایسا ہی لڑتا ہوں۔ تب ہر بر اس نے ایسا گرز مارا کہ اس کا سر صندوق سینہ میں جا چھپا۔ یہ حال دیکھکر دیوانہ تبیسی بھی میدان میں آیا۔ تب گاؤ لنگی نے اس پر بھی ایسا گرز مارا کہ شہید ہوا اور گھوڑا بھی مرا۔ تب گاؤ لنگی نے بیل پر سے اتر کر ہتھیار کھولے اور دونوں شہیدوں کو ہاتھ میں لے کر بدیع الزمان کے پاس آیا۔ اور کہا کہ اے پہلوان تیرے سبب سے یہ دونوں پہلوان شہید ہوئے ہیں۔ اب میں حمزہ کو کیا جواب دوں گا۔ ابھی کچھ نہیں گیا۔ اور حمزہ کے آنے تک صبر کر۔ کیونکہ تجھے حمزہ سے کام ہے۔ اگر تیرا ارادہ میرے مارنے کا ہے تو میں بے ہتھیار آیا ہوں۔ بدیع الزمان نے کہا کہ بے ہتھیار کو کیا مارنا ہتھیار باندھکر آ تو۔ گاؤ لنگی نے شہیدوں کو وہاں چھوڑا اور میدان میں آیا۔ اور ہتھیار باندھے اور بیل پر سوار ہوا اور بدیع الزمان کے مقابل میں آیا اور بدیع الزمان نے

فرمایا کہ جو نشان مردمی کا رکھتا ہے وہ لا۔ تب گاؤ لنگی نے گرز اٹھایا اور بدیع الزمان نے ڈھال سر پر لی۔ گاؤ لنگی نے گرز مارا۔ امیر زادہ نے رد کیا اور کہا۔ کہ اے گاؤ لنگی دو حملے اور بھی تجھے دیئے تب گاؤ لنگی نے کہا۔ آفرین تیرے اوپر اب تو مار۔ تب امیر زادہ نے ہزار من کا گرز ایسا مارا۔ کہ گاؤ لنگی کے ہر بن مو سے پسینہ ٹپکا اور دوسرا گرز بڑی محنت سے سہا۔ تب وہ دونوں بدستور لڑتے رہے۔

اب ادھر کی سنئے کہ جب تمام یاران امیر شکار کو گئے ہوئے واپس نہ آئے تو امیر متفکر ہوئے اور عمر نے فرمایا کہ میں شہیر گردان سے لڑ رہا۔ تم جاؤ اور یاروں کو لاؤ۔ تب عمر نے بجلی کی طرح ایک روز صبح و شام کا دھاوا مارا اور وہاں پہنچا۔ جب یاروں نے عمر کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور تمام کیفیت گاؤ لنگی کی اور بدیع الزمان کی واردات عمر سے کہی۔ بدیع الزمان نے میدان سے پھر کر عمر سے کہا کہ اے عمر ذرا بیٹھ میں تم سے باتیں کرنی چاہتا ہوں۔ عمر بیٹھا اور باتیں کیں پھر عمر نے گاؤ لنگی سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ اے گاؤ لنگی تیری مردمی کا آوازہ جہان میں مشہور ہے لیکن یہ کیا کہ امیر کی غیبت میں اس کے فرزندوں سے لڑتا ہے۔ اور اس کے یاروں کو شہید کرتا ہے۔ تب گاؤ لنگی نے سوگند کھا کر کہا۔ کہ اے عمر یہ خطا مجھ سے نہیں ہوئی اب بھی خدا کے واسطے بدیع الزمان کو پھرالیں کہ اگر کچھ ضرر ہوا امیر کو کیا منہ دکھاؤں گا؟

تب بدیع الزمان کو عمر نے پھرایا پھر گاؤ لنگی نے کہا کہ اے عمر آج تو میرا مہمان ہے اور میں تیرا تماشہ بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ عمر نے قبول کیا تب گاؤ لنگی نے عمر کو لیجا کر مسند سے ملایا اور تخت پر بٹھایا۔ شراب و کباب کھلایا۔

اُناسی۷۹ ویں داستان

جب گاؤ لنگی نے عمر کو اپنے پاس بیٹھایا اور کھانا اور شراب کھلایا پلایا۔ تو باتوں ہی باتوں میں کہا کہ اے عمر تیری عیاری کی بہت تعریفیں سنی ہیں۔ سو ڈرتا ہوں کہ تو داڑھی مونڈتا ہے۔ عمر نے کہا کہ اگر تو اپنی عمر کے سال کے حساب سے سات سو درم دے تو داڑھی معاف کروں گا نہیں تو تیری مع ارکان دولت کے مونڈوں گا۔ گاؤ لنگی نے کہا کہ اگر تو نے میری داڑھی

مونڈی تو سچ جانوں گا۔ عمر نے اسی وقت ٹوپی سر پر پہنی اور غائب ہوا۔ تب گاڈ لنگی نے کہا کہ اے لوگو جیسا میں نے سنا تھا ویسا ہی ہوسکیگا۔ تب تمام رات جاگے اور آپ بیٹھے رہے۔ جب تمام سو گئے تو اپنے چوکیداروں کو تاکید نگہبانی کی کی۔ اور شراب و کباب لیکر رکھے۔ اور خنجر آبدار رکھکر شراب نوشی میں تھا کہ اس وقت عمر دربار میں آیا اور شراب میں بے ہوشی کی دوا ڈالی۔ گاڈ لنگی نے وہ شراب نامعلوم ہوکر پی لیا اور بیہوش ہوا۔ تب عمر نے استرا نکال کر آدھی ڈاڑھی اور ایک مونچھ مونڈ کر اسکی ناک میں روغن بادام اور سرکہ پرانا ڈالا۔ اور گاڈ لنگی چھینک مار کر ہوشیار ہوا اور گھبرا کر اپنے منھ پر پانی پھیرا تو آدھی ڈاڑھی اور ایک مونچھ نہ پائی۔ تب عمر ٹوپی اتار کر روبرو گاڈ لنگی کے آیا۔ تب گاڈ لنگی نے کہا کہ اے عمر تجھ سے شرط کر کے بڑی نادانی کی۔ اب کچھ ایسا کر کہ پھر برابر ہوجائے نہیں تو صبح کو دربار میں شرمندگی ہوگی۔ تب عمر نے باقی ڈاڑھی اور مونچھ مونڈ کر اپنی زنبیل سے بالوں کی ایسی ڈاڑھی لگائی۔ کہ خوب تب گاڈ لنگی نے عمر کو گلے لگایا اور کہا۔ کہ اے عمر میں نے جو سنا اس سے بھی ہزار حصہ زیادہ پایا اور تجھکو اتنا ممنون کیا۔

غرض جب صبح ہوئی تو گاڈ لنگی نے دربار میں بیٹھکر سات لاکھ درم منگا کر دیئے تب عمر وہاں سے وداع ہوا اور پھر بدیع الزمان سے رخصت ہوا اور امیر کے دربار میں آکر حقیقت دیدہ شنیدہ عرض کی اور تمام رات آرام کیا۔ جب صبح ہوئی تو زہر شیر گردان مع لشکر پہلوانان میدان میں آیا۔ اور امیر نے اپنے ہتھیار باندھے اور گرزاگرز تین روز تک لڑے اور کھانا و شراب منگوا کر کھایا۔ چوتھے روز امیر نے اس کا کمربند پکڑ کر اللہ اکبر کا نام زبان پر لاکر نعرہ مارا اور شیر گردان کو اٹھا کر زمین پر پچھاڑا اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور عمر کے حوالے کیا۔ اور آپ صمصام و مقام نکال کر اس کے لشکر میں پڑے اور بہت سے کافروں کو مار کر مردار کیا۔ اور ان سب کو جلا دیا۔ اور کچھ قلعہ میں بھاگ گئے۔ اور عمر نے کہا کہ زہر شیر گردان کو شیشہ لقت سے جلایا اور امیر نے بھی آدم خوروں پر فتح پائی۔ اور واپس آکر شیر گردان کو طلب کیا تو عمر نے کہا۔ کہ اس کو آدم خوری سے منع کیا اور وہ اس آدم خوری سے جب نہ مانا تو میں نے اسے جلا دیا۔

امیر نے یہ سنکر فرمایا کہ اچھا کیا لیکن اس قلعہ کو بھی آگ لگانا چاہیئے۔ تب عمر نے بموجب حکم کے قلعہ جلا دیا۔

اسّیؔ ویں داستان

جب امیر آدم خوردوں کو فتح کر کے فارغ ہوئے تو رخام میں آئے۔ جب امیر کے آنے سے لشکر ظفر پیکر میں شادیانے بجے تو گاؤلنگی نے آواز نقاروں کی سنی تو سعد کو کہا کہ اے سعد شاید تمہارا دادا آیا ہے۔ تب بہتر ہے کہ رخصت سعد کو پہنا کر اور اچھے گھوڑے پر سوار کر کے تحفہ سا تحفہ لیکر بڑے کر و فر جاہ و حشم سے جاوس وغیرہ سے روانہ کیا۔ تب امیر کے لشکر میں سعد آئے تو امیر نے باہر آ کر فرزند زادے کو گلے لگایا۔ اور اندر لیجا کر کہا۔ کہ گاؤلنگی مرد مردانہ ہے اور مجھکو شرمندہ کیا۔ القصہ اس رات کو آرام کیا۔ صبح ہوئی تو گاؤلنگی طبل جنگ بجوا کر میدان میں آیا اور امیر بھی ہتھیار باندھ کر میدان میں آئے۔ تب گاؤلنگی نے امیر کو دیکھ کر کہا۔ کہ اے پہلوان تیرا نام کیا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ حمزہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اس نے کہا کہ اے حمزہ میں سمجھتا تھا۔ کہ خدا جانے تو کتنے بڑے قد و قامت کا ہوگا۔ فرمایا کہ جو نشان مردمی کا رکھتا ہے وہ لا۔ تب گاؤلنگی نے چودہ سو من کا گرز اٹھا کر امیر کی ڈھال پر مارا۔ امیر کی سپر سے نیزہ کی طرح شعلہ آگ کا نکلا۔ تب امیر نے ڈھال کو اوپر اچھال دیا۔ امیر نے اس وار کو تحسین کر کہا۔ کہ اے گاؤلنگی دو حملے تجھکو اور دیئے۔ وہ بھی مار۔ تب گاؤلنگی نے دو گرز ایسے مارے کہ امیر کا گھوڑا زانو تک زمین میں غرق ہوا۔ جب امیر کی باری آئی تو امیر نے گھوڑا دوڑا کر گیارہ سو من کا گرز گاؤلنگی کے سر پر مارا۔ لگتے ہی بیل کی کمر ٹوٹی اور گاؤلنگی زمین پر گرا۔ اور چاہا کہ اٹھکر امیر کے گھوڑے کو پکڑے۔ پس امیر نے جلدی سے جست مار کر اشقر کو پشت کے پیچھے کیا۔ تب گاؤلنگی نے تلوار سر پر ماری۔ امیر نے سپر پیچھے [illegible] کر دیا۔ کہ تلوار ٹوٹ گئی۔ تب گاؤلنگی نے دوڑ کر امیر کا کمربند پکڑا اور امیر نے اس کا کمربند پکڑا اور زور کیا کر [illegible]۔ تب گاؤلنگی نے کہا کہ اے حمزہ [illegible] ہے۔ امیر نے فرمایا کہ اختیار تیرا ہے۔ گاؤلنگی نے کہا کہ جنگ میں [illegible] نہ پھیروں گا۔ پس وہیں کھانا منگا کر کھایا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ امیر اور گاؤلنگی [illegible] اور تمام ہنر مردی کے آزمائے۔ تب امیر نے فرمایا کہ میں کھڑا رہتا ہوں تم زور کر دو اور تو کھڑا رہ [illegible] زور کروں گا۔ تب گاؤلنگی [illegible] بڑے بڑے [illegible] درختوں سے زور آزما [illegible]۔ تب امیر نے [illegible] دیا۔ تب گاؤلنگی نے امیر کی کمر سے ہاتھ چھوڑا اور آپ کھڑا رہا۔ تب امیر نے اسکی کمر پکڑ کر کہا۔ کہ اے گاؤلنگی [illegible] مارتا ہوں۔ اس نے کہا کہ

میں بچہ نہیں ہوں کہ تیری آواز سے ڈروں گا۔ چنانچہ جیسا چاہیے ایسا پکار۔ القصہ امیر نے نعرہ مار کر گاؤ دنگی کو اٹھایا اور پھر اکر زمین پر پچھاڑا اور سینہ پر بیٹھکر بولے کہ اگر معافی مانگے تو تجھکو چھوڑوں گا گاؤ دنگی نے معافی مانگی تب امیر اس کے سینہ سے اُترے اور گلے لگایا۔ اور تمام پہلوانوں سے فرمایا کہ گاؤ دنگی سے ملو۔ تب امیر کے حکم سے تمام یار اس سے ملے۔ گاؤ دنگی امیر کو شہر میں لیگیا اور کئی روز تک جشن وخوشی میں رہے۔

اکیاسیویں داستان

جب امیر کتنے روز رہے تو ایک روز گاؤ دنگی نے عرض کیا کہ اے جہانگیر آگے باختر ہے اور وہاں کے بادشاہ کا کالنج نام آدم خور ایک سو ساٹھ گز کا قد ہے۔ جب کبھی وہ ہمارے شہر میں آتا ہے تو ہم پہاڑوں میں جا چھپتے ہیں۔ امیر نے فرمایا کہ جبتک میں آدم خوروں اور زردشت جادوگر کو آگ سے نہ جلاؤں اور طلسمات کو نہ دیکھوں گا تب تک نہ پھر آؤں گا۔ کیونکہ بزرجمہر نے فرمایا تھا کہ تم فراش دین محمدی آخرالزمان ہو۔ فراش کا کام یہی ہے کہ تمام خاروخس کو صاف کرکے اس پر فرش بچھائے تو اس فرش پر بادشاہ رونق افروز ہو۔ سو میں بھی تمام بلاؤں کو دور کرکے دُنیا صاف نہ کروں تو فراشی کا خطاب کیسے ملے گا۔ تب پہلوان عرب وعجم نے سر زمین پر رکھکر کہا کہ اے جہانگیر جو کچھ کہ زبان شجاعت ترجمان تراوش پائے وہ صحیح ہے۔

امیر نے فرمایا کہ اے گاؤ دنگی تم یہاں رہو اور میں باختر کو جاتا ہوں۔ پھر واپس آکر تجھکو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لیجاؤں گا۔ گاؤ دنگی نے کہا کہ میرا جسم تم پر سے فدا ہے۔ آپکے بغیر یہاں رہ کر کیا کروں گا۔ جب تک ناک میں دم ہے تب تک تمام عمر تمہاری خدمت میں صرف کروں گا۔ یہ کہکر اپنے بھتیجے زرد کو شہر خاص کی شادی دیکر چار کوس پر اُترے اور عمدا اس کو فرمایا کہ کالنج آدم خور بادشاہ باختر کو شہنشاہوں کا خطاب بخشنے والے بادشاہوں کو حلقہ غلامی ڈالنے والے کوہ قاف کو گردن کشیر اور قید کرنے والے ببر شیر اور اژدہا اور سیمرغ کو مارنے والے اور ناشائستہ دیوؤں کو قتل کرنے والے اور تمام حرام نوشیروان کو سزا دینے والے حمزہ بن عبدالمطلب کی طرف سے معلوم ہو کہ میں نے اٹھارہ برس کوہ قاف میں رہ کر وہاں کی تمام بلاؤں کو فنا کیا اور دُنیا میں سلامت واپس آیا۔ اور ہفت اقلیم کے گمراہ

بادشاہوں کو تخت پر سے تختہ تابوت پر سُلایا اور جنہوں نے سعادت قبول کی انکو اسلام اور دُنیا کی عزت سے مشرف کیا جو بہت گردن کش تھے انکو حلقہ غلامی کا پہنایا اور جب دنیا میں کوئی دشمن نہ رہا اس واسطے یہاں کو آیا ہوں تاکہ ادھر کی تمام بلاؤں کو صاف کردوں۔ جب قضا و قدر میں آئے تب سرسال جن دال کو اپنایا اور شیر گردان کو جہنم واصل کیا اور وہاں سے رخام کو آیا اور گاؤ لنگی کو اپنا کیا۔ اور اب تیرے یہاں آیا ہوں اور یہ نامہ تجھکو بھیجا ہے۔

کہ خط دیکھتے ہی خراج گال گردن پر اُٹھاکر بارگاہ گردوں اساس میں حاضر ہو اور

اور آدم خوری ترک کرکے توبہ کرو تو بہتر ورنہ تجھکو ایسی خرابی سے ماروں گا کہ ماہیان

دریا اور مرغان ہوا تیرے حال پر گریہ وزاری کریں گے۔

القصہ جب یہ خط ارشاد نمط تمام ہوا تو عمر بن عمیہ کے ہاتھ روانہ کیا۔ عمر نے عیاروں کے لباس بدن پر آراستہ کرکے چوراسی رگوں پا ندھکر کانخ کے دربار میں آئے اور دربانوں سے کہا۔ کانخ کو خبر کردو کہ حمزہ کا قاصد آیا ہے۔ کانخ نے اندر بلوایا۔ عمر اندر گئے اور کانخ نے مُنہ دیکھکر تخت پر بٹھایا اور دوسرے روز امیر گاؤ لنگی مع لشکر آگے چلے اور باختر کی راہ لی اور کتنے روز میں باختر پہنچے اور قلعہ سے باہر خیمہ ڈیرا کیا اور خط دیا اور کانخ نے پڑھکر پھاڑا اور پھینکدیا اور کہا کہ پکڑلو اس چور کو۔ عمر نے سُنتے ہی ٹوپی سلیمانی سر پر رکھی اور نظروں سے غائب ہوا اور کفار یہ حال دیکھکر حیران ہوئے اور عمر نے امیر کی خدمت میں آکر عرض کیا۔ جب دوسرا روز ہوا تو کانخ نے طبل جنگ بجوایا اور سوار ہوکر میدان میں آئے۔ کانخ نے کہا۔ کہ اے ضعیف پست قد میں نے حمزہ کو بلایا ہے تو کون ہے۔ امیر کشور گیر نے کہا۔ کہ میں حمزہ ہوں۔ کانخ نے کہا کہ اے حمزہ شاید تو جادوگر ہے کہ جس کے سبب تو نے ساری دُنیا کو فرمانبردار کیا ہے۔ امیر نے فرمایا لعنت ہی جادوگر پر اور جو نشان مردمی کا رکھتا ہے لا۔ تب کانخ نے گرز اُٹھایا اور حمزہ کو ایسا مارا کہ حمزہ زانو تک زمین میں گڑ گئے۔ تب وہ کافر بولا کہ روم پشت کروم کوئی ہے جو خاک نچان کر امیر کی کسی ہڈی کے پرزہ تک زمین میں دکھائے۔ تب امیر نے جست ماری اور اس کے بازو کے پاس جاکر تلوار قاتل کفار ایسی ماری کہ کانخ کا بازو اُتار ڈالا۔ تب وہ موذی مثل درخت کے گر کر مردار ہوا تب آپ خون آلود شمشیر سے کافروں پر جا پڑے اور دونوں ہاتھوں سے تلواریں مارنی شروع کیں۔ جب بہت کافر مارے گئے تو باقی جاکر قلعہ میں بند ہوئے۔ اسی وقت عمر نے شیشہ الفت نکال کر تمام کافروں کو قلعہ سمیت جلا دیا اور چند روز وہاں ٹھہر کر پھر ازخاش خونخوار کے شہر کو گئے۔ اس نے حمزہ کی خبر سُن کر لشکر لیکر میدان میں آکر امیر کو پکارا تب امیر پیادہ ہوکر میدان میں گئے اور ازخاش کو ایک سو اسّی گز لمبا دیکھا اور خدا جانے اس کے

گرز کا کتنا وزن تھا۔ غرض جب اس نے گرز اٹھایا تو امیر نے خدا کو یاد کیا اور ڈھال سر پر لیکر کھڑے رہے۔ جب اس نے گرز مارا تو امیر جست مار کر دوسری طرف جا کھڑے ہوئے۔ جب اس نے گرز مارا تو امیر جست مار کر دوسری طرف جا کھڑے ہوئے اور گرز زمین میں گر پڑا جس سے تمام زمین جنبش میں آئی پھر وہ گرز اٹھا کر جھکا تو امیر نے تلوار خونخوار ایسی ماری کہ وہ کافر لکڑی کے مانند دو ٹکڑے ہوا۔ تب امیر نے وہی خون آلود شمشیر لیکر لشکر کفار میں جا گھسے اور کفار بھاگ کر قلعہ میں بند ہوئے اور عمر نے امیر کے حکم سے شیشہ نفت نکال کر اس قلعہ کو کافروں سمیت جلا دیا۔ اور چند روز وہاں رہ کر بنیتان کا قصد کیا۔ تب امیر نے یکبارگی فرمایا اے کافر کیوں جھوٹ بولتا ہے؟ خدا کے فضل و کرم سے میں زندہ ہوں۔

بیاسیویں داستان

جب امیر آدم خوروں کو مار کر فارغ ہوئے تو گاؤ لنگی سے کہا کہ اس سے آگے کونسا شہر ہے؟ اس نے کہا کہ بنیتان ہے اور وہاں کے بادشاہ کا ایک سو نوے گز قد ہے اور تمام سپاہ سمیت بادشاہ پتھر مارتے ہیں۔ تب امیر بنیتان کو روانہ ہوئے راستہ میں جنگل کے سبب تین روز کی راہ ایسی سخت اور تنگ تھی کہ سوائے ایک سوار کے گذرنا محال تھا جب اس جنگل میں داخل ہوئے تو اس خونخوار نے جنگل کو چاروں طرف سے آگ لگا دی تب امیر کا لشکر جلنے لگا اور رونے پیٹنے کا شور ہوا۔ تب امیر نے حضرت الیاس اور خضر علیہ السلام کا جامہ اور کمند پہن کر فرمایا کہ اس کو پکڑو۔ غرض اسکی برکت سے اکہتر پہلوان اور تین سو سپاہی بچے اور وہ اس جنگل سے باہر نکلے اور وہ خونخوار مع لشکر کفار کے جنگل میں لڑائی کیلئے تیار کھڑا تھا اور ہر ایک گلے میں پتھروں کا توبڑا ڈالے ہوئے تھا۔ جب امیر کو دیکھا تو پتھر مارنے لگے۔ تب دو تین سوار مارے گئے تو صرف ستر پہلوان بچے۔ تب امیر مع پہلوان و لشکر کفاروں میں گھسے اور اتنے کافروں کو مارا کہ ان کا حساب خدا ہی جانتا ہے اور مارتے مارتے اس خونخوار تک پہنچے۔ اس موذی نے گرز امیر پر چلائی امیر جست مار کر دوسری جگہ پر جا کر کھڑے ہوئے اور گرز زمین پر گرا۔ جب اس خونخوار نے گرز اٹھانا چاہا تو امیر نے اسکی کمر میں صمصام ایسی ماری کہ وہ کام کا فر خار ترکی کی مانند دو ٹکڑے ہو کر درخت کی مانند زمین پر گرا اور امیر نے باقی کافروں کو مارنا شروع کیا۔ تب کافر بھاگ کر قلعہ میں بند ہوئے اور عمر نے مع کفاروں کے قلعہ جلا دیا۔ تب امیر نے خدا کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ اے یارو سب فرزند بہادر

اور تمام گھوڑے و خزانہ و مال جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ بزرجمہر نے فرمایا کہ ستر تن سے باہر آ گئے تو سو ستر تن باقی ہیں اور خدا علیم ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو کیا مرتبہ ہے؟ تب یاروں نے کہا کہ اے جہانگیر جو خدا نے چاہا سو ہوا اور جو چاہے گا سو ہوگا۔

تراسیویں ۸۳ داستان

جب امیر نے یاروں و فرزندوں کو پردہ عدم میں چھپایا تو گاؤ لنگی کو بلایا اور فرمایا کہ ایڈر وست سات لاکھ اسی ہزار سوار فنا ہوئے اور بہت سے فرزندوں نے موت کا شربت چکھا۔ اب آگے کیا ہے کہ اژدہا و فیل پیل زندان و مرزبان ہیں اور اس کے آگے زردشت کا طلسمات ہے۔ تب امیر اژدہا و فیل پیل زندان ہاتھی مست کی طرح پکارتا ہوا آیا اور امیر پر دانتوں سے حملہ کیا تو امیر نے بکرم خدا اسے بھی دنیا سے جدا کر کے جہنم میں پہنچایا اور باقی کافر قلعوں میں بند ہوئے۔ امیر نے سب کو شگفتہ ہو کے چلایا اور وہاں سے طلسمات کو گئے تو چہار بازار کے درمیان ایک گنبد نظر آیا جس میں سے قسم قسم کا راگ گانا بجانا ناچنا سنا۔ امیر نے کہا کہ اے گاؤ لنگی شاید یہاں آدمی بستے ہیں۔ گاؤ لنگی نے کہا کہ یہاں آدمیوں کا کیا کام ہے۔ یہ زردشت عیار نے ہزاروں سحر سے طلسمات تیار کیا ہوا ہے کہ جو ہم سب سے بہتر قلعہ ہے اول دیوار پر سے دیکھ کر تب کہ کیا نظر آتا ہے۔ تب گاؤ لنگی نے دیکھتے ہی دیوار کے اندر گیا اور ہنستے ہنستے آگے گر پڑا۔ اسی طرح جو گیا وہ ہنس کر گر پڑا۔ آخر عمر اپنا منہ بند کر کے اندر گیا تو ہنس کر اندر گر پڑا تب امیر اکیلے رہ گئے تو مناجات بوسیلہ مجیب الدعوات کی درگاہ میں ہاتھ اٹھائے کہ یا عالم الغیب یہ کیا راز ہے سو مجھ پر ظاہر کر۔ تب تیر دعا قبولیت کے نشانہ پر پہنچا۔ پس شام ہوئی تو بیمار رنج کے باعث متفکر تھے اور خواب دیکھا کہ آسمان کا دروازہ کھل کر ایک تخت آیا اور اس پر بزرگ بیٹھے ہیں۔ امیر نے پوچھا کہ حضرت آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا تمہارا دادا ابراہیم ہوں۔ تب امیر حضرت کے قدموں پر سر رکھ کر رونے لگے۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرزند تو کیوں روتا ہے؟ امیر نے کہا کہ تمام لشکر کیا فنا ہو کر صرف ستر تن یہاں آئے سو وہ بھی گم ہو گئے۔ حضرت نے امیر سے فرمایا کہ وہ ستر تن بخیر ہیں تم سے ملیں گے۔ مگر یہ طلسم طلسم جمشید کی طرح توڑنا چاہیے۔ جیسے وہاں سفید مرغ مارا۔ یہاں بھی سفید مرغ کو مار کر تمام معلوم ہو جائیگا۔

تب امیر خواب رحمانی سے بیدار ہوئے اور اپنے جسم و لباس کو معطر کیا پس اسی وقت

تیر کمان سے لگا کر مرغ کو مارا اور اللہ کے فضل سے وہ جانور ایک ہی تیر سے مر کر گرا اور تمام آوازیں جاتی رہیں۔ اور جادو ٹوٹ گیا اور امیر کے یار اٹھ کر دوڑے۔ اور امیر کے قدم بوس ہوئے اور امیر نے تمام کو گلے لگایا اور فرمایا کہ اے یارو وہاں کیا دیکھ کر بیہوش کر گر پڑے تھے۔ انہوں نے کہا۔ کہ اب کچھ یاد نہیں تب امیر اس دیوار کو توڑ کر اندر گئے اور گنبد کا قفل کھولا۔ اور دیکھا کہ گنبد خالی ہے۔ پھر اس کے اندر کوئی بار زور کیا مگر وہ نہ ٹوٹی۔ تب اللہ اکبر کہکر زور کیا اور قفل توڑا اور دیکھا کہ وہ بھی خالی ہے تب عمر سے کہا کہ جادوگر کا کوئی نشان معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں ہے؟۔

جب عمر نے آنکھ اوپر اٹھائی تو دیکھا کہ ایک تابوت لٹک رہا ہے۔ تب عمر تابوت پر سوار ہوئے تو دیکھا۔ کہ اس میں زردشت زندہ آدمی کی طرح سو رہا ہے۔ پس امیر نے کہا وہ جادوگر بھی یہ سو رہا ہے۔ امیر نے کہا دیکھو وہاں کچھ لکھا ہوگا۔ عمر نے جب غور کیا تو ایک کتاب جادو آب اس کے سرہانے رکھی ہے۔ عمر نے اٹھا کر اپنی زنبیل میں رکھ لی۔ اس پلید کا تابوت زمین پر گرایا۔ تب امیر یاروں سمیت گنبد سے باہر آئے اور عمر نے تین ورق نکال کر رکھے اور باقی کتاب امیر کے حوالے کی۔ امیر نے کتاب لیکر سب جگہ کو آگ لگا دی اور سب کو اچھی طرح جلا دیا اور وہ تین ورق جو عمر نے رکھ لیئے تھے اس کا جادو اب تک دنیا میں جاری ہے جب زردشت مع کتاب جل گیا تو امیر نے خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر درگاہ ایزدی میں مناجات کی۔

۸۴
چوراسیویں داستان

جب امیر نے زردشت کو مع کتاب جلایا تو امیر نے کہا۔ کہ اب طلسمات کو دیکھنا چاہیئے۔ گاؤ لنگی نے کہا۔ کہ امیر تمام طلسمات میں اندھیرا ہے وہاں جانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ تب امیر نے طلسمات کے کنارے کھڑے رہکر دیکھا کہ وہاں کچھ اور بلائیں ہیں۔ جب رات ہوئی تو امیر نے فرمایا کہ دریا کا آخری کنارہ ہے یہاں اور بلائیں بہت ہیں پہرہ دینا چاہیئے۔ تب عمر معدی کرب نے کہا پہلا پہرہ میرا ہے۔ مالک اشتر نے کہا کہ دوسرا میرا ہے۔ لندھور نے تیسرا اختیار کیا۔ اور امیر نے کہا کہ میں آخر میں پہرہ دوں گا۔ پس پہلے پہر سے پہرہ عمر معدی کرب بیٹھے تو شکار کا گوشت بہت ملا جس میں تھوڑا دیگ میں

ڈال کر جوش دیتے تھے کہ اتنے میں ایک رانڈ بوڑھی آئی تو معدی کرب نے اسے دیکھکر کہا۔ کہ اے عورت تو کون ہے؟ اس نے کہا میں کاروان کی عورت ہوں۔ میں نہایت بیمار تھی۔ مجھے مردہ جانکر میرے خویش واقربا یہیں چھوڑ گئے مگر میری تقدیر کی یاوری سے ذراسی جان میرے جسم میں باقی تھی سو خدا نے دوبارہ زندگی بخشی۔ اب کتنے روز سے کھانا تو کیا اسکی بو بھی نہیں سونگھی اور اس وقت گوشت کی بو آنے سے میرے جسم میں کچھ توانائی پیدا ہوئی اس لئے آئی ہوں، کہ تیرے صدقہ تھوڑا گوشت ملے تو کھاؤں اور دعا کروں گی۔ غرض اس گفتار پر عمر معدی کرب کو رحم آیا پس دیگ میں ہاتھ ڈالا تو اس عورت دیو سیرت نے عمر معدی کرب کو ایسا طمانچہ مارا کہ وہ بیہوش ہوا اور تمام گوشت کھا کر غائب ہوگئی۔ جب عمر معدی ہوش میں آئے تب دیگ کو خالی پایا پھر مالک کو بیدار کیا۔ دوسرے مالک نگہبانی پر بیٹھا مگر اس کو معدی کرب نے عورت کی حقیقت نہ بتائی۔ مالک نے کہا کہ یا عمر گوشت پکا کر تمام تو ہی کھا گیا۔ میرے واسطے تھوڑا بھی نہ رکھا۔ تب عمر معدی نے کہا کہ میں بہت بھوکا تھا پکایا اور تمام کھایا۔ تو بھی پکا کر کھا۔

پس مالک بھی دیگ میں پکا کر کھا رہا تھا اور معدی کرب مثل سوئے ہوئے کے بیٹھا ہوا تھا کہ وہ بوڑھی پھر آئی اور مالک سے التجا کی اور مالک نے دیگ میں ہاتھ ڈال کر گوشت دینا چاہا۔ کہ اس حرامزادی نے مالک کو طمانچہ مار کر تمام گوشت کھا گئی۔ جب مالک ہوشیار ہوئے تو عمر معدی سے چپکے سے کہا کہ شائد تیرا بھی یہی حال ہوا ہوگا۔ اور مجھے بھی خبر نہ کی۔ کہا کہ چپ رہ لندھور بھی طمانچہ کھائے لندھور کو مالک نے اٹھایا اور آپ سوتے ہوئے کی طرح پڑے رہے۔ لندھور دیگ کو خالی کر کے تھوڑا گوشت ڈال کر پکانے لگا کہ اتنے میں وہ عورت آئی اور اپنا حال بولی۔ تب لندھور نے بھی برائے مہربانی گوشت دینے کیلئے دیگ میں ہاتھ ڈالا پس وہ بدذات اس کو طمانچہ مار کر تمام گوشت کھا گئی۔ جب لندھور ہوش میں آیا تو عمر معدی اور مالک دونوں ہنسے تب لندھور نے کہا۔ کہ اے دیرو تم پر بھی یہی حال گذرا ہوگا مگر مجھے خبر نہ کی۔ پس عمر معدی نے کہا کہ چپ رہ امیر کا بھی تماشہ دیکھیں لندھور نے کہا کہ میں تو امیر کو ضرور یہ خبر کردوں گا کہ وہ بھی کہیں دھوکا نہ کھائیں۔ مالک نے کہا اے لندھور کبھی امیر بھی دغا نہ کھائیں گے بلکہ ہمارا بدلہ بھی لیں گے۔ انکی یہ باتیں امیر لیٹے ہوئے سن رہے تھے۔ تب یہ تینوں پہلوان اٹھا کر آپ سوتوں کی مانند لیٹ رہے۔ غرض امیر بھی دیگ میں گوشت پکانے لگے کہ اتنے میں وہ رانڈ اجل رسیدہ پھر آئی اور اپنا حال بیان کیا۔ امیر نے یہ سمجھکر کہ یہاں طلسمات ہے آدمی تو رہتے ہی نہیں بلاشک یہ کوئی دغا باز ہے۔ ایک ہاتھ تلوار پر رکھکر دوسرا گوشت نکالنے

کو ڈالا اور کئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے رہے اور اس کمبخت نے دوسروں کی مانند امیر کو بھی مارنا چاہا۔ پس امیر نے اس مردار کی گردن پر ایسی تلوار ماری کہ سر تن سے جدا ہو کر دور جا گرا۔ تب امیر بھی اس کے پیچھے بھاگا۔ وہ کنوئیں میں گرا اور امیر نے وہاں کھڑے ہو کر یاروں کو بلا کر کہا کہ اس کنوئیں میں سر گرا ہے تم اس کنوئیں میں اترو۔ تب عمر ڈھال پر بیٹھ کر نیچے اترے تو کیا دیکھا کہ ایک لڑکی اس سر کو سونے کے طبق میں آگے رکھ کر ایک محراب میں بیٹھی روتی ہوئی یہ کہہ رہی ہے کہ میں نے کہا تھا کہ حمزہ کے روبرو نہ جانا۔ تو نے میرا کہنا نہ مانا۔ آخر جان سے ماری گئی۔ تب عمر نے اس لڑکی سمیت امیر کے روبرو لا رکھا۔ امیر نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے اور یہ بوڑھی کون تھی؟ اس نے کہا۔ کہ میں زردشت جادوگر کی بیٹی ہوں اور یہ میری دادی ہے۔ امیر نے فرمایا تو ہی ہے یا کوئی اور بھی ہے۔ اس نے کہا کہ میری دو بہنیں اور بھی ہیں جو لشکر طلسمات میں ہیں۔ تمہارے آنے کی خبر پا کر تم پر آئیں گی۔ تب امیر نے اس کو عمر کے حوالے کیا۔

پچاسیٖ ۸۵ ویں داستان

دوسرے روز جادوگر کا لشکر بیابان میں اترا اور اس لشکر کے سردار زردشت کی دو بیٹیاں تھیں۔ ایک کا نام گل رخ اور دوسری کا نام گل فرخ جادو تھا۔ اور ان کے جادو میں نہایت استاد ان کے ہمراہ تھی۔ امیر کی جماعت کو ڈبونے کیلئے اس دائی کو مقرر کیا۔ دائی نے بارش باران کے دو تین شیشے تیار کر کے لشکر عرب کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ امیر نے لڑکی کو بلوا کر شیریں زبان اور میٹھی باتوں سے کہا کہ یہ لشکر جو لڑنے آیا ہے کیا ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے کہا کہ تم پر ہوا کے ساتھ آ کر بارش تم کو غرق کرے گی۔ عمر نے اس کو کھانے پر بلا کر اپنے ساتھ نکاح کا لالچ دیکر نرمی سے حقیقت دریافت کی۔ مگر اس مردار نے باوجود دھمکی مارنے کے بھی کچھ نہ بتلایا۔ تب میں نے اسے سزا دی۔ اب میں جاتا ہوں اور جادوگر کی حقیقت دریافت کر کے لاتا ہوں۔ تب لشکر جادوگر کی طرف روانہ ہوا راہ میں ایک ساحرہ کو عمر نے اسے مارا اور اس کے کپڑے آپ پہنے اور اس کی شکل بن کر گل رخ کے سامنے اس کے آدمیوں میں جا کھڑا ہوا۔ ایک جادوگر نے گل رخ کے سامنے عرض کیا کہ دو روز سے وہ دائی حمزہ کے لشکر پر جادو کرنے گئی مگر ابھی تک اس کا کچھ اثر معلوم نہیں ہوا۔ تب گل رخ نے کہا۔ کہ شام کو جادو

تمام ہوگا اور عربوں پر آفت آئے گی ۔ عمر نے اسی وقت امیر کے روبرو آکر حقیقت مسیدہ عرض کی ۔ امیر نے کہا اب کیا کرنا چاہیئے ۔ عرض کی میں ان کا جادو بہیں بیکار کردوں گا ۔ یہ کہکر اس روز چپ رہا اور دوسرے روز عصر کے وقت شربت میں داروئے بیہوشی ملائی اور دائی کے پاس آکر کہا ۔ اے دائی دونوں شہزادیوں نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے ۔ اور کہا تین روز ہوئے کہ عربوں کا ملعون انیک نہیں نکلا ۔ کیا شائد تو ان کے ساتھ مل گئی ہے ۔ تب اس نے کہا ۔ کہ دیکھے شیشے اب تیار ہو چکے ہیں ۔ شام کو آفتاب غروب ہوتے ہی عربوں کا تماشہ دیکھتی ہوں ۔ عمر نے اس کو ایک پیالہ میں بیہوشی کی دوا ملی ہوئی شراب کا دیا اور وہ پیتے ہی بیہوش ہوئی ۔ پس اسی وقت اس کو مار کر وہ شیشے اٹھا کر امیر کے روبرو آئے اور شیشوں کو پُر از سحر دیکھکر کہا ۔ کہ اب جادو انہی پر پھیرتا ہوں ۔

امیر نے فرمایا کہ جلدی کر ۔ تب ان کے لشکر کے پیچھے آیا اور شیشہ ہوا میں چھوڑ دیا ۔ پس اسی وقت ساحران کا ڈیرہ تہ و بالا یعنی نیچے اوپر ہوا ۔ پھر عمر نے آگ کا شیشہ چھوڑا تو برعلامت اس کے اتنا پانی برسا کہ ڈیرے کو بہا کر لے گیا ۔ جب یہ تمام فنا ہوئے تو امیر چند روز وہاں رہے اور گاؤ لنگی کے فرزند نے استقبال کیا ۔ اور بہ انتعظیم و تکریم سے لیجا کر بارگاہ میں بٹھلایا ۔ ایک روز امیر جنگل میں شکار کو گئے کہ اتنے میں قاصد موت ہرن بن کر بدیع الزمان کے سامنے آنکلا اور بھاگا ۔ بدیع الزمان نے اس کا پیچھا کیا اور وہ ہرن ایک حوض میں جا گرا ۔ بدیع الزمان بھی حوض میں گرا اور گرتے ہی غرق ہوا ۔ جب امیر کو یہ حال معلوم ہوا تو یاروں کے ساتھ حوض پر آئے اور بہت ڈھونڈا مگر کہیں پتہ نہ پایا ۔ تب ناامید ہوکر شہر میں آئے اور یاروں سے فرمایا کہ ہم میں سے ایک کو گم ہونا تھا سو گم ہوا ۔ اب ستر تن باقی ہیں ۔ تب یاروں نے رو کر کہا ۔ کہ یا امیر خدا کو یہی منظور تھا ۔ تب امیر خدا کی رضا پر راضی ہوکر صبر میں رہے اور دل بارگاہ ۱۵ ابرس کی میں مشغول ہوا ۔

چھیاسیویں داستان

جب امیر حمزہ [illegible] غم سے فارغ ہوئے تو گاؤ لنگی نے کہا کہ یا امیر آپ نے فرمایا تھا کہ تم کو مکہ معظمہ میں لیجا کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قدمبوسی سے مشرف کرونگا

سو اب اپنا اقرار پورا کریں۔ امیر نے فرمایا بسم اللہ چلو۔ تب نیک ساعت میں امیر اپنے
یاروں سمیت گاؤ لنگی کو ہمراہ لیکر مکۂ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے اور قضا و قدر میں پہنچے اور
پسران سرسال نے آکر استقبال کیا اور امیر کو شہر میں لیگئے۔ چونکہ سرسال فوت ہو چکا تھا۔ اس
کے بعد فرزندان سرسال کو صبر کا درس فرمایا۔ کہ سرسال خدا کی رحمت سے ملا۔ چلا۔ یہ فرمان دیکر وہاں
سے کوچ کیا۔ القصہ منزلیں طے کر کے کتنے دنوں کے بعد مکہ میں پہنچے اور جناب رسالتماب محمد صلے
اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ کہ امیر آتے ہیں تب مع اپنے اصحابوں کے استقبال کو آئے۔ جب امیر نے حضرت
کا جمال مبارک دیکھا تو خوش ہوئے۔ حضرت نے امیر کو گلے لگایا اور تمام اصحابوں سے ملایا۔ امیر
نے اپنے والدین اور بزرجمہر کی حقیقت سنی اور نوشیرواں بے ایمان کا بھی تمام ماجرا سن لیا۔
اس کے بعد رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دین کی دعوت دی۔ تب امیر نے نقارے خوشی کے
بجوائے۔ باقی داستان فردا شب)

۸۷

ستاسیویں داستان

روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجد میں تشریف
فرما تھے۔ کہ ایک اعرابی نے عرض کیا۔ کہ اے رسول خدا کافر جمع ہو گئے ہیں اور قصد ہمارا کیا ہے۔
یہ سن کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے امیر حمزہ کو اپنے اصحاب اور امیر کے یار ہمراہ دیکر روانہ کیا اور
کافروں نے فوجیں آراستہ کیں اور ایک کافر میدان میں آیا اور اس طرف سے گاؤ لنگی امیر کے
حکم سے گیا۔ کافر نے مارنا چاہا تب گاؤ لنگی نے اسے اٹھا کر ایسا مارا کہ مغز اس کا کان سے باہر
نکل گیا اور مردار ہوا۔ غرض اسی طرح کافروں کو بے شمار گاؤ لنگی نے مردار کیا۔ اس کے بعد پوری
ہندی میدان میں آیا تو گاؤ لنگی نے اس کو بھی اٹھا کر مارنا چاہا۔ کہ اتنے میں اس موذی نے ایسا نیزہ
مارا کہ گاؤ لنگی کی انتڑیاں گھوڑے پر پڑیں اور گرتا گاؤ لنگی شہید ہوا۔ تب امیر حمزہ غصہ سے اشقر کو
دوڑا کر میدان میں آئے۔ تو اس نے پوچھا تو کون ہے۔ امیر نے فرمایا کہ میں حمزہ بن عبد المطلب
ہوں۔ پوری ہندی نے کہا کہ حمزہ یا حمزہ کی طرف تم ہو لیتے تو کہاں؟ اور حمزہ کہاں؟ تب
امیر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ [illegible] یا فتح سے [illegible] ہے۔
یہ سن کر پوری ہندی نے امیر پر نیزہ چلایا اور حمزہ نے پکڑ کر چھین لیا اور وہی نیزہ

اس کے سینے پر ایسا مارا کر سینہ سے گذر کر پیٹھ سے جا نکلا ۔ تب اشتر کو دوڑا کر اس کے لشکر میں پڑے اور نعرہ بلا ۔

جب کافروں نے امیر حمزہ کا سُنا تب سچ جانا کہ حقیقت میں حمزہ یہی ہے ۔ پھر تو تمام کافر بھاگنے لگے اور امیر نے ان کا پیچھا کیا اور حضرت نے بھی لشکر کو فرمایا کہ کافروں کا پیچھا کرو ۔ تب اصحابوں نے چار کوس تک اُن کا پیچھا کیا اور کافروں کو مار کر فتح و نصرت سے واپس آئے اور شہر میں داخل ہوئے ۔

اٹھاسیؔ ویں داستان

ہندہ عورت کے ہاتھ سے امیر حمزہ کا شہید ہونا اور جناب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پر ستر مرتبہ نماز ادا کرنا

جب امیر نے پور ہندی کو قتل کیا تو ہو مان ہندپوری نے لشکر روم و شام و ایران و توران و بلخ و بخارا و حبش و زنگبار سب جمع کر کے اور اپنے ہمراہ مدائن اور ہرمز بن نوشیرواں سے کہا کہ اے بادشاہ حمزہ باختر میں جا کر گم ہوا تھا مگر اب ستر تن لیکر آیا ہے اور میرے فرزند کو مارا ہے تو میرے فرزند کا انصاف اس سے لے ۔

تب ہرمز نے کہا بہتر ۔ یہ کہکر مع لشکر سوار ہوا اور تمام لشکر سمیت آ اترا ۔ حضرت کو یہ خبر ہوئی کہ اب تمام لشکر جمع ہو کر آئے ہیں ۔ امیر نے کہا کہ کیا غم ہے اس لشکر کو میں اکیلا ہی کافی ہوں اور کلمہ انشاء اللہ تعالیٰ کا کہنا بھول گئے ۔ پس خداوند غیور کو یہ تکبر کی بات ناگوار گذری اسی سبب سے خدا کی خفگی ان پر نازل ہوئی ۔

غرض امیر اور علی اور کئی اصحاب مع لشکر باہر آئے اور کافروں سے لڑائی
طلب کی تب ہرمز نے کہا۔ کہ اسنے اگر تم ایک ایک لڑو گے تو برابر نہ آؤ گے۔ تم تمام
یکبارگی حملہ کرو۔

تب ہرمز کے حکم کے بموجب سارے لشکر نے یکبارگی گھوڑے اٹھائے اور
امیر اور علی مع یاران و اصحابان تلواریں نکال کر کافروں پر پڑے اور امیر کا لشکر کافروں کے
مقابلہ میں ایسا تھا جیسا آٹے میں نمک۔ باوجود اس کے بیشمار کافروں کو جہنم میں پہنچایا اور اس
جنگ میں لندھور، سعد بن عمر و عمر معدی کرب اور دوسرے یاروں نے شہادت پائی۔
اور حضرت کے ٹخنے میں بھی تیر لگے اور امیر گھوڑا اٹھا کر ہرمز کے نزدیک پہنچے تو وہ لشکر چھوڑ کر بھاگ
گیا اور کافر بھی بھاگ گئے اور امیر نے ان کا پیچھا کیا اور چار کوس تک مار کر مردوں کافروں کے
ڈھیر کئے اور فتح و نصرت سے گھوڑے کی باگ پھیری۔

ایک عورت جس کا نام ہندہ تھا امیر کو جاتے دیکھکر ایک بڑے پتھر کی آڑ میں چھپ
رہی۔ امیر جونہی اس پتھر کے برابر آئے اس ملعونہ نے ایک تلوار ایسی ماری کہ اشقر کے چاروں
قلم کئے۔ امیر زمین پر گرے اور اٹھنے کا ارادہ کیا۔ تب اس مردار نے اجل کے زور سے ایسی
تلوار ماری کہ آفتاب عرب غروب ہوا۔ یعنی امیر شہید ہوئے۔ پھر امیر کا شکم چاک چاک کیا
اور کلیجہ نکال کر کھا گئی۔

اس کے بعد حضرت کے حضور میں آئی اور امیر کی شہادت کی خبر دیکر بولی۔ کہ میں
نے شہید کیا ہے۔

یہ سن حضرت نے فرمایا کہ۔ میرا اوکا پیکر کہاں ہے کہ مجھے دکھا۔ تب ہندہ نے لیجا کر امیر
کی جائے شہادت حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دکھائی اور حضرت نے امیر کے ٹکڑے
جمع کرنے کو کہا اور لاش پر ستر مرتبہ نماز جنازہ پڑھی اور پاؤں کے انگوٹھے پر کھڑے ہوکر نماز ادا کی۔
دوسری روایت میں یہ ہے۔ کہ ہر ایک ٹکڑے پر ایک بار نماز جنازہ ادا کی۔ تیسری روایت
یہ ہے کہ پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مع ملائک آئے اور کہا یارسول اللہ ہم نے امیر کے جنازے کا
ثواب نہیں پایا۔

تب حضرت نے امامت کی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مع ملائک اقتدا کیا۔ اسی
طرح ملائک مقرب بارگاہ کبریائی نے آکر نماز کے واسطے عرض کی اور حضرت نے امامت کی

پھر لاش کو دفن کیا۔ اصحابوں نے پوچھا۔ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیا سبب ہے کہ آپ نے انگوٹھوں پر کھڑے رہ کر نماز جنازہ پڑھی ہے!

فرمایا کہ فرشتوں کے ہجوم سے جگہ باقی نہ رہی تھی۔ جب امیر کے دفن سے فارغ ہوئے تو ہندہ حضرت کے حضور میں آئی تو حضرت نے اس سے منہ پھیر لیا۔ اتنے میں وحی نازل ہوا اور کہا۔ کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم جانتے ہو کہ امیر مر گیا ایک مرتبہ آسمان کو دیکھو۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اوپر نگاہ کی تو دیکھا کہ حمزہ بہشت میں تخت پر بیٹھے ہیں۔ تب ہندہ عورت نے معافی مانگی۔

کتنے دنوں کے بعد اسماپری اور قریشیہ سلطان کو امیر کی شہادت کی خبر ہوئی تو نوے ہزار پریوں سمیت مکہ معظمہ کے گرد اتریں۔ اور رسالت مآب کی خدمت میں قریشیہ آئی اور عرض کی کہ جس نے میرے باپ کو مارا ہے اسے میرے حوالے کر دیں نہیں تو میں نہ جاؤں گی۔

کہتے ہیں حضرت صبح کو مکہ معظمہ سے باہر تشریف لائے اور پریوں کو پیغام دیا۔ کہ ایمان لانے کا تم پر حکم ہے۔ تب تمام پریاں ایمان لائیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے قریشیہ تیرا باپ اگر ایسی خرابی سے مارا جاتا تو اس درجہ اعلیٰ کو نہ پہنچتا اور اس کو سردار شہیدان کا خطاب نہ ملتا۔

تب قریشیہ نے عرض کی۔ کہ یا حضرت میرا باپ مجھے دکھاؤ۔ پس حضرت نے فرمایا کہ اوپر دیکھ تب قریشیہ نے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزے سے امیر حمزہ کو تخت پر جنت میں دیکھا اور بہت خوش ہوئی اور خدا تعالےٰ کا شکر ادا کیا۔ اور حضرت رسالت مآب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمبوس ہو کر اپنے مقام کو واپس گئی۔ بارے خدایا ہم کو بھی ان حضرت کے طفیل اور تصدق اور برکات سے مرتبہ شہادت عطا فرمائیے۔ اور خاتمہ بالخیر و رسلامتی اپنے فضل سے ہم سب کو روزی فرمائیے۔ آمین یا رب العالمین داستان امیر حمزہ تمام شد۔

تمام شد

گرگ اینڈ کو پبلیشرز کھاری باؤلی، دھلی